کائناتِ نجم

جلد
دوم

شاعرِ اہلبیتؑ

علامہ نجم آفندی

(حیات، شخصیت، فن، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مجموعۂ کلام)

تحقیق و تدوین اور تنقید

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

Kaenat-E-Najam

VoL-II

Shair-e-Ehlebait

Allama Najam Afandi

by

Dr. Syed Taghi Abedi

SHAHID PUBLICATIONS
2253 DARYA GANJ NEW DELHI-110002

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

کتاب : **دربارِ رسالتؐ**

تحقیق وتدوین اور تنقید : **ڈاکٹر سیّد تقی عابدی**

سنہ اشاعت : 2006ء

تعداد : 1000

کمپوزنگ : افراح کمپیوٹر سنٹر نئی دہلی ۔25

ایڈیشن : اوّل

باہتمام : **ڈاکٹر شاہد حسین**، نئی دہلی

یہ کتاب

مرتب محقق وناقد ڈاکٹر **سیّد تقی عابدی** (کنیڈا)

اور ناشر **ڈاکٹر شاہد حسین**، شاہد پبلی کیشنز، 2253 دریا گنج

نئی دہلی۔ 2 کی اجازت سے شائع کی گئی

فہرست

جلد دوم

باب اوّل

صفحہ نمبر

1. نجم کے سلاموں کی آفاقی قدریں — ڈاکٹر سیّد تقی عابدی — 953
2. منتخب اشعار سلام — (220) عدد — 973
3. سلام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) — (107) عدد — 989

باب دوم

1. فتح مبین کا اجمالی خاکہ — ڈاکٹر مقام حسین جعفری — 1089
2. فتح مبین (مرثیہ) — ع: جب لے لیا حسینؑ نے میدان کربلا (64) بند — 1101
3. مقدمہ مرثیہ معراج فکر — پروفیسر سیّد احتشام حسین — 1125
4. معراج فکر (مرثیہ) — ع: صورت گرِ جلالتِ اسلام ہے حسینؑ (73) بند — 1133
5. مرثیہ غیر مطبوعہ — ع: دنیا کی ہر روش کا ہے انجام انقلاب (72) بند — 1161

باب سوم

صفحہ نمبر

.1	انقلابی نوحوں کا پروردگار	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی	1193
.2	نجم کے نوحوں کا تجزیہ	پروین شاکر	1202
.3	نجم آفندی کے نوحے	پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی	1211
.4	جدید نوحہ کا موجد	جناب افضال حسین نقوی	1218
.5	منتخب اشعار	(133) عدد	1227
.6	نوحے (مطبوعہ وغیر مطبوعہ)	(144) عدد	1239

باب چہارم

.1	تاثرات زیارات (زیارتی سفر)	نجم آفندی	1427
.1	عرض داشت	(9) شعر	1433
.2	بصرہ سے نجف تک	(15) شعر	1434
.3	در نجف پر	(11) شعر	1435
.4	خلوص فکر	(19) شعر	1436
.5	حضوری میں	(11) شعر	1438
.6	بارگاہ کج کلاہ قمر بنی ہاشم میں	(11) شعر	1439
.7	بارگاہ نیرین	(6) شعر	1440
.8	جلوہ گاہ سامرہ	(5) شعر	1441
.9	سرداب میں ایک سجدۂ فکریہ	(9) شعر	1442
.10	متفرق قطعات (15) عدد	(30) شعر	1443

باب پنجم

1. تجمل آفندی کا ہندی کلام	(18) عدد	1449
1. کربل نگری	(145) اشعار	1451
2. اسلام پوتھی	(158) اشعار	1456
3. جگت گرو	(9) اشعار	1463
4. کھیون ہارا	(12) اشعار	1464
5. دکھ کا ساگر	(11) اشعار	1465
6. پریم پنتھی	(11) اشعار	1466
7. دھرم پربت	(14) اشعار	1467
8. حسینی سیوا	(11) اشعار	1468
9. پریم کہانی	11 اشعار	1469
10. ست کی سیوا	(16) اشعار	1470
11. ست جگ کا ستارہ	(26) اشعار	1471
12. درشن کا اجالا	(12) اشعار	1473
13. قیدی کا راگ	(6) اشعار	1474
14. کوچ کا ڈنکا باجت ہے	(7) اشعار	1475
15. آؤ سہیلی جیل چلیں	(8) اشعار	1476
16. پنتھ نارا کے دن	(7) اشعار	1477
17. حسینی درشن	(12) اشعار	1478
18. پردیسی	(12) اشعار	1479

باب ششم

صفحہ

1. سرمایہ داری کے خلاف پہلی آواز — ڈاکٹر سیّد تقی عابدی — 1481
2. منتخب اشعار — 1493
2. متفرق نظمیں اور غزلیں (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) (83) عدد — 1497

بابِ ہفتم

1. نثری شہ پارے — نجم آفندی — 1583
   1. لغات المذہب (لغت) — 1585
   2. حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ (تحقیقی تحریر) — 1637
   3. شہیدوں کی باتیں (اقوال اور مکالمے) — 1649
   4. ترقی کی برکتیں (اقتباسات) — 1685
   5. نفس اللہ (زندگی نامہ، علی ابی ابن طالبؑ) — 1697
   6. چور ماموں (افسانہ) — 1717
   7. بندۂ خدا (مذہبی ناول) (اقتباس) — 1739

کتابیات — 1741

رَو میں ہے رخشِ عمر

نام : سیّد تقی حسن عابدی

ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سیّد سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کنیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کنیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (1982ء) جوشِ مودّت۔ گلشن رویا۔ اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاءؔ۔ رموزِ شاعری۔ اظہارِ حق۔ مجتہد نظم مرزا دبیرؔ۔ طالع مہر۔ سلکِ سلام دبیرؔ۔ تجزیہ یادگار انیسؔ۔ ابواب المصائب۔ ذکر دُر باران۔ عروسِ سخن۔ مصحفِ فارسی دبیرؔ۔ مثنویاتِ دبیرؔ۔ کائنات نجم۔
زیر تالیف	:	تجزیہ شکوہ جوابِ شکوہ۔ رباعیات دبیرؔ۔ فانی شناسیؔ۔ مصحفِ تاریخ گوئی۔ روپؔ کنوار کماری۔ تعشق لکھنوی۔

تعداد کل کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

علامہ نجم آفندی

تعداد اشعار	تعداد	صنفِ سخن	نمبر شمار
1932	195	غزلیں	.1
1190	595	رباعیات	.2
1113	485	قطعات	.3
304	16	نعت	.4
2365	75	قصاید	.5
1363	106	سلام	.6
627	3 (209 بند)	مراثی	.7
2237	144	نوحے	.8
127	10	تاثیر زیارات	.9
1036	83	متفرقات	.10
458	18	ہندی کلام	.11

کل اشعار = (12752)

باب اوّل

سلام

1. تجم کے سلاموں کی آفاقی قدریں — ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
2. منتخب اشعار — (220) عدد
3. سلام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) — (107) عدد
4. کل تعداد اشعار — (1375)

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

نجم کے سلاموں میں آفاقی قدریں

اردو ادب میں سلام گوئی کی روایت تقریباً چار سو سال سے جاری ہے۔ سلام کی صنف ان اصناف شعر میں ہے، جو اردو ادب میں پھولی پھلی اور مشہور ہوئی۔ عربی زبان میں ایک جداگانہ صنف کے اعتبار سے سلام کا وجود نہیں ملتا، لیکن فارسی ادب میں کچھ اشعار بشکل سلام نظر آتے ہیں، جو ترکیب بند اور ترجیع بند میں کہے گئے ہیں۔ ہماری رثائی شاعری، جو سوز، سلام، مرثیہ اور نوحے جیسی اصناف پر مشتمل ہے، اس میں سلام کا تصور قرآن مجید میں سورہ الاحزاب کی آیت سے ماخوذ کیا گیا ہے، جس میں ارشادِ خداوندی ہے کہ اے ایمان والو! جس طرح خدا اور اس کے فرشتے، پیغمبرؐ اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجتے رہو۔ اردو ادب نے سلام بر خواص کی روایت کو ایسا اپنایا کہ اردو شاعری میں سلاموں کا ایک ضخیم ذخیرہ جمع ہو گیا، لیکن دوسرے رثائی اور مذہبی ادب کے ساتھ ساتھ کئی صدیوں تک یہ ذخیرہ بھی طاق نسیاں کی زینت بنا رہا اور اس کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ عربی اور فارسی کی طرح اردو ادب میں بھی عروضی ہیئتی تقسیم سے ہی مختلف اصناف بنائی گئی ہیں۔ جیسے غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مستزاد، ترکیب، بند، ترجیع بند وغیرہ۔ رثائی اور مذہبی ادب جس میں مرثیہ، سلام، نعت، منقبت، ہجو وغیرہ شامل ہیں، اس کو موضوعاتی تقسیم قرار دیا گیا ہے۔ یعنی بحیثیت صنف، سلام اردو میں ایک موضوعی صنف سخن قرار پاتا ہے۔ امداد امام اثرؔ نے ''کاشف الحقائق'' میں لکھا ہے کہ عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام شے واحد ہے، مگر ان کے مضامین اور تقاضے ایک دوسرے سے علاحدہ انداز رکھتے ہیں۔ ان کے مختلف اشعار میں مختلف خیالات و مضامین نظم ہوتے ہیں اور ایک شعر کا دوسرے شعر سے معنوی اعتبار سے مربوط ہونا ضروری نہیں۔

جناب امداد اثرؔ نے یہ بھی بتلایا کہ سلام عروضی ترکیب رکھتے ہوئے بھی غزل سے علاحدہ ہوتا ہے چونکہ اس میں واردات قلبیہ و معاملات ذہنیہ پر رثائی رنگ غالب رہتا ہے اور سلام میں واقعہ کربلا، رحلت رسول اکرم ﷺ اور ذکر مصائب فاطمہؓ و ائمہ کا بیان ہوتا ہے۔ اگرچہ سلام کی تاریخ اور اس کے ارتقائی سفر پر کوئی خاص تحقیقی کام ابھی تک انجام نہ ہوسکا، لیکن سلام کے ابتدائی نمونے جو ہمیں دستیاب ہوئے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ اردو سلام گوئی کا آغاز سرزمین دکن سے سولھویں صدی میں ہوا۔ قلیؔ قطب شاہ، معانیؔ، علی عادل شاہ ملا وجہیؔ، ملا غواصیؔ، عبدلؔ بیجا پوری، رستمی بیجاپوری، ملک الشعرا ملا نصرتیؔ بیجاپوری، سید باقیؔ، امامیؔ دکنی، دردیؔ، درگاہ قلیؔ اور سید ولیؔ محمد دکنی کا چیدہ چیدہ کلام، جو ہماری دسترس میں ہے، اس میں سلاموں کی کثیر تعداد شامل ہے۔

ان شعراء میں درگاہ قلیؔ کو خاص شہرت حاصل ہے جو سلام بشکل مربع لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس دور میں سلام کی ہیئت کا تعین نہیں تھا، چنانچہ بیشتر سلام مثلث، مخمس، مسدس، ترکیب بند اور ترجیع بند وغیرہ ہیئتوں میں لکھے ملتے ہیں، لیکن ان سلاموں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے مطلع اور ردیف میں لفظ سلام، سلام علیک، علیک السلام مجرئی، فاتحہ وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے جو صنفِ سلام کو دیگر رثائی اصناف سے جدا کرتا ہے۔

معروف شاعر ولیؔ دکنی جس کو محمد حسین آزادؔ نے شاعری کے باوا آدم کا لقب دیا ہے اور شمالی ہند کی شاعری جن کی مرہون منت ہے اور انھی کی دلی کی آمد و رفت نے دلی والوں کو صنف سلام کی طرف متوجہ کیا تھا جس کے نتیجے میں شمالی ہند کے مشہور رثائی شعرا مسکینؔ، ہدایتؔ، افسردہؔ، میاں سکندرؔ، شاکر ناجیؔ کے علاوہ ان کے بعد آنے والے مشہور شعراء ضاحکؔ، سوداؔ، میر تقی میرؔ، مصحفیؔ وغیرہ نے بھی سلام کی صنف کے دامن کو عشق آل محمد ﷺ سے سرشار کردیا۔ میرؔ، سوداؔ، اور ضاحکؔ کے دور تک سلام کی ہیئت بشکل منفرد یا غزل تقریباً منظم ہوچکی تھی اور قدما کی تقلید کو برقرار رکھتے ہوئے صرف مطلع میں ایک بار لفظ سلام یا مجرئی وغیرہ کا استعمال لازم سمجھا جاتا۔ سلام کے ارتقاء کا دوسرا دور دلی میں شاہ ظفرؔ، ظہیرؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، سالکؔ، عارفؔ، باقر شہید اور لکھنؤ میں ضمیرؔ، خلیقؔ، فصیحؔ، دلگیرؔ، اور ناسخؔ کا تھا۔ اس دور میں تقریباً ہر بڑے شاعر نے سلام کہے اور ان سلاموں میں تغزل کا رنگ اور منقبت کی چھاپ بھی نظر آنے لگی جو عقیدت، محبت اور

تصوف کی بلندیوں سے حاصل ہوئی ۔ سلام گوئی کا تیسرا اور سنہرا دور مرثیے کے سنہرے دور سے ملا ہوا ہے ۔ یہ دور میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا عہد شاعری تھا، جس میں سلام صرف واقعات کربلا پر محور کرتا ہے ۔ اس دور میں سلام صرف غزل کی ہیئت پر لکھے گئے اور کچھ عرصے بعد مطلع میں لفظ سلام، سلامی، مجرئی، مجرا، سلام علیک جیسے الفاظ کی ضرورت ہی باقی نہ رہی ۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ، کے بعد ان کے شاگردوں جن میں عارفؔ، نفیسؔ، اوجؔ، وحیدؔ، منیرؔ، نظیرؔ، عروجؔ اور بیسویں صدی کے ابھرتے شاعروں نے سلام کے دامن کو تغزل اور منقبت کے رنگ سے گہرا تو کیا اور سلام میں عقیدتی اشعار کے ساتھ سماجی ، اخلاقی، اور انقلابی اشعار بھی داخل کیے لیکن انیسؔ اور دبیرؔ کی بنائی ہوئی حصار سے باہر نکل نہ سکے ۔ امیرؔ مینائی ، اسیرؔ اور نواب داغؔ نے سلام کو مسدس کی شکل میں کہنے کی کامیاب کوششیں کیں، لیکن اس کی تقلید نہ ہوسکی ۔ دور جدید کے شعرا جن میں جوشؔ ملیح آبادی، آلؔ رضا، نجمؔ آفندی، ماہرؔ القادری، احسانؔ دانش، جمیلؔ مظہری وغیرہ نے ادب برائے زندگی کو اپناتے ہوئے سلام کو اپنی عقیدت اور انقلابی پیام کا وسیلہ بنانے کی کوشش کی اور یہ کوشش آج بھی جاری ہے ۔ بقول محمد علی جوہر:

انساں کو بیدار تو ہولینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

سلام نگاری کی روایت، تاریخ، ہیئت کے مختصر جائزے کے بعد ہمیں اس اہم صنف سخن کی اقدار پر بھی مختصر سی روشنی اس لئے ڈالنی ہے کہ نجمؔ آفندی کی سلام نگاری انہی آئینوں میں جلوہ افروز ہوگی ۔ جہاں تک سلام، ایک مستقل صنف سخن کا تعلق ہے، تقریباً تمام علمائے ادب اور خصوصی طور پر علمائے رثائی ادب نے اس کی تردید اس لئے نہیں کی کہ اس کے وجود میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہ تھی اور سلام پر جیسا کہ ہم آئندہ صفحات پر بیان کریں گے، خاطر خواہ، بلکہ ابتدائی کام بھی نہیں ہوا تھا ۔

ڈاکٹر سید عباس رضا نے ڈاکٹر شاربؔ ردولوی کے بیان ''سلام کا ارتقا مرثیے کی ایک ضمنی صنف سے ہوا اور چونکہ اس کا مقصد سوز یا مرثیہ خوانی سے پہلے پیش خوانی کا تھا، اس لئے وہ علاحدہ ایک صنف کی حیثیت سے ادب میں کوئی نمایاں مقام نہیں بنا سکا'' کی تردید کرتے

ہوئے لکھا کہ صنف سلام نے اردو شاعری کے اولین دور میں ہی اپنی حیثیت منوالی تھی، اسی باعث ابتدائی شعرا نے اس صنف کو اپنے افکار ونظریات سے مالا مال کر دیا تھا۔

راقم کی نظر میں یہ درست ہے کہ سلام کی ابتدا مرثیہ کی ضمنی صنف کی حیثیت سے ہوئی، لیکن اب سلام اپنی آپ شناخت بنا چکا ہے اور اردو کی کئی دوسری اصناف سے زیادہ معتبر، ممتاز، مقبول اور مشہور ہے۔ غزل کی ہیئت سے ہمکنار ہوتے ہوئے بھی، اپنی خاص پہچان رکھتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے پاکیزہ موضوعات، جو مرثیہ میں تسلسل کی وجہ سے کثیر تعداد میں بیان نہیں کئے جاتے، وہ سلام میں ہر شعر میں بیان ہوتے ہیں، اسی لئے سلام کے موضوعات کا احاطہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس میں اگرچہ عموماً اخلاقیات کے آبدار اشعار، جو عجز و انکساری، توکّل و قناعت، سخاوت ومہمانداری، شجاعت وامانت داری کے علاوہ حسنِ عمل کی تاکید وتعریف میں ملتے ہیں، لیکن غزل کی طرح اس میں مذہب، عشق، فلسفہ، منطق، حیات اور ممات کے مسائل کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساسات کی فراوانی نظر آتی ہے۔ مقطع میں شاعر داخلی قلبی واردات، اعتقادی تفکرات اور خارجی روداد کو بھی شامل کر دیتا ہے۔ موجودہ دور میں مرثیہ کا انحطاط سلام کے ارتقا سے رثائی ادب کو میزان کر رہا ہے۔ عمدہ اور عالی اقدار اور محاسن سے لبریز سلام لکھے جا رہے ہیں اور اس موقع اور مقام پر سلام سے شناختی کارڈ کا مطالبہ کسی ملک میں اس کے حکمران عالی پریسیڈنٹ سے ایئر پورٹ پر پاسپورٹ پوچھنے کے مماثل ہوگا۔ ہم سلام کی اس گفتگو کو سلام کر کے جم کے عالی سلاموں کی تخلیق نگاری کو سلام کرتے ہیں اور غالبؔ کے لہجہ میں سلام گویوں کو ع:
''تم سلامت رہو ہزار برس'' سلامتی کی دعا کرتے ہوئے سلام کے دروازے کو کھولتے ہیں۔

کوئی پندرہ سولہ سال پرانی بات ہے، میرے غریب خانہ واقع نیویارک میں رثائی ادب پر گفتگو کے درمیان ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں سلام کی صنف پر تحقیقی کام کروں، کیوں کہ اردو ادب میں اس پر تقریباً کام مفقود ہے جبکہ اس پر غضب کا مواد موجود ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے دو تین جملوں کا اثر مجھ پر شدید اور پُر کار ثابت ہوا اور میں نے اس صنف کے مسائل کی کھوج میں کئی اہلِ ادب سے گفتگو کی اور رثائی ادب کے سلاموں کے مجموعوں کو کھنگالا تو معلوم ہوا کہ جناب علی جواد زیدی کا سلام کے ارتقاء پر مضمون سب سے مستند

مضمون ہے جس کے اشارات انھوں نے انیسؔ کے سلاموں کے مجموعہ میں بھی منتقل کیے ہیں اور اسی مضمون کے چربے مختلف سلاموں کی کتابوں اور مرثیوں کی بیاض میں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور عمدہ مضمون سلام کی تاریخ اور فنی حیثیت پر جناب سعادت رضوی کا ہے جو شہید یار جنگ کے سلاموں کے مجموعہ میں دیباچہ کی صورت میں شائع ہوا ہے۔ ان دو عمدہ مضامین کے علاوہ کوئی اور تحریر میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ پروفیسر گیان چند جو آج کل کیلیفورنیا امریکہ میں مقیم ہیں اور علیل و فریش ہیں، مجھے تقریباً دس سال قبل بتایا کہ 1950ء اور 1955ء کے درمیان شمالی ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے طالب علم نے سلام پر ایک دو سو ڈھائی سو صفات پر مشتمل مقالہ لکھا تھا، جو ان کی نظر سے گزرا لیکن کبھی شائع نہ ہوا، مزید اطلاعات نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس مقالے کا پتہ لگانا ممکن نہ تھا۔ بہر حال گذشتہ سال میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میں نے ڈاکٹر سید عباس رضا استاد شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور کا ضخیم تحقیقی مقالہ، جو اردو پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے ڈاکٹر سہیل احمد خاں ڈین آف آرٹس گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کی نگرانی میں بعنوان ''اردو سلام نگاری کا تاریخی اور فکری جائزہ'' 2004ء میں مسودہ کی شکل میں دیکھا۔ یہ مقالہ جو بڑے سائز کے 400 صفحات پر مشتمل ہے، آج تک کی مطبوعہ تحریروں سے ہر لحاظ سے قابل قدر اور مستند ہے۔ اس میں پانچ ابواب میں سلام کے فنی مباحث، ہیئت خصوصیات، تاریخی اور فکری مطالعات، پاکستان کے قیام سے قبل اور بعد کے سلام پر اثرات کا مجموعی جائزہ شامل ہے۔ جہاں تک نجم آفندی کے سلاموں کا تعلق ہے، اس مقالے میں ان کے شایان شان مطالب شاید اس لئے نہیں جمع ہو سکے کہ نجم کا کلام آسانی سے دستیاب نہ تھا۔ اب جبکہ کائنات نجم منظر عام پر آچکی ہے، اس مقالے میں یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔ بہر حال سلام نگاری پر ڈاکٹر سید عباس رضا، نجم فکر و فن پر ڈاکٹر نواز حسن زیدی، نجم کی شخصیت پر ڈاکٹر ریاض فاطمہ اور انجم پر جناب باقر زیدی ہمارے خلوص و محبت کے مستحق اور حق دار ہیں۔

مشہور تاریخی واقعہ ہے جب مہاتما گاندھی سے کسی مغربی خبر نگار نے اہنسا (Nonvcilence) کے بارے میں پوچھا تھا کہ یہ کہاں سے سیکھا تو گاندھی جی نے جواب دیا، اہنسا اور حق پر جان دینا نواسۂ رسول حسینؑ سے سیکھا۔ بس معلوم ہوا کہ پیام حسینؑ صرف

مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے ہے۔ تجم نے شعور حریت کا سلاموں کے ذریعہ سبق دیا ہے۔

اگر انساں کو عرفانِ غم شبیرؑ ہوجائے شعورِ حریت دنیا میں عالم گیر ہوجائے

جو حریت کی راہ بتاکر گئے حسینؑ راہیں نکل رہی ہیں اُسی شاہراہ سے

کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل جذباتِ حریت کا جو پروردگار ہو

یہ حریتِ فکر یہ بیداریٔ اقوام اک کوششِ تقلید حسینؑ ابن علیؑ ہے

میدان کربلا کو اپنا لہو پلاکر دنیا میں حریت کا مرکز بنا رہے ہیں

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں

چاند نے زہراؑ کے مستقبل کو درخشاں کر دیا قومیت کی روح آزادی کو جولاں کردیا

جہاں تک پیغام حسینیؑ کی تبلیغ اور تشہیر کا تعلق ہے، تجم کی شاعری ادب برائے ہدف بن جاتی ہے لیکن اس شاعری میں واعظانہ لہجہ نہیں، نصیحت اور پند نہیں، بلکہ جمالیاتی حس کے ساتھ ساتھ جذبات اور احساسات کو مہمیز کرنے کی محاکاتی دھیمی روش ہے، جو احساسات کے باریک تار کے ذریعہ قلب میں اتر جاتی ہے اور پھر ذہن روشن ہوجاتا ہے۔ سلام میں اس طرح کے مضامین اس انداز میں تجم سے پہلے اس شدت سے نظم نہیں ہوئے، اگر چہ تجم کے بعد دبستانِ تجم کے دانش آموزان کے نقوش پر نقش جماتے رہے۔ اگر اردو شاعری میں ان انسانی اقدار کی ترتیب اور نشو ونما شدید ملتی ہے تو وہ علامہ اقبالؔ کا کلام ہے۔ علامہ نے اگر چہ کوئی سلام نہیں لکھا، لیکن دیگر اصناف میں انہی مطالب کو استعارہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ تجم آفندی، نہ غمِ دوراں کے مارے

ہوئے تھے اور نہ غمِ جاناں کے شہید، بلکہ دولتِ غمِ حسینؑ سے سرشار تھے اور اس لذتِ غم سے دوسروں کو آشنا کرتے رہے۔ اسی غم کو تمام مشکلات اور زندگی کے مکافات کا حل جانا۔ یہ غم ایک طرف عدل و مساوات، حریت وعدالت، عزم و استقلال، حق گوئی، اخلاق و کردار سازی وغیرہ کی نشوونما کرتا ہے، تو دوسری طرف عبدیت کے رشتوں کو گہرا اور رنگین بناتا ہے۔ اس کٹھن مضمون میں آبدار اشعار کی چمک دیکھئے جس سے روح کے گوشے روشن ہوتے ہیں۔

نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی   یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی   غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بنانے کی

یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی   آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے

غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پر اثر انداز   خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں

تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے   صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے

پھر جائیں دن جو ذوقِ عمل بھی نصیب ہو   اب تک غمِ حسینؑ بحد خیال ہے

سب سے عظیم حُسنِ عمل ہے غمِ حسینؑ   کتنی مخالفت ہو، اٹل ہے غمِ حسینؑ

اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو نصیب   ہر عقدۂ حیات کا حل ہے غمِ حسینؑ

نجم غمِ حسینؑ سے عزتِ نفس کی بالیدگی چاہتے ہیں، وہ غمِ حسینؑ سے حُسنِ عمل کی کارکردگی کے مشتاق ہیں۔ وہ غمِ حسینؑ کے متعلقات یعنی مجلس، منبر، ماتم، جلوس وغیرہ میں نمایش کے عوض قلبی واردات کے منتظر ہیں اور یہاں ان کا لہجہ کھرا اور صاف ہے کیوں کہ یہ ایک ماموریت ہے

جو شاعر اہلِ بیتؑ نے اپنے سر لی ہے۔

کیا مالکِ اشتر نے جھنجھوڑی ہیں صفیں   ہر جنگ میں صاف کر کے چھوڑی ہیں صفیں
تیرے لیے ہے نفس کا میدان جہاد   کچھ تو نے برائیوں کی توڑی ہیں صفیں

خبر بھی ہے تجھے ہمنامِ عباسؑ   کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق   کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے

حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل   ل کے ان اجزا سے بنتی ہے تولاّے حسینؑ

اب ہم میں نہیں جذبۂ انصارِ حسینؑ   اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی

اقوالِ حسینیؑ ہیں عمل غیر حسینی   یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے

کیا یہ ہے زندگی کا نصب العین   یہ ہے تقلیدِ سیّدِ کونین

دل دکھاتے رہو غریبوں کا   اور کہتے رہو حسینؑ حسینؑ

اللہ وہی قوم ہو سب سے پیچھے   جس قوم میں ہو معرکۂ کرب و بلا

مولاؑ کا ہر اک معرکۂ علم و عمل   سنتے رہے ہم درود پڑھنے کے لئے

کیا صرف کتابوں کے الٹتا ہے ورق   دنیا کا ورق بھی یا علیؑ کہہ کے الٹ

عالم ہے تو قرآن پہ عامل بھی ہو   خاکِ درِ اہل بیتؑ منزل بھی ہو

نجمؔ آفندی اپنے کلام، خصوصی طور پر اپنے سلام میں قومی افراتفری، بے حسی، بے عملی اور اقدارِ عالیہ کی کمی کو ظاہر کرتے ہوئے اخوت، حُسنِ عمل، محنت اور محبت کی دعوت اس طرح دیتے ہیں کہ سننے والے کو پند و نصیحت معلوم نہ ہوتا اور اس طرح قومی تعمیر خود بہ خود داخلی انقلاب کی طرح قوم کے دل میں پیدا ہو جاتی۔ ان کا انداز جمالیات، جذبات اور احساسات سے لبریز تھا۔ اسی لیے تو کہا تھا:

شعر و سخن میں نجمؔ یہ ہیں بے نیازیاں   بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لئے ہوئے

نجمؔ مجلسِ حسینؑ سے انسانیت سازی کا کام لینا چاہتے تھے۔

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے   دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے   محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

یہ مجلس نہیں پیمان ہیں اطاعت کے   یہ ہم حسینؑ سے قول و قرار کرتے ہیں

سینہ پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے   انسانیت حسینؑ کے اُسوہ کا نام ہے

عزمِ خالص چاہیے حُر کے ارادے کی قسم   بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

دو گام چلے تو کوئی عباسؑ کے مانند   کاندھے پہ بھری مشک ہے اور تشنہ لبی ہے

روزِ عاشور امام حسینؑ نے ایک عصرِ نو کی تعمیر کی ہے۔ یہ مطلب نجمؔ کے سلاموں میں مختلف انداز اور مختلف معانی میں نظر آتا ہے۔

پڑھ کر نمازِ عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ   اک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے

خونِ شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے   ایسی محکم نظر آئے گی نہ تعمیر کوئی

قربان ایسی موت کے جو خود ہو زندگی   پیمانۂ حیات ہے پیمانِ کربلا

شیرِ سیاست کا وہ تایدِ اعظم ہے   قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

کیا خون سے رونق ہے انصارِ حسینؑ میں   رخسارِ شہادت پر اک تل نظر آتا ہے

اے کربلا کے خالق عزم و عمل نے تیرے   کتنا بڑھا دیا ہے معیار آدمی کا

یہاں تحفظِ انسانیت کا ہے یہ سوال   زبانِ سبطِ نبی پر سوال آب نہیں

تجمؔ آفندی کے کلام میں برادری، اخوت، مساوات کا درس ملتا ہے۔ وہ برادری، برابری، محبت اور اخوت صرف ملّت اسلامیہ کے فرقوں کے درمیان ہی نہیں، بلکہ دنیا کی اقوام کے مابین دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا ہیرو اگر چہ اسلامی اقدار کا نمائندہ ہے۔لیکن وہ انسانیت کا پیامبر ہے۔ وہ آدمی گر ہے اس خلقِ عظیم کا پیکر ہے۔

سرکارِ دوجہاں کی محبت کے نام پر   آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے

نام کس کا اتحادِ ملّت اسلام ہے   ہم سے پوچھو وہ حسینؑ ابن علیؑ کا نام ہے

اسلام پیامِ امن ہے یاد رہے   سنّی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو

ضرورت ہے محبت کی سبق نفرت کا پڑھتی ہے   کہیں دنیا میں کوئی قوم یوں پروان چڑھتی ہے

یہ مصرف علم کا ہے اور یہ عالم نوجوانوں کا   تعصب بڑھ رہا ہے جس قدر تعلیم بڑھتی ہے

وہ فرض پنجگانہ ہو یا ہو صلوٰۃِ عید ملتی ہے ہر نماز سے تعلیم اتحاد

ایک اور ایک دو بھی ہوتے ہیں ایک اور ایک مل کے گیارہ بھی

جن کو قدرت نے دی ہے عقلِ سلیم ان کو کافی ہے اک اشارہ بھی

ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی، نجم آفندی۔ فکر وفن، مطبوعہ لاہور 2000ء کے صفحہ 274 پر لکھتے ہیں:

میر مونس اور مابعد کے سلام نگاروں نے اپنے سلاموں میں اپنے عہد کے شعرا پر بھی چوٹیں کیں اور غیر شیعہ مسلمانوں کی بھی ہجو کی مثلاً:

بھلا تڑ دبے جا سے اس میں کیا حاصل اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو (مونس)

غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہوکر مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہوکر (انیس)

نجم کے ہاں اس حوالے سے متشددانہ انداز پایا جاتا ہے۔ نجم آفندی کے اس رویے کے پس منظر میں اس ماحول کی تلخی بھی ہے اور نجم آفندی کی اپنی مخصوص طبیعت بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز امپیریل ازم سے نفرت کے باعث انھوں نے ہر اس شخص کی مخالفت کرنا اپنا فریضہ بنالیا تھا جو یا تو خود تخت وتاج وطبل وعلم کا وارث تھا یا کسی حوالے سے شہنشاہیت کو پسند کرتا تھا۔ نجم آفندی نے اہل بیتؑ کی قربانی کو شہنشاہیت کے خلاف ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے نزدیک اہل بیتؑ سے عقیدت جزوِ ایمانی ہے لیکن اس عقیدت کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے سلاموں میں ایسے ہی افراد کو اپنی طنز کا نشانہ بنایا ہے جو اس عقیدت کے تقاضوں سے بے بہرہ ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار درج ہیں:

جو بعنوانِ تجارت ہو محبت کیسی کتنے مجلس میں بھی جنت کے خریدار آئے

چھوڑ کر عترت کا داماں کیا مسلماں لے گئے روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظ قرآں لے گئے

روؤ کثرت سے ہنسو کم، حکمِ قرآنی یہ ہے   آپ قرآں در بغل اور دور ہیں قرآن سے

قرآن جس میں اُترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں   تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآن کے لئے

دعویٰ ہے دوستی کا غلط اہلِ بیتؑ سے   دشمن کا اہلِ بیتؑ کے دشمن اگر نہیں

ہم نے لفظ بہ لفظ اقتباس ڈاکٹر زیدی کا اوپر اس لئے دیا ہے کہ تجّم پر انصاف ہو سکے۔ کیوں کہ اوپر دیے گئے مطالب کے جواب میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ہمیں صرف ایک ہی صفحہ میں معروضات پیش کرنا ہیں۔ اس لئے نقروں، تشفی بخش اشاروں، مستند حوالوں اور منطقی سوالوں سے جواب مناسب ہوگا۔

1. میر مونس کا پورا کلام مطبوعہ چھ جلدوں میں راقم کے پاس نول کشور کے پہلے ایڈیشن 1896ء موجود ہے۔ میری نظر سے سلام کا کوئی شعر جو غیر شیعہ مسلمان کی ہجو میں ہو، نہیں گزرا۔
2. جن دو شعروں سے مونس اور انیس کے مثال دی گئی ہے، اس میں اولاً ہجو کا پہلو نہیں، بلکہ شاعرانہ چشمک ہے۔ ثانیاً یہ سلام جس میں رعایا سے لے کر بادشاہ واجد علی شاہ اختر نے بھی شعر کہے تھے، انیسیوں اور دبیریوں کے درمیان ایک ادبی معرکہ آرائی تھی اور اس میں شیعہ سنّی جھگڑا نہ تھا۔ طرفین ایک ہی عقیدے کے افراد تھے۔ اس سلام پر کامل روداد رثائی ادب کے رسالے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی دیکھی جا سکتی ہے۔
3. میر مونس اور مابعد کے سلام نگاروں ...... یہ اعتراض خود قابل اعتراض ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سے شعرا ہیں جنھوں نے سلام جو سلامتی، دعا، اور اقدار اسلامیہ کی پاک ترین صنف ہے، اس میں ایسے اشعار لکھے ہوں۔ راقم، سلام نگاری کا طالب علم ہے اور اس طرح کے سلاموں سے بے خبر ہے۔ بہر حال اولاً اگر بالفرض کسی منچلے نے ایسا قدم کیا ہو تو وہ نظم، سلام نہیں کہلاتی۔ سلام میں دل آرائی، قلب سازی اور سلامتی کا درس ہے۔ دل آزار نظموں کو سلام کہنا ناانصافی ہے۔ بہر حال گفتگو تو جب ہوگی جب ثبوت کے طور پر

سلام نگار شعرا کے شعر پیش ہوں۔

4. ''نجم کے ہاں اس حوالے سے متشددانہ انداز پایا جاتا ہے۔'' یہ جملہ اُس حوالے سے کہ شعرا نے غیر شیعہ مسلمانوں کی بھی ہجو کی۔ نجم پر سراسر الزام ہے۔ راقم، دنیائے اردو ادب کا وہ واحد شخص ہے جس نے پہلی بار ان کے تمام تر کلام، جس میں 12752 اشعار شامل ہیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر کائنات نجم میں جمع کیے مجھے ایک بھی شعر غیر شیعہ مسلمان کی ہجو میں نہیں ملا جو پانچ اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش ہوئے اس میں تین شعر قرآن اورعترت، ایک شعر دشمنِ اہلِ بیتؑ سے برأت اور ایک شعر مجلس میں شرکت کرنے والوں سے منسوب ہے۔

5. مجلس کے شرکا تقریباً تمام تر شیعہ لوگ ہوتے ہیں اور پورے شعر کا رجحان، جس میں اہل بیتؑ سے محبت کا دعویٰ اور مجلس کو تجارت کا ذریعہ بنانا، صریحاً غیر شیعہ مسلمان سے خطاب نہیں۔ اگر کائنات نجم کا مطالعہ ہو تو صدہا اشعار نجم کے محبّان اہل بیتؑ اور خطیبوں کے رجحانِ عزاداری کے خلاف ملیں گے۔ نجم شاعر اہل بیتؑ تھے ان کی نظر میں مسلمانوں کے صرف دو گروہ ایک محبّ اہل بیتؑ اور دوسرے دشمن اہل بیتؑ تھے چنانچہ شیعہ سنّی وہابی دیوبندی وغیرہ کی تفریق نہیں۔ وہ اپنے کلام اور سلام میں موذبانہ اور طنزیہ اسی فرقہ کے افراد کو موردِ سوال قرار دیتے تھے جو ان ہی کے مسلک سے تھے۔

6. جہاں تک قرآن اور عترت کا سوال ہے۔ نجم تمام بلادِ اسلامیہ کی مانی گئی معتبر حدیث ''ثقلین'' کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے مسلمانو! میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ایک کلام اللہ اور دوسرے میری عترت۔ تم ان دونوں سے متمسک رہو، کیوں کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں گے۔ چنانچہ نجم نے جو اس حدیث کو نظم کر کے اس کے ساتھ رہنے کی ہدایت کو ظاہر کیا اور اس سے دوری پر طنز کیا، وہ بالکل صحیح ہے۔ اگر اس کو دل آزاری اور ہجو تسلیم کیا جائے تو حضورؐ سب سے پہلے اس کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔ بہر حال نجم حق گو تھے، حق پرست تھے، وہ حق کی بات جو قرآن اور حدیث میں ہو، اسے

کہنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

7. اگر قرآن میں آیا ہے کہ روؤ کثرت سے اور ہنسو کم، تو جو لوگ رونے پر اعتراض کرتے ہیں تو قرآن سے اس کا مدلل جواب ہجو نہیں کہلاتا۔ نجم نے تو اس انداز سے نہیں کہا جیسا ایک ہندو شاعر ماتھر لکھنوی نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا تھا؟

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر　　　اور سبطِ پیمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہے تو محشر میں یہ پیغمبرؐ سے کہنا　　　ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

8. حق اور باطل دونوں کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ آیت قرآنی ہے حق آیا اور باطل چلا گیا۔

ع: دیو چوں بیرون رود، فرشتہ در آید'' اہلبیتؑ کے دوست ہو کر ان کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتے۔ یہ شعر کسی خاص فرقہ پر نہیں۔ اس سے سخت شعر تو شورش کاشمیری نے کہے تھے:

جن ظالموں نے ظلم کیا اہلِ بیتؑ پر　　　قہرِ خدا سے ان کو بچایا نہ جائے گا
سن لیں مری طرف سے یزیدانِ عصرِ نو　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

9. یہ بھی شاید صحیح نہ ہو کہ نجم، اہل بیتؑ کی محبت کو شاہی کے خلاف سمجھتے تھے۔ خود نجم نے بیس بائیس سال دربار میں گزارے۔ دربار دُربار، صدق جائسی کی کتاب میں نجم کی خودداریاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اپنی متفرق نظموں میں واجد علی شاہ اختر پر عمدہ نظم لکھی۔ انھیں شاہی اور حکمرانی سے بیر نہ تھا، اگر وہ عدالت اور مساوات کے ساتھ رعایا کے حق کی پامالی نہ کرے، لیکن وہ اپنی روش اور خودداری کو بدلنا پسند نہیں کرتے تھے۔

یہ خیالِ خام ہے کس کم نظر کج فہم کا
مسندِ شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

کیونکہ

پرسشِ احوال پر جز شکر کچھ کہتے نہیں
بوریے پر بھی مزاجِ اہلِ دل شاہانہ ہے

اسلامی تاریخ گواہ ہے جمہوریت اسلامی ممالک میں صدیوں سے مفقود ہے۔ لیکن اسلامی

اقدار جو جمہوری ہیں، وہ ہمیشہ کم مگر باقی رہے، اسی لئے نجم اور دوسرے رثائی ادب کے شعرا نے ان اقدار کا ذکر خیر کیا ہے۔ انگریز امپیریل ازم کے باعث انھوں نے ہر اُس شخص کی مخالفت کو اپنا فریضہ بنالیا اور اہل بیتؑ کی قربانی کو شہنشاہیت کے خلاف ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا، ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اقتدار کے لوگ امرایت اور سرمایہ دار اور مولوی نما ساہوکار اپنی ذاتی منفعت کے لئے اگر ان کے مخالف تھے، تو اس سے ان کے مشن پر کوئی اثر نہ پڑسکا۔

نجم کیا روکے گی یہ دنیا مجھے
میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

10. آخر میں ہم یہی کہنا پسند کریں گے جو خود ڈاکٹر نواز حسن زیدی نے اسی کتاب کے صفحہ 184 پر کہا ہے۔

''نجم آفندی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کسی رباعی میں بھی ایسی بات نہیں کہی جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ ان کے نزدیک عقیدت کا معیار یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مسلمہ معیارات کو سامنے رکھ کر حضورﷺ کی مدح کی جائے اور صحیح روایات کو بنیاد بنایا جائے، نہ کہ محض عقیدت اور جذبات میں حضورؐ سے ایسی باتیں منسوب کی جائیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے بارے میں ان کی رباعیات کسی نہ کسی آیت قرآنی کی وضاحت کررہی ہیں۔''

راقم یہاں ان جملوں کو آگے بڑھا کر یہ کہنا چاہتا ہے کہ نجم کے سلام، بلکہ تمام کلام میں بھی وہی احتیاط کو پیش نظر رکھا گیا۔ بہر حال یہ بھی محمدؐ کی آل ہے۔ یہ آل محمدؐ ہیں اور اہلِ بیتؑ اطہار کے شاعر نجم ہے:

موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہلِ بیتؑ کہلاتا ہے

نجم آفندی علامہ اقبال کی فکر سے بہت متاثر تھے۔ وہ قنوطی اور منجمد صوفیانہ روش کے خلاف تھے۔ وہ اقبالؔ کی طرح رسمِ شبیری کے ادا کرنے پر زور دیتے تھے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

یہاں نجم کا لہجہ بے باک ہے۔ رسالت کا منصب نبھانا ہے کیونکہ ایسی شاعری جزو پیغمبری ہے۔

اے نجم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ   کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

نجم اسوۂ شبیرؑ کو انسان کی حالی اقدار کو جگانے اور سنوارنے کے لیے لازم و مفید جانتے ہیں۔ چند اشعار سلام سے اسوۂ انصار اور اسوۂ شبیرؑ پر دیکھیے:

چند لفظوں میں یہ ہے اُسوۂ انصارِ حسینؑ   وسعتِ فکر و نظر حوصلۂ عزم و عمل

بیٹھ کر مجلس میں روئے اُٹھ کے ماتم بھی کیا   اسوۂ انصار کی تقلید سے کیا کام ہے

یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے   روحِ احساس و عمل اسوۂ شبیرؑ میں ہے

ملی نہ اسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک   یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا

ذہن میں اسوۂ شبیرؑ کا معیار آئے   ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے

اُسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر   اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر

عربی، فارسی اور اردو شاعری میں کسی کا خطاب بجز نجم آفندی، شاعرِ اہل بیتؑ، نہ ہوا۔ یہ خطاب نجم آفندی کے نام کی دستار بن گیا۔ قرآن اور اہل بیتؑ کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور رہے گا۔ حدیث ثقلین کی رو سے قرآن ساعت اور قرآن ناطق (اہل بیتؑ) کو کوئی جدا نہیں کرسکتا۔ رثائی ادب اور نعت گویوں نے اس مضمون پر عمدہ اشعار لکھے لیکن اس موضوع پر نجم فلک سخن پر نجم نہیں بلکہ خورشید درخشاں ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم صرف چند شعروں پر اکتفا کریں گے۔

یہ شانِ ولا اے دلِ ناکام نہیں اب تک بھی اخوت کی روش عام نہیں
عترت سے محبت کا ہے دعویٰ لیکن آپس میں محبت کا کہیں نام نہیں

بندے جنھیں کلام ہے عترت کے باب میں اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں

کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے

دامنِ آلِ نبیؑ ہاتھ سے چھوٹے کیوں کر اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی

چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے روحِ قرآں چھوڑ دی، الفاظِ قرآں لے گئے

قرآن جس میں اُترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآن کے لئے

ڈاکٹر شارب ردولوی ''تنقیدی مطالعے'' میں لکھتے ہیں۔ ''سلام کے کہے جانے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں شعری نشستوں اور مشاعروں کا انعقاد عام تھا اور روز ہی اس طرح کی محفلیں کہیں نہ کہیں ہوتی رہتی تھیں، لیکن ایّامِ عزا کے احترام میں عشقیہ شاعری یا غزلوں وغیرہ کا کہنا یا سنانا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس زمانے میں غزل کے بدل کے طور پر سلام کہے جاتے تھے اور مشاعرے کے بجائے مسالمے کی محفلیں ہوتی تھیں، اس طرح ایک طرف شعر گوئی کے جذبہ کی تسکین ہو جاتی تھی اور دوسری طرف ایامِ عزا کے احترام اور ثواب کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔'' یعنی بالفاظ دیگر سلام مذہبی غزل کی شکل میں نمودار ہوا، اس لیے اس میں تغزل کی چاشنی ہے۔ امداد امام اثر نے بھی کہا تھا کہ اگر سلام کے بعض اشعار غزل میں داخل کر دیے جائیں تو غزل کے اشعار سے انھیں جدا کرنا آسان نہیں۔ جو فطری شاعر ہوگا اس میں شعریت ہوگی جس کو مختلف صنفوں میں مختلف ناموں سے بیان کر سکتے ہیں۔ چونکہ سلام اور غزل کی ہیئت ایک ہی قسم کی ہے اور بعض اوقات ہر شعر علاحدہ مضمون یا غزل مسلسل کی طرح ایک ہی مضمون کا

تسلسل ہے، شعرا نے اپنے تغزل کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ مرزا عشق اور میر مونس کے سلاموں سے کون واقف نہیں۔ میر انیس کے 113 سلام، مرزا دبیر کے 134 سلام، مبکی سلام نہیں، بلکہ تغزل کے حالی نمونے ہیں۔

شبیہ امامِ زماں کھینچتے ہیں تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں
(انیس)

خاکساروں کا ہر اک دھبہ سے دامن پاک ہے گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی
(دبیر)

ان اشعار کے ہر لفظ سے تغزل ٹپک رہا ہے۔

نجم آفندی کے جملہ سلام (107) ہیں۔ ہر سلام کا ایک عنوان ہے۔ سلاموں میں کم سے کم (6) اور زیادہ سے زیادہ (26) اشعار ہیں۔ سلاموں کے کل اشعار کی تعداد (1375) ہے۔ سلاموں کے مطلعوں اور مقطعوں میں غضب کی شعریت اور جدت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل میں جب اوج، عروج، رشید، سلاموں میں نیا رنگ بھر رہے تھے کہیں بہاریہ مضامین اور ساقی ناموں کو داخل کیا جا رہا تھا، لیکن مجری، مجرا، سلام، سلامی، سلام علیک، جیسے الفاظ کو ترک کرنے کی ہدایت مل رہی تھی۔ اسی زمانے میں نوجوان نجم سن رہا تھا۔ چنانچہ ایسے سلام رثائی ادب میں نجم کے کلام سے داخل ہوئے اور پھر دبستان نجم کے نقیب بن کر کہیں شہید یار جنگ کے سلاموں کے مجموعوں پر اثر انداز ہوئے اور پھر آج جہاں کہیں بھی سلام کہے جا رہے ہیں وہ دبستانِ نجم ہی کی دین ہیں۔ مضمون کی طوالت کو دیکھتے ہوئے اس گفتگو کے آخر میں سلاموں کے کچھ اشعار مشتے نمونہ از خروارے درج ہیں۔

یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں یہ دادِ وفا ہے جو دی جا رہی ہے

قتلِ اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرۂ تکبیر کے

خلق عظیم سے اُسے نسبت ہو کس طرح جو قوم چھ مہینے کے بچّے کو مار دے

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں   دھبہ نہیں آ سکتا تطہیر کی چادر میں

مولاؑ کے غلاموں میں جبریلؑ ہیں میں بھی ہوں   بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں

ضرورت ہے مصلّے کی فضا میں قوتِ دل کی   مسلماں یا علیؑ کہہ نعرۂ تکبیر سے پہلے

ہم اہلِ بیتؑ کے ہیں ایسے ماننے والے   کہ جن میں میثمِ تمار سا دلاور ہے

قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار   مجھے یقیں ہے یہی عزمِ ہر سخن ور ہے

شرف پایا اُسی نے دفن کرنے کا پیمبرؐ کے   جو واقف تھا مقامِ امتزاجِ روح و پیکر سے
ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے   نبیؐ لائے تھے اپنا جانشیں اللہ کے گھر سے

قرآن میں خدا نے مودّت کہا جسے   یہ بھی حسینیتؑ کا حقیقت میں نام ہے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا   کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابنِ علیؑ کے نام کا

ہر بندۂ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو   ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے

کتنی مہنگی ملے دریغ نہ کر   پھر بھی عزّت کی موت سستی ہے

ہشیار تو لیتے نہیں قرآں سے سبق   بے ہوش کو قرآں کی ہوا دیتے ہیں

جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے بے ماتمِ حسین سحر ہے نہ شام ہے

یہ مسلکِ حسین علیہ السلام ہے اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ

مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب میرے لئے آرام کہاں

ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں علیؑ کا نام ہی کافی ہے سُن رکھے دنیا

تجمل کے سلاموں کا تنقیدی جائزہ ابھی پوری طرح سے نہ ہوسکا۔

اور اگر ہوجائے تو بقول تجمل:

بہت پیام ملیں گے مرے سلام میں تجمل
نگاہِ غور سے نقاد نے اگر دیکھا

O

ڈاکٹر مقام حسین جعفری

فتحِ مبین کا اجمالی خاکہ

تجمؔ آفندی کے مرثیے کی زبان سلیس اور سادہ ہے۔ انداز بیان میں تاثیر ہے جو تجمؔ کے خلوص کی آئینہ دار ہے لیکن ان کی مقبولیت اور شہرتِ دوام کے ضامن اُن کے نوحے اور ماتم ہیں جو''اشارات غم''، ''آیات غم'' اور ''تصورات غم'' میں شامل ہیں۔ جن کی نمایاں خصوصیات درد و غم، سوز و گداز، تبلیغی عنصر، پیام امن و آشتی، واقعہ نگاری، جذبات نگاری، مرقع کشی، خلوص و نغمگی، ہندی الفاظ کا برمحل استعمال اور محاسنِ زبان ہیں۔ ''آیات ماتم'' میں دو مسدس خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ''تیرہ سو برس بعد'' اور ''رخصتی سلام'' مسدس کے ضمن میں تجمؔ کے دو مرثیوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

''فتح مبین'' اور ''معراج فکر'' دونوں مرثیے تجمؔ کے شاہ کار مانے جاتے ہیں لیکن ان کی تکنیک قدیم[1] مرثیوں کی تکنیک سے مختلف ہے۔ اس لیے یہ جدید مرثیوں کی زد میں آتے ہیں۔ بیسویں صدی میں برصغیر ہند میں بہت سی سیاسی، معاشی اور اقتصادی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں جن سے اردو ادب اور شاعری کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ شاعری سوسائٹی کی تابع ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ صنفِ شاعری میں بھی تبدیلیاں رونما ہوں تاکہ وہ وقت کے اہم تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکے۔

جدید مرثیہ کی ابتداء: میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، نفیسؔ، انسؔ، مونسؔ، فارغؔ، وحیدؔ، عروجؔ، رشیدؔ، تعشقؔ، عارفؔ، فائقؔ، اوجؔ، اور دیگر مرثیہ گو شعراء کے بعد قدیم مرثیہ کی تکنیک میں اضافے کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرثیہ کا عہد زریں اختتام پذیر ہوگیا لیکن نجمؔ

---

[1] چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین، اور بعد میں ساقی نامہ کا اضافہ ہوا

حسینؑ کو ہر حالت میں زندہ رہنا ہے اس لیے مرثیہ میں نئے فکری رجحانات کی تلاش ہوئی۔''

1927ء سے قبل جناب جوشؔ ملیح آبادی نے ''ذاکر سے خطاب'' اور ''سوگوارانِ حسینؑ سے خطاب'' لکھ کر نئے طرز کی مرثیہ نگاری کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ 1939 میں لکھنؤ میں ''ایجی ٹیشن'' ہوا۔ اس کے پیشِ نظر مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنے بلکہ جھنجھوڑنے کی ضرورت پیش آئی اور ''بین المسلمین'' اتحاد کی بھی۔

شاعر، سوسائٹی کا نباض ہوتا ہے وہ بگڑتے ہوئے حالات کا جائزہ لے کر معاشرہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایسی ہی کوششوں کے نتیجے میں 1939ء میں جناب سید آل رضا نے جدید طرز کا پہلا مرثیہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا۔ ''شہادت سے پہلے'' اور مطلع حسب ذیل ہے:

''کلمہ حق کی ہے تحریر دلِ فطرت پر''

یہ مرثیہ لکھنؤ میں پڑھا گیا ہے جسے حاضرین نے بہت پسند کیا۔ اس مرثیے میں سید صاحب نے اپنی جدت طبع اور اختراع کا ثبوت دیا۔ فکر و نظر کے مختلف نظریے پیش کیے۔ مرثیے کی اخلاقی اقدار کو اجاگر کیا۔ یہ مرثیہ ''سنگ میل'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

1940ء میں جناب جوشؔ نے ''حسین اور انقلاب'' کے عنوان سے ایک مسدس لکھا جس نے سامعین اور قارئین کو بہت متاثر کیا۔

1941ء میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں سیزدہ صد سالہ یادگارِ حسینؑ منائی گئی۔ جلسوں میں مسلمانوں کے اتحاد اور رسول اکرمؐ کے نواسے امام حسینؑ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی گئی۔

1944ء میں سید آل رضا صاحب کے جدید طرز کے دونوں مرثیے شائع ہوئے۔ ''شہادت سے پہلے'' اور ''شہادت کے بعد'' (جس کا مطلع تھا ''قافلہ آلِ محمدؐ کا سوئے شام چلا۔'' ان مرثیوں میں امامؑ عالی مقام کے ''پیام'' اور ان کی سیرت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جناب آل رضا کے ہم عصر جناب جمیلؔ مظہری، جناب نسیمؔ امروہوی، زائرؔ سیتاپوری مرحوم اور دوسرے مرثیہ گو شعراء نے بھی جدید طرز کے مرثیے کہے۔

حضرت نجم آفندی کے نوحوں میں تبلیغی رنگ پایا جاتا تھا۔ انھوں نے ''حسینی مشن'' کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور 1943ء میں نئے طرز کا مرثیہ کہا ''فتح مبین[1]'' اس کے پیش لفظ میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

''میں نے بھی اس صنف میں قلم اٹھایا ہے۔ ایک مرثیہ پیش کر رہا ہوں جس میں اس بلند آہنگی شوکتِ الفاظ اور اظہارِ حقیقت کے ساتھ واقعہ کربلا جس کا مستحق ہے۔ مرثیت کے عنصر میں بھی کمی نہیں آنے پائی ہے۔''[2]

اس مرثیہ کا اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے کہ اس کی افادیت کا علم ہو سکے

<u>پہلا بند</u>

جب لے لیا حسین نے میدانِ کربلا　　بدلا لہو سے رنگِ بیابانِ کربلا
تھا وقتِ عصر اور ہی عنوانِ کربلا　　سوتا تھا فرشِ خاک پہ مہمانِ کربلا
بے سر تھا قتل گاہ میں لاشہ پڑا ہوا
بالیں پہ فتحِ حق کا تھا جھنڈا گڑا ہوا

پہلے ہی بند سے واقعہ نگاری کی ابتداء ہوتی ہے۔ امام حسین نے جامِ شہادت نوش فرمایا بظاہر یہ ان کی شکست تھی لیکن دراصل یہ تو حق کی فتح تھی۔ ''لے لیا'' نے اسی مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ امام حسین کا سرِ اقدس نوک نیزہ پر فتح کا اعلان ہو رہا تھا۔ باطل کی شکست ہوئی اور یزید کا نام شاملِ دشنام ہو گیا۔

اس دن سے آج تک یہ حکومت کا زور ہے
ہر سمت یا حسین[3] کا دنیا میں شور ہے

تیسرا بند ملاحظہ فرمایئے:

وہ حریت کو فخر وہ انسانیت کو ناز　　وہ رو بہ قبلہ دین پیمبر کا چارہ ساز

---

[1] نجم آفندی فتح مبین مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ تعداد بند 64 بار اول 1943ء

[2] // // حوالہ بالا ص2

[3] انسان کو بیدار تو ہو لینے دو　　ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین　　(جوش)

مقتل کی سرزمین کو وہ مولد سے امتیاز   چھائی ہوئی حسینؑ کی وہ آخری نماز

معراج آدمی کے قرار و شکیب کی

ہمدوشِ کہکشاں وہ بلندی نشیب کی

امام عالی مقام کے کارناموں پر انسانیت بجا طور پر فخر سے سربلند کرسکتی ہے۔ دینِ حق کی خاطر امام نے سر دے کر اسلام کا بھرم رکھ لیا۔ لفظ چارہ ساز اس کی غمازی کر رہا ہے کہ یزید مذہب اسلام کو مٹانے کے در پے تھا۔ امام حسینؑ کا آخری سجدہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سجدے پر کون و مکان نثار، اسی سجدے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلام بچ گیا۔ امام مظلوم نشیب میں تھے۔ خنجر اور گلو کا مرحلہ تھا۔ نشیب سے تکبیر کی صدا آتے آتے بند ہوگئی۔ وہ سرزمین اس درجہ سرفراز ہوئی کہ اس کا فرق افتخار آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔

پانچواں بند:

وہ شاندار موت وہ بنیادِ انقلاب   بیعت کا وہ سوال وہ دنداں شکن جواب

مجبوری حیات سے کونین کو حجاب   نیزہ پہ سرِ حسینؑ کا مغرب[1] میں آفتاب

صدقے ضیائے مہر و قمر آن بان پر

تارے درود پڑھتے ہوئے آسمان پر

رسول اکرم ﷺ کے نواسے امام حسینؑ نے جس طرح موت کا خیر مقدم کیا۔ دین حق کی خاطر ایک دن میں بہتر گلے کٹوائے۔ خالق کی راہ میں اپنا گھر بار لٹا دیا۔ اس کی مثال عالم کے کارخانے میں نہیں مل سکتی۔ اس قربانی کی وجہ سے سارے عالم میں امام علیہ السلام کی دھوم مچ گئی اور ان کی موت، حیاتِ جاوداں بن گئی۔ ایسی موت کو شاندار کہنا نہایت موزوں ہے۔ امام عالی مقام نے باطل کے سامنے سر نہ جھکایا۔ بیعت یزید سے انکار کر دیا۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید

نتیجہ یہ ہوا کہ

زندہ حق از قوتِ شبیری است

باطل آخر داغِ حسرت میری است

---

[1] سر اس طرف حسینؑ کا نیزے پہ جلوہ گر   مغرب میں آفتاب ادھر ڈوبتا ہوا (نجم)

امام مظلوم کے قتل کے بعد اس غضب کی آندھی اٹھی کہ الامان، سورج کو گہن لگ گیا۔ وہ اس خونیں منظر کی تاب نہ لاسکا کہ راکبِ دوشِ رسول کا سر، نیزے پر ہو۔

''تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو''

اس بند کا انداز بیان کس قدر دل کش ہے۔ بیت بار بار پڑھیے۔ آئینہ جمالِ رسالت، صابر و شاکر حسینؑ کس شام سے بغل گیر ہوا۔ اس آن بان پر چاند اور سورج کی چمک دمک صدقے۔ تارے آسمان پر درود پڑھیں تو تعجب کیسا۔

بعد قتل حسینؑ حشر کے آثار نمایاں ہوگئے لیکن

حدِ ادب پر صبح قیامت رُکی ہوئی
قدموں پہ عرش و فرش کی گردن جھکی ہوئی

آسمان سے صدا آئی تھی کہ یہ روز حشر ہے لیکن حکم خالق نہیں ہے اس لیے سوا نیزے پہ آفتاب نہیں آیا۔ ''حد ادب'' کا ٹکڑا معنویت سے بھرپور ہے۔

یہ مضمون جدید طرز کے مرثیوں کی خصوصیات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ صرف چند اشارے کیے جاسکتے ہیں۔ جدید طرز کے مرثیوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انسان کو اخلاق حسنہ سکھائے۔ کائنات عالم کے لیے کربلا ایک ایسی درس گاہ ہے جس کا پیام ہر قوم کے لیے ہے اور ہر دور کے لیے ہے۔ سنیے:

نظمِ جہاں بدلنے کا عنوان مرحبا ؛ اسلام کی نجات کا سامان مرحبا
انساں صداقتوں کا نگہبان مرحبا ؛ بندہ خدا کی راہ میں بے جان مرحبا
اپنے اصول چھوڑ گیا غور کے لیے
اس کا پیام ایک ہے ہر دور کے لیے

پیام شبیریؑ حقیقت ابدی ہے کہ ''ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔'' امام عالی مقام کے بہتر مجاہدین بھی اس پر عمل پیرا تھے۔

مذہب اسلام نے مساوات کا درس دیا، اس کا عملی ثبوت معرکہ کربلا میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

بند۔ ۱:

عالم میں بے مثال ہے یہ کربلا کی جنگ   یکساں وغا کی بندہ و آقا کو تھی اُمنگ
کچھ سن کا امتیاز نہ تفریقِ نسل و رنگ   حق کی صلائے عام تھی میدان تھا نہ تنگ

ہر باوفا حسینؑ کے قدموں میں سوگیا
آقا کا خوں غلام کا خوں ایک ہوگیا

شہدا میں اٹھارہ بنی ہاشم تھے۔ باقی امام عالی مقام کے اصحاب و انصار جن میں حضرت جون بھی شامل تھے۔ ہم آہنگی کی وہم رنگی مثال ملاحظہ فرمایئے۔ جس طرح علیؑ اکبر کی میّت میدان سے اٹھا کر لائے، اُسی طرح حضرت جون کی بھی۔ اللہ رے جوش وولولۂ جنگ۔

اس معرکہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ذرا ذرا سے بچے بھی سپاہی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ایک بے شیر بے زبان مجاہد نے[۱] **ھل من ناصر ینصرنا ھل من مغیث یغثنا** کی صدا سن کر اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیا۔ جب امام عالی مقام خیمے میں تشریف لائے تو حضرت علی اصغرؑ ہمک کر ان کی گود میں چلے گئے۔ اتمامِ حجت کے لیے امام حسینؑ اس ننھے مجاہد کو میدانِ کارزار میں لے گئے۔ حضرت علی اصغرؑ نے سوکھی زبان ہونٹوں پر پھیری۔ **اقطع کلام الحسین**[۲] کا حکم ملتے ہی حرملہ نے تیر پھینکا جس سے حضرت علی اصغرؑ کا ننھا سا گلا چھد گیا۔ باپ کی گود میں منکا ڈھلک گیا:

جانِ رباب و جانِ پدر جانِ کربلا
چھ ماہ کا وہ فاتحِ[۳] میدانِ کربلا

بند ۱۶ سے بند ۱۸ تک اسی بے زبان شہادت کا ذکر ہے۔ ''جس کا جھولا خالی ہے'' اس میں بلا شک وشبہ کی کیا گنجائش کہ:

---

[۱] امام حسینؑ کی آواز استغاثہ کائنات میں گونج گئی۔ ہے کوئی جو میری نصرت کرے۔ کوئی میری آواز استغاثہ پر لبیک کہنے والا ہے۔

[۲] حسینؑ کے کلام کو قطع کردو۔ امام مظلوم، بے زباں کے لیے پانی مانگ رہے تھے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے

[۳] تہذیب لاشِ اصغرؑ ناداں پہ نوحہ گر   اخلاق کی نگاہ سے عالم گرا ہوا   (نجم)

بند: ۱۸

تاریخ جس کے قتل کی لائی نہیں مثال   پانی کے مانگنے پر ہو کُرتا لہو میں لال
اس زخمِ دل کا بھی کہیں ممکن ہے اندمال   وہ دردناک موت کہ تفصیل ہے محال
سجادؑ جن کے صبر کی کچھ انتہا نہیں
پوچھیں کہ شیر خوار کا قاتل ملا نہیں

بند۱۹ سے بند۲۵ تک شہزادہ علی اکبر ہم شبیہہ پیغمبرؐ کا تذکرہ ہے۔ حسبِ ذیل بند میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ شبِ عاشور جب حضرت علی اکبرؑ خیمے میں سو رہے تھے تو ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام لیلیٰ شمع جلا کر اپنے یوسفِ کنعاں کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کہ یہ آج رات کا اور مہمان ہے کل اس کی قربانی پیش کی جائے گی۔

بند: ۲۰

وہ عزم و اختیار و قدرت کہ الاماں   وقتِ اجل قریب تھا ایک شب تھی درمیاں
کیا مطمئن خیام میں سویا یہ نوجواں   تصویرِ درد ہے شبِ عاشور کا سماں
دل سے لگی تھی شکلِ پسر دیکھتی رہی
ماں شمع لے کے تا بہ سحر دیکھتی رہی

ماں کی ممتا اور فرض شناسی کے جذبے میں تصادم۔ دل پہ یہ اختیار کہ اپنے لال کو دولھا بنا کر میدانِ کارزار میں بھیج دیا۔ اس سلسلہ کا آخری بند بھی سن لیجیے:

بند: ۲۴

دنیا میں یادگار ہے اس شیر کا جہاد   یہ حال تھا کہ جیسے بر آئی دلی مراد
مقصودِ زندگی نے کیا جب اجل کو یاد   آئی فضائے دشت سے آواز زندہ باد
توڑا پدر کی گود میں دم نورِ عین نے
تنہا تھے خود ہی لاش[1] اٹھائی حسینؑ نے

بند۲۶ سے بند۳۰ تک حضرت قاسم بن حسنؑ کی معرکہ آرائی کا بیان ہے۔ وہ بھی اس

---

[1] یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا   یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا (نجم)

اصول پر عمل پیرا تھے کہ جان جائے لیکن اسلام کی آن بان پر آنچ نہ آنے پائے۔

بند: ۲۷

یہ نوجواں تھے جن کی جوانی کو آفریں　　تعمیرِ قوم کرتے ہیں ایسے ہی خوش یقیں
اسلام کی حیات تھی مقصودِ اولیں　　دھڑ کا یہ تھا اصول کو جنبش نہ ہو کہیں
شایانِ حرزِ جاں نہ تھے تیور دلیر کے
تعویذ حسب مرگ تھا بازو[1] پہ شیر کے

حضرت قاسمؑ کی لاش پامالِ سمِ اسپاں ہوگئی۔ اور لاش کے ٹکڑے چادر میں لپیٹ کر خیمے میں پہنچائے گئے۔

مادر کے صبر وضبط کا ممکن نہیں جواب

بند ۳۱ تا ۳۴ حضرت زینبؑ کے دونوں صاحبزادوں (عونؑ ومحمدؑ) کی جنگ اور شہادت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

حضرت زینبؑ نے اپنے بچوں کو دولھا بنا کر میدانِ کارزار میں بھیجا تھا:

نزدیک آرہے تھے جوانی کے صبح و شام　　جینے سے منہ پھرائے تھے لیکن یہ لالہ فام
طرز ادا کس قدر پُرکشش ہے۔ دونوں کا بچپن تھا ابھی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔

بند: ۳۴

دم بھر کیا نہ موت کی منزل میں پیش پس　　تیغیں چھٹیں نہ ہاتھ سے جب تک تھا دسترس
کیا زندگی دلوں میں تھی کیا بازوؤں میں کس　　کیسے متاعِ فخر تھے وہ آخری نفس
جن میں فقط حسینؑ کی خدمت کا جوش تھا
جینے کی آرزو تھی نہ مرنے کا ہوش تھا

آقا کی خدمت اور اطاعت گزاری کی لگن ہو تو ایسی ہو۔

---

[1] حضرت امام حسینؑ کسی طرح حضرت قاسمؑ کو میدان جنگ کی اجازت دینے پہ تیار نہ تھے۔ اس وقت حضرت قاسمؑ نے اپنے بازو پہ جو تعویذ بندھا تھا، اسے کھولا جس میں امام حسنؑ کی وصیت تحریر تھی۔ اس طرح حضرت قاسمؑ کو اجازت ملی۔

بند۳۵ سے ۳۷ تک حضرت مسلم کے دونوں صاحبزادوں کی شہادت کا بیان ہے ۔ امام مظلوم کی خاطر دونوں نے اپنے گلے کٹوادیے ۔ ان منچلوں کی جنگ بھی یادگار تھی ۔

بند: ۳۷

وہ حسنِ بے پناہ وہ اُٹھتی جوانیاں جن کا بیاں کر نہ سکیں خوش بیانیاں
مظلوم ایلچی کی وہ مِٹتی نشانیاں اب تک ہیں مرثیہ کی زباں میں کہانیاں
یہ نوجواں آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلمؑ کے لال ہیں

اگلے بند میں نجم آفندی نے کربلا کے ہر شہید کوخراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ ہر ایک مجاہد کی ادائے شہادت دل نشیں تھی ۔ عالم اسباب ایسی نظر پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ بیت ملاحظہ ہو ۔

کیا جانے کیسے ارض و سما تھے تُکے ہوئے
اللہ ایک دن میں یہ سب معرکے ہوئے

عاشور کے دن نبرد کا میدان لہو سے لال ہوگیا تھا اور رہ رہ کر ہنگامۂ قتال گرم ہوتا تھا ۔ امام مظلوم کے دل پر بہتر داغ تھے ۔ ہجوم کرب میں وہ عزم وثبات ۔ یک ہزار پنجاہ زخم جسمِ اقدس پر ۔ امامؑ کا سوکھا گلا اور شمر کا خنجر ۔ شاعر متحیر اور ششدر ہے کہ زمین و آسمان ایسے خونیں مناظر کی تاب کیسے لا سکے ۔ دفترِ عالم کا ورق الٹ کیوں نہیں گیا ۔ لفظ ''اللہ'' میں فریاد بھی ہے اور رضائے الٰہی کا تصور بھی ۔

بند ۳۹ سے بند۴۰ تک قمرِ بنی ہاشم حضرت عباسؑ کی چند صفات کا تذکرہ ہے ۔ اس عہد کے علیؑ کی معرکہ آرائی کا اختصار سے بیان ہے ۔ ان کے دل میں ولولۂ کارزار تھا ۔ بے ساختہ لجامِ فرس فرات کی جانب اٹھ گئی ۔ لڑتے ہوئے ترائی میں پہنچ گئے ۔ زمین کانپنے لگی اور سرکشوں کے سر برسنے لگے ۔ تاوسعتِ نظر لاشے ہی لاشے دکھائی دیتے تھے ۔ حشر کے سامان آشکار تھے ۔ مشک سکینہؑ بھر لی لیکن خود پیاسے رہے ۔ خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے جارہے تھے کہ نرغۂ اعداء میں گھر گئے اور دونوں شانے قلم ہوگئے ۔ اس مفہوم کو شاعر نے حسب ذیل بیت میں کس عمدگی سے ادا کیا ہے:

تھے چے بہادروں میں ہیں اس جاں نثار کے
بازو دیے ہیں مشک پہ صدقے اتار کے

بند:۴۳

اشرار سے نگاہ ملاتا ہوا چلا تیروں کی زد سے مشک بچاتا ہوا چلا
پانی سا اپنا خون بہاتا ہوا چلا تلواریں جھوم جھوم کے کھاتا ہوا چلا
سو زخم کھائے اور غش کھا کے گر پڑا
آیا جو تیر مشک پہ تیورا کے گر پڑا

حضرت عباسؑ کی آرزو تھی کہ خیام اہل بیت تک پانی پہنچا دیا جائے۔سکینہؑ سے پانی لانے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ ایفا نہ ہو سکا۔اس لیے منہ چھپائے ہوئے ریتی پر پڑے ہوئے ہیں [1]

اسد اللہ کا لال ہو بہو، اسد اللہ ہے اور

بند:۴۴

یہ شیر ہے دیارِ جلالت کا حکمراں ملّت کے نوجوان دلوں کا نگاہباں
صدیوں سے اس کے نام پہ عاشق ہیں نوجواں ہر ایک جانتا ہے اسے میرِ کارواں
سینوں میں دل تڑپتے ہیں تسلیم کے لیے
جھکتے ہیں سر نشان کی تعظیم کے لیے

حضرت عباسؑ علم دارِ لشکر ہمت و جرأت کا پیکر تھے۔صداقت کے پیامبر تھے۔نشان فوج پیمبر کی سلامی کے لیے حریت بھی خم ہوتی ہے۔

بند ۴۶ سے بند ۵۱ تک حضرت عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کا لرزہ خیز بیان ہے۔عصر کے وقت جب امام مظلوم زخموں کی تاب نہ لا سکے اور زین فرس سے خاک پر تشریف لائے، اس وقت گیتی کو زلزلہ ہوا۔حضرت عبداللہ نے درِ خیمہ سے دیکھا کہ امام پر نیزوں اور تلواروں کے وار ہو رہے تھے۔بچہ اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور دوڑتا ہوا امامؑ کے پاس پہنچ گیا۔

---

[1] کٹا کے ہاتھ ترائی میں سو گئے عباسؑ علم حسینؑ کے خیمہ میں لایا جاتا ہے (مترجم)

بند: ۴۹

دو دن کی بھوک پیاس میں یہ ہوش یہ حواس — یہ فرض کا شعور محبت کی یہ اساس
جب عزم مستقل ہو تو کیا خوف کیا ہراس — خطروں کو روندتا ہوا پہنچا یہ حق شناس
ہاتھوں نے بڑھ کے گرمیِ رفتار روک لی
آتی ہوئی حسینؑ پہ تلوار روک لی

اللہ اللہ کم سن بچے میں فرض شناسی کا یہ جذبہ۔ ایثار وقربانی ایسے ہی جذبوں سے سرشار افراد قوم، کارہائے نمایاں انجام دے سکتے ہیں۔ واقعات کربلا ہماری زندگی کا مکمل نظام پیش کرتے ہیں۔ اس لیے افراد قوم کو اخلاقی اقدار کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ تعمیری کاموں میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکیں۔

بند: ۵۴

اس یادگار صبح کی وہ یادگار شام — وہ قتل گہ کے سامنے جلتے ہوئے خیام
میدان میں حسینؑ کے اہلِ حرم تمام — بچوں کی عورتوں کی اسیری کا اہتمام
بازو بھی ریسمان بھی طوق اور گلو بھی تھا
کامل تھا ظلم آگ بھی تھی اور لہو بھی تھا

بین

ابتدائی دور میں دکن میں جو مرثیے لکھے گئے ان کا مقصد ہی رونا رلانا تھا۔ شمالی ہند میں جب اس صنف نے ترقی کی تو مرثیے کی ہیئت اور تکنیک میں بین کو مرثیہ کا اہم جزو قرار دیا گیا۔ جدید طرز کے مرثیہ گو حضرات نے مروجہ تکنیک کو خیرباد کہہ کے مرثیے میں نئے نئے گوشے تلاش کیے اور مرثیے کے لیے نئے نئے موضوع منتخب کیے لیکن یہ بھی کہا کہ:

''خوش نشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ''

بالفاظ دیگر بین کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

نجم آفندی نے شام غریباں کی ایسی تصویر پیش کی ہے جس کے نقوش آج بھی ابھرے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور وہ ''مصورِ غم'' کہے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

تجمم نے ''فتح مبین'' میں لوچدار زبان اور درد بھرے لہجے میں شہیدان راہ حق کی مدح کی۔ ان کے پیام امن و آشتی اور اصول پرستی کو عام کیا۔ افراد قوم کو ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دی۔ انھیں جرأت، محبت اور شجاعت کا درس دیا اور بہ بانگ دہل اس کا اعلان کیا کہ حسینیوں کی ہدایت کے لیے ''شہادت عظمیٰ'' مشعل ہدایت ہے اور اس مادی دنیا کے حسن و جمال پر وہ فریفتہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا مطمح نظر ہے ''عزت کی زندگانی'' باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنا اور سچے اصولوں کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا۔

امام عالی مقام نے صرف میدان کربلا ہی نہیں لے لیا بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کو مسخر کرلیا۔ حسینیت کے دامن میں آنے کے لیے نہ تو نسل و رنگ کی قید ہے اور نہ ذات پات کی بلکہ کربلا کے معین کردہ اخلاقی اقدار کو اپنانے کی اور حسینی مجاہدین کی سیرت پر عمل کرنے کی۔

عظیم شاعر تجمم آفندی آج ہم میں نہیں ہیں لیکن انھیں اہل بیت علیہ السلام سے عشق تھا، لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ

''ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق۔

O

مرثیہ

فتحِ مبین

ع : جب لے لیا حسینؑ نے میدانِ کربلا

64 بند

تصنیف 1943ء

فتحِ مبین

(1)

جب لے لیا حسینؑ نے میدانِ کربلا
بدلا لہو سے رنگِ بیابانِ کربلا
تھا وقتِ عصر اور ہی عنوانِ کربلا
سوتا تھا فرشِ خاک پہ مہمانِ کربلا
بے سر تھا قتل گاہ میں لاشہ پڑا ہوا
بالیں پہ فتحِ حق کا تھا جھنڈا گڑا ہوا

(2)

ریتی کی سجدہ گاہ پہ خونِ پیمبری
ڈوبی ہوئی لہو میں قبائے غضنفری
کون ومکاں میں رعبِ شہادت سے تھرتھری
ایسی سکندری تھی کسی کی نہ قیصری
اس دن سے آج تک یہ حکومت کا زور ہے
ہر سمت یا حسینؑ کا دنیا میں شور ہے

(3)

وہ حریت کو فخر وہ انسانیت کو ناز
وہ رو بقبلہ دینِ پیمبرؐ کا چارہ ساز
مقتل کی سر زمیں کو وہ مولد سے امتیاز
چھائی ہوئی حسینؑ کی وہ آخری نماز
معراج آدمی کے قرار و شکیب کی
ہمدوش کہکشاں وہ بلندی نشیب کی

(4)

وہ شاندار موت وہ بنیادِ انقلاب
بیعت کا وہ سوال وہ دنداں شکن جواب
مجبوریِ حیات سے کونین کو حجاب
نیزہ پہ سر حسینؑ کا مغرب میں آفتاب
صدقے ضیائے مہر و قمر آن بان پر
تارے درود پڑھتے ہوئے آسمان پر

(5)

قدسی مقامِ عرض پہ باندھے ہوئے پرا
پیشِ نگاہ مجمعِ ارواحِ انبیاؑ
ہیبت سے زلزلہ میں ادب گاہِ کربلا
ہر سمت سے ارادتِ کونین رونما
طوفانِ بحر و بر میں عناصر لیے ہوئے
سب امتثالِ امر میں سرخم کیے ہوئے

(6)

وہ خون میں رنگے ہوئے گیسوئے تابدار
وہ خاک میں اٹا ہوا زہراؑ کا گل عذار
دونوں طرح حقیقتِ اسلام اُستوار
قرآن اس کے سینہ میں پہلو میں ذوالفقار
حدِ ادب پہ صبح قیامت رُکی ہوئی
قدموں میں عرش وفرش کی گردن جھکی ہوئی

(7)

نظمِ جہاں بدلنے کا عنوان مرحبا
اسلام کی نجات کا سامان مرحبا
انساں صداقتوں کا نگہبان مرحبا
بندہ خدا کی راہ میں بے جان مرحبا
اپنے اصول چھوڑ گیا غور کے لیے
اُس کا پیام ایک ہے ہر دور کے لیے

(8)

اس کے پیام اُس کی امانت کو آفریں
سوکھے لبوں پہ حرفِ حقیقت کو آفریں
اُس دل کو دل میں صبر کی قدرت کو آفریں
جسمِ بشر میں روحِ شرافت کو آفریں
اُس پر سلام پیاس کے صدمے جو سہہ گیا
کہنے کی بات حلقِ بریدہ سے کہہ گیا

(9)

کیا بات اُس کی جو ہو شہیدوں میں سربلند
سلطانِ کائنات کا فرزندِ ارجمند
تنہا نہ تھا وہ اپنے ارادوں پہ کاربند
عزت کی موت اس کے غلاموں نے کی پسند
اُس کے بھی تھے شریک وہ کم تھے کہ بیش تھے
ہاتھوں پہ سر لیے ہوئے سب پیش پیش تھے

(10)

عالم میں بے مثال ہے یہ کربلا کی جنگ
یکساں وفا کی بندہ و آقا کو تھی اُمنگ
کچھ سِن کا امتیاز نہ تفریق نسل و رنگ
حق کی صلائے عام تھی میدان تھا نہ تنگ
ہر باوفا حسینؑ کے قدموں میں سوگیا
آقا کا خوں غلام کا خوں ایک ہوگیا

(11)

وہ اِرد گرد پیکرِ انصارِ باوفا
دریا تلک غریب کے فِدیوں کا سلسلہ
ہر عہد میں ہیں ذکر کے قابل وہ باوفا
چھوٹے بڑے سب ایک ہی منزل کے رہنما
بعدِ فنا بھی جوشِ وفا میں تنے ہوئے
بچے ذرا ذرا سے سپاہی بنے ہوئے

(12)

جانیں نثار کی ہیں کہ اللہ کی پناہ
کیا کارواں تھا جس کی یہ دنیا ہے گردِ راہ
حیراں ہیں اب بھی قطعِ منازل پہ مہر و ماہ
پڑتی ہے ہر مفکر و خوش فکر کی نگاہ
انسانیت کا نور تھے ظلمت کے واسطے
لاشیں تھیں زندگی کی ہدایت کے واسطے

(13)

سب سے قریب خاک میں اک نعشِ خوں چکاں
وہ امتیازِ دولتِ سالارِ کارواں
اسلام کا مجاہدِ بے شیر و بے زباں
پہنے ہوئے بلّور سی گردن میں ہنسلیاں
جانِ رباب جانِ پدر جانِ کربلا
چھ ماہ کا وہ فاتحِ میدانِ کربلا

(14)

جھولے سے گر کے جس کو یہ حاصل ہوا مقام
لکھا ہے کربلا کی بلندی پہ جس کا نام
جس کے زباں دکھانے پہ حجت ہوئی تمام
بچہ کہ جس کو حجتِ آخر کریں سلام
وا جس کے اشتیاق میں ہر ماں کی گود ہے
گہوارہ جس کا آج مسلماں کی گود ہے

(15)

اس طفلِ شیر خوار کی ہے داستاں عجیب
کب تیر جاں ستاں کا نشانہ ہوا غریب
جب گود میں پدر کی رگِ دل سے تھا قریب
پانی کی جستجو میں شہادت ہوئی نصیب
سب کا جو لاڈلا تھا حسینی سپاہ میں
خیمہ سے ہاتھوں ہاتھ گیا رزم گاہ میں

(16)

اکبرؑ کے بعد موت کی گودی میں جو گیا
بے دودھ نیند آگئی پیاسا ہی سوگیا
دنیا میں جس کا نام ہی بے شیر ہوگیا
وہ چاند فوجِ شام کی بدلی میں کھوگیا
سورج ہزار اُس پہ تصدّق ہزار چاند
جس نے لگائے باپ کی محنت میں چار چاند

(17)

نورِ نظر کی شان سے جو چشمِ نم میں ہے
یہ کائنات ماں کی طرح جس کے غم میں ہے
گھر گھر میں جس کا ذکر ٹھکانا اِرم میں ہے
نوحہ عرب میں جس کا ہے ماتم عجم میں ہے
مہماں پرست ہند کے اک اک دیار میں
جھولا ہے جس کا آج تلک انتظار میں

(18)

تاریخ جس کے قتل کی لائی نہیں مثال
پانی کے مانگنے پہ ہو کُرتا لہو میں لال
اِس زخمِ دل کا بھی کہیں ممکن ہے اندمال
وہ درد ناک موت کہ تفصیل ہے محال
سجادؑ جن کے صبر کی کچھ انتہا نہیں
پوچھیں کہ شیر خوار کا قاتل ملا نہیں

(19)

نزدیک خوابِ مرگ میں اک اور لاڈلا
شہزادیٔ حجاز کی آغوش میں پلا
آلودہ خاک و خوں میں جوانی کا ولولا
ہم صورتِ رسولؐ پہ تقدیرِ کربلا
وہ عکس بے مثال نبیؐ کے جمال کا
پورا جوان بھی نہیں اٹھارہ سال کا

(20)

وہ عزم و اختیار وہ قدرت کہ الاماں
وقتِ اجل قریب تھا اک شب تھی درمیاں
کیا مطمئن خیام میں سویا یہ نوجواں
تصویرِ درد ہے شبِ عاشور کا سماں
دل سے لگی تھی شکلِ پسر دیکھتی رہی
ماں شمع لے کے تا بہ سحر دیکھتی رہی

(21)

انگڑائی لے کے صبح جو اٹھا یہ لالہ فام
حالاتِ زندگی نے دیا موت کا پیام
اُس ماں کو نونہالوں کا اسلام کے سلام
اِک وہ بھی چاہ پیار تھا اک یہ بھی اہتمام
انسانیت کی حق کی صداقت کی راہ میں
دولھا بنا کے بھیج دیا قتل گاہ میں

(22)

جذبہ تو دیکھیے اُسی بی بی کا تھا جگر
اس شوق میں کھڑی رہی آکر قریبِ در
لڑتا ہے کس طرح سے مرا نوجواں پسر
پردے کی آڑ سے رُخِ سرور پہ تھی نظر
آقا تھے خوش پسر کی شجاعت کو دیکھ کر
یہ مطمئن حسینؑ کی صورت کو دیکھ کر

(23)

سینہ پہ نونہال کے برچھی لگی ہے جب
گھوڑے سے جب زمیں پہ گرا ہے یہ تشنہ لب
ہر چند امرِ صبر پہ مامور تھے یہ سب
آنکھوں میں آ گئے ہوں جو آنسو تو کیا عجب
احساسِ مادری سے محل یہ کا نہ تھا
آخر تو ماں کا دل تھا کسی غیر کا نہ تھا

(24)

دنیا میں یادگار ہے اس شیر کا جہاد
یہ حال تھا کہ جیسے بر آئے دلی مراد
مقصودِ زندگی نے کیا جب اجل کو یاد
آئی فضائے دشت سے آواز زندہ باد
توڑا پدر کی گود میں دم نورِ عین نے
تنہا تھے خود ہی لاش اٹھائی حسینؑ نے

(25)

ہم نام تھا علیؑ کا شجاعت تھی فرشِ راہ
اُس سے بڑے بڑوں نے ملائی نہیں نگاہ
یہ نوجوانِ قوم ہیں سب اکبری سپاہ
کلمہ اسی کے نام کا پڑھتے ہیں کج کلاہ
تاریخ کی بلند نگاہوں میں فرد ہے
بچہ یہ خاندانِ رسالتؐ کا مرد ہے

(26)

زخموں سے چور بحرِ شجاعت کا اک نہنگ
مرنے کی جس کے دل میں سویرے سے تھی امنگ
چہرہ کا شوقِ جنگ میں نکھرا ہوا تھا رنگ
مولا نے کی اجازتِ میداں میں کچھ درنگ
قسمت نے دی صدا وہ رُکے گا نہ آپ سے
اذنِ وغا ملے جسے ورثہ میں باپ سے

(27)

یہ نوجواں تھے جن کے جوانی کو آفریں
تعمیرِ قوم کرتے ہیں ایسے ہی خوش یقیں
اسلام کی حیات تھی مقصودِ اوّلیں
دھڑکا یہ تھا اُصول کو جنبش نہ ہو کہیں
شایانِ حرزِ جاں نہ تھے تیور دلیر کے
تعویذ حُبِّ مرگ تھا بازو پہ شیر کے

(28)

ایسا لڑا کہ قوم میں ہے وجہ افتخار
گھوڑے سے جب گرا ہے یہ ہنگامِ کارزار
دشمن نے جسمِ زار پہ دوڑا دیے سوار
پامال انتقام ہُوا یہ وفا شعار
یہ حال تھا چچا کی نہ گودی میں آسکا
لاشہ بھی من چلے کا نہ خیمہ میں جاسکا

(29)

بیوہ کا لال تھا یہ طرحدار و شعلہ خو
کم سِن مگر قریب تھا ہنگامِ رنگ وبو
امکان ہے کہ ماں کو ہو شادی کی آرزو
اِس آرزو کی رہ گئی دنیا میں آبرو
تقدیر نے بہار سراپا بنا دیا
قدرت خدا کی موت نے دولھا بنادیا

(30)

پامال ہو رہا تھا پسر کا اِدھر شباب
بابا اُدھر بقیع کی جنت میں محوِ خواب
کیا جانیے لحد کو سکوں تھا کہ اضطراب
مادر کے صبر و ضبط کا ممکن نہیں جواب
گھر بھر کو شوقِ دید تھا کیسی لڑائی تھی
ڈیوڑھی پہ اُن کی پالنے والی بھی آئی تھی

(31)

یکجا تھے دو حسینؑ کے کم عمر جاں نثار
ہمت پہ جن کی دیکھنے والوں کو آئے پیار
یہ جعفری تھے ثانیِ زہراؑ کے گلِ عذار
چھوٹا تھا مرتے دم بھی بڑے کے گلے کا ہار
کپڑے بدل کے دوش پہ زلفیں سنوار کے
بھیجا تھا ماں نے بھائی کے بچوں پہ وار کے

(32)

نزدیک آرہے تھے جوانی کے صبح و شام
جینے سے منہ پھرائے تھے لیکن یہ لالہ فام
بچوں میں تھے مگر ہے جوانوں سے بڑھ کے نام
کیا کیا ہوئے تھے برچھیاں کھانے کے انتظام
مادر نے سب بزرگوں کے تیور بتائے تھے
شب بھر بہادری کے فسانے سنائے تھے

(33)

کس کو نصیب ہوتی ہے یہ منزلِ وفا
پیشِ نظر تھی تشنگیِ شاہِؑ کربلا
سنتے ہیں علقمہ کی طرف رخ نہیں کیا
مشہور ہے کہ ماں کا اشارہ بھی اس میں تھا
پیاسے تھے تین دن کے مگر کیا غیور تھے
لاشے بھی شاہزادوں کے دریا سے دور تھے

(34)

دم بھر کیا نہ موت کی منزل میں پیش و پس
تیغیں چھٹیں نہ ہاتھوں سے جب تک تھا دسترس
کیا زندگی دلوں میں تھی کیا بازوؤں میں کس
کیسے متاعِ فخر تھے وہ آخری نفس
جن میں فقط حسینؑ کی خدمت کا جوش تھا
جینے کی آرزو تھی نہ مرنے کا ہوش تھا

(35)

اک سمت تھے ہراول شبیرؑ کے پسر
کنبہ میں پیش رو تھے یہی غیرتِ قمر
مرنے کو سب سے پہلے گئے ہیں یہ پُرجگر
جذبہ وفا کا ختم ہے اس خاندان پر
یاں کربلا میں موت کی اِن کو تلاش تھی
بابا کی اُس طرف درِ کوفہ پہ لاش تھی

(36)

وہ پاسِ آبرو وہ شجاعت کے ولولے
کس شیر دل کے شیر تھے کس گود کے پلے
کیسے حسینؑ کے لیے کٹوائے ہیں گلے
دنیا میں نام چھوڑ کے اٹھے یہ من چلے
یوں جاں نثاریوں کی روشِ دل نشیں رہی
نسلِ عقیلؑ دہر میں باقی نہیں رہی

(37)

وہ حُسنِ بے پناہ، وہ اٹھتی جوانیاں
جن کا بیان کر نہ سکیں خوش بیانیاں
مظلوم ایلچی کی وہ مٹتی نشانیاں
اب تک ہیں مرثیہ کی زباں میں کہانیاں
یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

(38)

کیا ایک نوجوان تھا کیا ایک مہ جبیں
مسلخ تھی اہل بیتِ رسالت کی یہ زمیں
ایک ایک کی ادائے شہادت تھی دل نشیں
جن کی نظیر عالمِ اسباب میں نہیں
کیا جانے کیسے ارض و سما تھمے ہوئے
اللہ ایک دن میں یہ سب معرکے ہوئے

(39)

بچوں کے گھر میں تشنہ دہانی کا معرکہ
سقّہ کے خوں فرات کے پانی کا معرکہ
شمشیرِ ہاشمی کی روانی کا معرکہ
اس عہد کے علیؑ کی جوانی کا معرکہ
تنہا تمام نہر پہ قبضہ کیے ہوئے
دل کے قریب مشکِ سکینہؑ لیے ہوئے

(40)

ٹکرا رہا تھا موت سے کیا آن بان تھی
بھر پُور تھا شباب تو ہمّت جوان تھی
خیمہ کا رُخ تھا مشکِ سکینہؑ میں جان تھی
دو دن کی تشنگی پہ وفا کی یہ شان تھی
آتی تھی مرحبا کی صدا شش جہات سے
پیاسا پلٹ رہا تھا بہادر فرات سے

(41)

وہ دل کا جوش رُخ سے نمودار الاماں
دنیا کی جان لینے پہ تیار الاماں
حق کی سپر حسینؑ کی تلوار الاماں
بچوں سے پانی لانے کا اقرار الاماں
چرچے بہادروں میں ہیں اس جاں نثار کے
بازو دیے ہیں مشک پہ صدقے اُتار کے

(42)

بے دست ہوگیا تو ملی شانِ جعفری
تھی ہمہمہ سے لشکرِ دشمن میں ابتری
دریائے خوں میں ہائے وہ اُس کی شناوری
خیمہ کا رخ کیے ہوئے بڑھتا رہا جری
دو ٹھوکروں میں فوج کا طوفاں سرک گیا
دانتوں میں مشک لے کے بڑی دور تک گیا

(43)

اشرار سے نگاہ ملاتا ہوا چلا
تیروں کی زد سے مشک بچاتا ہوا چلا
پانی سا اپنا خون بہاتا ہوا چلا
تلواریں جھوم جھوم کے کھاتا ہوا چلا
سو زخم کھائے اور نہ غش کھاکے گر پڑا
آیا جو تیر مشک پہ تیورا کے گر پڑا

(44)

یہ شیر ہے دیارِ جلالت کا حکمراں
ملت کے نوجوان دلوں کا نگاہباں
صدیوں سے اُس کے نام پہ عاشق ہیں نوجواں
ہر ایک جانتا ہے اُسے میرِ کارواں
سینوں میں دل تڑپتے ہیں تسلیم کے لیے
جھکتے ہیں سر نشان کی تعظیم کے لیے

(45)

اُس ماں کا لال تھا یہ جواں مرگ پُرجگر
پہنچی ہے کربلا سے مدینہ میں جب خبر
مسجد میں کہہ رہا تھا یہ قاصد بچشم تر
کس بے کسی میں قتل ہوئے شاہِ بحر و بر
دشمن تھے سب رفیق کوئی پاس تھا کہاں
بولی تڑپ کے ماں مرا عباسؑ تھا کہاں

(46)

ڈوبا ہوا لہو میں تھا ایک اور نونہال
صدقے ہو جس پہ حُسن بھی وہ صاحبِ جمال
اصغرؑ کے بعد سارے شہیدوں میں خرد سال
جو وقتِ عصر آ کے ہوا تھا شریکِ حال

بے دست بازوئے شہِ دلگیر کی طرح
پیکاں گلوئے خشک میں بے شیر کی طرح

(47)

جب جھومتے تھے خاک پہ بیٹھے ہوئے حسینؑ
گیتی کو زلزلہ تھا لرزتے تھے مشرقین
موجیں لبِ فرات سے جب کر رہی تھیں بین
حاضر تھا خیمہ گاہ کے در پر یہ نورِ عین

تڑپا یہ حالِ سیّدِ ابرار دیکھ کر
نیزوں کے وار تیروں کی بوچھار دیکھ کر

(48)

اس کم سنی میں ٹھاٹھ بدلنے کو دیکھیے
آنکھوں سے دردِ دل کے اُبلنے کو دیکھیے
تیغوں میں برچھیوں میں نکلنے کو دیکھیے
مادر کے روکنے پہ مچلنے کو دیکھیے

رہبر پہ جان دینے کو راہی نکل گیا
ماں دیکھتی رہی یہ سپاہی نکل گیا

محرم کا زمانہ

دلوں پر غم کا بادل چھا گیا ہے — محرم کا زمانہ آگیا ہے
ستارے اشکِ ماتم بن گئے ہیں — چمن میں روئے گل سنولا گیا ہے
جو بس چلتا اندھیرے ہی میں رہتا — نکل کر چاند بھی شرما گیا ہے
زمیں پر پڑگئی ہے اوس جیسے — پسینہ سا جبیں پر آگیا ہے
علیؑ کا لال یثرب کا مسافر — سفر میں اپنا مقتل پا گیا ہے
زمینِ گرم پر ہے جس کا تکیہ — نبیؐ کے دوش پر دیکھا گیا ہے
اب ساحل سے خیمے اُٹھ چکے ہیں — کنارِ نہر سے پیاسا گیا ہے
جو آئینہ تھا روئے سیّدہ کا — وہ چہرہ پھول سا کمھلا گیا ہے
ہوا دیتی ہے پرچم کو جلالت — عَلم خیمے سے باہر آگیا ہے
صدا کچھ بڑھ گئی ہے العطش کی — سنی ہے جس نے وہ تھرا گیا ہے
یہ اک نوحہ سا خیمہ سے نکل کر — دلِ اہلِ وفا تڑپا گیا ہے
نبیؐ زادوں کے رنجِ تشنگی میں — علم ساحل پہ بل کھاتا گیا ہے
ہزاروں ہیں اُدھر لیکن اِدھر سے — گیا ہے جو کوئی تنہا گیا ہے
ابھی آئی ہیں لاشیں بھانجوں کی — ابھی بھائی ابھی بیٹا گیا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کا استغاثہ — ہر اِک ذرّہ کا دل برما گیا ہے
علی اصغرؑ کو اِک تیرِ سہ پہلو — ابھی تو خون میں نہلا گیا ہے
ابھی آقا گئے ہیں زیرِ خنجر — رضائے حق کا پیغام آگیا ہے

اندازِ ماتم

محرم میں مسرت خود بخود کم ہوتی جاتی ہے
زمانہ کی فضا آمادۂ غم ہوتی جاتی ہے

لہو کے گرم قطرے اشکِ پیہم بنتے جاتے ہیں
دلوں کی بیقراری صَرفِ ماتم ہوتی جاتی ہے

حسینی کارواں نزدیکِ منزل آتا جاتا ہے
جو دنیا دین کے ہمراہ تھی کم ہوتی جاتی ہے

کمی منزل بہ منزل دیکھتے ہیں سبطِ پیغمبرؐ
مگر تجویز قربانی کی محکم ہوتی جاتی ہے

شبِ عاشور کیا فرما رہے ہیں سرورِ عالم
سکوں پرور دلوں میں شدتِ غم ہوتی جاتی ہے

اُدھر خاموش ہو کر رہ گئی ہے شمع خیمہ میں
فلک پر روشنی تاروں کی مدھم ہوتی جاتی ہے

بہت آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں لحنِ اکبرؑ سے
اذاں میں شرکتِ اندازِ ماتم ہوتی جاتی ہے

پیامِ مرگ ہے اب اور انصارِ حسینؑ ہیں
بلاوے آ رہے ہیں بزم برہم ہوتی جاتی ہے

قیامت ہے کہ وقتِ عصر زیرِ تیغ آئے گی
وہ گردن جو خدا کی راہ میں خم ہوتی جاتی ہے

بہت شب ہو گئی معصوم بچے سو گئے شاید
صدائے العطش خیمے میں مدھم ہوتی جاتی ہے

اسی غم میں کہ مہمانوں کو پانی تک نہیں ملتا
فرات اِک قلبِ مضطر چشمِ پُرنم ہوتی جاتی ہے

جنابِ نجم مقصد اور بھی کچھ ہے شہادت کا
سُنا ہے قوم اب مقصد سے محرم ہوتی جاتی ہے

شایانِ کربلا

تجھ کو سلام رفعتِ ایوانِ کربلا
تجھ پر درود جلوۂ جانانِ کربلا

اے بوئے مشک پیکرِ عنبر مزاجِ گل
اے لالہ زارِ صبر گلستانِ کربلا

اے سجدہ گاہِ انجم و مہتاب و آفتاب
سجادۂ ریاضتِ سلطانِ کربلا

اے مسندِ جمالِ رئیسانِ ہاشمی
اے منزلِ جلالِ شہیدانِ کربلا

اے ارضِ کربلا یہ تیری شان کیوں نہ ہو
کس کا لہو ہے شاملِ ایوانِ کربلا

منظر بدل گیا جو درودِ حسینؑ سے
کیا دیدنی تھی صورتِ حیرانِ کربلا

تیار کربلا تھی پہنچتے جہاں حسینؑ
ہمراہ تھا حسینؑ کے سامانِ کربلا

سنتے ہیں نیند آگئی سجدے میں وقتِ عصر
جاگا ہوا تھا راتوں کا مہمانِ کربلا

وہ خاک وخوں کی مسندِ راحت پہ محوِ خواب
سلماں کا افتخار سلیمانِ کربلا

وہ لاش نور پاش دھندلکے میں شام کے
وہ غم کی شام زلفِ پریشانِ کربلا

سایہ کیا طیور نے بیکس کی لاش پر
آئے نہ دفن کرنے کو انسانِ کربلا

زیرِ زمین ہے اکبرؑ و قاسمؑ کا حسن بھی
دو جسمِ نازنیں ہیں دل و جانِ کربلا

مسلم کے لال زینبؑ مضطر کے لختِ دل
سردے کے بن گئے گل و ریحانِ کربلا

اس تشنہ لب کی پیاس پہ صدقے حیاتِ قوم
سقہ تھا جس کا شیرِ نیستانِ کربلا

رُلوا رہا ہے قوم کو صدیوں سے آج تک
چھ ماہ کا وہ کشتۂ پیکانِ کربلا

ندی چڑھی جو خون کی منہ اور اتر گیا
پہلے ہی کچھ عجیب تھا عنوانِ کربلا

عالم فدائے حاصلِ خونابۂ جگر
ملت نثارِ فاتحِ میدانِ کربلا

لاکھوں ہی اولیاء تھے ہزاروں ہی انبیاء
نکلے مگر حسینؑ ہی شایانِ کربلا

لاہلہ اپنی قوم کے حالِ زبوں کو دیکھ
اے کائناتِ حُسن بہ دامانِ کربلا

یہ غمکدے تھے آلِ پیمبرؐ کے واسطے
زندانِ شام و کوفہ، بیابانِ کربلا

قربان ایسی موت کے جو خود ہو زندگی
پیمانۂ حیات ہے پیمانِ کربلا

روضہ ہے یا منارۂ عظمت ہے قوم کا
صل علےٰ جبینِ درخشانِ کربلا

چہرہ پہ خوں ملے ہوئے بالیں پہ تو بھی تھا
اے ماہِ آسمان و گریبانِ کربلا

پہچاننا محال ہو اب اُس نگاہ کو
دیکھا تھا جس نے پیکرِ بے جانِ کربلا

مل جائے اِس دور میں دو گز زمیں کہیں
للہ مجھ پہ ہو یہ احسانِ کربلا

○

اکبرؑ کی جوانی

اَجل کا سامنا ہے اور اکبرؑ کی جوانی ہے ۔۔۔ اس اٹھارہ برس والے نے بھی مرنے کی ٹھانی ہے

سنا ہے تین دن گزرے نہ کھانا ہے نہ پانی ہے ۔۔۔ مگر اس شیر کے چہرے کی رنگت ارغوانی ہے

دلِ صبر آزما کا ہو چکا دنیا کو اندازہ ۔۔۔ ذرا اَب دستِ ہمت کی بھی طاقت آزمائی ہے

عطش ہے دھوپ ہے میداں کی نیزے اور خنجر ہیں ۔۔۔ مسلمانوں میں ہم شکلِ نبیؐ کی میہمانی ہے

اب کوثر انہیں داوا سے جامِ آب لینا ہے ۔۔۔ پیمبرؐ کو لہو میں ڈوب کر صورت دکھانی ہے

قیامت تک نہ مرجھائیں گے جو گل یا کھلائے ہیں ۔۔۔ انہیں اپنے ہی زخموں سے ابھی جنت بنانی ہے

انہیں پینا ہے شربت کی طرح آبِ دمِ خنجر ۔۔۔ رگِ دل میں اسی دن کیلئے خوں کی روانی ہے

علیؑ اکبرؑ کا مرنا مجلسِ ماتم بنا دے گا ۔۔۔ بہت خوش وضع ہے عالم بہت دنیا سہانی ہے

قیامت ہے کسی کا جان دینا اس جوانی میں ۔۔۔ زمیں سے آسماں تک سب جوانی ہی جوانی ہے

کوئی آساں نہیں تیروں میں سینہ تان کر جانا ۔۔۔ یہ پشتینی سپاہی ہیں یہ جذبہ خاندانی ہے

دمِ آخر لہو کے فرش پر انگڑائیاں لیں گے ۔۔۔ اجل سے بھی انہیں کچھ دیر طاقت آزمائی ہے

بدل دے گی فضائے دہران کی آخری کروٹ ۔۔۔ جہاں تک جان باقی ہے وہاں تک جانفشانی ہے

کلیجہ میں سناں، ریتی پہ لاشہ، سر ہے برچھی پر ۔۔۔ بڑی پُر درد یارب کربلا والی کہانی ہے

ابھی تک قوم میں ہے قلتِ ذوقِ عمل باقی
جناب نجم کیسی نوحہ گوئی نوحہ خوانی ہے

O

دادِ وفا

یہ کس پر چھری تیز کی جا رہی ہے
زمیں کربلا کی ہلی جارہی ہے

بہت مضطرب چاند ہے آسماں پر
بہت مضمحل چاندنی جارہی ہے

چمن زرد ہے پھول سنولا گئے ہیں
ستاروں کی تابندگی جارہی ہے

دماغوں کے روشن دیے بجھ گئے ہیں
مہ و مہر سے روشنی جارہی ہے

پُر آشوب ہیں شام و کوفہ کی نظریں
خیالوں سے پاکیزگی جارہی ہے

سدھاری وہ اخلاق کی سر بلندی
وہ اسلام کی سروری جارہی ہے

نئی شرع ترتیب دیتی ہے دنیا
نئی قوم تشکیل کی جارہی ہے

شرافت کی آنکھوں میں اشک آگئے ہیں
محبت کی گردن ڈھلی جارہی ہے

یہ دینِ خدا پر چڑھائی ہے کیسی
یہ کس سمت دنیا چلی جارہی ہے

صدا دی ہے **ملت** نے سبطِ نبیؐ کو
کہ تعمیرِ **ملت** گِری جارہی ہے

گلے کٹ رہے ہیں لہو بہہ رہا ہے
یہ بنیاد مضبوط کی جارہی ہے

مسافر پہ ہے بند دو دن سے پانی
شقاوت کی ندی چڑھی جارہی ہے

کہاں تشنگی اور کہاں حلق اصغرؑ
بڑی دور تک تشنگی جارہی ہے

خدا را شبیہ پیمبرؑ کو روکو
پیمبرؐ کی تصویر بھی جارہی ہے

بہت زخم کھائے ہیں قاسمؑ نے لیکن
نگاہوں میں سج دھج کھبی جارہی ہے

بہت کم یہ رونق رہی کربلا میں
ابھی آرہی تھی ابھی جارہی ہے

علمدارؑ کی گرم رفتاریوں پر
شجاعت بھی خود جھومتی جارہی ہے

وہ ماتم کا طوفان ہے علقمہ میں
ہر اِک موج سر پیٹتی جارہی ہے

تعجب نہیں ماں جو اصغرؑ سے پوچھے
سواری کہاں آپ کی جارہی ہے

خبر آفتابِ رسالتؐ کو دے دو
کہ شمعِ امامت بجھی جارہی ہے

ادا ہو رہا ہے خراجِ مودّت ۔۔۔ یہ زندان میں آلِ نبیؐ جا رہی ہے
وہ محکم ہے تقریرِ بیمارِ غم کی ۔۔۔ کہ نبضِ حکومت چھٹی جا رہی ہے
ابھی تک یہ مظلومیت کی کہانی ۔۔۔ کہی جا رہی ہے سنی جا رہی ہے
سمجھ لے گی وہ بھی غمِ کربلا کو ۔۔۔ جو دنیا ابھی اجنبی جا رہی ہے
یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں ۔۔۔ یہ دادِ وفا ہے جو دی جا رہی ہے

ابھی تجمؔ کچھ اور نوحے سناؤ
ذرا قوم کی بے حسی جا رہی ہے

○

وَفائے عہد

مرحلے آساں نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ کے ۔۔۔ درد والے دِل دکھا دیتے ہیں سینہ چیرے کے
گھر بنا کر دل میں انکا غم نکلتا ہے کہیں ۔۔۔ پھر ہنستے ہیں کہیں مارے ہوئے تاثیر کے
بانیِ اسلام اسلامی حمیّت دیکھ لے ۔۔۔ کتنے زخم آئے ہیں سینہ پر تری تصویر کے
قتلِ اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے ۔۔۔ ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرہ تکبیر کے
قید و قتل و تشنگی و غربتِ آلِ نبیؐ ۔۔۔ کیسے پُرغم ہیں عناصر قوم کی تعمیر کے
کربلا والے وفا کے عہد میں مارے گئے ۔۔۔ یہ جَری کشتے نہیں ہیں نیزہ و شمشیر کے
ہائے سرور کی ضعیفی ہائے اکبرؑ کا شباب ۔۔۔ ہائے وہ برچھی جو نکلی تھی کلیجہ چیر کے
امرِ خالق اور تھا ورنہ الٹ دیتے زمیں ۔۔۔ چھوٹے چھوٹے دونواسے شاہِ خیبر گیر کے
دستِ نازک وہ جو رستہ روک دیں طوفان کا ۔۔۔ گردنیں جو پھیر دیں منہ خنجر و شمشیر کے
تیرے دم سے جی اُٹھی مرتی ہوئی انسانیت ۔۔۔ زندہ باد اپنے گلے پر لینے والے تیر کے

ہائے وہ بازو تصدق جن پہ کرنیں چاند کی — ہار بن کر رہ گئے جو گردنِ شبیر کے
ہائے عاشورِ محرم ہائے شامِ قیدِ غم — آج بے پردہ ہیں وارث چادرِ تطہیر کے
سالکِ راہِ رضا ہیں ورنہ سجادِ حزیں — ایک انگڑائی میں حلقے توڑ دیں زنجیر کے
کوفہ وزندانِ کوفہ خانۂ حارث، فرات — کیا یتیموں پر ستم تھے گردشِ تقدیر کے
ہل گیا بیمار کے خطبہ سے دربارِ یزید — دل بہت تڑپا کیے نشتر لگے تقریر کے
سختیِ راہِ عمل سے بہرہ ور ہیں ملتیں — سامعہ صدقے تیرے پیغام عالمگیر کے
نجم ہم کو عیشِ فردوس تولاّ ہے بہت — ہم تمنائی نہیں فردوس کی جاگیر کے

حُسنِ عمل

کربلا والے غریبوں کے سہارے بن گئے — آسمانِ حریّت کے چاند تارے بن گئے
کاروانِ ظلم نے اٹھوا دیے خیمے تو کیا — تشنہ کاموں کے محل دریا کنارے بن گئے
اپنی جانیں دے کے غیروں کو بھی اپنا کرلیا — فاطمۂ کے لال ہر ملت کے پیارے بن گئے
سب شہید کربلا بے امتیازِ نسل و رنگ — بانیِ اسلام کی آنکھوں کے تارے بن گئے
زندگی بھر دیدۂ و دل میں کھٹکتے ہی رہے — تیر ونشتر ماں کو اصغرؑ کے اشارے بن گئے
آئے یوں عون ومحمد اپنے خون میں ڈوب کر — اور بھی خوش وضع بی بی کے دُلارے بن گئے
ہائے وہ شیروں کا مقتل ہائے ارضِ نینوا — جس کے ویرانے بھی فردوسی نظارے بن گئے
ماتمِ شبیرؑ کی جنت طرازی دیکھنا — غنچہ وگل اپنی آہوں کے شرارے بن گئے
ملتیں کتنی ہیں ماتم دارِ شاہِ کربلا — کتنی قوموں کے ولی مولا ہمارے بن گئے
نجم کتنے کام مدّاحانِ اہلِ بیت کے — بے بنائے رنگ لائے بے سنوارے بن گئے

کارِ نبوت

پیکرِ اسلام میں اِک روحِ تازہ بھر گیا ساری ملّت کو جگا کر مرنے والا مر گیا

جس پہ گذرا ہے یہ عالم اس کے دل سے پوچھیے کس طرح چھوڑا مدینہ کربلا کیونکر گیا

جان دی شبیرؑ نے اسلام کی تکمیل میں یہ امامِ اہلِ دل کارِ نبوت کر گیا

عصر تک اولادِ پیغمبرؐ کی قربانی ہوئی ظہر تک انصار کی لاشوں سے خیمہ بھر گیا

جیسے کوئی زندگی کی گود کا پالا نہ تھا یوں اجل کے سامنے ایک اک وفا پرور گیا

موت بھی شرما گئی قاسمؑ کی سج دھج دیکھ کر جنگ کے میداں میں جب یہ آئینہ پیکر گیا

مشک بھر کر نہر سے نکلا تھا عباسِ جری آبِ دریا دوش پر تھا اور پیاسا مر گیا

علقمہ سے کون پہنچائے سکینہؑ کو خبر علقمہ تک جس کو جانا تھا لبِ کوثر گیا

کتنے دن گزرے تھے پیغمبرؐ کو دنیا سے گئے چار دن کے بعد ہی ہم شکلِ پیغمبرؐ گیا

مُہر فطرت نے لگا دی دفترِ ایثار پر اپنا جھولا چھوڑ کر میداں میں جب اصغرؑ گیا

وعدہ گاہِ نینوا نے ساری دولت لوٹ لی فاطمہؑ کا لال بھی آخر تہِ خنجر گیا

ایک دن جو دوشِ پیغمبرؐ پہ تھا اس پر سلام اس کو مجرا ایک دن نیزے پہ جس کا سر گیا

آسماں یہ ظلمِ گیتی دیکھتے ہی رہ گئے چاند کو نیزے پہ رکھ کر شام کا لشکر گیا

کربلا سے پھیر کر منہ جائیں گے مسلم کہاں کربلا کی راہ پر اسلام کا رہبر گیا

ایک ہیبت اک خموشی تھی زمیں پر حکمراں سر بکف سجدہ میں جب وہ خاصۂ داور گیا

بھیج اب خضرا سے یارب وارثِ شبیرؑ کو بس کر اے ابرِ کرم اشکوں سے دامن بھر گیا

نجمؔ اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے
زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا

شہر یاری

بہت سجادؑ کو ملت کی فکرِ رستگاری ہے
تری زنجیر سے جلاّد یہ زنجیر بھاری ہے

شہیدِ ظلم کا ماتم ہے غم ہے سوگواری ہے
یہ وہ انسان ہے انسانیت جس نے سنواری ہے

جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو
اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے

خدا کی راہ میں چھوڑی سکینہؑ کی محبت بھی
سکینہؑ جو حسینؑ ابن علیؑ کو سب سے پیاری ہے

نبیؐ کا لاڈلا ہے آج مالک دین و دنیا کا
حریفِ دینِ حق سمجھے تھے اب دنیا ہماری ہے

نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی
یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے

تڑپتے ہیں وہ ذرّے جن پہ برسا تھا لہو اُسکا
ابھی وہ خاک زندہ ہے ابھی وہ خون جاری ہے

ارے قربانیوں کا سلسلہ جھولے تک آپہنچا
علی اکبرؑ سدھارے اَب علی اصغرؑ کی باری ہے

بدن کے داغ کیا گنتے ہو اس کے داغِ دل دیکھو
حکومت اسکی قائم ہے یہ سکّہ اسکا جاری ہے

مسلماں سر لیے جاتے ہیں سوئے شام نیزے پر
سوارِ دوشِ پیغمبرؐ کی یہ آخر سواری ہے

گلے کٹوا دیے عترت نے قرآں کی حفاظت میں
یہ روحِ اتحادی ہے یہ شانِ ورثہ داری ہے

کہاں اک مسندِ پُرزر کہاں سجدہ تہِ خنجر
وہ دنیاوی حکومت ہے یہ دینی شہریاری ہے

کہاں تک جینے والے صبر کرتے مرنے والوں کا
شہیدوں میں سکوں ہے قیدیوں میں بیقراری ہے

بلالیں شاید آقا کربلا میں موت سے پہلے
ابھی اے نجم کچھ امید ہے امیدواری ہے

○

اٹھارہ داغ

دنیا میں غم حسینؑ کا پروردگار دے
دنیا کے ساتھ دین بھی یارب سنوار دے

عشرہ کا دن وہ دن ہے کہ خیر النساؑ کا لال
جس دن کے انتظار میں راتیں گزار دے

میداں کو جارہا ہے پیمبرؐ کا جان و دل
اے چرخ، مہروماہ کو صدقے اُتار دے

اے قوم کیا جری یہ جواں مرگِ قوم تھا
ہر نوجوان کو تربتِ اکبرؑ پر وار دے

عباسؑ ہیں فرات پہ بچے ہیں منتظر
آواز دے صبا انہیں صحرا پکار دے

کون اپنے خوں میں آپ نہائے بجز حسینؑ
جب موت زندگی پہ خدا اختیار دے

جس نے پیا ہو مہد میں بنتِ نبیؐ کا دودھ
تسکین اس کو پیاس میں خنجر کی دھار دے

وہ دشتِ کربلا سے یہ پیغام دے گیا
میدان جیتنا ہے تو ہمت نہ ہار دے

خلقِ عظیم سے اسے نسبت ہو کس طرح
جو قوم چھ مہینے کے بچے کو مار دے

دنیا کے غم کو چھوڑ کے لو غمِ حسینؑ
غم ان کا ہو تو داغ جگر بھی بہار دے

اٹھارہ داغ اٹھائیں جو تا شام صبح سے
فطرت کہاں تک ان کے دلوں کو قرار دے

مرنے چلے ہیں کوفہ میں مسلم کے لاڈلے
اتنا نہیں ہے کوئی جو گیسو سنوار دے

اے نجم میری فکر کی اللہ ری ہمتیں
چاہوں تو بامِ عرش سے تارے اُتار دے

سبز پرچم

سبز پرچم بزمِ ماتم میں جو لہراتے ہیں ہم / آلِ پیغمبرؐ کی عظمت یاد دلواتے ہیں ہم

کھینچ کر اِس رنگ سے تصویرِ عباسِؑ جری / کائناتِ آدمِ عالم پہ چھا جاتے ہیں ہم

دردِ دل کی زندگی لے کر غمِ شبیرؑ سے / ساری دنیا میں پیامِ درد پہنچاتے ہیں ہم

خون میں ڈوبا ہوا آتا ہے اکبرؑ کا خیال / ناز پروردوں کو طوفاں آزما پاتے ہیں ہم

بے زباں اصغرؑ کا افسانہ سنا کر خلق کو / پتھروں کی آنکھ سے آنسو نکلواتے ہیں ہم

جب تصور اس کا لے جاتا ہے میداں کی طرف / اُس کی ننھی قبر سینے سے لگا آتے ہیں ہم

شام وہ عاشور کی اور وہ فضائے درد و غم / اس اندھیرے اس دھندلکے میں سما جاتے ہیں ہم

یاد آتی ہے اسیری سیدِ سجادؑ کی / جیسے اپنے سر درِ زنداں سے ٹکراتے ہیں ہم

عالمِ انسانیت کو سال بھر میں ایک بار / سرحدِ روحانیت میں کھینچ ہی لاتے ہیں ہم

کانپ جاتی ہے زمیں سینوں میں ہل جاتے ہیں دل / دست بر سینہ جدھر سے بھی گزر جاتے ہیں ہم

مدتوں روکا جنہیں صدیوں اُڑی جن کی ہنسی / وہ مقدس اشکِ غم آنکھوں سے برساتے ہیں ہم

ہم نشیں اِس منزلِ ماتم کا عالم کچھ نہ پوچھ / زندگی کو موت کو دونوں کو ٹھکراتے ہیں ہم

ہم نے قوموں کو جگایا ملتیں بیدار کیں / موت کی سی خامشی میں زندگی لاتے ہیں ہم

نجمؔ اپنی زندگی ہے وقفِ مدحِ اہلبیتؑ
شاعرِ سرکارِ اہلبیتؑ کہلاتے ہیں ہم

وعدہ گاہ

دنیا گری ہوئی ہے آج ہماری نگاہ سے ‏ یہ پھر گئی تھی سبطؑ رسالت پناہ سے
اللہ رے حسینؑ کا سرمایۂ کرم ‏ دشمن کو دیکھتے ہیں کرم کی نگاہ سے
آہی گئی شہادتِ مسلمؑ کی بھی خبر ‏ پلٹا وہ کربلا کا مسافر نہ راہ سے
یوں تشنہ لب ہوا ہے کوئی ذبح نہر پر ‏ پوچھو ذرا جہان کے سپید و سیاہ سے
پہلے تو ظالموں نے کیا وارثوں کو قتل ‏ پھر قیدیوں کو لے گئے مقتل کی راہ سے
کیا وقت آگیا تھا کہ اصغرؑ سا شیر خوار ‏ نکلا پئے جہاد حسینؑی سپاہ سے
جھولے میں بیقرار تھا معصوم بے زباں ‏ بابا کی آرہی تھی صدا قتل گاہ سے
میداں کا شیر جنگ کے میداں میں رہ گیا ‏ قاسم کی لاش اُٹھ نہ سکی رزم گاہ سے
سبطؑ نبیؐ پہ دور سے اعدا کے وار تھے ‏ کیا تاب تھی نگاہ ملاتے نگاہ سے
قائم ہے استغاثۂ شبیرؑ آج بھی ‏ فرمانِ آخری تھا یہ اس بارگاہ سے
ڈوبا ہوا ہے خون میں یہ کارواں مگر ‏ وابستہ قافلے ہیں بہت گردِ راہ سے
عابدؑ نے شامیوں کے کلیجے ہلا دیے ‏ خوش تھے بہُت اسیروں کے حالِ تباہ سے
جو حریت کی راہ بنا کر گئے حسینؑ ‏ راہیں نکل رہی ہیں اسی شاہراہ سے

دنیا میں بے مثال ہے یہ قوتِ عمل
سرک گئے قدم نہ بڑھے وعدہ گاہ سے

O

زندہ نشانیاں

ہنستے ہیں سر کٹایا جب شاہِ کربلا نے   بابا بھی سامنے تھے نانا بھی تھے سرہانے
یہ عاقبت کا سورج نکلا تھا جگمگانے   نہلادیا لہو میں میدانِ کربلا نے
روحِ نبیؐ کہاں تھی اس وقت کون جانے   برباد تھا مدینہ آباد قید خانے
پہلے پہل گئے تھے آغوشِ مصطفیٰؐ میں   وقتِ اخیر آیا خنجر گلے لگانے
مولاؑ نے گردنوں سے بیعت نکال لی تھی   جانیں مگر لٹادیں اہلِ وفا نہ مانے
بابا نے زندگی بھر مشکل کشائیاں کیں   بیٹے کے علقمہ پر کاٹے گئے ہیں شانے
میدان کو سدھارا خیمے سے لال جس کا   ڈیوڑھی تک آئی مادر بچے کا دل بڑھانے
اصغرؑ کی زندگی کا اتنا ہی تھا فریضہ   آئے تھے یہ عدم سے دنیا میں تیر کھانے
کیا یہ نہ جانتے تھے سبطِ نبیؐ کے قاتل   اسلام کی طرح سے پالا ہے مصطفیٰؐ نے
جان اس نے جب سے دی ہے دل دے رہی ہے دنیا   سب اس کے ماتمی ہیں بیگانے اور یگانے
بیٹھے ہیں ہاتھ خالی اس وقت تک مسلماں   قبروں میں دفن کرکے اسلام کے خزانے
رَن میں بنا گئے ہیں وہ اپنا خوں بہا کر   یہ منزلیں دعا کی سجدوں کے آستانے
ملت فدائے را ہے اے نا خدائے ملت   دریائے خوں میں چل کر کشتی لگی ٹھکانے
زندہ نشانیاں ہیں تاحشر یہ رہیں گی   سَو بار اُٹھ چکی ہے دنیا جنہیں مٹانے
جیسا لُٹانے والا ویسا ہی دینے والا   سب کچھ لٹا دیا پھر سب کچھ دیا خدا نے
کتنے گھروں میں اب تک قائم ہیں یادگاریں   کیسے بسے ہوئے ہیں اجڑے ہوئے گھرانے
سَن ساٹھ نے بنایا زنداں میں گھر ہمارا   صیاد نے اُجاڑے صدیوں تک آشیانے
دیکھے ہوئے تھے آنکھیں یہ سبطِ مصطفیٰؐ کی   آنکھیں بہت دکھائیں بدلی ہوئی فضا نے
پہنچا ہے اِن سے پہلے آوازۂ جلالت   قیدی ہیں راستے میں منزل پہ ہیں فسانے
پابوسیوں کو ان کی چھائے ہیں غم کے بادل   طوفاں مصیبتوں کے اٹھے ہیں سر جھکانے

قرآں زبانِ حق پر آئین بن کے آیا — میداں میں آگئے یہ راہِ عمل دکھانے
اولادِ مصطفیٰؐ ہے جکڑی ہوئی رسن میں — خاموش ہے زمانہ اللہ رے زمانے
ملت کی زندگی ہے قربانیاں انہیں کی — سمجھے کوئی نہ سمجھے مانے کوئی نہ مانے
اب تک لرز رہے ہیں تاریخ کی زباں پر — سادات کے لہو میں ڈوبے ہوئے فسانے
انساں حسینیت کو سمجھے گا نجمؔ اک دن — جوہر نہ یہ ملیں گے دنیا کی خاک چھانے

○

عرش کا تارا

قوم کی خاطر رن کو سدھارا — فرش کا مالک عرش کا تارا
راج کرے گا سیس کٹا کر — بنتِ نبیؐ کا راج دلارا
سارے جہاں میں دھوم مچی ہے — نام بھی پیارا کام بھی پیارا
وقت جب آیا دینِ نبیؐ پر — اس کو بلایا اس کو پکارا
ملتِ حق کو بعدِ پیمبرؐ — اس نے بنایا اس نے سنوارا
راہِ خدا میں جان گنوائی — یادِ خدا میں وقت گزارا
آج اسی کے غم میں ہے دنیا — غم کا مجاہد غم سے نہ ہارا
درد سے اس نے منہ نہ پھیرا — اُس کی طرف تھا درد کا دھارا
سب کا شہیدِ کرب و بلا ہے — کیسا ہمارا کیسا تمہارا
اس نے بنا کی مجلسِ ماتم — جس نے بھی سمجھا درد ہمارا
سبطِ نبیؐ کے غم کی بدولت — نجمؔ ہے غم کی آنکھ کا تارا

○

میدان کا دولھا

اِس شان کے دنیا میں دیکھے نہ سنے پیاسے　　عباسؑ پلٹ آئے پیاسے لبِ دریا سے
یوں خاک بسر ہوگی اولادِ پیمبرؐ کی　　یہ کس کو توقع تھی نیرنگئ دنیا سے
پیاسے ہیں نبیؐ زادے دریا سے ذرا ہٹ کر　　ساحل پہ چھلکتے ہیں پانی سے بھرے کاسے
کیا جانئے پیاسوں کے احساس پہ کیا گزری　　جب سرد ہوا آئی بہتے ہوئے دریا سے
یوں خون گراتے ہیں آقا کے پسینہ پر　　ظاہر ہے شہیدوں کے خونبار سراپا سے
قاسمؑ جسے کہتے ہیں میدان کا دولھا تھا　　دولھا کو ہے کیا نسبت میدان کے دولھا سے
جب قوم پہ وقت آیا دم بھر میں بدل ڈالا　　جینے کے تصور کو مرنے کی تمنا سے
فطرت جو زباں دیدے عاشور کے افسانے　　دریا سے سنے کوئی پوچھے کوئی دریا سے
جب رخصتِ آخر کو آئے تو یہ عالم تھا　　پانی بھی سکینہؑ نے مانگا نہیں بابا سے
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو جنبش ہے تہِ خنجر　　مولاؑ کو سلام آیا کیا عالمِ بالا سے
تیروں کو ارادت ہے تیغوں کو عقیدت ہے　　اِک سیّدِ بیکس سے اِک سروِ تنہا سے
آج اُن کی بھی مجلس ہے آج انکا بھی ماتم ہے　　لپٹے تھے جو پروانے اس شمع تجلّا سے
ہشیار ذرا رہنا ماتم کے تماشائی　　آنسو نہ نکل آئیں اس چشمِ تماشا سے

اے نجم یہی شاید عنوانِ سفارش ہو
امید تو ہے اتنی آقا کی تولّا سے

○

بلندیٔ افتاد

مشکیزہ جب کہ تیرِ ستم کھا کے گر پڑا
عباسؑ سا جوان بھی تیورا کے گر پڑا

بہرِ نماز گھوڑے سے اُترا نبیؐ کا لال
دنیا کو ہے گمان کہ غش کھا کے گر پڑا

جس میں سنانِ ظلم پہ آیا سرِ حسینؑ
یارب وہ قصرِ ظلم نہ تھرا کے گر پڑا

عشرہ کے دن اٹھا جو کوئی موجۂ فرات
ساحل تک آتے آتے ہی لہرا کے گر پڑا

کس کس کے دل پہ چوٹ لگی ہم سے پوچھیے
اسلام کا نشان جو تھرا کے گر پڑا

پابوسِ حسینؑ کی حسرت لیے ہوئے
ہر جاں نثار حکمِ قضا پا کے گر پڑا

اس پر نثار جس کی مدد پر تھے مشرقین
وہ ساری کائنات کو ٹھکرا کے گر پڑا

اکبرؑ کو دیکھتی تھی بہ حسرت سپاہِ شام
اک اک نظر کو زلف میں الجھا کے گر پڑا

پامال ہوگیا سرِ میداں حسنؑ کا چاند
اک طفل پوری فوج سے ٹکرا کے گر پڑا

دو چار دن رہا حُرِ غازی خلافِ راہ
آخر قدم پہ سیدِ والا کے گر پڑا

پوچھو نہ ماجرا علی اصغرؑ کی موت کا
اک پھول تھا کہ شاخ سے مرجھا کے گر پڑا

دنیا پکارتی ہے شبیہِ نبیؐ جسے
سینہ پہ وہ حسیں بھی سناں کھا کے گر پڑا

لکھا گیا نہ خنجر و قاتل کا معرکہ
خامہ بھی نجم ہاتھ سے تھرا کے گر پڑا

○

تمکینِ سلیمانی

اکبرؑ کا تنِ نازک زخموں سے گل افشانی — ملت نے پیمبرؐ کی تصویر نہ پہچانی
سر دیکھ کے نیزہ پر دنیا کی وہ حیرانی — زلفوں کی سیہ تابی چہرہ کی درخشانی
وہ خوابِ شہادت میں کونین کا شہزادہ — وہ چہرۂ ہستی پر بیدار پریشانی
تکمیلِ شہادت کو وہ باپ کی تیاری — وہ صبر کی منزل میں مادر کی گرانجانی
یارب یہ نبیؐ زادے کس قوم کے مہماں تھے — کیا ذکر ہے راحت کا پانی نہ ملا پانی
دنیا کے لیے لُوٹا گھر آلِ پیمبرؐ کا — دنیا کے لیے ملت یوں ہوگئی دیوانی
واجب تھا پیمبرؐ سے اقرارِ وفا کرنا — اولادِ پیمبرؐ پر جائز تھی ستم رانی
اُٹھتی ہوئی لہروں نے بہتا ہوا خوں دیکھا — دو روز کے پیاسوں کی دریا پہ تھی قربانی
جب مشک چچا کو دی شرما کے بھتیجی نے — آنکھوں نے کہا آنسو ہونٹوں نے کہا پانی
سایہ تھا پرندوں کا شبیرؑ کے لاشہ پر — تاریخ نے دُہرائی تمکینِ سلیمانی
جو فاطمۂ زہرا کی آغوش کا پالا ہو — اس جسم کے قابل تھی یہ سطوتِ روحانی
جنت کے جوانوں کی زیبا اُسے سالاری — ملت کے شہیدوں کی حاصل اسے سلطانی
منزل تھی محبت کی انوار کی تابانی — تلوار تھی گردن پر سجدہ میں تھی پیشانی
جانیں وہ لٹائی ہیں اس بے سروساماں نے — اب تک ہے زبانوں پر وہ حوصلہ سامانی
تا حشر حکومت ہے اِس شاہِ شہیداں کی — دو دِن کی حکومت میں کرلے کوئی من مانی
صدیوں سے ہے روزانہ ذکر اس کی شہادت کا — آمادۂ گریہ ہے پھر فطرتِ انسانی
اس در پر کوئی دیکھے ایثار کی خوش نظمی — اس در سے کوئی سیکھے آئینِ جہانبانی
مقتل کی ہواؤں میں زنداں کی فضاؤں میں — اسلام کی خدمت کی امت کی نگہبانی
کھویا ہوا تھا یارب کیا جذبۂ اسلامی — سوئی ہوئی تھی یارب کیا فطرتِ انسانی
سجادؑ کا دَور آیا سجدوں کی بہار آئی — رخصت ہوئی زنداں سے تاریکی و ویرانی

دربارِ یزیدی کا وہ صبر شکن منظر   اسلام کے وارث کی منبر پہ دُر افشانی
دربار میں سنّاٹا لہجے سے پیمبرؑ کے   وہ آنکھ اُٹھاتے ہی ظالم کی پشیمانی

دنیا میں ہمیشہ سے آنکھیں بھی ہیں آنسو بھی
دیکھی نہ سنی ایسی اشکوں کی دُر افشانی

○

خونِ تمنّا

ہائے عاشور کو شبیرؑ نے کیا کیا دیکھا   اپنی آنکھوں سے بہتّر کا تڑپنا دیکھا
آنکھ بھر کر کبھی اکبرؑ کو نہ دیکھا جس نے   اس نے لپٹا ہوا برچھی میں کلیجا دیکھا
ظالموں پیاس کی ایذا بھی اُٹھائی اس نے   تم نے خیمہ بھی لبِ نہر سے اُٹھوا دیکھا
کیسے لب خشک تھے عباسؑ کے جب مشک بھری   ہائے کس پیاس میں بہتا ہوا دریا دیکھا
دیکھنی تھی جسے اکبرؑ کی جوانی اس نے   خونِ دل خونِ جگر خونِ تمنّا دیکھا
تو جو میدان سے بے شیر نہ آیا واپس   ماں نے کیا جانیے کب تک ترا رستا دیکھا
ہائے اس مادرِ مجبور کی حسرت جس نے   دور سے اپنے جگربند کا لاشا دیکھا
صبح سورج نے سلامی درِ شبیر پہ دی   شام کو چاند نے کچھ اور ہی نقشہ دیکھا
ڈوبتے دن کی نگاہیں درِ شبیر پہ تھیں   عصر کے وقت مسافر کو اکیلا دیکھا
اک بے یارومددگار کی صورت دیکھی   اک بے شیر کا اُترا ہوا چہرا دیکھا
تا گلو ظلم کی چڑھتی ہوئی ندی دیکھی   ایک ننھا سا گلا خون میں ڈوبا دیکھا
موجِ دریا پہ ادھر سینۂ ساحل پہ ادھر   ایک افسانۂ غم خون سے لکھا دیکھا
نہر کے سامنے جلتے ہوئے خیمے پائے   شام سے پہلے ہی دنیا میں اندھیرا دیکھا

پا بہ زنجیر ملا ایک مریضِ لاغر
روحِ کونین کو زنجیر میں الجھا دیکھا

ہر خس و خار میں اک آگ بھڑکتی دیکھی
خون اِک اِک رگِ صحرا سے ٹپکتا دیکھا

کیا کہیں ان کی حمیت کو جن آزادوں نے
قید میں آلِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا

پھر انہیں گوشہ نشینوں نے مسیحائی کی
مدتوں دین کو دنیا نے تڑپتا دیکھا

دین کو خون میں نہلا کے لیا دم تو نے
اپنا ظلم اے ہوسِ دولتِ دنیا دیکھا

کس سے پوچھوں کہ سمجھتے ہیں وہ شاعر اپنا
نجم کا نام بھی فہرست میں لکھا دیکھا

○

پیامِ عزا

سلامت ہیں درسِ وفا دینے والے
ہمیں نازشِ کربلا دینے والا

یہ کہتے ہیں لبیک آوازِ حق پر
یہ لاشے ہیں حق کا پتہ دینے والے

یہ مقتل میں کیا مطمئن سو رہے ہیں
شجاعت کا جذبہ جگادینے والے

خود اپنے لہو میں نہائے ہیں کیا کیا
صداقت کو رنگیں قبا دینے والے

کہاں ہیں اب ایسے شہیدانِ ملت
تہِ تیغ قاتل دعا دینے والے

وہی آج ہیں دستگیرِ دوعالم
وہ دریا پہ بازو کٹا دینے والے

سدھارے کہاں اپنے جھولے سے اصغرؑ
حرم کو ذرا آسرا دینے والے

ملیں گے نہ اب رزم گاہِ جہاں میں
وہ اصغرؑ کو اکبرؑ بنا دینے والے

یہ جھولے سے مہدِ شہادت میں پہنچے
قیامت کا جھونکا دیا دینے والے

لہو چشمِ حق بیں سے رُلوا رہے ہیں
یہ ہر زخم پر مُسکرا دینے والے

تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

یہ ایثارِ ہمت صداقت شہادت یہی ہیں پیامِ عزا دینے والے
بڑے صبر کا ماجرا ہیں یہ آنسو یہ آنسو ہیں طوفاں اٹھا دینے والے
قیامت ہیں نجمی کے پُر درد نوحے
عزا دار کا دل ہلا دینے والے

○

چاک گریباں

حسرتیں پھوپھیوں کی ماں بہنوں کے ارماں لے گئے
اکبرِ مہ رو گلستاں کا گلستاں لے گئے

نیند نے آنکھیں پھرا لیں چین رخصت ہوگیا
سارے گھر کی جان تھے آسائشِ جاں لے گئے

دن ڈرانے ہوگئے راتیں اندھیری رہ گئیں
صبحِ روشن لے گئے شامِ درخشاں لے گئے

جس کے سلجھانے میں راحت سی دلِ مادر کو تھی
کون سی منزل میں وہ زلفِ پریشاں لے گئے

وہ جوانی کی امنگیں وہ جوانی کی بہار
موت کی تقریب میں شادی کے ساماں لے گئے

اب تبسم بیکسوں کے لب پہ آنے کا نہیں
بند آنکھوں میں مسرت کے چراغاں لے گئے

اس چمن میں پھر نہ آئی وہ نسیمِ جاں فزا
موسمِ گل لے گئے عہدِ بہاراں لے گئے

کردیا آخر گریباں چاک ساری قوم کو
خون میں ڈوبا ہوا چاکِ گریباں لے گئے

زندگی باقی ہے ہوشِ زندگی باقی نہیں
پالنے والوں کا احساسِ رگِ جاں لے گئے

دیدنی تھا جاں نثاروں کا سلامِ رخصتی
چھین کر ایک ایک سے جینے کا ارماں لے گئے

آخری دیدار کی شب کیسی جلدی ڈھل بسی
صبح اپنے حُسن کی شمعِ فروزاں لے گئے

پرورش کی قوم کی اپنا گلا کٹوا دیا
جنتِ داماں و فردوسِ گریباں لے گئے

کربلا میں آنے والے کتنی جانیں دے چلے
پھیر کر یثرب کو کتنے جسم بے جاں لے گئے

مٹ گئی راہِ خدا میں ساری اولادِ عقیلؑ
لاڈلے مسلمؑ کے یہ فخرِ نمایاں لے گئے

آتے آتے رہ گیا عون و محمدؑ کا شباب
چاندنی لوٹا کے دونوں ماہِ تاباں لے گئے

قوتِ بازو ہوا تعویذ قاسمؑ کے لیے
اپنے بابا کا نوشتہ دے کے میداں لے گئے

نہر سے کوثر کا رستہ مل گیا عباسؑ کو
تشنگی کے درد کی اُمید درماں لے گئے

عمر بھر ماں کو نہ بھولی اصغرِؑ ناداں کی یاد
عمر بھر کی زندگی دو دن کے مہماں لے گئے

دیکھتے ہی رہ گئے کونین منکا ڈھل گیا
اپنے شبنم سے گلے پر زخمِ پیکاں لے گئے

نجم دنیا آلِ پیغمبرؐ کی دشمن ہی رہی
دل پہ کیا کیا داغ امت کے نگہباں لے گئے

○

لالہ زار

یہ محبتِ رسولؐ کا انجام کار ہو
سادات کے لہو سے زمیں لالہ زار ہو

فطرت ہے جس کے سوگ میں وہ گلعذار ہو
تم اے حسینؑ گلشنِ غم کی بہار ہو

ہو آلِ مصطفےٰؐ کا لہو جس کے دوش پر
وہ انقلاب دہر کیوں نہ یادگار ہو

جس کے گلے پہ ثبت ہوں بوسے رسولؐ کے
اس کے گلے پہ خنجر قاتل کی دھار ہو

نقشِ قدم نے جس کے بنا دی خدا کی راہ
اُس کے قدم پہ جانِ دو عالم نثار ہو

آساں نہیں کہ موت کو اس طرح سونپ دے
انساں کو زندگی پہ اگر اختیار ہو

جس کی اذاں سے وجد میں آجائیں بحر و بر
اللہ اس کے سینہ پہ برچھی کا وار ہو

اصغرؑ گئے تھے پیاس بجھانے کے واسطے
بیجا نہیں ہے ماں کو اگر انتظار ہو

اللہ رے حبیب کی عظمت زہے نصیب — جس پر سلامِ بنتِ شہِ ذوالفقار ہو
عابدؑ اٹھے ہیں بارِ امامت لیے ہوئے — یہ پاؤں وہ نہیں جنہیں زنجیر بار ہو
کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل — جذباتِ حریت کا جو پروردگار ہو
دیکھیں تو آنسوؤں کا گلا کوئی گھونٹ دے — جب ماتمِ حسینؑ میں دل بیقرار ہو
باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حسینؑ سے — باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو
اک لفظِ کربلا میں ہے وہ داستانِ غم — جس کا ہر ایک لفظ کلیجہ کے پار ہو
لطفِ غم حسینؑ سے نا آشنا ہے وہ — جس غمزدہ کے دل میں غمِ روزگار ہو

میں تجمؔ اپنا فرض سمجھتا ہوں منقبت
ناداں ہے دل جزا کا جو امیدوار ہو

○

اَب کہاں

فاطمہؑ زہرا کے جانی اب کہاں — وہ بشر دنیائے فانی اَب کہاں
جان دے دی جس نے ملت کے لیے — وہ پیمبرؐ کی نشانی اَب کہاں
چاند سورج چھپ گئے اسلام کے — مہر و مہ پر حکمرانی اب کہاں
جس کا خالق ہے نبیؐ کا لاڈلا — وہ حیاتِ جاودانی اب کہاں
جو حسینیؑ منچلوں کے دم سے تھی — وہ بہارِ جانفشانی اب کہاں
لے گئے یہ مرنے والے اپنے ساتھ — درد کی راحت رسانی اب کہاں
موت کا جو خیر مقدم کر گئی — وہ انوکھی زندگانی اب کہاں
وہ حسینؑ اور وہ حسینیؑ کارواں — یہ وفا یہ قدر دانی اب کہاں

لے گئے اکبرؑ جوانی قوم کی　　ہائے اکبرؑ کی جوانی اب کہاں
اب کہاں وہ حسرتِ زخمِ جگر　　خونِ دل کی وہ روانی اب کہاں
اُٹھ گئے مہماں کے خیمے نہر سے　　تشنگی حاضر ہے پانی اب کہاں
جس سے اصغرؑ نے کہا پیاسے ہیں ہم　　وہ زبانِ بے زبانی اب کہاں
کرگئے نام اپنا عباسِؑ جری　　اب کہاں کرار ثانی اب کہاں
منزلِ صبر آزما میں سربکف　　جستجوئے کامرانی اب کہاں
سوگ ہے شبیرؑ کا اور اہلبیتؑ　　ان کے گھر میں شادمانی اب کہاں
قیدِ غم ہے اور یتیمانِ حسینؑ　　وہ فضائے مہربانی اب کہاں

زندگی نے مار ڈالا نجم کو
نجم کی شیوا بیانی اب کہاں

○

شانِ جلالت

سردے کے نانا جان کی دولت بچا گئے　　اسلام مٹ رہا تھا کہ شبیرؑ آگئے
اسلام کو نگاہوں کا مرکز بنا گئے　　اُٹھے حسینؑ اور دو عالم پہ چھا گئے
گردن پہ تیر ہنسلیوں والے بھی کھا گئے　　میدانِ کارزار میں منّت بڑھا گئے
کیا پوچھتے ہو کیسے تمہارے حسینؑ تھے　　ایسے تھے زیرِ تیغ بھی جو مسکرا گئے
مقتل نہ تھا حسینؑ کا دربار عام تھا　　ہاتھوں پہ سر لیے ہوئے اہلِ وفا گئے
رُخ پھیر دیں فرات کا جن کو تھا اختیار　　وہ تین دن کی پیاس کے صدمے اٹھا گئے
ساحل پہ آئے مشک بھری اور پلٹ پڑے　　عباسؑ اپنی شانِ جلالت دکھا گئے

کہتی ہیں آج تک یہی موجیں فرات کی
پانی تلک پیا نہیں کیا آئے کیا گئے

گھوڑے سے گر کے جانِ یداللہ وقتِ عصر
اب تک جو ہے بلند وہ طوفاں اٹھا گئے

سائے میں تیغِ ظلم کے سوکر اجل کی نیند
جسمِ بشر میں روحِ شرافت جگا گئے

طوفانِ آبِ تیغ بھی شرما کے رہ گیا
بچے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے

کیا دل پہ اختیار تھا کیا غم پہ اقتدار
اٹھے نہ پھر کسی سے جو صدمے اٹھا گئے

مقتل سے بھی گزر گئے زنداں کے در سے بھی
قوموں کے رہنماؤں کو رستہ بتا گئے

شاعر ہیں اہلِ بیتؑ رسالتؐ پناہ کے
اٹھا یہ شور نجم جو مجلس میں آ گئے

○

راہِ رضا

میدانِ شہادت میں حسینؑ آئے ہوئے ہیں
پیغامِ حیاتِ ابدی لائے ہوئے ہیں

دریا پہ علمدارؑ کو ٹوکا ہے کسی نے
تلوار نکالے ہوئے جھنجھلائے ہوئے ہیں

نیزہ پہ بھی عباسؑ کا سر چیں بہ جبیں ہے
گیسوئے رخِ پُر نور پہ بل کھائے ہوئے ہیں

اللہ نبیؐ زادوں پہ کیا ظلم ہوا ہے
بچے بھی کئی خون میں نہلائے ہوئے ہیں

شبیرؑ کہاں اور کہاں خواہشِ دنیا
یہ دوشِ پیمبرؐ کی ہوا کھائے ہوئے ہیں

روکو نہ انہیں جائیں گے میدان کو اصغرؑ
دنیا میں اسی دن کے لیے آئے ہوئے ہیں

جو آگ لگا دیتے ہیں تلوار سے رَن میں
نازک ہیں بہت دھوپ میں سنولائے ہوئے ہیں

کیا صبر کی تنظیم ہے اس تشنہ لبی میں
کیا اہلِ حرم بچوں کو بہلائے ہوئے ہیں

امداد کے طالب نہیں شبیرؑ کسی سے
خاموش ہیں کونین کو شرمائے ہوئے ہیں

زنداں میں وہی اب تیرے ماتم میں ہیں اسیرؑ
گیسو تیرے جن ہاتھوں کے سلجھائے ہوئے ہیں

جو سجدۂ خالق میں نہ تڑپے تہہِ خنجر
کُل عالمِ اسلام کو تڑپائے ہوئے ہیں

اکبرؑ کی جوانی سے ہے ملت کی جوانی
سینہ پہ جوانی میں سناں کھائے ہوئے ہیں

کیا جوش پہ آیا ہوا ہے رنگِ شہادت
آفاق پہ رحمت کی طرح چھائے ہوئے ہیں

حق بھی ہے اسی سمت میں رُخ ان کا جدھر ہے
یہ راہِ رضا زیرِ قدم لائے ہوئے ہیں

یہ ضبط ربابؑ آپ کا شبیرؑ کے غم میں
معصوم سکینہؑ کو بھی سمجھائے ہوئے ہیں

شبیرؑ کا غم اور غمِ شبیرؑ کے آنسو
چشم و دلِ عارف میں جگہ پائے ہوئے ہیں

جس در کے فقیروں میں بشر بھی ہیں ملک بھی
ہاتھ اپنے وہیں نجم بھی پھیلائے ہوئے ہیں

O

اے حسین علیہ السلام

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسینؑ
دنیا میں دین تیری بدولت ہے اے حسینؑ

دیوار و در لرزتے ہیں ماتم کے زور سے
کیا پُر وقار شامِ شہادت ہے اے حسینؑ

ملت بھی سوگوار ہے فطرت بھی ماتمی
چہرہ شفق کا خون کی رنگت ہے اے حسینؑ

جینے کا اختیار تھا مرنا کیا پسند
کیا جبر و اختیار پہ قدرت ہے اے حسینؑ

یہ صورتیں یہ خاکِ بیابان کربلا
اک اک جری کی چاند سی صورت ہے اے حسینؑ

کیا کیا گلوں میں تیر ہیں سینوں میں برچھیاں
بچوں میں بھی بزرگوں کی ہمت ہے اے حسینؑ

مردانِ حرب و ضرب کا اللہ رے انتخاب
یکساں جنہیں جراحت و راحت ہے اے حسینؑ

وہ تشنگی وہ تیر وہ اک پھول سا گلا
بے شیر کا خیال قیامت ہے اے حسینؑ

سلام

کیا سخت واردات تھی خنجر گلے پہ تھا
ہونٹوں پہ حق کی بات تھی خنجر گلے پہ تھا

پھیلا رہا تھا نور صداقت جہان میں
تنظیم شش جہات تھی خنجر گلے پہ تھا

دولھا بھی ایک لحہ کا مہماں تھا شام تک
سوئی ہوئی برات تھی خنجر گلے پہ تھا

اک آن میں فضائے دوعالم بدل گئی
اک سانس کی حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

اندھیر ہورہا تھا جہان خراب میں
کیا جانے دن تھا رات تھی خنجر گلے پہ تھا

سجدہ میں سر لبوں پہ دعائیں نظر میں شکر
دل میں خدا کی ذات تھی خنجر گلے پہ تھا

اصغر کا داغ رخصت آخر نمازِ عصر
تکمیل واقعات تھی خنجر گلے پہ تھا

روحِ حسینؑ بارگاہ بے نیاز میں
ممنون التفات تھی خنجر گلے پہ تھا

یوں کوئی نہر پر نہ ہوا ذبح تشنہ لب
دوگام پر فرات تھی خنجر گلے پہ تھا

دیکھا ہو بھائی کو جو تڑپتے تو کیا عجب
زینبؑ پسِ قنات تھی خنجر گلے پہ تھا

کس وقت ورثہ دار نبیؐ کو کیا شہید
جب ساعت صلوٰۃ تھی خنجر گلے پہ تھا

سویا علی کا لال دوعالم کو جیت کر
مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

کیا جان دے کے نجم گیا جانِ مرتضےٰ
جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

O

سلام

لوٹا ہوں کربلا سے اب حال ہے یہ جی کا　　جیسے کسی کے در پہ دل رہ گیا کسی کا
دشواریوں میں بھی ہے یہ فرض زندگی کا　　مقصد بلند رکھنا آوازِ یا علیؑ کا
مدحِ لسانِ حق میں عالم ہے بے خودی کا　　مارا ہوں میں خود ان ہی سخنوری کا
اے کربلا کے خالق عزم وعمل نے تیرے　　کتنا بڑھا دیا ہے معیار آدمی کا
مے خوار اس کا ہوں میں کوثر کا ہے جو ساقی　　دشمن ہے کون میرے ایمان و آگہی کا
تھا راہ راست پر حُر عاشور کی سحر کو　　کیا برمحل ہوا ہے احساس کجروی کا
کیوں موت زندگی میں یادِ علیؑ نہ آئے　　کیا موت زندگی پر کچھ زور ہے کسی کا
نوکِ سناں پہ آکر سبطِ نبیؐ کے سر نے　　اعلان خود کیا ہے ملّت کی زندگی کا
زہراؑ کا روزِ محنت، فضہ کا یومِ راحت　　دنیا جواب لائے اس بندہ پروری کا
درسِ عمل ہے مجلس مظلومِ کربلا کی　　لیکن علاج کیا ہے ذہنوں کی مفلسی کا
توحید کی حمایت اے بے نیازِ عترت　　اچھا مظاہرہ ہے اسلام دشمنی کا
کوئی نہیں بتاتا آلِ نبیؐ کی منزل　　معیار پوچھتا ہوں اک اک سے بندگی کا
قرآں حدیث دونوں ہیں ایک ہی زباں کے　　کیا راز کوئی سمجھے اب ربطِ معنوی کا
سبطِ نبیؐ کے در پر مولا علیؑ کے در پر　　ڈنکا بجا ہوا ہے میری گدا گری کا

اے نجم منقبت ہو اس وقت بھی زباں پر
جب نزع کی ہو ساعت عالم رواروی کا

○

سلام

ہاتھ رُکتے ہی نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے
استفادہ کر رہا ہوں موت کی تاخیر سے

واسطہ کیا ہے مجھے دنیا کی داروگیر سے
ہاتھ خالی ہی کہاں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے

آشنائے درد پوچھیں ماتمِ شبیرؑ سے
انقلاب آئے ہیں کتنے دستِ بے شمشیر سے

پوچھتے ہو اب غمِ شبیرؑ کی تاثیر کو
اب یہ آگے بڑھ چکا ہے منزلِ تاثیر سے

جب زباں پر یا علیؑ آتا ہے فرطِ شوق میں
اک سہارا چاہتا ہوں نعرۂ تکبیر سے

کون سمجھے صاحبِ نہج البلاغت کا مقام
مل گئی تحریر جب قرآن کی تحریر سے

اک نہ اک جا خلق میں مجلس کہیں ہوگی ضرور
کوئی پل خالی نہیں ہے ماتمِ شبیرؑ سے

حریت کی منزلیوں میں سیدِ سجادؑ نے
اک نیا جادہ بنایا پائے درِ زنجیر سے

میں نے باب العلم کی چوکھٹ کا بوسہ لے لیا
لوگ ادھر اُلجھے رہے قرآن کی تفسیر سے

سلسلہ جاری رہا صدیوں غمِ شبیرؑ کا
کتنے دل زخمی ہوئے ہیں حرملہ کے تیر سے

یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی
آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے

ان سے کہہ دو جو خلافِ ماتمِ شبیرؑ ہیں
گردنیں اپنی بچائیں دستِ خیبر گیر سے

نام حرؑ لیتے ہی بزمِ مدح میں آنے لگی
عفو کے پھولوں کی خوشبو دامنِ تقصیر سے

تم نے قرآں دربغل رہ کر اندھیرا کر دیا
روشنی کی ہم نے اہلِ بیتؑ کی تفسیر سے

اپنے خوں سے نقشِ الا اللہ لکھتے کیوں حسینؑ
کام چل سکتا اگر کچھ کاغذی تحریر سے

کربلا کی راہ میں حائل ہیں کتنی مشکلیں
نجمؔ پہنچے لڑتے بھڑتے گردشِ تقدیر سے

○

سلام

دیکھنے والے شبِ ہجرت کا عنواں دیکھتے
بسترِ راحت پہ یہ معراجِ انساں دیکھتے

نورِ واحد ہم بہر صورت نمایاں دیکھتے
پنجتن پنجاہ تن ہوتے تو یکساں دیکھتے

باز آجاتی اگر اُمت غمِ شبیرؑ سے
نامسلماں کرتے ماتم اور مسلماں دیکھتے

میں زباں پر بھول کر لایا نہ رازِ معرفت
یہ نصیری میرا صبر و ضبطِ پنہاں دیکھتے

دوشِ احمدؐ پر وہی ہم کو نظر آتے اگر
بات اچنبھے کی ہو کیا قرآں پہ قرآں دیکھتے

ہم نے مانا نازشِ تخلیق ہیں انساں مگر
اسوۂ شبیرؑ میں تعمیرِ انساں دیکھتے

روتی ہیں کس کس کی آنکھیں ماتمِ شبیرؑ میں
اشکِ غم کیا مسلکِ ہندو مسلماں دیکھتے

اپنا غصہ روک لیتے گر نہ عباسِؑ جری
اہلِ ساحل زندگی بھر خوابِ طوفاں دیکھتے

کیا ثباتِ پائے عابدؑ صبر کی منزل میں تھا
راہرو پامالیٔ خارِ مغیلاں دیکھتے

اللہ اللہ کہنے والے قربِ حق کی شان میں
یا علیؑ کہتے تو یہ مشکل بھی آساں دیکھتے

مصلحت مانع تھی ورنہ یہ زمین و آسماں
دستِ اصغرؑ اور قاتل کا گریباں دیکھتے

کربلا سے آکے میں اے انجم اس حسرت میں ہوں
میری جانب اک نظر شاہِ خراساں دیکھتے

○

سلام

دل میں غمِ حسینؑ کا روحِ رواں رہے
انساں ضعیف بھی ہو تو نسبت جواں رہے

اب اس مزاجِ درد کے انساں کہاں رہے
جن کی نگاہ میں ورقِ دو جہاں رہے

دل میں اگر محبتِ آلِؑ رسولؐ ہو
محنت صلوٰۃ و صوم کی کیوں رائگاں رہے

کہتا ہے کاروانِ حسینؑ کا نظم و ضبط ہر کاروانِ درد پسِ کارواں رہے
کہہ دو جب آئے جرأتِ عباسؑ کا سوال دریا پہ ہاتھ ڈال کے تشنہ دہاں رہے
میرے لیے وہ حلّتِ جنت سے ہے حسیں دامن غمِ حسینؑ میں گر دھجیاں رہے
لے آئے کوئی مجلسِ شبیرؑ میں اسے جو بد نصیب درد سے دامن کشاں رہے
جب تک بروئے کار نہ آیا غمِ حسینؑ سارے اصول عزم و عمل نیم جاں رہے
عترت بغیر ہوگا نہ ملت میں اتحاد قرآن تا بہ حشر اگر درمیاں رہے
بوسہ درِ حسینؑ کا سجدہ سے کم نہیں شکرِ خدا کروں جو کوئی بد گماں رہے

شاعر ہوں جن کا مجھ وہ ہیں وجہ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشاں رہے

○

سلام

ثابت یہ ہوا ذاتِ شہؑ عقدہ کشا سے ملتا ہے بشر سیرت و صورت میں خدا سے
شبیرؑ نے دیکھا انہیں میداں کی فضا سے عباسؑ تھے آگے حدِ امکانِ وفا سے
کم ہیں وہ جنہیں ربط ہے مفہومِ ولا سے ملتے ہیں بہت کوثر و تسنیم کے پیاسے
عاشور کے دن ظہر کو دنیا ہوئی واقف مومن کی نماز اور مجاہد کی دعا سے
یہ پیاس یہ زینبؑ کے دُلاروں کی لڑائی کیا دشمنوں کے منہ بھی نکل آئے ذرا سے
آغازِ صلوٰۃ اور ہے انجامِ صلوٰۃ اور اے شیخ حرم باز نہ رہ صلِ علیٰ سے
نازل جو ہوئی آیۂ فرمانِ مودّت ربط اور بڑھا میری محبت کا خدا سے
وہ رُوح عبادات ہے تو اے غمِ شبیرؑ اخلاق سنورتے ہیں تری نشو و نما سے
شبیرؑ کا غم تازگیِ فکر و نظر ہے ملتا ہے یہاں درسِ عمل اشکِ عزا سے

توحید کی بنیاد ہیں سرکارِ رسالتؐ — نسبت یہی شبیرؑ کو ہے دینِ خدا سے
مجرم ہیں یہ روکے ہوئے ہیں اجرِ رسالت — وحشت جنہیں ہوجاتی ہے ماتم کی صدا سے

اسرارِ حقیقت مرے افکار ہیں اے نجم
تفسیر مرے شعر کی پوچھو عرفا سے

○

سلام

کسی کے بس کی ثنائے ابوترابؑ نہیں — یہاں جلالتِ عزم و عمل کی تاب نہیں
نبیؐ کے نور کو نہ دو آفتاب سے مثال — وہ آفتاب کا خالق ہے آفتاب نہیں
عراق تجھ پہ ہزار انقلاب آئیں مگر — تاثراتِ زیارت کو انقلاب نہیں
شبابِ احمدِ مرسلؐ یہ لائے ہیں واپس — جمالِ اکبرِ ذی جاہ کا جواب نہیں
یہی ہے نکتۂ حائل احد اور احمد میں — حجابِ میم کے آگے کوئی حجاب نہیں
غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پر اثر انداز — خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں
یہاں تحفظ انسانیت کا ہے یہ سوال — زبانِ سبطِ نبیؐ پر سوالِ آب نہیں
وہ عصر تنگ کی منزل وہ عظمتِ شبیرؑ — یہ وہ فضا ہے جہاں کوئی ہم رکاب نہیں
کیا حسینؑ کو قدرت نے سید الشہداء — کسی گروہِ بشر کا یہ انتخاب نہیں

حسینؑ سے جو عقیدت ہے اہلِ ہند کو نجم
فضائے دہر میں اس کا کہیں جواب نہیں

○

سلام

جلوے خدا کے دین میں حُسن دوام کے　　ممنون ہیں حسین علیہ السلام کے
ملت نثار وارثِ خیرالانام کے　　رستے کھلے ہیں حق سے پیام و سلام کے
بیٹھے نصیریوں میں بھی ہم صوفیوں میں بھی　　ذکرِ علیؑ کہیں بھی ہو عاشق ہیں نام کے
کچھ سہل ہے حسینؑ کے غم کی مخالفت　　انسان اور حریف الٰہی نظام کے
خیرالعمل ہے آنکھوں کا اشکِ غمِ حسینؑ　　دل سو رہے ہیں ملتِ خیرالانام کے
پڑھئے سلام بزم میں انسان کم سہی　　ممکن جو منتظر ہوں فرشتے سلام کے
خالی کبھی نہ جائے گا فیضانِ کربلا　　ہر دور میں ہوئے ہیں کچھ انسان کام کے
آتی ہے اور مدح سرائی میں کیفیت　　جتنے حریف بڑھتے ہیں اس دورِ جام کے
وہ وقتِ عصر آخری رخصت حسینؑ کی　　پردے کبھی گرے کبھی اُٹھے خیام کے
لاشیں وہ کربلا میں شہیدوں کی خاک پر　　کیا نور بھر رہی تھیں دھندلکے میں شام کے
جی چاہتا ہے جان ان اشکوں پہ ہو نثار　　آنکھوں میں اشک آئے ہیں اصغرؑ کے نام کے
میں ہوں کلیمِ طور ثنائے علیؑ کا تجسم　　انداز ہیں کلام میں نقشِ دوام کے

○

سلام

محبت میں علیؑ کی دل سراپا نور ہوجائے　　ذرا ہمت کرے اور شعلۂ بے طور ہوجائے
عجب کیا کربلا دردِ دلِ جمہور ہوجائے　　یہ غم ہر مملکت میں شاملِ دستور ہوجائے
اگر مردہ دلوں میں ہو غمِ شبیرؑ کی منزل　　جبینوں پر نمایاں زندگی کا نور ہوجائے

بشر جس کو غرورِ عشق سے تسکین حاصل ہو　　وہ سر رکھ کر نجف کی خاک پر مغرور ہو جائے
بہت آساں ہیں دل ہل جائیں زیرِ تیغ سجدے پر　　بہت مشکل ہے سجدے کا یہی دستور ہو جائے
اندھیرے سے دماغ و دل خراج روشنی لے لیں　　اگر ملت کو عرفانِ شبِ عاشور ہو جائے
کسے دنیا میں اندازہ ہو اس ذہنی شجاعت کا　　حسینؑ ایسا جری پھر صبر پر مامور ہو جائے
لگا رکھی ہے لو شمعِ شبستانِ رسالت سے　　نجانے کب چراغ زندگی بے نور ہو جائے
رُخِ سبطِ نبیؐ پر تھی جو درد انگیز شادابی　　کہاں ممکن ہے جب زخموں سے انساں چور ہو جائے
تہِ شمشیر بھی شبیرؑ مختارِ دو عالم تھے　　شہادت کیا جو مرنے پر بشر مجبور ہو جائے

کوئی لکھ لے مجھے اے نجمؔ قنبر کے غلاموں میں
گذارش ہے اگر تقدیر سے منظور ہو جائے

○

سلام

یہ بتا دینا زمانے کو ہمارا کام ہے　　اہلِ بیتِ مصطفیٰؐ کی زندگی اسلام ہے
دور ہیں حبِّ عمل سے جب تک اربابِ عزا　　دیکھنے کے ہیں یہ آنسو غم برائے نام ہے
بیٹھ کر مجلس میں روئے اُٹھ کے ماتم بھی کیا　　اسوۂ انصار کی تقلید سے کیا کام ہے
جب نشانہ ہوگیا ہے شبیرؑ تیرِ ظلم کا　　زندگی کیا، موت بھی اس دن سے بے آرام ہے
جو تولائی ہیں مخلص ان کو دیکھو اک نظر　　ہر ادا میں ہر سخن میں دعوتِ اسلام ہے
اس طرف بھی اک نظر اے بادۂ خُمِ غدیر　　یا علیؑ کندہ ہے جس پر یہ ہمارا جام ہے
پوچھنا ہے مدحتِ شبیرؑ کا گوشہ کوئی　　مجھ کو جبریلِ امیں سے اک ذرا سا کام ہے
ان کا کیا کہنا جو ہیں تقلیدِ اہلِ بیت میں　　زندگی اسلام، لطفِ زندگی اسلام ہے
فکرِ شاعر کی خطا ہے فن پہ کیا الزام ہے　　شاعری اس دور میں لفظوں کا قتلِ عام ہے

دل جگر زخمی کرو دانش ورانِ قوم کے　　کیا پیمبرؐ کے جگر گوشوں کا یہ پیغام ہے
دشمنوں کی بھی بچالیتے تھے جانیں اہل بیتؑ　　اور یہاں الفاظ سے آپس میں قتلِ عام ہے
یہ کبھی سوچا ہے تم نے ان سے کہلاتے ہیں ہم　　ہر عمل جن کا دلیلِ عزتِ اسلام ہے
مدح کی منزل میں جھگڑے قافلے والوں کے ساتھ　　اے تولاّئی مسافر یہ نیا اقدام ہے
نجم کیا معلوم کس کا شعر انہیں آئے پسند
مدحِ اہل بیتؑ پر نازش خیالِ خام ہے

○

سلام

اگر وہ خود نہ دلوں کے نگاہباں ہوتے　　علیؑ کے حق میں بشر حمد بر زباں ہوتے
حقوقِ آلِ نبیؐ ہر طرح عیاں ہوتے　　زباں نہ کھولتے انساں تو دل زباں ہوتے
غمِ حسینؑ کے جذبے اگر عیاں ہوتے　　عزا کی شمع سے اُٹھتا ہوا دُھواں ہوتے
وہ غم علیؑ کی محبت میں جاں فزا نکلے　　جو دوسروں کی محبت میں جاں ستاں ہوتے
اگر حسینؑ نہ تخلیقِ کربلا کرتے　　یہ حوصلے یہ عزائم بھی پھر کہاں ہوتے
بڑی علیؑ کی ضرورت تھی شانِ وحدت کو　　بغیر ان کے منظّم نہ دو جہاں ہوتے
کہاں یہ شعر ہے اصغرؑ کی نذر کے قابل　　گلوئے مدح کے اے کاش ہنسلیاں ہوتے
ازل سے مدحِ علیؑ ہے ابد ہے دور ابھی
زمانہ چاہیے تکمیلِ داستاں ہوتے

○

تفسیر کو ہوتی نہ اگر آلِ نبیؐ کی — کہتے یہی اغیار کہ قرآں نے کمی کی
عزت کے مقابل میں ہر اقدام تھا ناکام — کرنے کو دنیا نے بہت عشوہ گری کی
ہم شکلِ پیمبرؐ کے خدوخال نہ آئے — شاعر نے بہت نظم میں تصویر کشی کی
اے دوست محبت کے شرائط بھی ہیں معلوم — یا صرف زبانی ہی محبت ہے علیؑ کی
یہ نفس کشی اصل میں انسان کشی ہے — بے حُبِّ علیؑ تو نے اگر نفس کشی کی
عشرہ کو مکمل ہوئی اسلام کی تصویر — شبیرؑ کے ایثار نے پوری یہ کمی کی
لکھا گیا نامِ علی اصغرؑ سرِ فہرست — تاریخ مرتب ہوئی جب تشنہ لبی کی
شبیرؑ کو پانی کی طلب میں تھا تامل — غدّاروں نے شبیرؑ سے بیعت طلبی کی

مدوح ہی واقف مری نیت سے ہیں اے نجم
دنیا میں ہے شہرت مری آشفتہ سری کی

O

سلام

لاکھ ظلم روزگار دیکھتا چلا گیا — صاحبِ حد اختیار دیکھتا چلا گیا
گھر کا گھر بگڑ گیا قوم کے بناؤ میں — لٹ گئی بھری بہار دیکھتا چلا گیا
دیکھتے ہی دیکھتے سب چمن اُجڑ گیا — فاطمہ کا گلعذار دیکھتا چلا گیا
اس کے اختیار میں موت بھی تھی زیست بھی — موت کو بروئے کار دیکھتا چلا گیا
اس کے عزمِ خیر میں کچھ کمی نہ آسکی — وہ حرم کا حال زار دیکھتا چلا گیا
بے خودی کی صورتیں وہ اداس مورتیں — جانِ دو جہاں نثار دیکھتا چلا گیا
اپنے خوں میں لوٹ کر اپنی شانِ دلبری — مرتضیٰ کا یادگار دیکھتا چلا گیا

سینہ پر لگی سناں ہائے اکبرؓ جواں　　خون ہوگئی بہار دیکھتا چلا گیا
تیر سے بجھائی جب حرملہ نے تشنگی　　منہ پدر کا شیر خوار دیکھتا چلا گیا
موت میں حیات میں فیض کائنات میں　　اضطراب روزگار دیکھتا چلا گیا
چاہتا اگر حسین مٹ گئے تھے مشرقین　　دین حق کا تاجدار دیکھتا چلا گیا

آئیں جب امامِ عصر ان سے یہ کہے کوئی
نجم زار انتظار دیکھتا چلا گیا

O

سلام

ملکِ عرب کا تپتا جنگل　　دھوپ ہے ذرّہ ذرّہ بیکل
قہر کی گرمی وقت ستم کا　　خشک ہے پانی دیدۂ نم کا
شعلہ بکف ہیں لُو کے تھپیڑے　　ڈوب رہے ہیں خشکی میں بیڑے
رو بہ رضا ہیں چند مسافر　　راہِ طلب میں صابر و شاکر
مصحفِ حق کے بکھرے پارے　　فرشِ زمیں پر چاند ستارے
گورے چہرے زلفیں کالی　　پیوست ابرو آنکھ غزالی
تن میں اُجلے اُجلے جامے　　سب کے سروں پر سبز عمامے
لانبے نیزے تیغیں دو دھاری　　گھوڑے جیسے بادِ بہاری
مکّے والے مدینے والے　　اپنے نبیؐ کے رشتہ والے

ساری خدا کی شان کی باتیں آپس میں قرآن کی باتیں
فخرِ عجم کے فخرِ عرب کے شاہِ شہیداں آگے سب کے
ایک کے پیچھے ایک عماری ناقوں کے اوپر بیبیاں ساری
گود میں ننھے ننھے بچّے جیسے گلوں میں موتی سچے
چھوٹا سا اک شامی لشکر حُرِ ریاحی جس کا افسر
ان کا رستہ روکنے آیا شیر دلوں کو ٹوکنے آیا
آیا لیکن پیاس کا مارا مرنے کے وسواس کا مارا
سب کے لبوں پر پیاس سے جانیں منہ سے باہر خشک زبانیں
ایسا پتلا حال جو دیکھا دشمن کو پامال جو دیکھا
جوش میں آئے کوثر والے ابرِ کرم کے برسے جھالے
ایک خیال و خواب تھا پانی کوسوں تک نایاب تھا پانی
بچوں کا دھیان نہ آیا خوب پلایا خوب لٹایا
مشک ہر اک منہ کھول رہی تھی تشنہ لبوں سے بول رہی تھی
عام کرم کی شان دکھائی گھوڑوں کی بھی پیاس بجھائی
ایک نہ رکھا قطرہ باقی
واہ ری ہمّت واہ رے ساقی

سلام

اک اُداسی کے سوا خیموں میں اب کیا رہ گیا
فاطمہؑ کا لال سر دینے کو تنہا رہ گیا

اک سکونِ مرگ ہے اور عصر کا ہنگام ہے
جی اٹھے گی ایک سجدہ سے یہ ایسی شام ہے

زیرِ خنجر مرکزِ ایماں کا سر خم ہوگیا
ایک سجدہ کار فرمائے دو عالم ہوگیا

غرق خوں میں لاڈلے مسلمؑ کے اور زینبؑ کے لال
لاشۂ قاسمؑ ہے گھوڑوں کے سموں سے پائمال

ہم شبیہِ مصطفیؐ سینے پہ برچھی کھا چکا
حلقِ اصغرؑ کا لہو اسلام کے کام آچکا

خونِ دل اسلام کی آنکھوں سے بہنے ہی کو ہے
عرشِ خالق کی فضا لبیک کہنے ہی کو ہے

برچھیوں میں اہتمامِ سجدۂ شبیرؑ ہے
اللہ اللہ کیا مقامِ سجدۂ شبیرؑ ہے

گرم ریتی حشر سامانی کا سجدہ مرحبا
یہ لہو میں غرق پیشانی کا سجدہ مرحبا

داستانِ عشق ہوگی اب زبانِ حُسن پر
مہر کرتی ہے جبیں سے آستانِ حُسن پر

حشر یہ ہونے کو ہے خیمہ کے در کے سامنے
کیا قیامت ہے کہ زینبؑ ہے نظر کے سامنے

لے چکا انگڑائیاں ساحل پہ عباسِؑ جری
کیا کٹے ہاتھوں سے کی اسلام کی بھی رہبری

مرضیِ خالق کا دامن بھرنے والے کو سلام
سینکڑوں تیروں میں سجدہ کرنے والے کو سلام

○

دریائے خوں میں ڈوب کے بھی پار اتر گئے
سب کے لبوں پہ موجِ مسرت ہے اے حسینؑ

ہر دن نمازِ عصر میں آتی ہے تیری یاد
کیا دردناک عصر کی ساعت ہے اے حسینؑ

زخمی جبیں لہو سے مصلّے رنگا ہوا
یہ روحِ معرفت یہ عبادت ہے اے حسینؑ

زخمی اسد کے قبضہ میں جیسے شکار ہو
قدموں میں کائنات کی دولت ہے اے حسینؑ

یہ تیرے ساتھ موت میں کیسی حیات تھی
زندہ جو رہ گئے انہیں حسرت ہے اے حسینؑ

گزرا ہے اس طرح سے اسیروں کا قافلہ
خود جادۂ صواب کو حیرت ہے اے حسینؑ

نیزے پہ سر ہے دوشِ پیمبرؐ پہ ہیں قدم
یعنی ہر اک حال میں رفعت ہے اے حسینؑ

کیا منتہائے درد تھی کیا دل میں درد تھا
ہر اہلِ دل کو تجھ سے ارادت ہے اے حسینؑ

بزمِ عزا کی شان ہے عباسؑ کا علم
بیدار اب بھی روحِ جلالت ہے اے حسینؑ

انصار کی قلیل سی تعداد دیکھ کر
غرقِ عرق جبینِ مودت ہے اے حسینؑ

سمجھے گا کیا کوئی میری سینہ شگافیاں
واللہ تیرے درد میں لذت ہے اے حسینؑ

میدانِ کربلا نہ سہی کربلا سہی
قدموں میں جان دینے کی حسرت ہے اے حسینؑ

حوصلۂ بشر

بعدِ حسینؑ یوں کوئی جلوہ نما نہیں ہوا
حوصلۂ بشر کبھی کرب و بلا نہیں ہوا

ہائے وہ ارضِ کربلا ہائے وہ سجدۂ جبیں
پھر تہِ تیغ جانستاں ذکرِ خدا نہیں ہوا

ہائے وہ نیزۂ ستم ہائے شبیہ مصطفیٰؐ
کوئی شبیہ مصطفیٰؐ پھر بخدا نہیں ہوا

ہائے ستم کی سرزمین ہائے وہ قامتِ حسیں
یوں کوئی جسمِ نازنین نقشِ وفا نہیں ہوا

ہائے گلوئے اصغری ہائے شکیبِ سروری
دہر میں پھر یہ مصرفِ تیرِ قضا نہیں ہوا

ناصرِ دینِ حق تھے سب، سب نے وفا پہ جان دی
لشکرِ حق پرست میں خونِ وفا نہیں ہوا

ہائے حسینؑ کا لہو ہائے ہجومِ رنگ و بو
پھر کوئی خطۂ زمیں خاکِ شفا نہیں ہوا

ہائے مصیبتِ حرم قیدِ حیات و قیدِ غم
کوئی شریک حالِ دل غم کے سوا نہیں ہوا

قید کے رات دن کٹے پاؤں کی بیڑیاں کٹیں
سوز جگر میں رہ گیا درد جدا نہیں ہوا

کونسی رات تھی وہ جب داغ جگر نہیں جلا
کونسا روز تھا وہ جب زخم ہرا نہیں ہوا

نجم کہیں ہمارے بعد اہلِ عزا یہ نہ کہیں
نجم کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا

O

آخری سجدہ

زرد کرنیں ڈوبتا سورج زمینِ کربلا
کربلا کی خاک پہ مسند نشینِ کربلا

تنگ ساعت عصر کی ڈھلتا ہوا عشرہ کا دن
نرغۂ اعدا میں تنہا ایک نفسِ مطمئن

ایک زخمی، غم زدہ بیکس مسافر، تشنہ کام
اس کی ہمت پر درود اور اس کی غربت پر سلام

اپنی مرضی کے مطابق وقت کو ڈھالے ہوئے
آخری سجدہ کی خاطر موت کو ٹالے ہوئے

فرش پر عرشِ الٰہی سے پیام آتے ہوئے
جانستاں تیروں کی بارش میں سلام آتے ہوئے

کائناتِ آب و گِل کی زندگی سہمی ہوئی
اس کے تیور دیکھ کر خود موت بھی سہمی ہوئی

خانۂ حق میں بلند اللہ اکبر کی صدا
کربلا میں خونِ اکبرؑ خاک پر بہتا ہوا

تا بہ دریا بوئے خونِ بے زباں جاتی ہوئی
لاشِ عباسؑ جری ساحل پہ تھراتی ہوئی

باوفا انصار کے ریتی پہ لاشے چار سو
منہمک ذکرِ خدا میں بے گناہوں کا لہو

تشنہ کامی کی یہ منزل عقل پا سکتی نہیں   بے اجازت علقمہ نزدیک آ سکتی نہیں

حسرتِ دیدار میں اہلِ حرم سب منتظر   موت جلتی ریت پر خیمے میں زینبؑ منتظر

لب پہ ہر اک کے دعا میداں سے آنے کے لیے   در پہ فضّہ منتظر پردہ اٹھانے کے لیے

ہاتھ سے بچوں کے دامن صبر کا چھوٹا ہوا   روحِ دریا مضطرب صحرا کا دل ٹوٹا ہوا

محوِ حیرت ہیں ملک سجدے کا عنواں دیکھ کر   ریت کے ذروں کو زخموں میں درخشاں دیکھ کر

غم زدہ مادر کی آوازِ بکا پھیلی ہوئی   قلبِ پیغمبرؐ دھڑکنے کی صدا پھیلی ہوئی

یہ عبادت اور ہے یہ کج کلاہی اور ہے   زیرِ خنجر یہ نمازی یہ سپاہی اور ہے

اس کے آگے پست ہے ایثار کا ہر معرکہ   اس نے سر سجدہ میں رکھا ہوگیا سر معرکہ

کٹ گئیں سوکھی رگیں گردن پہ خنجر چل گیا   لے لیا آغوش میں زہراؑ نے منکا ڈھل گیا

آخری سجدہ دلیلِ کامرانی اب بھی ہے
سینۂ گیتی پہ نقشِ جاودانی اب بھی

آخری سجدہ

تیرے سجدے میں ہے وہ روحِ جلالت اے حسینؑ   کانپتی ہے عصرِ عاشورہ کی ساعت اے حسینؑ

منتظر ہیں دست و دامانِ مشیت دیر سے   نذر کر دے آخری سجدے کی دولت اے حسینؑ

ارتباطِ خنجر و گردن پہ راضی ہوگئی   آج ماں کی مامتا ماں کی محبت اے حسینؑ

زلزلہ کون و مکاں کی چار دیواری میں ہے   جانِ زہراؑ سجدۂ آخر کی تیاری میں ہے

سینۂ اکبرؑ سناں سے پارہ پارہ ہو چکا   موت کی آغوش میں ننھا مجاہد سو چکا

اور صدمے بڑھ گئے ہیں بیکسی کی پیاس کے   ساحلِ دریا پہ شانے کٹ گئے عباسؑ کے

کیسے کیسے ناصرِ دینِ خدا مارے گئے　　　سر بکف میدان میں مسلم کے مہ پارے گئے
ثانیِ زہراؑ مہم ایثار کی سر کرچکی　　　اپنے دونو لاڈلے بچے نچھاور کرچکی
ہر مجاہد کی جگہ خیمے میں خالی دیکھ لی　　　لاشۂ ابنِ حسنؑ کی پائمالی دیکھ لی
فرش پر عرشِ الٰہی سے پیام آنے لگے　　　اُس کے نفسِ مطمئنہ کو سلام آنے لگے
ہل گیا مقتل ملک آئے پیمبرؐ آگئے　　　علقمہ تھرا گئی ساقیِؑ کوثر آگئے
بہرِ تسلیمات خاصانِ الٰہی جھک گئے　　　سامنے حدِ ادب پر سب فرشتے رک گئے
کون جانے دشت و در کی بیقراری کب سے ہے　　　یہ کسے معلوم زہراؑ کی سواری کب سے ہے
دو جہاں کی قوتیں ہیں دست بستہ سامنے　　　کردیا ہے سب سے بے پروا خدا کے نام نے
خالقِ انسانیت نے اپنی قدرت سونپ دی　　　دستِ بیکس میں خدائی بھر کی قسمت سونپ دی
سجدہ فرما تا ابد سجدہ گزاروں کا سلام　　　تجھ پہ اے مظلوم تیری خوں کی دھاروں کا سلام
تیرے استقلال پر ہر پاک ہستی کا سلام　　　سینکڑوں زخموں کے حامل حق پرستی کا سلام
فاتحِ تشنہ لبی غم کے پیاموں کا سلام　　　تجھ پہ تیری معرفت کے تشنہ کاموں کا سلام

زیرِ خنجر تیرا سجدہ بندگی کی جان ہے
طاعتِ حق کی بلندی پر تیرا احسان ہے

O

آخری سجدہ

اک مسافر قبرِ پیغمبرؐ سے اٹھوایا ہوا　　　چھوڑ کر ماں کی لحد پردیس میں آیا ہوا
جس نے اتنے غم سہے دنیا کو حیراں کردیا　　　دردِ دل سے مرضیِ خالق کا دامن بھر دیا
جس کے ماتم سے ہے وابستہ حیات اسلام کی　　　جس کے تن پر زخم ہیں کل کائنات اسلام کی

جس کے صبر و ضبط نے فطرت کا چہرہ فق کیا
لاشِ اصغرؑ دفن کر کے جس نے شکرِ حق کیا

بن گئی آغوشِ مادر کربلا جس کے لیے
آئیں جنت سے تڑپ کر فاطمہؑ جس کے لئے

عصرِ عاشورہ کی ساعت پر نظر رکھے ہوئے
چہرۂ پُر نور جلتی ریت پر رکھے ہوئے

خون کی مسند بساطِ خاک پر بچھی ہوئی
چار جانب قدسیوں کی چشمِ تر بچھی ہوئی

ہر طرف اشکِ غمِ جن و ملک پھیلے ہوئے
دل کے ٹکڑے علقمہ کی نہر تک پھیلے ہوئے

زندگی ہے دم بخود بیکس کے تیور دیکھ کر
تھم گئی موت آخری سجدے کا منظر دیکھ کر

اس کی ہیبت سے زمین و آسماں مدہوش ہیں
لشکرِ دشمن میں طبلِ جنگ بھی خاموش ہیں

کشتگانِ عشق کے لاشے پڑے ہیں سامنے
دیر سے سہمے ہوئے قاتل کھڑے ہیں سامنے

زیرِ خنجر وہ مجاہد وہ شہیدِ حق پناہ
لکھ رہا ہے خاک پر خونِ گلو سے لاالہ

انبیاء نذرانۂ اشکِ عقیدت لائے ہیں
اُس کا سر زانو پہ لینے خود پیمبرؐ آئے ہیں

قبرِ اصغرؑ بن چکی اکبرؑ کا لاشہ اٹھ چکا
در پہ زینبؑ آگئی خیمہ کا پردہ اُٹھ چکا

کربلا خیمہ کے در پردہ حزینہ تو نہیں
دیکھنا ہمراہ زینبؑ کے سکینہؑ تو نہیں

آخری سجدہ نیاز و ناز کا ہنگام ہے
فاطمہؑ کا لاڈلا ہے اور خدا کا نام ہے

روشنی ڈالی جبیں کے نور نے قرآن پر
اُس کا سجدہ مہر ہے اللہ کے فرمان پر

ذرہ ذرہ کو زباں خونِ شہید ناز دے
کیا عجب ہے کربلا جبرئیل کو آواز دے

آخری سجدہ کا نقشِ خونچکاں لے جایئے
عرش تک مولاؑ کی خاکِ آستاں لے جایئے

○

آخری سجدہ

ڈوبتے سورج کی غمگیں روشنی سجدے میں ہے — عصرِ عاشورہ کا مالک آخری سجدے میں ہے
زندگی کا ذکر کیا ہے موت بھی سجدے میں ہے — زیرِ خنجر جانِ زہراؑ و علیؑ سجدے میں ہے
کانپتا ہے عرشِ خالق سجدۂ شبیرؑ سے — ریگزار کربلا ہے اور پیمبرؐ کا لہو
ہل گئے دل یہ سکونِ دل کا منظر دیکھ کر — آخری سجدہ قریبِ قبرِ اصغرؑ دیکھ کر
خاک کے بستر پہ دیکھا قدسیوں نے آج اسے — بچپنے میں زینتِ دوشِ پیمبرؐ دیکھ کر
تھرتھرا اٹھیں سنانیں تھم گئے دستِ ستم — تشنہ لب اہلِ وفا کو خون میں تر دیکھ کر
نہر پر سوتا ہے کوئی ہاتھ کٹوائے ہوئے — کوئی محوِ خواب سینہ پر سناں کھائے ہوئے
کوئی پامالِ سمِ اسپاں ہے خاکِ گرم پر — ٹکڑے ٹکڑے جسم جیسے پھول مرجھائے ہوئے
لال دو مسلم کے ہیں دو لاڈلے زینبؑ کے ہیں — زندگی پر فتح پائے موت پر چھائے ہوئے
انبیاء دل میں تولاّ کی امانت لائے ہیں — کتنے خاصانِ خدا نذرِ عقیدت لائے ہیں
کیا تعجب بال کھولے سیدۂ بالیں پہ ہوں — اشکِ غم آنکھوں میں سرکارِ رسالتؐ لائے ہیں
عرش سے بہرِ سلام آئے ہیں جبریلِ امیں — حکمِ حق سے سعیِ مشکوراً کی نعمت لائے ہوئے
کائنات درد والے دین و دنیا کا سلام — اہلِ دل اہلِ نظر اہلِ تولاّ کا سلام
صدقے تیری پیاس پر بیتاب موجوں کی تڑپ — اے شہیدِ تشنہ لب مجبور دریا کا سلام
مالکِ صبر و شجاعت فاتحِ کرب و بلا — تیری ہمت پر خدائے کار فرما کا سلام

اعتراف احساں کا تیرے فرضِ عینی ہوگیا
آج دینِ مصطفٰےؐ دینِ حسینیؑ ہوگیا

O

کربلا کے مسافر

مقتل میں لاشیں رہ گئیں نیزوں پہ سر گئے
یارب یہ کربلا کے مسافر کدھر گئے

سر دیکھ کر حسینؑ کا جذبے ٹھہر گئے
اعدا نے اشک روکے تو چہرے اتر گئے

رُکتے ہیں جنگ سے کہیں شیرِ خدا کے شیر
اصغرؑ کہاں تھے جانے کے قابل مگر گئے

ڈوبا غمِ حسینؑ میں عشرہ کا آفتاب
لیلائے کائنات کے گیسو بکھر گئے

انصارِ با وقار کو اب چاہیے تھا کیا
زہراؑ کی لاڈلی سے دعا لے کے مر گئے

جاری ہے اب بھی سلسلۂ نصرتِ حسینؑ
وہ سب شہید ہیں جو محبت میں مر گئے

آبِ رواں میں ناخنِ پا بھی نہ تر کیا
عباسؑ بحرِ خوں میں گلے تک اتر گئے

امت کی ذہنیت ہی بدل دی حسینؑ نے
کیا ذکر ہے عمل کا ارادے سنور گئے

پڑھ کر نمازِ عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ
اِک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے

سمجھے نہ حق شناس بھی منزل حسینؑ کی
اتنا ہی کہہ سکے یہ بڑا کام کر گئے

پایا نہ قاتلوں نے کہیں چین عمر بھر
نظروں میں تھے حسینؑ کے تیور جدھر گئے

تھے نجم خوش نصیب کہ ذکرِ حسینؑ پر
روحی فداک کہہ کے جہاں سے گزر گئے

پیامِ عمل

قتل کی شبیرؑ کی بات کدھر جائے گی
قبرِ پیمبرؐ پہ بھی کیا یہ خبر جائے گی

جاتی ہیں زینبؑ وطن بالی سکینہ بغیر
کس کو خبر تھی غریب قید میں مر جائے گی

آئی ہے عشرہ کی شام بال پریشاں کیے
چہرہ پہ مَل کر لہو غم کی سحر جائے گی

منزلِ کرب و بلا خون کا دریا سہی
ڈوب کے فوجِ خدا پار اُتر جائے گی

ماں کو نہ تھا وہم بھی چاند سی اکبرؑ کی شکل
خاک میں بھر جائے گی خون میں بھر جائے گی

سینۂ عباسؑ پر تیر بھی آئے تو کیا
نبضِ شجاعت یہاں اور اُبھر جائے گی

لاشے ہی لاشے حسینؑ دیکھیں گے انصار کے
عصر تلک جس طرف آج نظر جائے گی

خاک نشیں ہیں حرم قتل کے میدان میں
کیا اسی عنوان سے رات گزر جائے گی

قید سے چھٹ کر بھی ہیں قید میں چوتھے امامؑ
مجلس و ماتم ہی میں عمر گزر جائے گی

ملتِ اہلِ عزا حشر کے میداں میں بھی
درد بہ دِل جائے گی خاک بسر جائے گی

وقت کا احساس کیا ماتمِ شبیرؑ میں
صبح گزر جائے گی شام گزر جائے گی

اشک سلامت رہیں ماتمِ شبیرؑ کے
اب نہ تری آبرو دیدۂ تر جائے گی

نجم ہمیں نزع میں صَرفِ عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

○

سبز قبا

شاید ہے طلب پھر مری شبیرؑ کے در سے ۔۔۔ اے جذبۂ مدحت یہ ہوا آئی کدھر سے
بالا ہی رہی شانِ علیؑ ذہنِ بشر سے ۔۔۔ دنیا نے بہت کام لیا فکر و نظر سے
مدحت کے ترانے میں بڑا وزن ہے واعظ ۔۔۔ اک حرف ہے بھاری تری تسبیح گہر سے
جبریلؑ سے پوچھے کوئی اس نغمہ کا ماخذ ۔۔۔ پڑھتے ہوئے یہ نادِ علیؑ آئے کدھر سے
ہوتا نہ اشارہ جو حسینؑ ابن علیؑ کا ۔۔۔ ہرگز نہ بدلتی شب عاشور سحر سے
جیتے ہیں دو عالم حسنِؑ سبز قبا نے ۔۔۔ اک صبر کی تلوار محبت کی سپر سے
روتے ہیں جو اس دور کے کشتوں کو مسلماں ۔۔۔ وہ آنکھ ملائیں تو مرے دیدۂ تر سے
دن عشرہ کا ڈھلتے ہوئے دیکھیں گے نہ انصار ۔۔۔ تلواروں پہ صیقل کیے بیٹھے ہیں سحر سے
کھلتی نہیں تائید میں کیوں ان کی زبانیں ۔۔۔ دل جن کے تڑپ جاتے ہیں ماتم کے اثر سے
اک اور علیؑ سے ہوئی خدمت یہ نبیؐ کی ۔۔۔ ماتھے کی شکن مٹ گئی خیبر کی خبر سے
مدحت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی مرا جادہ ۔۔۔ گذرے ہیں پیمبرؐ بہت اس راہ گذر سے

ہے حضرت ناسخؔ سے تلمذ کا تسلسل
نسبت ہے مجھے نجمؔ بڑے اہلِ ہُنر سے

○

دین کا رہبر

مسلّم کیوں نہ ہو تیری بزرگی اے علی اصغرؑ ۔۔۔ شریکِ عظمتِ شبیرؑ و شانِ حیدرؑ صفدر
علیؑ ایسے ہی ہوں گے اپنی گہوارہ کی منزل میں ۔۔۔ یہی صورت یہی چتون یہی نظریں یہی تیور

فضائے رحمت و رفعت میں جھولا جھولنے والے
تصدق گردشِ آفاق گہوارہ کی جنبش پر

قسم کھاتا ہوں تیرہ سو برس کے دورِ ماتم کی
تیری چھ ماہ کی ہے عمر عمرِ خضر سے بہتر

لڑکپن بھی تصدق ہے جوانی بھی ضعیفی بھی
نہاں ہے عالمِ اصغر میں ایسا عالمِ اکبر

رہے پاسِ ادب سے دور ورنہ تیر چلتے میں
تجھے گودی میں لے لیتے مہ و مہرِ فلک بڑھ کر

تجھے نادان کہنا سادگی ہے فکرِ شاعر کی
نظر انداز کردینا اسے اے غم کے پیغمبرؑ

ترے معیارِ دانش کی خبر دی استغاثے نے
یہ سنتے ہیں کہ جھولے میں ٹھہرنا ہوگیا دوبھر

کوئی صورت نہیں ممکن بجز تیری محبت کے
ہمہ وقتی عبادت ہے اگر ایمان کا جوہر

ہوا فائز نہ اس معراج پر کوئی پیمبرؑ بھی
شہادت پائی تو نے سبطِ پیغمبرؑ کے ہاتھوں پر

سفر کل چھ مہینے کا ولادت سے شہادت تک
مگر تو ہے قیامت تک خدا کے دین کا رہبر

ترے زخمِ گلو کی مُہر نے اے نازشِ فطرت
مکمل کردیا شبیرؑ کے ایثار کا دفتر

ہوائے تیر سے انکھوں میں آنسو تک نہیں آئے
تبسم لب پہ آیا دینِ حق کی زندگی بن کر

جسے ہو عشقِ صادق تجھ سے اس کی شان کیا کہنا
میرا دل اس کے قدموں میں میرا سر اس کے قدموں پر

بس اب اللہ اکبر کہہ کے میں خاموش ہوتا ہوں
بشر کی فہم سے باہر ہے تیرا مرتبہ اصغرؑ

تیری مدحت کے جادے پر یہ فکرِ نجم کی حد ہے
حق آگاہی تیری منزل یداللٰہی ترے تیور

○

شورِ وفا

سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے
کلمہ حسینؑ کا ہے محمدؐ کا نام ہے

دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے
یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے

بے ماتمِ حسینؑ سحر ہے نہ شام ہے   جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے
سینہ پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے   انسانیت حسینؑ کے اُسوہ کا نام ہے
سمجھے کہاں جو سبطِ نبیؐ کا مقام ہے   کتنا ابھی شعورِ بشر تشنہ کام ہے
دریا پہ کون شیر جری تشنہ کام ہے   موجوں کا ہے یہ شور وفا اس کا نام ہے
نفسِ رسولؐ اس کی رضا تک پہنچ گیا   سمجھے تھے ہم کہ راہ خدا نا تمام ہے
اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ   یہ مسلکِ حسین علیہ السلام ہے
اشکِ غم حسینؑ میں ہے لطفِ زندگی   رونا اگر نہ آئے تو جینا حرام ہے
قرآن میں خدا نے مودت کہا جسے   یہ بھی حسینیت کا حقیقت میں نام ہے
ہمراہ ہے ضریح کے عباسؑ کا علم   واللہ یہ شعورِ وفا کا مقام ہے
موسمِ غمِ حسینؑ کا آیا چلا گیا   یہ کاروانِ درد بڑا تیز گام ہے
شاعر ہوں اس کے در کا میں اے شاعرانِ دہر   جس کا ہر ایک لفظ خدا کا کلام ہے

تقلید میری ہوتی ہے اہل سخن میں جعجم
چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

O

دردِ درماں

چاند نے زہرؑا کے مستقبل درخشاں کردیا   قومیت کی روحِ آزادی کو جولاں کردیا
جلوۂ شبیرؑ نے جنت بداماں کر دیا   قسمت اس جنگل کی جس کو کوئے جاناں کردیا
سینۂ یثرب سے نکلا کاروانِ دردِ دل   کربلا کو سجدہ گاہِ درد و درماں کردیا
اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے کار سازِ حریت   تو نے مرگ و زندگی دونوں کو آساں کردیا

سر پہ کج رکھ کر ہجومِ غم میں تاجِ بے کسی
ظلم کے آئین کو سر در گریباں کردیا

درد کی قوت سے دنیا لرزہ براندام ہے
بجلیاں ماتم میں بھردیں غم کو طوفاں کردیا

جھوٹ سے ٹکرا کے سچے بول شمع بن گئے
ہر زبانِ گنگ کو شمشیرِ عریاں کردیا

ڈھے گیا قصرِ امارت ہل گئی بنیادِ ظلم
کارگاہِ عیش کو خوابِ پریشان کردیا

اضطرابِ معنوی دے کر بنایا دل کو دل
زندگی کو زندگی انساں کو انساں کردیا

تجم ہم نے مدح اہلِ بیتؑ کے ہر شعر میں
فاضلِ طینت کی فطرت کی نمایاں کردیا

○

شانِ انصار

جنگ کا دن تھا مصلّے پر تھے انصارِ حسینؑ
ٹیک کر تلوار اُٹھا ہر فدا کارِ حسینؑ

فہمِ انسانی سے بالاتر ہے معیارِ حسینؑ
خالقِ عزت سے پوچھو عزتِ کارِ حسینؑ

کردگارِ حسن کی ناز آفرینی دیکھئے
دو امامؑ اور اک پیمبرؐ ناز بردارِ حسینؑ

خانۂ حق کی سیہ پوشی ہے اس غم کی گواہ
ابتدائے غم سے کعبہ ہے عزادارِ حسینؑ

دامِ آزادی میں دنیا مجھ کو لاسکتی نہیں
میں گرفتارِ علیؑ ہوں میں گرفتارِ حسینؑ

ظہر کو سجدوں میں تھے سر عصر کو نیزوں پہ تھے
روزِ عاشورہ نے دیکھی شانِ انصارِ حسینؑ

چل پڑا راہِ خدا پر اک منظّم کارواں
جب مجسّم ہوگئے احساس و افکارِ حسینؑ

صبح اُٹھ کر سب نے دیکھا اپنا منہ تلوار میں
کیا مجاہد تھے بہتّر آئینہ دارِ حسینؑ

لے کے آئی عصرِ حاضر تک تولّا کی کشش
وقت نے دیکھی سُنی رفتار و گفتارِ حسینؑ

ڈوبتے سورج سے پوچھا یہ اُبھرتے چاند نے
کب سے ریگِ گرم پر رکھے ہیں رخسارِ حسینؑ

اُن کی نعلینِ مبارک میرے سر آنکھوں پہ تجم
تاجداروں سے ہیں برتر کفش بردارِ حسینؑ

○

سلام

دل ان کی اطاعت میں نہ رہیں قدرت کو گوارا ہو نہ سکا
شبیرؑ کا جو بندہ نہ بنا اللہ کا بندہ ہو نہ سکا

ایثارِ حسینیؑ سے پہلے آنکھوں میں اُجالا تھا لیکن
جب تک یہ دیا روشن نہ ہوا ذہنوں میں اُجالا ہو نہ سکا

کیا سبطِ پیمبر کو غافل اپنا ہی سا انساں سمجھا ہے
انسان وہ ایسا تھا جس کا تو نقشِ کفِ پا ہو نہ سکا

شبیرؑ جب آڑے آجائیں پھر وار کسی کا کیسے چلے
رسوا ہوئے خود ہی دشمنِ دیں اسلام تو رسوا ہو نہ سکا

محفل کے ہزاروں دولہا تھے محفل کے ہزاروں دولہا ہیں
قاسمؑ کی طرح دنیا میں کوئی میدان کا دولہا ہو نہ سکا

کیا پاس ادب تھا سرور کا اکبرؑ نے لیا یوں اذنِ وغا
جو کچھ بھی کہا نظروں سے کہا لفظوں میں تقاضا ہو نہ سکا

توحید کی بھی تائید ہوئی اسلام کی بھی تجدید ہوئی
شبیرؑ نے وہ احسان کیا جس کا کوئی بدلا ہو نہ سکا

اللہ رے فراقِ سبطِ نبیؐ تو نے بھی سہی یہ تشنہ لبی
اے نہرِ فرات اب تک تو کبھی دریا کوئی پیاسا ہو نہ سکا

عباسؑ اک ایسی ہستی تھا عباسؑ اک ایسی ہستی ہے
اونچا کبھی جس کے پرچم سے معیارِ وفا کا ہو نہ سکا

انسان کی حد سے آگے ہے شبیرؑ کی رہِ فکر و نظر
ہر قوم میں جس کا ماتم ہو انساں کوئی ایسا ہو نہ سکا

شبیرؑ کے غم نے پرکھا ہے شبیرؑ کے غم نے سمجھا ہے
اے نجمؔ کہیں اس دنیا میں سودا ترے دل کا ہو نہ سکا

O

سلام

طرح مصرع: ”خونِ حسین ابنِ علی بے اثر نہیں“

رُخ سمتِ کربلائے معلّٰی اگر نہیں
انسانیت کی اور کوئی رہگذر نہیں

صد شکر مل گیا مجھے درِ اہلِ بیتؑ کا
توفیقِ معرفت ہے کہ میں دربدر نہیں

اکبر کی موت اور ان کی جوانی کو دیکھیے ۔۔۔ اک آفتابِ حُسن ہے نیزہ پہ سر نہیں
میں ہوں غمِ حسینؑ میں دونوں سے بے نیاز ۔۔۔ جینے کی آرزو نہیں مرنے کا ڈر نہیں
تم کیا کرو گے ماتمِ شبیر کا علاج ۔۔۔ یہ دردِ دل ہے چارہ گر دردِ سر نہیں

حاجی ہو کوئی حافظِ قرآں ہو کوئی منجم
کچھ بھی نہیں علیؑ سے محبت اگر نہیں

○

سجدہ گاہِ عشق

کربلا کی راہ میں رہبر نگاہِ عشق ہے ۔۔۔ ساری دنیا آج میری گردِ راہِ عشق ہے
اے مسافر دور سے کر سجدۂ حق الیقیں ۔۔۔ سر کے بل بھی حد سے بڑھ جانا گناہِ عشق ہے
عشق کا سجدہ ہوا ایسا نہ پھر بعد حسینؑ ۔۔۔ کربلا اس روز سے خود جلوہ گاہِ عشق ہے
عہدِ ختمی مرتبت میں جا کے یہ عقدہ کھلا ۔۔۔ حُسن بھی روزِ ازل سے رُو براہِ عشق ہے
گُم نہیں کرتے کبھی رستہ مرے قول و عمل ۔۔۔ میرا ہر اک لفظ ہر جُنبش براہِ عشق ہے
تاجدارِ کربلائے عشق ہیں سبطِ نبیؐ ۔۔۔ اشک و آہ و مجلس و ماتم سپاہِ عشق ہے
کس قدر خاموش جذبہ ہے پتہ چلتا نہیں ۔۔۔ اس بھری دنیا میں کس سے رسم و راہِ عشق ہے
تاج کے محتاج ہیں جو، ان سے کہدے ہم نفس ۔۔۔ میرے سر ''قالو بلیٰ'' والی کلاہِ عشق ہے
ہوشیار اے راہرو ٹھوکر نہ کھا جانا کہیں ۔۔۔ ہر قدم پر عشق کے اک سنگِ راہِ عشق ہے
کیا اثر ہے مستقل قربانیِ شبیرؑ کا ۔۔۔ آج تک دنیا کو احساسِ کراہِ عشق ہے
تو حجابِ منزلِ قوسین تک سمجھا ہے کیا ۔۔۔ بے خبر اس سے بھی بڑھ کر دستگاہِ عشق ہے
بزمِ شاہی سے گزر بابِ یداللّٰہی تک آ ۔۔۔ جس کے قدموں کا تصدق عز و جاہِ عشق ہے

میں کہاں عشق لقائے سبطِ پیغمبرؐ کہاں	اللہ اللہ کس بلندی پر نگاہِ عشق ہے
سو رہا ہے کربلا میں قافلہ سالارِ عشق	اس کے مقتل کی زمیں اب خوابگاہِ عشق ہے
میں غمِ شبیرؑ میں محفوظ ہر اک غم سے ہوں	ہر مصیبت میں مجھے حاصل پناہِ عشق ہے
یہ حسینؑ ابنِ علیؑ سے فخرِ نسبت ہے مجھے	میں فقیرِ عشق ہوں وہ بادشاہِ عشق ہے

نجم تیرہ سو برس سے آج تک قبرِ حسینؑ
معبدِ اہلِ وفا ہے سجدہ گاہِ عشق ہے

○

مدحتِ مولاؑ

زمینِ کربلا بھی یاد کرتی ہے تہِ دل سے	نہ پوچھو زائروں کو کیا صدا آتی ہے منزل سے
ہمیں پردیس میں بھی رنجِ تنہائی نہیں رہتا	صدائے یاحسینؑ آئی جہاں دل مل گیا دل سے
علیؑ نے دودھ کا شربت پلایا ابنِ ملجم کو	کسی نے اس طرح بدلہ لیا ہوگا نہ قاتل سے
گرے عباسؑ گھوڑے سے تو گونجی یہ صدا رن میں	سرک جائے گا دریا لاش اٹھے گی نہ ساحل سے
گزر جاتی ہیں عمریں کربلا کا غم سمجھنے میں	یہ آبِ وگِل کا پیکر آدمی بنتا ہے مشکل سے
وہ اس ماحول سے شکرِ خدا کرتے گئے ہوں گے	جو زنداں کو سدھارے شام کے حاکم کی محفل سے
ولائے اہلبیتِ مصطفےٰؐ کی عظمتیں پوچھو	کسی شائستۂ غم سے کسی شائستۂ دل سے
علیؑ کے ذکر پر کیا کہہ سکیں گے عقل کے دشمن	گلے رُندھ جائیں گے آواز بھی نکلے گی مشکل سے
مری دنیا میں ""اکملت لکم"" کا مدعا ڈھونڈو	محبت ہے محبت کو بھی اس انسانِ کامل سے
شہادت کا شرف پایا تولّا میں فنا ہو کر	اٹھے بھی ہم تو زندہ ہی اٹھے دنیا کی محفل سے
رسائی جس کی بابِ العلم تک ہو اس کا کیا کہنا	بدلتا ہوں میں سب اپنا کلام آوازِ سائل سے
جگہ بزمِ غزل میں دیں نہ دیں وارفتۂ دنیا	مجھے ہے نجم نسبت مدحتِ مولاؑ کی محفل سے

○

نبضِ مشیّت

مقتل میں ہیں حسینؑ یہ قدرت لیے ہوئے
دو انگلیوں میں نبضِ مشیّت لیے ہوئے

دشمن ہیں تیغ و تیر کی طاقت لیے ہوئے
شبیرؑ ہیں مزاجِ نبوت لیے ہوئے

قرآن کی زبان بھی ہوتی نہ مستند
آتا اگر نہ حرفِ مودّت لیے ہوئے

ساری شریعتوں کا خلاصہ ہے ایک لفظ
کتنی نبوتیں ہے امامت لیے ہوئے

فتحِ عظیم کرب وبلا ان کے نام تھی
اصغرؑ ازل سے تھے یہ امانت لیے ہوئے

کیا کم یہ امتحاں ہے کہ انوارِ اہلِ بیتؑ
دنیا میں رہ گئے بشریت لیے ہوئے

نیند آئی ہے علیؑ کو عبادت بنی ہے نیند
کیا امتیاز ہے شبِ ہجرت لیے ہوئے

اکبرؑ کے ہمہمہ سے لرزتی ہے فوجِ شام
ہر لفظ ہے اذاں کی جلالت لیے ہوئے

بچ ہی گیا جہاں علی اصغرؑ کے وار سے
ہر بوند تھی لہو کی قیامت لیے ہوئے

انگڑائی لی ہے گھوڑے یہ حیدرؑ کے شیر نے
قامت ہے اختیارِ قیامت لیے ہوئے

شعر وسخن میں نجم یہ ہیں بے نیازیاں
بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے

○

رازِ عزاداری

موسمِ غم آگیا کر شکرِ احسانِ حسینؑ
اے سریر آرائے مجلس مرثیہ خوانِ حسینؑ

نالہ ہائے زیرِ لب کو قوتِ پرواز دے
نوعِ انسانی کے اِک اک فرد کو آواز دے

بے خبر افراد کو رازِ عزاداری بتا
خندہ زن قوموں کو وجہ گریہ وزاری بتا

پیش کر صدہا برس کے ناشکستہ جوش کو
دعوتِ فکر ونظر دے اہلِ عقل و ہوش کو

منکرِ تاثیر کا بڑھ کر کلیجہ تھام لے
چیخ اٹھے گا شہیدِ کربلا کا نام لے

اسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر
اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر

نعرۂ یا لیتنی میں روحِ معنی ڈال دے
قول کو شانِ عمل دے رنگِ استقلال دے

دشت و در کو آنسوؤں کی سیل سے پانی بنا
درد کو طوفانِ دل کو نوحِ طوفانی بنا

جوشِ غم کے بادلوں سے بجلیاں تخلیق کر
موت کی گہرائیوں میں زیست کی تحقیق کر

شانِ سالاری بتا ذہنِ علم بردوش کو
دستگیری بھی سکھا کچھ دستِ ماتم کوش کو

سرفروشی جس کی ہے سرمایۂ نازِ حیات
اس کے لفظوں میں سُنا افسانۂ رازِ حیات

بات ایسی کہہ جو دستور العمل ہو کام دے
کربلا سے جو تجھے پہنچا ہے وہ پیغام دے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابن علیؑ کے نام کا

فاقہ کش تاجدار

جمال ایسا کہ آسودہ نگاہیں بزمِ انور میں
جلال ایسا تکلم قیدِ لب ہائے سخنور میں

وہ خاموشی جو قوت دار آوازوں پہ بھاری تھی
وہ گویائی کہ حکمت بولتی تھی جس کے پیکر میں

کرم ایسا کہ جس کے معترف تھے دشمنِ جانی
ابھی الفاظ ہیں محفوظ تاریخوں کے دفتر میں

جو سچ پوچھو خلافت کی علیؑ سے ہوگئی زینت
خلافت آئی تھی کیا لیکے اس بے نفس کے گھر میں

علیؑ کے نام تک نے آفتوں میں دن گذارے ہیں
مگر پھر بھی نمایاں ہی رہا عالم کے منظر میں

علیؑ اے فاقہ کش اے تاجدارِ جانِ پیغمبرؐ
پئے تسکیں ضرورت تھی تری بزمِ پیمبرؐ میں

علیؑ اے زخمی روزِ اُحد اے حرز پیغمبرؐ
خدا معلوم کیا ہوتا نہ ہوتا تو جو لشکر میں

ترے آثار سے اسلام کی تاریخ روشن ہے
ترے ایثار کی تصدیق ہے قرآں کے دفتر میں

نہیں دل معترف تیرا تو پھر اسلام کا دعویٰ
خدا کے گھر میں سرقہ ہے نگاہ نکتہ پرور میں

تری تکبیر کی آواز میں تھی قوم کی قوت
تجھے میں ڈھونڈتا ہوں نعرۂ اللہ اکبر میں

ترے دم سے رہی اسلام میں روحانیت باقی
نہیں گم ہو کے رہتی سلطنت میں مال میں زر میں

نہ تھی تیری حکومت میں ہوا سرمایہ داری کی
چراغِ عافیت روشن تھا ہر مزدور کے گھر میں

غلاموں کو ہے مشکل پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا
قدم دوشِ ہوا پر تھے ترے میدان خیبر میں

ابھی تھیں تجھ سے وابستہ امیدیں قوم کی لاکھوں
لپٹ کر رہ گئیں قاتل کے زہر آلود خنجر میں

○

آخری سجدہ

رہروانِ راہِ آزادی کے تیور دیکھیے
جس میں اصغرؑ بھی ہیں وہ چھوٹا سا لشکر دیکھیے

کرلیا دل میں غمِ شبیرؑ نے گھر دیکھیے
خانۂ معبود کی دیوار میں در دیکھیے

ماتمِ شبیرؑ تیرہ سو برس طے کرچکا
سب کے قصے رہ گئے رستہ میں تھک کر دیکھیے

کل یہ دنیا زر کے بل پر تھی خلافِ اہلبیتؑ
آج کچلی جارہی ہے طاقتِ زر دیکھیے

بے غمِ شبیرؑ ملتا ہے گدازِ دل کہاں
جنگ اس غم نے بہت کی سلح بھی کر دیکھیے

خون دیتی ہے ابھی شبیرؑ کی خاکِ لحد
خاک میں بھی زندگی کے ہیں یہ جوہر دیکھیے

سوچئے یوں مقصدِ شبیرؑ و مفہومِ یزید قافلہ اِک سمت اور اِک سمت لشکر دیکھئے
خون کی تحریر بن جائے گی ہر موجِ نشاط جایئے جشنِ شہادت بھی منا کر دیکھئے
اللہ اللہ جادۂ پرچم کشائے کربلا آج ہر انساں کا دل نقش قدم پر دیکھئے
زندگی کی عشرتوں میں جان رہ جاتی ہے کیا؟ چار دن موضوعِ دردِ وغم سے ہٹ کر دیکھئے

اک طرف ارضِ نجف اک سمت ارضِ کربلا
تجم لہریں لے رہا ہے کیا مقدر دیکھئے

○

سلام

اہلِ دل اہلِ نظر آیئنہ رخسار آئے کربلا سج گئی یثرب کے طرحدار آئے
ذہن میں اسوۂ شبیر کا معیار آئے ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے
علیؑ اللہ کہے کوئی اگر مستِ ولا قطع کردوں جو زباں پر مری انکار آئے
مقصد و منزلِ شبیرؑ سے ہمت لے کر ایک کیا کتنے ہی منصور سرِ دار آئے
مطمئن قلعہ کی قوت پہ تھے خیبر والے دل دھڑکنے لگے جب حیدرؑ کرار آئے
حق و باطل کے جدا کرنے کو اٹھے تھے حسینؑ اقتضا وقت کا تھا بیچ میں تلوار آئے
مجھ کو ہے آلِ پیمبرؐ کی اسیری کا ملال میرے کانوں میں نہ زنجیر کی جھنکار آئے
اہتمامِ شبِ ہجرت یہ علیؑ کے لیے تھا نیند میں بھی خبر عالم بیدار آئے
صرف شبیرؑ سے معراج شہادت کو ملی یوں تو تیغ بہت صاحب افکار آئے
حیرت خیبر و خندق کا نہ پوچھو عالم منزلِ صبر میں جب حیدرؑ کرار آئے
جاں نثارانِ علیؑ یہ بھی محبت ہے کوئی نام جب لیجئے جب منزلِ دشوار آئے

جو بعنوان تجارت ہو محبت کیسی کتنے مجلس میں بھی جنت کے خریدار آئے
ان شجاعانِ ازل کا ہوں میں بندہ اے نجم
تنِ تنہا بھی ہزاروں کو جو للکار آئے

○

آخری سجدہ

اثر شہادتِ عظمیٰ کا جاودانی ہے غمِ حسینؑ ہے باقی جہان فانی ہے
حسینؑ نے جو دیا جان دے کے درسِ عمل سمجھ لے کوئی تو دستورِ زندگانی ہے
قبول کی وہ جوانی کی موت اکبرؑ نے کہ ان کے سوگ میں خود آج تک جوانی ہے
شہید ہو کے وہ اصغرؑ نے معرکہ جیتا کہ جس کے سامنے ہر معرکہ کہانی ہے
لگا رکھا ہے غمِ کربلا کو سینے سے بہت غموں سے مجھے طاقت آزمائی ہے
علیؑ کی مدح سے کیا دل بھرے گا دو دن میں یہ سُن رہا ہوں کہ دو دن کی زندگانی ہے
تمام اجرِ رسالت ہیں ان کے قول و عمل دلوں پہ جن کے مودت کی حکمرانی ہے
مری حیات ہی پر رشک ہے حریفوں کو ابھی علیؑ کی محبت میں موت آنی ہے
شعورِ مدح بزرگوں کا فیض ہے اے نجم
زہے نصیب یہ اعزاز خاندانی ہے

○

سلام

ہم سمجھے تھے لہرائے گا کعبہ کی فضا پر — دل ٹوٹ پڑا جلوہ گہہ کرب و بلا پر
شبیرؑ سا پھر کوئی مسافر نہیں آیا — کیا اوس پڑی جادۂ تسلیم و رضا پر
تطہیرِ گلستانِ سخن چاہیے یارب — کچھ پھول چڑھانے ہیں مزارِ شہدا پر
آہیں غمِ سروؑ میں کبھی ہیں کبھی آنسو — فردوس کو بھی رشک ہے اس آب و ہوا پر
ایسی کسی منزل میں بلندی نہ ملی تھی — عباسؑ کا احسان ہے معیار وفا پر
اب تک ہے تردد جنھیں لولاک لما پر — وہ چیں بہ جبیں ہیں مرے اندازِ ثنا پر
چھوڑی نہ کسی حال میں بھی تعزیہ داری — ہر حال میں بیٹھے رہے ہم فرشِ عزا پر
لا اسئلکم کہہ کے مودت جو طلب کی — قرآں نے رکھا تاج سرِ اہلِ ولا پر
دروازۂ جنت سے پکارا تھا کسی کو — میں دوڑ پڑا خازنِ جنت کی صدا پر

جب میں نے دعا کی تو زیارت کی دعا کی
اللہ کی رحمت ہے مرے دستِ دعا پر

○

سلام

ہر آہ مرے دل کی تولا کا نشاں ہو — غم پرچم عباسؑ کے سایہ میں جواں ہو
شبیرؑ کی روداد ہو فطرت کی زباں ہو — باز آئیں جو انساں تو فضا مرثیہ خواں ہو
سینوں سے مودّت کے تجلّی جو عیاں ہو — ٹوٹا ہوا دل بھی شرفِ کون و مکاں ہو

صراطِ صبر

حسینؑ رازِ حیات آشکار کرتے ہیں
ہر اختیار پہ موت اختیار کرتے ہیں

علی پہ ڈرتے ہوئے دل نثار کرتے ہیں
خزاں نصیب کو نذرِ بہار کرتے ہیں

حسینؑ موت کو بر روئے کار کرتے ہیں
نگاہِ زیست پہ بیگانہ وار کرتے ہیں

شقی شبیہِ پیمبرؐ پہ وار کرتے ہیں
خزاں پرست ہیں خونِ بہار کرتے ہیں

خوشی جہاں میں نہ تھی اہلِ بیتؑ کی خاطر
ہم ان سے رشتۂ غم استوار کرتے ہیں

ہزار ہوں جو سپاہی مقابلِ عباسؑ
یہ انگلیوں پہ انھیں بھی شمار کرتے ہیں

صراطِ صبر پہ دم لیتے ہیں جہاں شبیرؑ
تو اک محاربۂ یادگار کرتے ہیں

اسیرِ ظلم ہیں لیکن حسینؑ کے ہیں حرم
جہادِ صبر یہ مردانہ وار کرتے ہیں

قدم ہٹیں گے نہ انصارِ حق کے میداں سے
حسینؑ پرورشِ کوہسار کرتے ہیں

ہجومِ غم کو ہٹاتے ہیں یا علیؑ کہہ کر
ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں

ہوا و تختِ سلیماں و ابر و برق و براق
اطاعت شۂ دلدل سوار کرتے ہیں

حسین صرفِ خزاں کرکے اپنے گلشن کو
خدا کا دین سپردِ بہار کرتے ہیں

یہ مجلسیں نہیں پیمان ہیں اطاعت کے
یہ ہم حسینؑ سے قول و قرار کرتے ہیں

حُر اب دبا نہیں سکتا ضمیر کی آواز
بڑے عذاب سے شۂ رستگار کرتے ہیں

علیؑ کے ذکر پہ ہو یا خدا کی قدرت پہ
ہم ایک سجدۂ بے اختیار کرتے ہیں

کھلا ہے باغِ شہادت زہے عطائے حسینؑ
غلام کو بھی شریکِ بہار کرتے ہیں

یہ وقت پھر نہ ملے گا ابو البشر دیکھیں
حسینؑ شانِ بشر آشکار کرتے ہیں

غمِ حسینؑ نے دی ہے یہ معرفت ہم کو
گداز دل سے دلوں کا شمار کرتے ہیں

ہزار سال سے ہے انتظارِ صاحبِ عصر
زبان دی ہے کہ ہم انتظار کرتے ہیں

کمی ہے ذوق کی غیبت سے کچھ نہیں شکوہ
شکایتِ دلِ امیدوار کرتے ہیں

صلہ میں خلد وہ دیں گے تو نجم کہہ دیں گے
تمھارے نقشِ قدم پر نثار کرتے ہیں

○

پیامِ حریت

برتر از فکر و قیاس و فہم حیدرؑ ہوگئے
یہ پیمبرؐ ہوں نہ ہوں نفسِ پیمبرؐ ہوگئے

ذکر وجہ اللہ سے چہرے منور ہوگئے
نام نکلا منہ سے دل سینوں سے باہر ہوگئے

دل سے نکلے لب تک آئے وصفِ حیدرؑ ہوگئے
میرے جذبے موجہ تسنیم و کوثر ہوگئے

یہ بلندی فکر کی یہ عزم شیرا نہ تو ہو
نام حیدرؑ رکھ دیا ماں نے تو حیدرؑ ہوگئے

خانۂ معبود کی دیوار میں در ہوگیا
دل جو شوقِ دید میں آپے سے باہر ہوگئے

پرورش پائی نبیؐ کی گرمیٔ آغوش میں
خود علیؑ تھے بڑھ کے بازوئے پیمبرؐ ہوگئے

اہلبیتِ مصطفیٰؐ سے سیکھ شانِ خواجگی
حق کے بندے بھی رہے اور بندہ پرور ہوگئے

لے تجھے سجدے مبارک اے زمینِ کربلا
عرش جن کا آستاں ہے ان کے بستر ہوگئے

دینِ فطرت کا خلاصہ تھے حسینؑ ابن علیؑ
روحِ ملت بن گئے جانِ پیمبرؐ ہوگئے

تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے
صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہوگئے

کون لاتا جز حسین آخر پیام حریت
یہ پیمبر کے نواسے تھے پیمبرؐ ہوگئے

وہ بھی دن آئیں دل ملت سے آئے یہ صدا
نوجواں آمادۂ تقلیدِ اکبرؑ ہوگئے

خود پرستی رفتہ رفتہ حق پرستی بن گئی
نجم آخر شاعر آلِ پیمبرؐ ہوگئے

○

تاج مدحت

نویدِ لافتیٰ آئی علیؑ کی مدح خوانی میں
یہی ہمدوش تھے اسلام کی اٹھتی جوانی میں

زبانیں تھک گئیں جب زندگی کی ترجمانی میں
حسینؑ اٹھے عمل کی روح بھردی زندگانی میں

بہت ہیں تہ بہ تہ طوفان دریا کی روانی میں
چھپی ہے جانفشانی اشکِ غم کی دُرفشانی میں

پلٹتا ہے کوئی ساحل سے یوں تشنہ دہانی میں
نگاہیں بھی علمبردار کی ٹھہریں نہ پانی میں

اسے بھی صرف کردوں میں علیؑ کی مدح خوانی میں
اگر توسیع ممکن ہو حیاتِ جاودانی میں

مودت کی بلندی تک پہنچ کر میری ہمت سے
محبت جاودانی ہوگئی دنیائے فانی میں

ذبحِ کربلا کے اوج و رفعت کی جھلک دیکھو
اذاں کی سربلندی میں اقامت کی جوانی میں

نگاہوں میں ہے میری بائے بسم اللہ کا نقطہ
مجھے اب کیا تکلف ہو غرورِ نکتہ دانی میں

نبیؐ کی آل کو ارمان کیا ہوتا حکومت کا
یہاں عمریں گزاری ہیں دلوں پر حکمرانی میں

ذرا بڑھ کر مشابہ اور ہوجاتے پیمبرؐ سے
علی اکبرؑ نے اپنی جان ہی دے دی جوانی میں

مقدس بانکپن اے نجم میرے تاجِ مدحت کا
کلاہِ خسروی میں ہے نہ دیہیم کیانی میں

○

بلندی ہمت

سرور ہیں زیر تیغ بہ رفعت لیے ہوئے
کونین کا نظام حکومت لیے ہوئے

شعور مدح بزرگوں کا فیض ہے اے نجم
زہے نصیب یہ اعزاز خاندانی ہے

تکرار تجلی

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں　　دھبہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں
انسان تھے سب شامل شبیرؑ کے لشکر میں　　نکلے یہ بہتر ہی دنیا کے بھرے گھر میں
حیدرؑ نظر آتے ہیں آغوشِ پیمبرؐ میں　　تکرار تجلی ہے کعبہ کے نئے در میں
شبیرؑ بچالیں گے اسلام کو مٹنے سے　　ان کا ہے بڑا حصہ احساسِ پیمبرؐ میں
مولا کے غلاموں میں جبرئیل بھی ہیں میں بھی　　بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں
سجدہ بھی ہے یکتا کا شبیرؑ بھی یکتا ہیں　　ہو کون شریک ان کا ذوق تہ خنجر میں
قرآن ہے بے معنی عترت سے جدا ہوکر　　جس گھر میں یہ آیا تھا معنی ہیں اسی گھر میں
شبیرؑ سیاست کا وہ قائدِ اعظم ہے　　قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں
بے دین تہہ خنجر دنیا اسے کیا سمجھے　　روشن ہے جو مستقبل بجھتے ہوئے تیور میں
معراج کی شب اپنے بستر پہ سہی لیکن　　باتیں تو علیؑ کی تھیں اللہ و پیمبرؐ میں
اللہ نے اس دن کو بخشی تھی ید اللٰہی　　کھل جائے گا دنیا پر ہنگامۂ محشر میں
بے حُبِ شۂ مرداں توثیق نہیں ہوتی　　یوں نام لکھا لیجیے اسلام کے لشکر میں
اشکِ غمِ سرور کے چھینٹوں سے فنا کردو　　طوفاں ہے سیاست کے بے فیض سمندر میں

اے نجم میں شاعر ہوں سرکارِ امامت کا
نظمیں مری پہنچیں گی دربار پیمبرؐ میں

○

حوصلۂ منزل

دل مجلس و ماتم کا حاصل نظر آتا ہے — آنکھوں میں ہوں یہ آنسو جب دل نظر آتا ہے
رعبِ شۂِ مرداں سے بسمل نظر آتا ہے — چٹکی میں درِ خیبر اک دل نظر آتا ہے
دیکھو کہ وصی وہ ہے وہ دوشِ نبوتؐ پر — جو مُہر نبوت میں شامل نظر آتا ہے
وہ جانِ ارادت ہوں اے اسوۂ شبیری — جو تیرا مخالف ہے قاتل نظر آتا ہے
بلغ پہ نظر پہنچا اے ناظرِ بے پردا — قرآں اسی منزل سے کامل نظر آتا ہے
شبیرؑ کی منزل کو سمجھا ہی نہیں کوئی — دنیا کا ہر اندازہ باطل نظر آتا ہے
سجدے کر اسی رخ پر اے کشتیِ بے ساحل — عباسؑ کے قبضہ میں ساحل نظر آتا ہے
کیا کہیے نصیری کو میکش ہے اسی گھر کا — پی لی ہے بہت اس نے غافل نظر آتا ہے
اللہ رے قربانی وہ خاکِ شفا ٹھہری — جس خاک کا ہر ذرہ بسمل نظر آتا ہے
ہے چشمِ حقیقت بیں ہر اہلِ عزا مجھ کو — شبیرؑ کے لشکر میں شامل نظر آتا ہے
قرآں نے سند مانگی حیدرؑ سے صداقت کی — آتا ہے جو اس در پر سائل نظر آتا ہے
گرتا ہوں تصور میں شبیرؑ کے قدموں پر — جب حوصلۂ منزل منزل نظر آتا ہے
دنیا کو مبارک ہو آنکھوں کی تن آسانی — مظلوم کو رونا بھی مشکل نظر آتا ہے
کیا جون سے رونق ہے انصارِ حسینیؑ میں — رخسارِ شہادت پر اک تل نظر آتا ہے
عاشور کو تنہا ہے جو نرغۂ اعدا میں — یہ آدم و عالم کا حاصل نظر آتا ہے
شاید یہ فرشتوں نے سوچا ہو شبِ ہجرت — انسان خلافت کے قابل نظر آتا ہے

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربارِ حسینیؑ کا
نجمؔ اپنی حقیقت سے غافل نظر آتا ہے

○

فطرتِ اسلام

متاعِ ذہن میں جس دن مسلکِ شبیرؑ ہوجائے ۔۔۔ لہو کا رنگ بدلے دل نیا تعمیر ہوجائے
اگر انساں کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہوجائے ۔۔۔ شعورِ حریّت دنیا میں عالم گیر ہوجائے
جھلک دے جائے اسوہؑ میں جہاں اندازِ شبیری ۔۔۔ مسلماں فطرتِ اسلام کی تصویر ہوجائے
حسینی عزم کی منزل ہو ایسا قصدِ منزل ہو ۔۔۔ قدم رکھتے ہی جادہ جادۂ شمشیر ہوجائے
سبق لے کربلا سے کر وہ میدانِ عمل پیدا ۔۔۔ جہاں ہر ایک نعرہ نعرۂ تکبیر ہوجائے
اگر منشائے فطرت خود نہ ہو کیونکر یہ ممکن ہے ۔۔۔ کسی کی موت کا غم اور عالم گیر ہوجائے
حیاتِ جاودانی ہے غمِ شبیرؑ میں مرنا ۔۔۔ دھنی قسمت کا ہے جو کشتۂ تاثیر ہوجائے
حسینی بزم میں پہلو بچا کر بیٹھنے والے ۔۔۔ خدا ایسا کرے یہ درد دامنگیر ہوجائے

کہاں تک یہ مروّت تجھ اک دن حق کے منکر سے
خدا لگتی کہو جو دل کو لگ کر تیر ہوجائے

○

فتحِ عظیم

کیونکر نہ رنگ لاتا سر دے کے گھر بچانا ۔۔۔ اب سر ہیں اور سجدے کعبہ ہے آستانا
وہ مشکِ تشنہ لب پر اک تیرِ ظلم آنا ۔۔۔ وہ نہرِ علقمہ کی نبضوں کا ڈوب جانا
ہاں اے شہید تیرے زخمِ دل و جگر سے ۔۔۔ معمور ہورہا ہے اسلام کا خزانا
تو نفسِ مطمئن ہے درگاہِ ایزدی میں ۔۔۔ مقبول تیرے آنسو ممدوح مسکرانا

قوموں نے تجھ سے سیکھی یہ شانِ خالقیت　　اِک زندگی مٹا کر اک زندگی بنانا
وہ خاک و خوں کا تکیہ اللہ کی زمیں پر　　پیغامِ عبدیت کا تا عرش آنا جانا
وہ ان کے ظلم پرور ہاتھوں میں تھرتھراہٹ　　وہ تیرا دشمنوں کی تیغوں کو آزمانا
تو نے جگہ بنا دی جنگل میں کربلا کے　　لوٹا جو بستیوں نے اسلام کا ٹھکانا
یہ عزم یہ تحمّل یہ قوت ارادی　　وہ آخری سپاہی جھولے سے لے کے آنا
عہدِ یزیدیت کی بنیاد ہل رہی تھی　　صلِ علیٰ وہ تیرا نیزہ پہ لب ہلانا
اللہ رے صداقت سادات کے لہو کی　　کیسا بھرا پڑا ہے اُجڑا ہوا گھرانا
خیبر کا در اٹھانا بابا کی فتحمندی　　فتحِ عظیم تیری لاشِ پسر اٹھانا
اب مانتی ہے دنیا تیرے پیامِ حق کو　　جب ماننے کے دن تھے دنیا نے جب نہ مانا

اے تجم بیٹھتے ہو اب کیا سنبھل سنبھل کر
آثار کہہ رہے ہیں اٹھنے کا ہے زمانہ

○

ولولۂ انقلاب

اب کیا مرے گناہ رہیں گے حساب میں　　گھل مل گیا ہوں خاکِ درِ بوترابؑ میں
کتنی ہی سورتیں ہیں خدا کی کتاب میں　　لاؤ کوئی شبیہہ نبیؐ کے جواب میں
بندے جنہیں کلام ہے عترت کے باب میں　　اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں
گزری ہے عمر بندگیِ بوترابؑ میں　　میں بھی شریک ہوں شرفِ آفتاب میں
یہ اپنی جان دے کے بچاتے نہ کس طرح　　اسلام کمسنی میں تھا اکبرؑ شباب میں
تا شام روندتے ہوئے عابدؑ چلے گئے　　کانٹے تھے پھول ولولۂ انقلاب میں

پروردۂ غدیر کی اللہ رے مستیاں — کوثر ڈبو دیا ہے ولا کی شراب میں
اقرار باللسان کر اے بندۂ خدا — رکھتا ہے اُلفتِ شۂ مرداں حجاب میں
اِک شہسوار راہِ تولاّ کو ہوش کیا — سنتا ہوں آسماں و زمیں ہیں رکاب میں
اصغرؑ بڑے بڑوں سے کچھ آگے نکل گئے — کیا گھٹنیوں چلے ہیں یہ راہِ ثواب میں
دل ہو نہ ہو زباں تو نصیری ضرور تھی — جب منہ کھلا کنندۂ خیبر کے باب میں
تحقیق کا جنون ہے فکرِ عمل نہیں — کیا ڈھونڈ تے ہو کرب و بلا کی کتاب میں

رفعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے نجم
کھیلی ہے فکر دامنِ برق و سحاب میں

○

میدانِ عمل

قامت میں قیامت کا تو ہمسر نہیں ہوتا — کیسا ہی جواں ہو علی اکبرؑ نہیں ہوتا
بُت لاکھ بھی توڑے کوئی حیدرؑ نہیں ہوتا — وہ دوشِ پیمبرؐ تو میسر نہیں ہوتا
یہ شان ہوئی ختم حسینؑ ابن علیؑ پر — اب عشق کا سجدہ تہِ خنجر نہیں ہوتا
ہم گود کے بچوں کو بھی کر دیتے ہیں شامل — جب تکملۂ قوتِ لشکر نہیں ہوتا
اُس کو مجھے دل کہنے میں ہوتا ہے تردد — جس دل میں غمِ سبطِ پیمبرؐ نہیں ہوتا
اس کیف سے محروم ہیں محرومِ تولاّ — آنکھوں میں چھلکتا ہوا کوثر نہیں ہوتا
آسان ہے قربانی وایثار پہ تقریر — میدانِ عمل کچھ سرِ منبر نہیں ہوتا
اے نجم جبیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی — میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا

○

اُسوۂ شبیرؑ

پاؤں حابذ کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے — پاؤں وہ پاؤں جو الجھا ہوا زنجیر میں ہے
یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے — روح احساس و عمل اسوۂ شبیرؑ میں ہے
اللہ اللہ یہ اجمالِ جمالِ قدرت — وسعتِ کون ومکاں چادرِ تطہیر میں ہے
ہوتی ہے شام کے دربار میں بے وقت اذاں — وقت ڈوبا ہوا سجادؑ کی تقریر میں ہے
جس کی وحدت میں ہو قرآن کا سارا مفہوم — ایسا نقطہ بھی کوئی کثرتِ تحریر میں ہے
ایک ہی شان عمل ہے وہ حسنؑ ہوں کہ حسینؑ — صلح میں بھی ہے وہی کاٹ جو شمشیر میں ہے

کچھ خبر بھی ہے تجھے قوم بنانے والے
کتنا معصوم لہو قوم کی تعمیر میں ہے

○

قرآن وعترت

ایک ہی گھر چاہیے قرآن وعترت کے لیے — تنگ دل حق سے دعا کر دل کی وسعت کے لیے
گر نہ آتا حکمِ قرآنی مودت کے لیے — تشنگی ہی تشنگی تھی ذوقِ فطرت کے لیے
یہ نہ کعبہ کے لیے ہے اور نہ جنت کے لیے — ہے قصیدہ میرا بابِ علم وحکمت کے لیے
یہ ترا ذوقِ عبادت اے حسینؑ ابن علیؑ — زیرِ خنجر بھی جگہ کر لی عبادت کے لیے
اے زہے شانِ شہادت ہیبتِ کارِ حسینؑ — پھر نہ آیا آج تک پیغام بیعت کے لیے
جرأت عباسؑ تک پہنچے گی کیا عقلِ بشر — اک نیا موقف بنایا ہے شہادت کے لیے

ایک ہی مقصد ہے خلقت کا علیؑ ہوں یا نبیؐ — کیا امامت کے لیے اور کیا رسالتؐ کے لیے
آدمی کو کیا ہے نسبت نورِ اہلبیتؑ سے — ہم سے عاصی ہیں فروغِ آدمیت کے لیے
دل پہ ظاہر ہوگئے کیا کیا علیؑ کے مرتبے — لفظ اب ملتے نہیں اسرارِ قدرت کے لیے
اے خدا شامل ہے میری التجاؤں میں درود — یہ ستارہ بھیجتا ہوں بامِ قدرت کے لیے
آج کل اُلٹا ہی ہوتا ہے دعاؤں کا اثر — اب دعا مانگا کریں گے طولِ غیبت کے لیے

نجمؔ میں ہوں شاعرِ بزمِ حسینؑ ابن علیؑ
میرا نغمہ ہے فقط سازِ حقیقت کے لیے

○

دَردِ دامنگیر

ہے علیؑ کی مِلک یہ قرآن بھی شمشیر بھی — حاملِ قولِ سلونی بھی ہے خیبر گیر بھی
دہر میں ہے دہریت بھی اسوۂ شبیرؑ بھی — زندگی تخریب بھی ہے زندگی تعمیر بھی
فتحمندی کو ہے لازم قوتِ شمشیر بھی — اور اک پیرایۂ آغاز ہے زنجیر بھی
جب سے قتلِ سبطِ پیغمبرؐ پہ تکبیریں کہیں — گھٹ گیا اس دن سے زورِ نعرۂ تکبیر بھی
عزمِ خالص چاہیے حُرؑ کے ارادہ کی قسم — بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی
بے نیازِ رنجِ دنیا ہوں غمِ شبیرؑ میں — یہ دوائے درد بھی ہے دردِ دامنگیر بھی
دیکھ کر اہلِ زمیں پر مرحمت شبیرؑ کی — دم بخود ہے عرش سے آئی ہوئی شمشیر بھی
آیۂ تطہیر کیا اعلان تھا تطہیر کا — اِذن لے کر گھر میں اُتری آیۂ تطہیر بھی
ظلم اس پر بھی ہوا ہے حرملہ کے ہاتھ سے — ظلم کی فریاد محشر میں کرے گا تیر بھی

○

فخر انساں

چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے
روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظِ قرآں لے گئے

روزِ محشر چاک دامن ماہِ کنعاں لے گئے
ہم غمِ شبیرؑ میں چاکِ گریباں لے گئے

فاطمہؑ کے لال سر دے کر وہ ساماں لے گئے
عرش کی بالیدگی تک فخرِ انساں لے گئے

اس بھری دنیا میں جو تھا ان کے شایاں لے گئے
مرتضیٰؑ آئے رضائے پاکِ یزداں لے گئے

کانپ اٹھی دنیا جب اصغرؑ تحفۂ جاں لے گئے
اپنی شہ رگ کا لہو تا حدِ امکاں لے گئے

خشک و تر دونوں پہ قبضہ کر لیا عباسؑ نے
اپنے بازو دے کے یہ فخرِ نمایاں لے گئے

واقعاتِ کربلا شبیرؑ کے نقشِ قدم
حریت کی منزلوں تک ذہنِ انساں لے گئے

لے چلے اصغرؑ کو رکھ کر لاش اکبرؑ کی حسینؑ
ایک قرآں دے گئے اور ایک قرآں لے گئے

اب وہ راہوں میں تعب ہے ورنہ کانٹوں میں کھٹک
پائے عابدؑ کاوشِ خارِ مغیلاں لے گئے

آتے آتے رہ گیا عونؑ و محمدؑ کا شباب
چاندنی لوٹا کے دونوں ماہِ تاباں لے گئے

وہ جوانی کی اُمنگیں وہ جوانی کی بہار
موت کی تقریب میں شادی کا ساماں لے گئے

عمر بھر ان کو نہ بھولی اصغرِ ناداں کی یاد
عمر بھر کی زندگی دو دن کے مہماں لے گئے

وسعتِ اخلاقِ اسلامی کا عالم کیا کہوں
ہاتھ خالی ہیں مسلماں نا مسلماں لے گئے

○

اُسوۂ انصار

پھر نہ پیدا ہوا شبیرؑ سا شبیرؑ کوئی
ایسی دیکھی نہیں ایثار کی تصویر کوئی

اُمتِ جد کی محبت میں یہ پابندی تھی
ورنہ عابدؑ کو پنھا سکتا تھا زنجیر کوئی

دل کیے جیسے حسینؑ ابن علیؑ نے تسخیر
ملک اس شان سے کرتا نہیں تسخیر کوئی

سن وہ چھ ماہ کا وہ پیاس وہ آغوشِ پدر
علی اصغرؑ سا نہ ہوگا ہدفِ تیر کوئی

آج تک جس کا ہے تیرہ سو برس سے ماتم
یوں نہ دنیا میں ہوا کشتۂ شمشیر کوئی

دامنِ آلِ نبیؐ ہاتھ سے چھوٹے کیونکر
اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی

مرحبا اسوۂ انصارِ حسینؑ ابن علیؑ
ان کی تصویر سے ملتی نہیں تصویر کوئی

خون شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے
ایسی محکم نظر آئے گی نہ تعمیر کوئی

شامِ عاشور بڑھی اور بھی الجھن دل کی
نوکِ نیزہ پہ تھی کیا زلف گرہ گیر کوئی

خاک ہوجائے نہ جاکر درِ شبیرؑ پہ خود
لے کے کیوں آتا ہے خاکِ درِ شبیرؑ کوئی

دردِ دل دیدۂ گریاں سے ہو محروم اگر
دیکھ جائے غمِ شبیرؑ کی تاثیر کوئی

نجم شاعر ہے حسینؑ ابن علیؑ کے دَر کا
اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی

○

سرمایۂ شرافت

تنہا کھڑے ہیں در شۂ مرداں لیے ہوئے
لشکر فقط ہے دیدۂ حیراں لیے ہوئے

سینوں میں دل لیے ہیں کہ قرآں لیے ہوئے
سر پر ہیں سب حسینؑ کا احساں لیے ہوئے

اے کم نگاہ تجھ کو حقیقت کی کیا خبر
دامانِ اشکِ غم میں ہوں طوفاں لیے ہوئے

قرآن جس میں اترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں
تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآں لیے ہوئے

پیشِ حسینؑ حشر میں چپکا کھڑا ہوں میں
ہاتھوں پہ نذرِ دیدۂ گریاں لیے ہوئے

سینہ پہ زخمِ ماتمِ شبیرؑ دیکھ کر
اٹھے حریفِ درد نمکداں لیے ہوئے

ہم شان ہے علیؑ کا مشابہ نبیؐ سے ہے
نیزہ پہ کس کا سر ہیں مسلماں لیے ہوئے

اترا تھا کربلا میں بہترؑ کا قافلہ
سرمایۂ شرافتِ انسان لیے ہوئے

معراجِ عرش و فرش ہے صحرائے کربلا
سجدہ ہے کس کا نذرِ دل و جاں لیے ہوئے

انسانیت کی روح ہے جسمِ حسینؑ میں
روحانیت ہے پیکرِ انساں لیے ہوئے

سجدے سے سر اٹھاتے ہی نورِ محمدیؐ
دامن میں تھا خزانۂ امکاں لیے ہوئے

کب تک ضعیفِ قوم رہیں گے جوان قوم
دل میں ولائے اکبرؑ ذیشاں لیے ہوئے

شیرِ خدا کا شیر ہے تنہا فرات پر
مشک و نشان و ساحلِ میداں لیے ہوئے

کب دیکھیے طلب ہو دیارِ حسینؑ سے
بیٹھے ہیں نجم نذرِ دل و جاں لیے ہوئے

○

علیؑ کا شباب

سبق حسینؑ کی محنت سے لو خدا کے لیے
لہو بہایا تھا کیا ارضِ کربلا کے لیے

علیؑ پرست کہو یا خدا پرست مجھے
پکارتا ہوں علیؑ کو مگر خدا کے لیے

شباب اور علیؑ کا شباب کیا کہنا
خدا نے چھانٹ لیا جس کو لا فتیٰ کے لیے

نظر میں اس کی یہ لذاتِ دنیوی کیا ہیں
وہ روزہ دار مزے جس نے ہل اتیٰ کے لیے

کمی ستم کی کہیں بہر اہلِ بیتؑ نہ تھی — حسنؑ نے لطف مدینے میں کربلا کے لیے
حسینؑ کو جو ملے حق سے باپ ماں بھائی — نہ مصطفیٰؐ کے لیے تھے نہ مرتضیٰؑ کے لیے
کسی کا سر بھی نہ پہنچا زہے عروجِ کمال — علیؑ کے پاؤں بھی تھے دوشِ مصطفیٰؐ کے لیے
جہادِ نفس میں سجادؑ کو یہ فکر کہاں — بچھے ہیں راہ میں کانٹے برہنہ پا کے لیے
ملے نہ ہوں گے علیؑ کو وہ ماں کی گود میں بھی — مزے جو نیند کے بستر پہ مصطفیٰؐ کے لیے

جناب تجمؔ یہ عزلت گزینیاں کب تک
یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لیے

○

غم لازوال

خیبر کے سامنے اسدِ ذوالجلال ہے — چہرہ اتر گیا ہے یہ دنیا کا حال ہے
اب ماتمِ حسینؑ کا تھمنا محال ہے — او ناشناسِ درد یہ غم لازوال ہے
ملتی نہیں جہان میں علیؑ کی مثال بھی — ہم نے تو یہ سنا تھا خدا بے مثال ہے
اصغرؑ کی تشنگی پہ سکینہؑ کی پیاس پر — صحرا کی نبض سست ہے دریا نڈھال ہے
حاشا میں ہمنوائے نصیری نہیں مگر — جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ذرا حسبِ حال ہے
پھر حشر ہے جو ذوقِ عمل ہوگیا کہیں — اب تک غمِ حسینؑ بحد خیال ہے
حُبِ علیؑ بھی ساتھ ہے اے بندۂ خدا — میداں یہ حشر کا ہے بڑی دیکھ بھال ہے
اصغرؑ کے واسطے جو ہوا ہے سوال آب — یہ غیرتِ عراق و عرب کا سوال ہے
بہرِ نجات تجمؔ کہوں کیوں حسینؑ سے — شاعر ہوں اہلِ بیتؑ کا صورت سوال ہے

○

جادۂ دشوار

اسلام اے حسینؑ ہے غمخوار آپ کا — کلمہ ہے ہر زبان پہ سرکار آپ کا

دنیائے حریت میں خود اپنی مثال ہے — یہ بیعتِ یزید سے انکار آپ کا

آتے ہوئے شباب کو شاید خبر نہ تھی — سینہ پہ برچھی کھائے گا دلدار آپ کا

دو دن کی پیاس میں بھی تھے چہرے کھلے ہوئے — لہرا رہا تھا دھوپ میں گلزار آپ کا

جلتی ہوئی وہ ریت وہ سجدے وہ تشنگی — وہ نینوا کی خاک پہ رخسار آپ کا

شکرِ خدا زبان پہ یادِ خدا میں دل — تیغوں کی چھاؤں پیکرِ خونبار آپ کا

سجادہ کس کے خون سے رنگیں ہے اس طرح — برحق ہے نام سیدِ ابرار آپ کا

دنیا پہ کی نگاہ جو عشرے کی شام نے — نکلا ہر اک غلام وفا دار آپ کا

آنکھوں میں اشک سینوں میں دل بے قرار ہیں — جس دن سے کربلا میں ہے دربار آپ کا

مظلومیت ہے نازشِ ملت بنی ہوئی — ایک ایک باخبر ہے پرستار آپ کا

کل قید میں تھے آپ کے اہلِ حرم تمام — ہر اہلِ دل ہے آج گرفتار آپ کا

آج اس پہ گامزن ہیں ہزاروں دماغ و دل — رستہ بتا گیا ہے جو بیمار آپ کا

عیدین میں زباں پہ زیارت ہے آپ کی — لپٹا ہوا ہے سینوں سے ایثار آپ کا

تیرہ سو سال ہوگئے اللہ رے وفا — اب تک علم لیے ہے علمدار آپ کا

سر کو قدم بنا کے بھی ملت نہ بڑھ سکی — طے ہوسکا نہ جادۂ دشوار آپ کا

اب جلد آستانے پہ اپنے بلائیے
کب تک جئے یہ مجرم گنہگار آپ کا

○

سلام

اے امامِ عصرِ حاضر تجھ پہ ملت کا سلام　　بادشاہِ وقت افسردہ رعیت کا سلام
درد کے طوفاں کا فریادی سفینوں کا سلام　　چارہ گر ٹوٹے دلوں کے آبگینوں کا سلام
سیکڑوں جُرمِ محبت کے شہیدوں کا سلام　　آرزوئے انتقام دیدۂ غم کا سلام
وارثِ شبیرؑ کو شبیرؑ کے غم کا سلام　　آرزوئے انتقامِ دیدۂ نم کا سلام
خون رلوایا ہے جس نے اس زمانے کا سلام　　جس میں زینبؑ قید تھیں اس قید خانے کا سلام
تجھ پہ تیرہ سو برس کے درد پنہاں کا سلام　　کر دیا دو جس کو اس ترتیب قرآں کا سلام
آج تک بدنام ہے جو اس خلافت کا سلام　　مسخ کردی جس کی صورت اس شریعت کا سلام

اس کی قسمت جو بشر تیرا زمانہ پائے گا
ہم غریبوں کی لحد تک بھی یہ مژدہ آئے گا

○

سلام

صاحبِ طورِ تجلّی کوہساروں کا سلام　　باغبانِ حکمت و قدرت بہاروں کا سلام
اہلِ دل کی گرم سانسوں سرد آہوں کا سلام　　اے بلندی کے نشاں نیچی نگاہوں کا سلام
کاروانِ دل کے رہبر دل کے داغوں کا سلام　　آفتابِ حسن داغوں کے چراغوں کا سلام
بے لبوں کا بیکسوں کا خستہ حالوں کا سلام　　تیری خاطر جینے والوں مرنے والوں کا سلام
سر بسجدہ آسمانوں کا زمینوں کا سلام　　شکر کی منزل کا سجدوں کا جبینوں کا سلام

میکدہ تیرا سلامت سرفروشوں کا سلام　　تیرے کوثر کے غدیری بادہ نوشوں کا سلام

اک توجہ اک نظر کے تشنہ کاموں کا سلام

رفعتِ کونین کے مالک غلاموں کا سلام

○

سلام

بارہا اٹھے فتنے بارہا سنبھالا ہے　　کیا حسینؑ کے ہوتے دین مٹنے والا ہے

حیدری نشاں جس نے دوش پر سنبھالا ہے　　کیا بلند منزل ہے کیا بلند بالا ہے

ہے یزید کاری بھی اسوۂ حسینیؑ بھی　　زندگی اندھیرا ہے زندگی اجالا ہے

جی کے مرنے والوں کو اس بشر سے کیا نسبت　　جو حسینؑ کے غم میں مر کے جینے والا ہے

موت کی حقیقت کیا جو حسینؑ تک آتی　　موت کے گریباں میں خود ہی ہاتھ ڈالا ہے

چھا گئی ہے یوں ہیبت بازوئے حسینیؑ کی　　جیسے آج دریا کا رخ بدلنے والا ہے

جب حسینؑ آئے ہیں منزلِ شہادت میں　　کلمۂ شہادت کا جب سے بول بالا ہے

دل سے لو نکلتی ہے جب حسینؑ کہتا ہوں　　کام کا تو کیا کہنا نام سے اجالا ہے

کربلا نوازوں کی موت زیست کیا کہنا　　کوئی جینے والا ہے اب نہ مرنے والا ہے

آج دن ہے عشرہ کا خونِ آدمی کیسا　　آج آدمیت کا خون ہونے والا ہے

اس فضا میں بھی پیاسے رہ گئے علیؑ اصغرؑ　　کوفیوں کے لشکر میں حُر کا بھی رسالا ہے

نجمؔ ہو اگر نسبت اسوۂ حسینیؑ سے

ایک شعر مدحت میں خلد کا قبالا ہے

○

سلام

فرماتے تھے شہؑ رو کے نہ کوئی آتا ہے اگر حرؑ آنے دو ۔۔۔ اک درسِ عمل ہو جائے گا یہ رازِ خدا کھل جانے دو
فرماتے ہیں بھائی سے سرورؑ غصہ نہ کرو تم جانے دو ۔۔۔ اٹھواتے ہیں خیمے دریا سے خیران کی خوشی اٹھوانے دو
عباسؑ سے شہؑ نے فرمایا ان کو نہ بس اب شرمانے دو ۔۔۔ گل شمع کرو تم جلدی سے جاتے ہیں جو اں تو جانے دو
جو تیر اُدھر سے آتا ہے لیتے ہیں یہ اپنے سینہ پر ۔۔۔ ہیں جون و وہب شہؑ کے آگے وہ شمع ہیں یہ پروانے دو
زینبؑ نے کہا عباسؑ سے یہ بچے ہیں نہ ان کی بات سنو ۔۔۔ میدان میں تم جاؤ بھائی اب مجھ کو انھیں سمجھانے دو
زہراؑ نے کہا کیا فکر ہے اب کافی ہے مجھے بس حشر کے دن ۔۔۔ بخشائش امت کی خاطر عباسِ علی کے شانے دو

بانوؑ نے کہا یہ اکبرؑ سے ہاں شوق سے جاؤ میداں میں
بالوں میں تو میں شانہ کرلوں زلفوں کو مجھے سلجھانے دو

○

سلام

غمِ شبیرؑ ہدایت کا نشاں آج بھی ہے ۔۔۔ مجھ سا نا فہم فقط نالہ کناں آج بھی ہے
آج شبیرؑ نہیں ہم نے یہ مانا لیکن ۔۔۔ اس کا غم ہے جو ہمارا نگراں آج بھی ہے
کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق ۔۔۔ کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے
سامنے وہ نہ سہی حسنِ عمل ہے اس کا ۔۔۔ غمِ شبیرؑ میں دل مرثیہ خواں آج بھی ہے

منتیں بھی ہیں مرادیں بھی عزاداری میں
اپنی تسکین کا احساسِ گراں آج بھی ہے

○

سلام

محمدؐ عربی کا جواب ہو نہ سکا — کوئی رسول رسالتمآبؐ ہو نہ سکا
حسینیتؑ سے جہاں انتساب ہو نہ سکا — شعورِ درد کبھی کامیاب ہو نہ سکا
زہے شہادتِ عباسؑ و اکبرؑ و قاسمؑ — پھر ایسا مصرفِ عہدِ شباب ہو نہ سکا
یہ اتحادِ عمل تھا کہ مرتضیٰؑ کے سوا — کسی کا نفسِ پیمبرؐ خطاب ہو نہ سکا
سخن طرازیِ مداحِ اہلِ بیتؑ نہ پوچھ — زبانیں قطع ہوئی سدِ باب ہو نہ سکا
علیؑ نے خاک نشینوں کی آبرو رکھ لی — کوئی خدا کا ولی بوترابؑ ہو نہ سکا
مرا ترانۂ مدحت گیا درود گیا — خیالِ غیر جہاں بار یاب ہو نہ سکا
ملی نہ اسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک — یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا
ازل میں پی کے جو اٹھا تو پھر غدیر میں پی — مری طرح کوئی مستِ شراب ہو نہ سکا

غریب سارا جہاں ہے امیر صرف علیؑ
ستم ہے ان سے اگر انتساب ہو نہ سکا

○

سلام

وہیں تک رونقِ دینِ خدا ہے — جہاں تک اعتبارِ کربلا ہے
پیمبرؐ سے بھی جو ناآشنا ہے — حسینؑ ابنِ علیؑ کو جانتا ہے
بہت ہیں ایسے اہلِ دل جنھوں نے — محبت میں تقیہ کرلیا ہے

جو ماتم کی دھمک سے بھی نہ چونکا　　وہ خواب مرگ میں سویا ہوا ہے
امامت ہے بہرصورت رسالت　　مگر ہاں نام کچھ بدلا ہوا ہے
پیے جاتا ہوں صہبائے مودت　　شعور مدح ساغر بن گیا ہے
بنایا ہے غمِ شبیرؑ نے دل　　نہ سمجھو میرا دل ٹوٹا ہوا ہے
دلوں کی روشنی میں شامِ عاشور　　چراغ خیمۂ شہؑ بجھ گیا ہے
نظر ڈالے ذرا پستی پہ اپنی　　وہ ملت جس کو نازِ کربلا ہے
قدم ساحل کے موجیں چومتی ہیں　　اب ساحل علم لہرا رہا ہے
دھڑکتے ہیں فضائے کربلا میں　　وہ دل جن کو زمانہ ڈھونڈتا ہے
علیؑ اصغر کی منزل کچھ نہ پوچھو　　یہ تربت کربلا در کربلا ہے
یہاں کیجیے نہ سجدوں کی نمائش　　حسینی آستاں دل مانگتا ہے
انا کا ہوش ہے نشہ کی توہین　　علیؑ کے نام کا پیالہ پیا ہے
خبر بھی ہے تجھے ہمنام عباسؑ　　کہ ساتھ اس نام کے شرط وفا ہے

ابل جب چاہے منہ پر مُہر کردے
علیؑ کا نام دل پر لکھ گیا ہے

○

سلام

راکبِ دوشِ نبیؐ ہے ذات والائے حسینؑ　　کس بلندی سے اتر کر زیرِ تیغ آئے حسینؑ
کربلا کے معرکے کی حد کسے معلوم تھی　　وقت پر اصغرؑ کو جھولے سے اٹھا لائے حسینؑ
ساری دنیا آج ہے شخصی حکومت کے خلاف　　پھر کہاں اس کا ٹھکانہ جس کو ٹھکرائے حسینؑ

اس کے دستور العمل میں تھی حیات اسلام کی
ورنہ تھیں سو طاقتیں زیرِ کفِ پائے حسین

حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
مل کے ان اجزاء سے بنتی ہے تولائے حسین

حوصلہ اپنا بڑھایا ان کے ذکرِ افکار سے
وقت نازک آپڑا جب سب کو یاد آئے حسین

کتنے درد و غم تھے شامل اک غمِ اسلام میں
عارفانِ غم سے پوچھو رازِ غم ہائے حسین

روئے زیبائے پیمبرؐ رونقِ کون و مکاں
رونقِ دوشِ پیمبرؐ روئے زیبائے حسین

دشتِ غربت تشنگی قربانیوں کا سلسلہ
کن اداؤں میں ہوئی تکمیل منشائے حسین

اپنے حق کی سعی کو مظلوم انساں چل پڑے
شمع روشن بن گئے نقشِ کفِ پائے حسین

نام کا کہنا ہی کیا ہے کام بھی اچھے رہیں
آدمی سمجھے اگر مفہوم و معنائے حسین

کیا ضرورت آپڑی دنیا کو تیرے خون کی
فاطمہؑ کے لاڈلے زینبؑ کے ماں جائے حسین

پہلے ہی قبضہ دلوں پر تھا شہادت جب ملی
درد بن کر روحِ انسانی میں در آئے حسین

راہ گم ہی کرچکا تھا کارواں اسلام کا
مل گئے تقدیر سے نقشِ کفِ پائے حسین

بن گئی انسان کا معبد زمینِ کربلا
نجم جب عزم و عمل کی زندگی لائے حسین

○

سلام

کوئی واقف نہ تھا اس لذتِ تاثیر سے پہلے
بہت غم زندگی میں تھے غمِ شبیرؑ سے پہلے

نہ آیا یوں کوئی میداں میں خیبر گیر سے پہلے
زمیں تھرا رہی تھی مصرفِ شمشیر سے پہلے

نبیؐ نے روزِ خندق یاد دلوایا خطاب ان کا
علیؑ ایمانِ کل تھے دین کی تعمیر سے پہلے

بنایا فاعلِ مختار پھر مومن کو قدرت نے
جکڑ کر حبِ اہلِ بیتؑ کی زنجیر سے پہلے

یہ نعرے یا رسول اللہ کے جب کام آئیں گے
تعارف ہو رسول اللہ کی تصویر سے پہلے

ضرورت ہے مصلے کی فضا میں قوتِ دل کی
مسلماں یا علی کہہ نعرۂ تکبیر سے پہلے

محمد اور علی دونوں تھے شاملِ نورِ واحد میں
یہی کونین تھے کونین کی تعمیر سے پہلے

منافق کس قدر تھے صدر میں اسلام کے یارب
رواں قرآن کی تفسیر میں تفسیر سے پہلے

خلوصِ عزم و اخلاصِ عمل تھا فرض ملت کا
ہوئی اغراض کی تعمیر اس تعمیر سے پہلے

کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا
نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے

سفر میں کربلا کے گردشِ تقدیر کیا کرتی
میں آگے بڑھ چکا تھا گردشِ تقدیر سے پہلے

عطا کی میرزائی تجمل کو پھر مدح کی نعمت
کیا ممتاز قدرت نے زبانِ میرؔ سے پہلے

○

سلام

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی
غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بنانے کی

خبر ہے شام کو اہلِ حرم کے آنے کی
زمیں سحر سے لرزتی ہے قید خانے کی

بجز حسینؑ ضرورت کسے ہوئی محسوس
شعورِ جذبۂ انسانیت جگانے کی

سرِ حسینؑ نے تبلیغ کی ہے نیزے سے
خصوصیت ہے یہ اسلام کے فسانے کی

ہوئی کسی کو نہ ہمت سوائے اصغرؑ کے
گلے پہ تیرِ ستم کھا کے مسکرانے کی

حسینؑ فکرِ شہادت میں خود ہی تھے ورنہ
کسے مجال تھی تیغِ ستم اٹھانے کی

○

سلام

نامِ اکبرؑ اختصارِ نعرۂ تکبیر ہے
اختصار ایسا کہ وسعت جس کی عالم گیر ہے

پیکرِ نازک خدا کے نور کی تعمیر ہے
کیا خبر اس روپ میں قرآن ہے تفسیر ہے

کس کی آغوشِ مطہر میں ہیں اکبرؑ دیکھنا
وہ ہے کس کا ہاتھ جو یوسف کا دامن گیر ہے

سر بسر تنویر کہنا ہے خلافِ معرفت
شاعر نافہم وہ صورت گرِ تنویر ہے

اب وہ اکبرؑ ہوں کہ اصغرؑ منزلِ ایثار میں
مختلف پہلو ہیں لیکن ایک ہی تصویر ہے

پھر یہودی قصرِ گمنامی سے ابھرے ہیں مگر
دینِ اسلام خدا محرومِ خیبر گیر ہے

○

سلام

غمِ شہیدِ کربلا کا جاوداں ہوکر رہا
کارواں در کارواں در کارواں ہو کر رہا

شام کی ظلمت نے روکا صبح تک حر کو مگر
وہ حسینؑ قافلہ کا ہم عناں ہوکر رہا

اے زہے شوقِ شہادت کمسنی کیا روکتی
جذبۂ قلبِ علیؑ اصغر جواں ہوکر رہا

صبرِ عابدؑ نے کیے محکم اصول اسلام کے
ناتواں صورت گر تاب و تواں ہوکر رہا

عرش کی پرواز میں ہوں ہم صفیرِ جبرئیل
میں بھی اک پروانۂ آتش بجاں ہوکر رہا

ہم علیؑ والوں نے پروا ہی زمانے کی نہ کی
مہرباں ہوکر رہا نامہرباں ہوکر رہا

ہم سے پوچھو کیا ہوا حال عدوئے اہلِ بیتؑ
جل کے مرنا بھی نہیں آیا دھواں ہوکر رہا

منزل عزو شرف میں جذبۂ عشقِ علیؑ ہم صلواۃ وہم صیام وہم اذاں ہوکر رہا
اک زمانہ تھا مخالف جس کا وہ ذکرِ حسینؑ جان جاں ہوکر رہا جانِ جہاں ہوکر رہا
وہ علم جس کو جگہ دی دوش پر عباسؑ نے عظمتِ اسلام کا نام و نشاں ہوکر رہا
تجمم شاعر ہے علیؑ کا سب سے کمتر ہی سہی
نکتہ داں ہو کر سدھارا نکتہ داں ہوکر رہا

○

سلام

سینوں میں دل دہل گئے نیزہ پہ سر دیکھ کر فاطمہؑ کے چاند کو خون میں تر دیکھ کر
آگئی آخر سحر قتل کی شبیرؑ کے چیخ اٹھی عشرے کی شب روئے سحر دیکھ کر
آیا جو دربار میں اصغرؑ مہ رو کا سر ہنستے ہیں تھرا گئے بائیؑ شر دیکھ کر
لاشۂ اکبرؑ پہ جب سیّد والا گئے
صبر کیا کس طرح زخم جگر دیکھ کر

○

سلام

دو اشک نہ ٹپکے جب آنکھوں کا بھرم کیا ہے　　اٹھا جو نہ ماتم کو اس ہاتھ میں دم کیا ہے
والعصر ہے قرآں میں یہ قول وقسم کیا ہے　　اس رخ سے ذرا دیکھو شبیرؑ کا غم کیا ہے
نعمت غمِ سرورؑ کی دل میں مرے کم کیا ہے　　غم لاکھوں ہوں دنیا کے گنجائشِ غم کیا ہے
میں آپ سے باہر ہوں نشہ ہے یہ مدحت کا　　کیوں تیرا ارادہ اب رفتارِ قلم کیا ہے
سینہ میں امانت رکھ شبیرؑ کا غم اے دل　　پرسش نہ ہو محشر میں سرمایۂ غم کیا ہے
کس درجہ ہے بیگانہ مولاؑ کے تقرب سے　　سمجھا ہی نہیں واعظ مفہومِ ارم کیا ہے
صدیوں کے برابر تھی عاشور کی اک ساعت　　اس دن کے مقابل میں تاریخِ امم کیا ہے
عباس کی مٹھی میں ہے قوم کا مستقبل　　اسلام کی عزت ہے کاندھے پہ علم کیا ہے
وہ ضبط اسیروں کا میداں کا وہ سناٹا　　یہ شام غریباں کا خاموش ستم کیا ہے
بخشے تو گئے ہوں گے کچھ ہم سے خراباتی　　تاریخ مودت کی اے لوح و قلم کیا ہے
خاموش جو سنتے ہیں عترت کے مصائب کو　　ان سے یہ کوئی پوچھے تائیدِ ستم کیا ہے
مدحت کی جوانی ہے پیری ہی سہی میری　　احباب نہ یہ سمجھیں اب جسم میں دم کیا ہے

سلام

جب چھین لی عباسؑ نے اعدا سے ترائی　　اسلام کی کشتی لب ساحل نظر آئی
جس شعر میں شان اس کے تصور کی در آئی　　عباسؑ کی تصویر سے تصویر اتر آئی
بھرائی ہوئی آنکھ سے مطلب نہیں اے دوست　　ورنہ غمِ شبیرؑ میں ہر آنکھ بھر آئی

نافہم نصیری کی ادا بھاگئی دل کو
میں سوچ رہا ہوں کہ یہ دولت کدھر آئی

اب ہم میں نہیں جذبۂ انصار حسینی
اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی

مدحت مرا موضوع ہے لے میری تولا
مقبول شریعت ہے مری نغمہ سرائی

شبیرؑ سے صابر نے بھی تلوار اٹھائی
اب صبر کہاں بات جب اسلام پر آئی

اسلام کی تاریخ ہے عاشورِ محرم
پھر ایسی نہ شب آئی نہ ایسی سحر آئی

حُر چونک اٹھا لہجۂ محبوبِ خدا پر
اکبرؑ کی اذاں لشکرِ دشمن میں در آئی

سجدے میں اترتی رہیں جن کے لیے آیات
میدان میں جب آگئے تلوار اتر آئی

دنیا میں بتانے غمِ شبیرؑ کو اپنا
اپنا جسے سمجھا ہے یہ دنیا ہے پرائی

عباسؑ نے انگڑائی جو لی جوشِ وغا میں
تاریخِ محبت اب دریا ابھر آئی

O

سلام

اسی کے گھر میں رسالت بھی ہے امامت بھی
یہ اعتبار خدائے بزرگ و برتر ہے

نبیؐ کی طرح وہ سمجھا ہے عظمتِ زہراؑ
شریک قسمت زہراؑ جو شیرِ داور ہے

اسی کے گھر سے ہوا صبر و ضبط کا آغاز
یہ صبر کشتیِ دینِ خدا کا لنگر ہے

گلا حفاظت زنجیر سیم و زر میں نہیں
غلام ہم بھی ہیں اس کے یہ فضل داور ہے

دیا ہے ہم نے مودت لقب زراہِ ادب
ہماری زیست محبت کی زندگی پر ہے

ہم اہل بیت کے ہیں ایسے ماننے والے
کہ جن میں میثم تمار سا دلاور ہے

ہے اس کے در پہ کہاں عام خادموں کی جگہ
جہاں بلال ہے سلمان ہے ابو ذر ہے

مباہلہ کی فضا بھی ہے دیدنی اے دوست اس ایک لفظ میں اس کی ثنا کا دفتر ہے
شریک وہ بھی ہے ملت کی رہنمائی میں محلِ فخریہ اسلام کا مقدر ہے
خدا کے اذن سے حاضر ہوئے ہیں روح امیں قیام پھر بھی پئے اذن اس کے در پر ہے
بڑے بڑوں کو ہے فکرِ غلامی قنبر سنا ہے جب سے غلام اس کے گھر کا قنبر ہے
غلط مثال سے ڈر ہے زباں نہ جل جائے کہوں یہ کیسے وہ تقدیر کا سکندر ہے
قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار
مجھے یقیں ہے یہی عزم ہر سخنور ہے

○

سلام

شبیرؑ کے قبضے میں حیاتِ ابدی ہے ملت کے لیے موت کی تکلیف سہی ہے
کیا مقتلِ سرور کی فضا چیخ اٹھی ہے اک آہ ابھی شامِ غریباں نے سنی ہے
تیرہ سو برس میں ہوئے کیا کیا نہ تغیر کہہ دے کوئی شبیرؑ کے ماتم میں کمی ہے
قصدِ حرم اور ترک گزرگاہ مودّت اے رہروِ کج فہم یہ بے راہ روی ہے
دوگام چلے تو کوئی عباسؑ کے مانند کاندھے پہ بھری مشک ہے اور تشنہ لبی ہے
شبیر کے خطبہ سے ہے لرزاں شبِ عاشور مجرم کی طرح شمع کی لو کانپ رہی ہے
اقوال حسینیؑ ہیں عمل غیر حسینیؑ یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے
آغوش میں شبیرؑ لیے آتے ہیں کس کو کیا جنگ کے میدان میں اصغرؑ کی کمی ہے
شبیر نے سر دے کے بچایا ہے جو اسلام دشمن کے لیے بھی یہ قیامت کی گھڑی ہے
یہ حریتِ فکر یہ بیداریٔ اقوام اک کوشش تقلید حسینؑ ابن علیؑ ہے

زنجیر کی جھنکار ہو یا دعوتِ شمشیر　　جو کچھ ہے اسی سلسلۂ حق کی کڑی ہے
یہ صبر یہ احساس یہ ہمت یہ شجاعت　　شبیر کا اک جلوۂ آیاتِ جلی ہے
بندہ میں اور آقا میں مساوات کی تحریک　　یہ جون کے اعزاز کی اک جلوہ گری ہے
اس ملک میں اٹھے ہیں نشان نصرتِ حق کے　　عباس کے پرچم کی جہاں چھوٹ پڑی ہے
کیا حق کی طرف موڑ دیا ذوقِ عمل کو　　جذبات کی رو بدلی ہے انسان وہی ہے
اس طرح بدل دیتے ہیں دنیا کو مجاہد　　کل تک جو بغاوت تھی وہ اب حق طلبی ہے
شبیر کی انگشت شہادت کے سہارے　　آزادی کے سورج کی کرن پھوٹ رہی ہے

اردو میں ہے اے نجم مری نغمہ سرائی
نغمہ عجمی اور نہ لہجہ عربی ہے

○

سلام

دیکھ کر غمگیں تبسم عابدؑ بیمار کا　　منہ اتر جائے گا زنداں کے در و دیوار کا
عبدیت کے رخ سے جب پردہ اٹھا اسرار کا　　ایک بھی سجدہ نہ تھا شبیرؑ کے معیار کا
بے شمار آنسو امانت ہیں غمِ شبیرؑ کے　　کیوں نہ ہوں ممنون دل کے زخم دامن دار کا
دیکھ کر مولا علیؑ کی شخصیت کو بے مثال　　مسئلہ حل ہوگیا توحید کے اقرار کا

مرضئ شبیرؑ کی حد پر قیامت رک گئی
ورنہ حملہ تھا قیامت ثانئ کرارؑ کا

○

سلام

اس شان کا رہبر بخدا ہو نہیں سکتا
شبیرؑ کا نقشِ کفِ پا ہو نہیں سکتا

دہرائی نہ جائے گی یہ تاریخِ محبت
عباسؑ سا اب اہلِ وفا ہو نہیں سکتا

تم نام علیؑ لے کے اٹھو پھر نہ کہو گے
نالہ کوئی تا عرش رسا ہو نہیں سکتا

شاہوں کا بھی مشکل ہے گزر بابِ نجف تک
ہر شاہ بھی اس در کا گدا ہو نہیں سکتا

دنیا پہ وہ احسانِ حسینؑ ابن علیؑ ہے
بک جائیں دو عالم تو صلا ہو نہیں سکتا

ایمان کا جذبہ دلِ مسلم میں ہے لیکن
بے حب علیؑ نشو و نما ہو نہیں سکتا

مولاؑ کی مودت کو نہ سمجھے جو عبادت
بندہ وہ خدا کا بخدا ہو نہیں سکتا

جھکتے ہیں سرِ عرش نشاں در پہ علیؑ کے
کم ظرف یہاں ناصیہ سا ہو نہیں سکتا

حق یہ ہے کہ شبیرؑ کے ہاتھوں پہ بھی کچھ اور
اصغرؑ کے ارادے کے سوا ہو نہیں سکتا

اے نجم سوال آئے اگر لطف و کرم کا
مولاؑ کی زباں پر کبھی لا ہو نہیں سکتا

○

سلام

قیامت ہے جو بیگانہ رہے آلِ پیمبرؐ سے　　یہی بندے تو واقف ہیں مزاجِ بندہ پرور سے
شرف پایا اسی نے دفن کرنے کا پیمبرؐ کے　　جو واقف تھا مقامِ امتزاجِ روح و پیکر سے
ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے　　نبیؐ لائے تھے اپنا جانشیں اللہ کے گھر سے
نبیؐ کا نور آئینہ ہے اسرارِ الٰہی کا　　وہ آئینہ کہ جس نے کی ہیں باتیں آئینہ گر سے
نشانی فاتحِ اعظم کی جا کر پوچھ لے کوئی　　احد سے بدر سے صفین سے خندق سے خیبر سے

نظر آئی علی اصغرؑ میں نفسِ اللہ کی قدرت
خراجِ اشک آیا جب ستم گاروں کے لشکر سے

○

سلام

عشرہ کی صبح نعرۂ تکبیرِ اکبری　　تھرا گئے فضا میں قدم آفتاب کے
کیا منتخب جری تھے شہِ کربلا کے ساتھ　　قائل تو ہم بھی ہیں مگر اس انتخاب کے
ذکرِ حسینؑ مظہرِ اُم الکتاب ہے　　یہ لاڈلے ہیں صاحبِ اُم الکتاب کے
کٹتے رہے ہیں ہاتھ بدلتے رہے ہیں دور　　دم بھر رکے نہ جام ولا کے شراب کے
کیا کم ہے درد و غم شبِ عاشور کا ہمیں　　ہم اور لطف اٹھائیں شبِ ماہتاب کے

اب لائیں گے نہ بحث میں ہم کربلا کی جنگ
کب تک چلیں گے دور سوال و جواب کے

○

باب اوّل

سلام

1.	تجم کے سلاموں کی آفاقی قدریں	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
2.	منتخب اشعار	(220) عدد
3.	سلام (مطبوعہ وغیر مطبوعہ)	(107) عدد
4.	کل تعداد اشعار	(1375)

فہرست سلام

نمبر شمار	عنوان	مطلع	تعداد شعر	صفحہ
1	محرم کا زمانہ	دلوں پر غم کا بادل چھا گیا ہے	(17)	995
2	اندازِ ماتم	محرم میں مسرت خود بخود کم ہوتی جاتی ہے	(12)	996
3	شایان کربلا	تجھ کو سلام رفعتِ ایوان کربلا	(25)	996
4	اکبرؑ کی جوانی	اجل کا سامنا ہے اور اکبرؑ کی جوانی ہے	(14)	998
5	دادِ وفا	یہ کس پر چھری تیز کی جا رہی ہے	(26)	999
6	وفائے عہد	مرحلے آسان نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ کے	(17)	1000
7	حُسنِ عمل	کربلا والے غریبوں کے سہارے بن گئے	(10)	1001
8	کارِ نبوت	پیکرِ اسلام میں اک روح تازہ بھر گیا	(17)	1002
9	شہر یاری	بہت سجادؑ کو ملت کی فکرِ رستگاری ہے	(14)	1003
10	اٹھارہ داغ	دنیا میں غم حسینؑ کا پروردگار دے	(13)	1004
11	سبز پرچم	سبز پرچم بزمِ ماتم میں جو لہراتے ہیں ہم	(14)	1005
12	وعدہ گاہ	دنیا گری ہوئی ہے آج ہماری نگاہ سے	(14)	1006
13	زندہ نشانیاں	سنتے ہیں سر کٹایا جب شاہِ کربلا نے	(25)	1007
14	عرش کا تارا	قوم کی خاطر ران کو سدھارا	(11)	1008
15	میدان کا دولھا	اس شان کے دنیا میں دیکھے نہ سنے پیاسے	(14)	1009
16	بلندیٔ افتاد	مشکیزہ جب کہ تیرِ ستم کھا کے گر پڑا	(13)	1010
17	تمکینِ سلیمانی	اکبرؑ کا تنِ نازک زخموں سے گل افشانی	(23)	1011

نمبر شمار	عنوان	مطلع	تعداد شعر	صفحہ
18	خونِ تمنا	ہائے عاشور کو شبیرؑ نے کیا کیا دیکھا	(19)	1012
19	پیامِ عزا	سلامت ہیں درسِ وفا دینے والے	(14)	1013
20	چاک گریباں	حسرتیں پھوپھیوں کی ماں بہنوں کے ارماں لے گئے	(20)	1014
21	لالہ زار	یہ محبتِ رسولؐ کا انجام کار ہو	(16)	1015
22	اب کہاں	فاطمۂ زہراؑ کے جانی اب کہاں	(17)	1016
23	شانِ جلالت	سر دے کے نانا جان کی دولت بچا گئے	(14)	1017
24	راہِ رضا	میدانِ شہادت میں حسینؑ آئے ہوئے ہیں	(17)	1018
25	اے حسینؑ	اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسینؑ	(20)	1019
26	حوصلۂ بشر	بعدِ حسینؑ یوں کوئی جلوہ نما نہیں ہوا	(11)	1020
27	آخری سجدہ	زرد کرنیں ڈوبتا سورج زمینِ کربلا	(19)	1021
28	آخری سجدہ	تیرے سجدہ میں ہے وہ روحِ جلالت اے حسینؑ	(19)	1022
29	آخری سجدہ	اک مسافر قبرِ پیغمبرؐ سے اٹھوایا ہوا	(19)	1023
30	آخری سجدہ	ڈوبتے سورج کی غمگیں روشنی سجدے میں ہے	(16)	1025
31	کربلا کے مسافر	مقتل میں لاشیں رہ گئیں نیزوں پر سر گئے	(12)	1026
32	پیامِ عمل	قتل کی شبیرؑ کی بات کدھر جائے گی	(13)	1027
33	سبز قبا	شاید ہے طلب پھر مری شبیرؑ کے در سے	(12)	1028
34	دین کا رہبر	مسلم کیوں نہ ہو تیری بزرگی اے علی اصغر	(16)	1028
35	شورِ وفا	سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے	(14)	1029
36	دردِ درماں	چاند نے زہراؑ کے مستقبل درخشاں کر دیا	(10)	1030
37	شانِ انصار	جنگ کا دن تھا مصلے پر تھے انصارِ حسینؑ	(11)	1031
38	سلام	دل کی ان اطاعت میں نہ رہیں قدرت کو گوارا ہو نہ سکا	(11)	1032
39	طرحی سلام	رخ سمتِ کربلائے معلیٰ اگر نہیں	(6)	1032

نمبر شمار	عنوان	مطلع	تعداد شعر	صفحہ
40	سجدہ گاہِ عشق	کربلا کی راہ میں رہبر نگاہِ عشق ہے	(17)	1033
41	مدحتِ مولاؑ	زمینِ کربلا بھی یاد کرتی ہے تہہ دل سے	(12)	1034
42	حُسنِ مشیّت	مقتل میں ہیں حسینؑ یہ قدرت لیے ہوئے	(11)	1035
43	رازِ عزاداری	موسمِ غم آ گیا کر شکرِ احسانِ حسینؑ	(13)	1035
44	فاقہ کش تاجدار	جمال ایسا کہ آسودہ نگاہیں بزمِ انور میں	(14)	1036
45	آخری سجدہ	رہروانِ راہِ آزادی کے تیور دیکھیے	(11)	1037
46	سلام	اہلِ دل نظر آئینہ رخسار آئے	(13)	1038
47	آخری سجدہ	اثر شہادتِ عظمیٰ کا جاودانی ہے	(8)	1039
48	سلام	ہم سمجھے تھے لہرائے گا کعبہ کی فضا پر	(10)	1040
49	سلام	ہر آہ مرے دل کی تولاّ کا نشاں ہو	(12)	1040
50	سلام	یہ عبادت اور ہے یہ کج کلاہی اور ہے	(4)	1041
51	صراطِ صبر	حسینؑ رازِ حیات آشکار کرتے ہیں	(21)	1042
52	پیامِ حریت	برتر از فکر و قیاس و فہم حیدرؑ ہو گئے	(13)	1043
53	تاجِ مدحت	نویدِ لافتیٰ آئی علیؑ کی مدح خوانی میں	(11)	1043
54	بلندیِ ہمّت	سرورؑ ہیں زیرِ تیغ یہ رفعت لیے ہوئے	(8)	1044
55	تکرارِ تجلّی	کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں	(14)	1045
56	حوصلۂ منزل	دل مجلس و ماتم کا حاصل نظر آتا ہے	(17)	1046
57	فطرتِ اسلام	متاعِ ذہن میں جس دن مسلکِ شبیرؑ ہو جائے	(9)	1047
58	فتحِ عظیم	کیوں کر نہ رنگ لاتا سر دے کے گھر بچانا	(14)	1047
59	ولولۂ انقلاب	اب کیا مرے گناہ رہیں گے حساب میں	(13)	1048
60	میدانِ عمل	قامت میں قیامت کا تو ہمسر نہیں ہوتا	(8)	1049
61	اُسوۂ شبیرؑ	پاؤں عابدؑ کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے	(7)	1050

نمبر شمار	عنوان	مطلع	تعداد شعر	صفحہ
62	قرآن و عترت	ایک ہی گھر چاہیے قرآن و عترت کے لئے	(12)	1050
63	دردِ دامن گیر	ہے علیؑ کی ملک یہ قرآن بھی شمشیر بھی	(9)	1051
64	فخرِ انساں	چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گیا	(13)	1052
65	اُسوۂ انصار	پھر نہ پیدا ہوا شبیرؑ سا شبیرؑ کوئی	(12)	1053
66	سرمایۂ شرافت	تنہا کھڑے ہیں درشۂ مرداں لیے ہوئے	(14)	1053
67	علیؑ کا شباب	سبق حسینؑ کی محنت سے لو خدا کے لئے	(10)	1054
68	غم لازوال	خیبر کے سامنے اسدِ ذوالجلال ہے	(9)	1055
69	جادۂ دشوار	اسلام اے حسینؑ ہے غم خوار آپ کا	(16)	1056
70	سلام	اے امامِ عصرِ حاضر تجھ پہ ملّت کا سلام	(8)	1057
71	سلام	صاحبِ طورِ تجلّی کو ہساروں کا سلام	(7)	1057
72	سلام	بار ہا اٹھے فتنے بار ہا سنبھالا ہے	(12)	1058
73	سلام	فرماتے تھے شہؑ روکے نہ کوئی آتا ہے اگر حُر نہ آنے دو	(7)	1059
74	سلام	غمِ شبیرؑ ہدایت کا نشاں آج بھی ہے	(5)	1059
75	سلام	محمدؐ عربی کا جواب نہ ہوسکا	(10)	1060
76	سلام	وہیں تک رونقِ دینِ خدا ہے	(16)	1060
77	سلام	راکبِ دوشِ نبیؐ ہے ذاتِ والائے حسینؑ	(15)	1061
78	سلام	کوئی واقف نہ تھا اس لذّتِ تاثیر سے پہلے	(12)	1062
79	سلام	نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی	(6)	1063
80	سلام	نامِ اکبرؑ اختصارِ نعرۂ تکبیر ہے	(6)	1064
81	سلام	غمِ شہیدِ کربلا کا جاوداں ہو کر رہا	(11)	1064
82	سلام	سینوں میں دل دہل گئے نیزہ پہ سر دیکھ کر	(12)	1065
83	سلام	دو اشک نہ ٹپکے جب آنکھوں کا بھرم کیا ہے	(12)	1066
84	سلام	جب چھین لی عباسؑ نے اعدا سے ترائی	(12)	1066

(49)

دو دن کی بھوک پیاس میں یہ ہوش یہ حواس
یہ فرض کا شعور محبت کا یہ اساس
جب عزم مستقل ہو تو کیا خوف کیا ہراس
خطروں کو روندتا ہوا پہنچا یہ حق شناس
ہاتھوں نے بڑھ کے گرمیِ رفتار روک لی
آتی ہوئی حسینؑ پہ تلوار روک لی

(50)

یہ بندگانِ ظلم سے زور آزمائیاں
دن سِن یہ کھیل کود کے یہ حق نمائیاں
صدقے ہوئیں حسینؑ پہ دونوں کلائیاں
ایسے ہی ہاتھ کرتے ہیں مشکل کشائیاں
قربانیاں ہوئی تھیں جہاں رنگ لائی ہیں
ایسے ہی جاں نثاروں نے قومیں بچائی ہیں

(51)

بے دست ہو کے خاک پہ تڑپا وہ مہ جبیں
کیا جانے ایک آہ بھی کی اُس نے یا نہیں
شاید لبِ حسینؑ سے نکلی ہو آفریں
آغوش ماں کی دور تھی اور موت تھی قریں
اک تیر کھا کے حلق پہ بے جان ہو گیا
فدیہ تھا جس کا اُس کی ہی گودی میں سو گیا

(52)

انصارِ باوقار کے لاشے وہ چار سو
جن سے وفا کا نام محبت کی آرزو
واللہ کیا مآل تھا کیا ذوقِ جستجو
صلِ علیٰ نبیؐ کے لہو میں ملا لہو
اپنوں کی طرح ساتھ دیا کیا سعید تھے
دو ان مجاہدوں میں بھی کم سن شہید تھے

(53)

دولھا کے ساتھ خاک پہ سوئی ہوئی برات
آغوش نینوا میں تھی یثرب کی کائنات
نظارۂ جمال سے حیرت میں شش جہات
ایک ایک کی جبیں پہ وہ تابانیٔ حیات
مقتل میں چاند سے نظر آتے تھے دور سے
روشن جبینِ شام تھی چہروں کے نور سے

(54)

اُس یادگار صبح کی وہ یادگار شام
وہ قتل گہ کے سامنے جلتے ہوئے خیام
میدان میں حسینؑ کے اہلِ حرم تمام
بچوں کی عورتوں کی اسیری کا اہتمام
بازو بھی ریسمان بھی طوق اور گلو بھی تھا
کامل تھا ظلم آگ بھی تھی اور لہو بھی تھا

(55)

لرزاں مثالِ بید وہ دنیائے آب و گل
وہ کارواں لٹا ہوا لاشوں کے متصل
خیموں کی طرح سینوں میں جلتے ہوئے وہ دل
بچے بھی فرشِ خاک پہ خاموش و مضمحل
نازاں تھے جو حسینؑ پہ وہ دل نہیں رہے
فریاد العطش کے بھی قابل نہیں رہے

(56)

چھائی ہوئی فضا میں الم ناک خامشی
شامل ہوائے دشت میں وہ خون کی تری
بجھتی ہوئی خیام کے شعلوں کی روشنی
وہ غم میں وارثوں کے اسیرانِ زندگی
بیٹھے ہوئے زمیں پہ کلیجوں کو تھام کے
کھوئے ہوئے غریب دھندلکے میں شام کے

(57)

ایسے ہی سوگوار تھے جیسے کہ تھے حسینؑ
یہ صبر کا محل تھا کہ ہنگامِ شور وشین
خود داریوں پہ ان کی فدا جانِ مشرقین
باہر تھے گھر سے کر نہ سکے میتوں پہ بین
غمگیں دلوں پہ جبر قیامت کا سہ گئے
نرغہ تھا دشمنوں کا تو جی گھٹ کے رہ گئے

(58)

بے خانماں تھے اور بھرے گھر کے سوگوار
اکبرؑ کے سوگوار تھے اصغرؑ کے سوگوار
سب ایک سمت جانِ پیمبرؐ کے سوگوار
اللہ ایک دن میں بہتر کے سوگوار
ایسے میں ضبط سے کوئی کس طرح کام لے
کس کا یہ حوصلہ ہے کہ اشکوں کو تھام لے

(59)

تڑپتی ہوئی زمیں پہ وہ لاشے اِدھر اُدھر
بھائی کسی کا تھا تو کسی کا جواں پسر
وارث پڑا ہوا تھا کسی کا لہو میں تر
ٹکڑے دل و جگر کے اور اک دور کی نظر
جاتے ہوئے وداع نہ کرنے کو دیکھیے
مقتل سے قیدیوں کے گزرنے کو دیکھیے

(60)

کس درجہ دردناک تھا رخصت کا یہ سماں
کہتا کسی سے کون کہ خالق نگاہباں
اتنا بھی کوئی پوچھنے والا نہ تھا یہاں
زندوں پہ کیا گزر گئی کُشتوں کے درمیاں
یوں تو حرم کی عمر ہی اِس غم میں سب کٹی
کس طرح قتل گاہ میں لیکن یہ شب کٹی

(61)

مشکل کشاؑ کی آل پہ یہ وقتِ بے کسی
مرجائے جانِ فاطمہ پُرسا نہ دے کوئی
اک غم نصیب عمر تھی یہ ایک شب نہ تھی
اس درد کی کسک دلِ فطرت میں رہ گئی
وہ سوز و گداز نمایاں ہے آج تک
اُس دن کی شام شامِ غریباں ہے آج تک

(62)

کیا صبر میں جری تھے اسیرانِ تشنہ لب
ہمراہ جب تو لائے تھے شاہنشہِ عرب
اللہ جانتا ہے اٹھائے ہیں جو تعب
اتنا بھی تو ہُوا نہیں تسکین کا سبب
فطری تھا حق پر اُس کی اجازت نہیں ملی
لاشوں کے دفن کرنے کی مہلت نہیں ملی

(63)

یہ بے وطن غریب مسافر شکستہ حال
جو وارثوں کے سوگ میں کھولے ہوئے تھے بال
جو نیم جاں تھے بھوک سے جو پیاس سے نڈھال
اے نجم آج ان کی سیاست ہے لازوال
حیرت سے شام وکوفہ کے ارکان دنگ تھے
تختے الٹ دیے وہ اسیرانِ جنگ تھے

ہنگامِ عصر ختم ہوئی جنگِ کربلا
اِک دوسرے جہاد کا آغاز ہوگیا
تکمیلِ کار کے لیے بیمارِ غم اُٹھا
اب اُس کے دوش پہ تھا نشاں انقلاب کا

قیدِ ستم میں شیرِ خدا کا ہزبر تھا
تا شام ایک معرکۂ ضبط و صبر تھا

پروفیسر سیّد احتشام حسین

مقدّمہ

مرثیہ — معراجِ فکر

اردو مرثیے کی فنی تاریخ طرز اظہار کے تعین کی تاریخ بھی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ ابتدائی دور کے مرثیوں میں جہاں مواد اور موضوع کو سرسری حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، وہیں اس کی ہیئت اور ظاہری ساخت کی جانب سے بھی بے اعتنائی برتی گئی تھی، لیکن جب ایک بار ہیئت کا مسئلہ حل ہوگیا اور اہم ترین مرثیہ نگاروں نے مسدس کو مرثیہ نگاری کے لیے مخصوص کردیا تو موضوع کی وسعت پر بھی نظر گئی کیونکہ مسدس محض اظہار تاثر کے لیے موزوں نہ تھا، بلکہ واقعات اور خیالات کے پھیلاؤ کا مطالبہ کرتا تھا۔ عربی، فارسی اور اردو کے قدیم مرثیہ نگاروں نے مرثیے کو واقعہ کربلا اور غم امام حسینؑ کے اظہار کا آلہ کار قرار دیا تھا۔ وہ زیادہ تر رونے رلانے کے لیے امام حسینؑ کی شہادت اور مصائب کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے تھے اور عقیدت و ارادت کا سہارا لے کر شاعری کے فنّی پہلوؤں سے بے نیاز ہوجاتے تھے۔ مرزا محمد رفیع سوؔدا نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر مرثیہ کوئی فن ہے اور مرثیہ اصنافِ شعری میں سے ایک صنف ہے تو شاعر محض یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوسکتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق اظہارِ غم و الم سے ہے، شاعری سے نہیں ہے۔ اس خیال سے سوؔدا نے شعوری طور پر مرثیے کی فنّی اصلاح پر زور دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعد سے مرثیے نے اہم ادبی حیثیت اختیار کرلی اور غزل، قصیدہ، مثنوی کی طرح اسے بھی بلند پایہ اور اہم اصناف میں جگہ دی گئی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فنی ارتقا کے ساتھ ساتھ مرثیے کی معنوی حیثیت بھی بلند ہوگئی۔ مرزا رفیع سوؔدا کے مرثیوں میں

اس وقت تک تمام دوسرے مرثیہ گویوں کے مقابلے میں زیادہ جان ہے۔

سودؔا نے مرثیے میں اصلاح کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، وہ اصلاح کی منزل سے گزر کر تعمیری حسن کی منزل تک پہنچا، اور سودؔا کے فوراً بعد آنے والے مرثیہ گویوں نے واقعہ کربلا کی عظمت کے احساس کو اعلیٰ ترین فنی روپ دینے کی کوشش کی۔ خلیقؔ، ضمیرؔ اور فصیحؔ کے مرثیے اس کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ اس دور میں اور ان فن کاروں کے ہاتھوں مرثیے کے خط وخال واضح ہونے لگے اور اس کی شاعرانہ خصوصیات پر توجہ کرنے کے ساتھ اس حادثۂ عظیم کے واقعاتی پہلو بھی سامنے آنے لگے۔ یہ اودھ میں شیعیت کے فروغ کا زمانہ تھا۔ مرثیے کے لیے مناسب فضا موجود تھی۔ مرثیہ نگاری اہم شاعرانہ خدمت سمجھی جاتی تھی۔ مرثیہ خواں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ امیر وغریب، عالم اور جاہل سب مرثیوں سے تاثر حاصل کرتے تھے اور چونکہ اُس وقت تک مجالس میں حدیث خوانی کا بہت زیادہ فروغ نہیں ہوا تھا اس لیے مرثیہ خوانی ہی کو اہمیت حاصل تھی۔ صورت حال یہ تھی جب میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ اور بعض دوسرے شعراء نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے وزن ووقار میں غیر معمولی اضافہ کیا، جہاں تک مریثے کے مرثیہ ہونے کا تعلق ہے اس کی ہیئت کی تکمیل ہوگئی بلکہ شاید یہ کہنا صحیح ہو کہ بہاروخزاں کے ذکر، ساقی نامہ، گھوڑے اور تلوار کی تعریف جیسے عناصر نے آرائش وزیبائش کا وہ سامان بھی مہیا کردیا جس کے نہ ہونے سے مرثیے کے بنیادی تصور میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ آج بھی مرثیے کے نام سے جو نظمیں واقعہ کربلا کے متعلق لکھی جارہی ہیں ان کے لیے مسدّس ہی کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیئت بیانیہ تاثیراتی اور فکری ہر رنگ کے لیے مناسب ہے اور چونکہ تحت لفظ خوانی میں بھی مسدّس سے مدد ملتی ہے اس لیے ہر وہ مرثیہ جو اس طرح پڑھنے کے لیے لکھا جاتا ہے، مسدّس ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرثیے کی یہ معین ہیئت ہے، مرثیہ اپنی ہیئت کے اعتبار سے مرثیہ ہوتا ہے۔ اسے کسی شکل میں لکھ سکتے ہیں لیکن عملاً اس کی یہی شکل سب سے زیادہ کارآمد اور کامیاب معلوم ہوتی ہے، اسی وجہ سے دورِ جدید کے شعرا نے بھی اس ہیئت کے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے شاگرد اور متبعین تو مرثیہ مسدس کی شکل میں لکھتے ہی رہے، دوسرے شعرا نے بھی یہی روش جاری رکھی۔ موجدؔ سرسوی،

جعفر علی خاں اثر لکھنوی، جوش ملیح آبادی، آل رضا لکھنوی، فارغ بخاری، زائر سیتاپوری، ناصر زید پوری، نجم آفندی اور بعض دوسرے شعراء جو اپنے اپنے نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور جو غالباً کلاسکی مرثیہ نگاری کا تتبع باقاعدہ نہیں کرتے، مرثیہ لکھتے وقت مسدس ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس طرح مرثیہ کی ظاہری شکل کا مسئلہ اس وقت شعراء کے لیے الجھن کا سبب نہیں ہے لیکن موضوع اور مواد کی پیش کش کا مسئلہ ضرور غور و فکر کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کلاسکی مرثیوں میں جن عناصر کو تقریباً ترتیب وار پیش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، موجودہ شعراء بعض وجوہ سے اس کی پیروی نہیں کر رہے ہیں۔ محض بیانیہ اندازِ نظر کی جگہ تاثراتی اور فکری اندازِ نظر پر زور دیا جا رہا ہے اور ہیئت سے زیادہ معنویت پر۔ یہ بھی دورِ جدید کے تقاضوں کا نتیجہ ہے جس طرح حدیث خوانی اور ذاکری کا طرز بدلا ہے، روایت میں درایت کی آمیزش ہوئی ہے، خطابت میں استدلالی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسی طرح مرثیہ گوئی میں بھی تغیر ہوا ہے۔ مرثیہ نگار وقت کی آواز پر کان دے رہا ہے اور فن کے تقاضوں کے اندر ہی اندر جذباتِ عقیدت میں حقائق کی آمیزش کر رہا ہے۔

ممکن ہے حضرت نجم آفندی کے نو تصنیف مرثیہ ''معراجِ فکر'' سے پوری طرح لطف اندوز ہونے میں بعض حضرات کو ان چند تمہیدی سطروں سے کچھ مدد ملے، کیونکہ یہ مرثیہ بھی ظاہری ساخت میں قدیم کلاسکی مرثیوں سے مشابہت رکھنے کے باوجود مختلف ہے۔ یہ اختلاف کہاں ہے اور کیوں؟ اس کی جستجو شاعر کے مزاج، وقت کے بدلے ہوئے انداز، واقعۂ کربلا کی جدید تشریح و تعبیر، مقصد مرثیہ نگاری اور سامعین کے ذوق و شعور کی روشنی ہی میں کی جاسکتی ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے اس مجلس میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا جس میں جناب نجم آفندی نے یہ مرثیہ ایک بڑے مجمع کے سامنے پیش کیا تھا، اس لیے یہ دیکھنے کا موقع بھی ملا کہ سامعین پر اس کا ردِ عمل کیا ہوا، اس کے کون سے حصے زیادہ پسند کیے گئے، کن بندوں پر زیادہ داد ملی اور واہ واہ، سبحان اللہ کے پردے میں کس قسم کے جذبات کا اظہار کیا گیا۔ پھر میں نے اس کو تنہائی میں غور سے پڑھا تاکہ اس فوری اور وقتی تاثر سے الگ ہو کر رائے قائم کرسکوں، جو اسے خود شاعر کی زبان سے سن کر ہوا تھا۔ اس سے قبل میں نجم آفندی کے قصائد، نوحہ جات، نظمیں، غزلیں، قطعات، بعض نثری تصانیف بھی

دیکھ چکا ہوں۔ انھوں نے 'فتح مبین' کے نام سے جو مرثیہ تقریباً پندرہ سال پہلے لکھا تھا، وہ بھی میری نظر سے گزر چکا ہے۔ اس لیے اس مرثیہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے وقت میرے پیش نظر وہ مجموعی تاثر بھی ہے جو میں نے ان کی شاعری اور شخصیت کے متعلق قائم کیا ہے، اور وہ کیف بھی جو معراج فکر' کے مطالعہ سے حاصل ہوا ہے۔

جناب تجم آفندی دور جدید کے ان شعراء میں سے ہیں جنھیں بجا طور پر استادی کا مرتبہ حاصل ہے۔ ان کی عمر ریاض سخن میں بسر ہوئی ہے۔ تقریباً پچاس سال سے ان کی شاعری پر ان شعراء کی صحبتوں میں جلا ہوتی رہی ہے جن میں سے ہر ایک خود اردو شاعری میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ انھوں نے بچپن ہی سے اکبرآباد (آگرہ) کی علمی اور ادبی مجلسوں میں شریک ہوکر زبان وبیان کے لطیف مسائل پر غور کیا اور انھیں برتا ہے۔ اپنے والد مرحوم کے استادانہ رنگ سے کسب فیض کرنے کے علاوہ انھوں نے اساتذہ کا کثرت سے مطالعہ کیا ہے۔ اس لیے ان کے کلام میں ابتداء ہی سے ایسی پختگی اور ہمواری پیدا ہوگئی ہے جو بڑے ریاض کا نتیجہ کہی جاسکتی ہے۔ لیکن کوئی شاعر کتنے ہی سرچشموں سے فیض اٹھائے اس کے کلام میں زور، تازگی، جدت ،گرمی اور سرمستی کے عناصر اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ مسائل اور واقعات پر اپنے مخلصانہ نقطۂ نظر سے غور نہ کرتا ہو۔ یہ بات صرف مذہب کے لیے نہیں، زندگی کے ہر پہلو کے لیے صحیح کہی جاسکتی ہے کہ اس میں ''عقیدے'' کی آگ کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اظہار مصنوعی اور بے روح ہوگا۔ یہی ایک اچھے فن کار کی پہچان ہے کہ اس کا موضوع ہی اس کی زندگی اور روح ہو، اس کا بیان اس کے خلوص قلب کا آئینہ ہو، اور اس کے خیالات وتصورات کی گرمی اس کے الفاظ اور فقروں سے پھوٹی پڑ رہی ہو۔ تجم آفندی کی ساری شاعری میں یہ خصوصیت اس شدت سے نمایاں ہے کہ ان کے چند اشعار کا مطالعہ بھی ان کے جوش عقیدت کی غمازی کرنے لگتا ہے۔ ان کی مذہبی نظموں میں یہ بات ہر ہر لفظ سے نمایاں ہوتی ہے، لیکن وہی اس بات کا پتہ بھی دیتی ہے کہ اس والہانہ عقیدت کی بنیاد گہرے شعور اور استدلالی تیقن پر ہے۔ اندھی عقیدت اپنی نیک نیتی کے باوجود سطحی اور ہلکی ہوتی ہے۔ عقیدے کا عرفان گہرائی، شدت اور قوت پیدا کرتا ہے، یہی وہ منزل ہے جو تجم آفندی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کا عقیدہ علم وعرفان کا آفریدہ

ہے۔ ان کا یقین ادراک وشعور کا پیدا کردہ ہے، اس لیے ان کی شاعری میں ان کی روح کی آواز سنائی دیتی ہے جسے ان کی جدت طراز طبیعت ایک ایسے زاویے سے پیش کردیتی ہے جس پر دوسروں کی نگاہ نہیں گئی تھی۔

واقعۂ کربلا کے کچھ تاریخی پہلو ہیں، کچھ اعتقادی و جذباتی، کچھ ایسے ہیں جن میں عالم انسانیت کے لیے پیام روح اور درس اخلاق ہے، بعض پہلو ایسے ہیں جن میں شدید المیہ عناصر موجود ہیں اور بلا قید مذہب وملت انسان کے جذبات کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔ شعراء نے ان تمام پہلوؤں سے کام لیا ہے۔ جناب نجم آفندی نے بھی اپنے اندازِ نظر کے مطابق انھیں "معراج فکر" میں جگہ دی ہے لیکن ان کا نقطۂ نظر واقعات سے متعلق جذبات کے انتخاب سے ظاہر ہوجاتا ہے اور انھیں دوسرے شعراء سے امتیاز بخشتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں زیرِنظر مرثیے پر نگاہ ڈالی جائے تو صرف اس بات کی ضرورت ہوگی کہ ہر موقع اور ہر تصور سے متعلق مثالیں فراہم کردی جائیں لیکن شاید اس طرح اس مختصر مرثیے کے زیادہ تر بند مقدمے ہی میں جگہ پا جائیں گے کیونکہ اس کا انداز بیانیہ نہیں فکری ہے اور واقعات کے بیان کا مقصد شہادتِ حسینؑ کے کسی مخصوص پہلو کی تشریح ہے۔ اس مرثیے میں جناب نجم کے پیش نظر امام حسینؑ، ان کے اعزاء اور احباب کی شہادت کا دل دوز بیان نہیں ہے بلکہ ان کی جانب ہلکے ہلکے اشارے کر کے ان سے وہ نتائج اخذ کرنا ہے جو آج کے انسان کے لیے فکر و عمل کا سنگم بن سکتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو ایک ہی بند کے اندر اتنے خیال انگیز اشارے جمع کردیے گئے ہیں کہ ان کی تشریح میں کئی کئی ورق سیاہ کیے جاسکتے ہیں۔ ایسا صرف اس لیے ہے کہ شاعر کو واقعۂ کربلا کی جس عظمت وجلالت کا احساس ہے وہ فکر وشعور کی منزلوں سے گزر کر اس کے ہاتھ آیا ہے، مثال کے طور پر اس بند کے چھ مصرعوں پر غور کیجئے۔

جس نے امورِ خیر کو بخشی حیاتِ نو   جس کی نوائے درد میں ہے زندگی کی رو
صدیوں سے جس کے نقشِ قدم دے رہے ہیں ضو   جو سوگیا بڑھا کے چراغِ وفا کی لو
بدلی عمل کی شکل ارادے بدل دیے
جس نے مطالبات کے جادے بدل دیے

یہاں کسی واقعہ کا بیان مقصود نہیں ہے، کسی مخصوص حادثے کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ جس کے سامنے شروع سے آخر تک سارا واقعہ کربلا نہ ہو، امام حسینؑ کی قربانی کا مقصد پیش نظر نہ ہو، تاریخ عالم پر اس کے اثرات کا علم نہ ہو، سوال بیعت اور اس کے جواب کے انوکھے پن پر نگاہ نہ ہو، وہ اس بند کے مضمرات سے پوری طرح لطف اندوز اور متکیف نہیں ہوسکتا۔ اسی کو میں فکری عنصر کہتا ہوں جو قدیم مراثی میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

یا اس بند پر غور کیجیے

کچھ حُسن کی نمود تھی کچھ عشق کا مزاج　　　آیا نظر جو صبر و شجاعت کا امتزاج
حق نے رکھا شہادتِ عظمیٰ کا سر پہ تاج　　　ملتا ہے آنسوؤں کا جسے آج تک خراج
مٹھی میں تھا لیے ہوئے موت اور حیات کو
کس دبدبے سے فتح کیا کائنات کو

یہ امام حسینؑ کی ظاہری شکست میں چھپی ہوئی باطنی فتح کے پیش کرنے کا انوکھا انداز ہے یہاں بھی واقعات و حادثات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ کسی مخصوص موقع کا بیان نہیں ہے لیکن شہادتِ حسینؑ نے جو نتائج پیدا کیے تھے، ان کا احساس ہے اور وہی احساس عقیدے کی گرمی کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ اسی طرح مختلف بندوں میں الگ الگ تاثر پاروں نے مرثیے کی فضا پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس پیام کو بھی اجاگر کردیا ہے جو اس زبردست قربانی میں مضمر تھا۔

جناب نجم نے اس مختصر مرثیے میں اس بات کا التزام رکھا ہے کہ جگہ جگہ پر واقعات کا تسلسل بھی برقرار رہے تاکہ مرثیے سے جو ذہنی اور جذباتی وابستگی ہے، وہ بھی آسودہ ہوتی رہے، لیکن ایسے مواقع پر انھیں غیر معمولی اختصار سے کام لینا پڑا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر انصارِ حسینؑ کی قربانیوں کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد ہی چند اعزا کا ذکر ہے اور اسی ترتیب سے ہے جیسے عام طور پر مرثیہ نگار پیش کرتے رہے ہیں، لیکن پھر یہاں یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان بندوں میں بیان واقعہ کے بجائے تاثرات ہی کے اظہار سے کام لیا گیا ہے۔ مختصر مرثیے میں اس کے سوا اور کوئی صورت ممکن بھی نہیں تھی۔ جہاں انصار کا تذکرہ آتا ہے، وہاں پہلا ہی بند شاعر کے مقصد کا

ترجمان بن جاتا ہے۔

کیا ربط آج موت کو ہے زندگی کے ساتھ　　کتنے ادا شناس ہیں سبطِ نبی کے ساتھ
پھر یہ ہجومِ شوق نہ ہوگا کسی کے ساتھ　　مرنے کو یوں نہ جائیں گے انساں خوشی کے ساتھ
سن کر سفیرِ مرگ کے قدموں کی آہٹیں
ہونٹوں پہ جمع ہوں گی نہ پھر مسکراہٹیں

اس میں انصارِ امامؑ کے شوقِ شہادت، عرفانِ حقیقت، جذبۂ مودت، وفورِ شجاعت کے متعلق کتنے لطیف اشارے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اس بند کا پڑھنے یا سننے والا اگر امامؑ کے اصحاب سے واقف ہو، تو اس کی نگاہ تصور کے سامنے نہ جانے کتنے واقعات آ جائیں گے۔

اس طرح کے مرثیے میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ اس کے سارے مضمرات اور رموز و نکات کو وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنھیں واقعۂ کربلا کا تفصیلی علم ہے۔ محض چونکا دینے والے واقعات آتے ہیں، واقعہ کی تصویر نگاہوں کے سامنے نہیں آتی لیکن غالباً اس مرثیے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے پڑھنے اور سننے والوں کے دل میں واقعہ کی تفاصیل، عظمت اور اہمیت کے جاننے اور سمجھنے کے لیے کرید پیدا ہو۔ بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس مرثیے کا ہر بند غور و فکر کے لیے نئے دروازے کھولتا ہے اور گو قدیم کلاسکی مرثیوں کے مقابل میں اس طرح کے نئے مرثیوں میں وہ حسن تعمیر نہیں ہوتا جس سے مرثیے نے عظمت حاصل کی تھی لیکن جدید مرثیے موجودہ دور کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کی جگہ ادب میں محفوظ ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس مرثیے کو نہ صرف عقیدت مندوں کے حلقے میں مقبولیت حاصل ہوگی بلکہ اس کا ادبی حسن، شاعرانہ خلوص اور فنکارانہ بیان اس کا مطالعہ کرنے والوں کے دائرے کو وسیع کر لے گا۔ اور اس سے وہ مقصد پورا ہوگا جو شاعر کے پیش نظر یعنی لوگوں میں واقعۂ کربلا کے متعلق غور و فکر کا وہ جذبہ پیدا ہو جس کا تعلق اس کے روح پرور اور جاں فزا پیام سے ہے۔

○

مرثیہ

معراجِ فکر

ع: صورت گرِ جلالتِ اسلام ہے حسینؑ

73 بند

تصنیف 1959ء

(1)

صورت گرِ جلالتِ اسلام ہے حسینؑ
اک مرکزِ روابطِ اقوام ہے حسینؑ
فکر و نظر مشیت و الہام ہے حسینؑ
محبوبِ اہل درد بس اک نام ہے حسینؑ
دریا مخالفت کے چڑھے اور اُتر گئے
باقی رہا یہ نام حوادث گزر گئے

(2)

انسانیت کو جس نے سنوارا ہے وہ حسینؑ
جو حُسنِ معنوی کا سہارا ہے وہ حسینؑ
جس نے دلوں میں درد اُبھارا ہے وہ حسینؑ
روحِ بشر کو جس نے پکارا ہے وہ حسینؑ
آواز جس کی دُور کے انسان تک گئی
بجلی سی سامعہ کی فضا میں چمک گئی

(3)

خود دار زندگی کا جو حامی ہے وہ حسینؑ
عزّت کی موت کا جو پیامی ہے وہ حسینؑ
جو خالقِ شعورِ عوامی ہے وہ حسینؑ
ہر قوم کی نظر میں گرامی ہے وہ حسینؑ
واقف نہیں بشر جو پیمبرؐ کے نام سے
مانوس ہیں حسین علیہ السلام سے

(4)

آئینہ ہے جبینِ ازل جس کا وہ حسینؑ
ممکن نہیں جہاں میں بدل جس کا وہ حسینؑ
ہے گیسوئے حیات میں بل جس کا وہ حسینؑ
حُسن آفریں ہے دخل و عمل جس کا وہ حسینؑ
ہر منزل اس کی منزلِ صبر آزما بنی
مکہ بنا مدینہ بنا کربلا بنی

(5)

معراجِ فکر جس کی ہر اک بات وہ حسینؑ
قرآں کی شرح جس کے ہیں حالات وہ حسینؑ
جس کے تصورات ہیں آیات وہ حسینؑ
ممکن ہیں جس کے آگے محالات وہ حسینؑ
جس کی وفا نہ وقت کے اسرار حل کیے
صدہا برس کے عقدۂ دشوار حل کیے

(6)

جو حق کی معرفت کا ہے مفہوم وہ حسینؑ
جس کا خیال و خواب ہے معصوم وہ حسینؑ
جس کے ثباتِ عزم کی ہے دھوم وہ حسینؑ
جس کا ہے نام قوتِ مظلوم وہ حسینؑ
مظلومیت کو عزم دیا حوصلہ دیا
اظہارِ حق کا جس نے سلیقہ سکھا دیا

(7)

اقدام جس کا سب سے نرالا ہے وہ حسینؑ
جو غم کی تیرگی کا اُجالا ہے وہ حسینؑ
ملّت کا جو سنبھالنے والا ہے وہ حسینؑ
جو فاطمہؑ کی گود کا پالا ہے وہ حسینؑ
دوشِ پیمبرؐ پہ جو معراج پاگیا
جو زیرِ تیغ اتنی بلندی سے آگیا

(8)

جو آج بھی ہے رہبرِ افکار وہ حسینؑ
ذہنوں کو کر رہا ہے جو بیدار وہ حسینؑ
دنیا تھی جس کے درپئے آزار وہ حسینؑ
اب بھی بہت ہیں جس کے گنہگار وہ حسینؑ
جس نے دیا ہے درسِ عمل حق کی راہ میں
ہم جیسے بے عمل بھی ہیں جس کی نگاہ میں

(9)

جس کی نگاہ قوم کی فکر و نظر پہ ہے
جس کی نگاہ مصرفِ ہر خیر و شر پہ ہے
جس کی نگاہ اپنے لہو کے اثر پہ ہے
جو بے خبر ہے اس پہ نہیں با خبر پہ ہے
امروز ہے نگاہ میں فردا ہے سامنے
ایک ایک فردِ قوم کا چہرا ہے سامنے

(10)

جس نے امورِ خیر کو بخشی حیاتِ نو
جس کی نوائے درد میں ہے زندگی کی رَو
صدیوں سے جس کے نقشِ قدم دے رہے ہیں ضَو
جو سوگیا بڑھا کے چراغِ وفا کی لَو
بدلی عمل کی شکل ارادے بدل دیے
جس نے مطالبات کے جادے بدل دیے

(11)

تاریخِ روزگار پہ تنقید جس نے کی
ہر اک غلط اصول کی تردید جس نے کی
قدرت کے نظم و ضبط کی تائید جس نے کی
اسلام کے پیام کی تجدید جس نے کی
پھر بڑھ چلا تھا زور جو باطل کا گھٹ گیا
پردہ سا ایک روئے حقیقت سے ہٹ گیا

(12)

جس نے کیے مقاصدِ صبر و رضا بلند
جس نے کیے معانیٔ حرفِ وفا بلند
جس نے کیے منازلِ درد آزما بلند
ممنون سب اسی کے ہیں کیا پست کیا بلند
منعم کو شکرِ نعمتِ حق کا سبق دیا
جس نے غریب قوم کو جینے کا حق دیا

(13)

بگڑی ہوئی تھی صورتِ دنیائے آب و گِل
چہروں پہ رنگ و روپ تھا روحیں تھیں مضمحل
وہ خبثِ نفس تھا کہ شرافت تھی منفعل
اخلاق کے نظام میں اغراض تھے مخل
خود داریٔ حیات کی پائندگی نہ تھی
جینے کو جی رہے تھے مگر زندگی نہ تھی

(14)

زندہ کیے حسینؑ نے اسلام کے اصول
اُس نے عوض نبیؐ کے شہادت بھی کی قبول
مستجمع الصفات ہوئے اس طرح رسولؐ
ادراک دم بہ خود ہوں کہ حیران ہوں عقول
اک آیۂ جلی ہے یہ سرِّ خفی نہیں
منصب تو ہے نبیؐ کا اگر وہ نبیؐ نہیں

(15)

وہ عارفِ جلیل تھا آگاہِ رسم و راہ
جو کہہ گیا حسینؑ کو بنیادِ لا الٰہ
اسلام دینِ مصطفویؐ ہے خدا گواہ
لیکن اک اہلِ دل نے کہا یہ بہ اشک و آہ
کہنے میں بات آتی ہے چُپ کیوں رہے کوئی
برحق ہے اب جو دینِ حسینیؑ کہے کوئی

(16)

ہر قوم میں ہے جس کی شہادت کا احترام
دُنیا میں جس کا نام ہے اک مستقل پیام
اس درجہ اس کا ذکر ہے مقبولِ خاص و عام
ہر اک زباں کے شعر و ادب میں ملا مقام
تقریر و نظم و نثر کی کچھ انتہا نہیں
اب تک کسی کا تذکرہ اتنا ہُوا نہیں

(17)

جس کی وِلا میں ہیں لبِ انسانیت پہ بین
ہر عہد میں بلند ہے آوازِ شورو شین
لاکھوں عزا کو اس کی سمجھتے ہیں فرض عین
ہر روز ہے کہیں نہ کہیں مجلسِ حسینؑ
اس شان کا غم اور مثالی نہیں کوئی
لمحہ بھی اس کے ذکر سے خالی نہیں کوئی

(18)

صدیوں سے جس کی مدح سرائی کا دَور ہے
ہر دَور میں یہ مسئلۂ فکر و غور ہے
اس باب میں سکوت طبیعت پہ جَور ہے
محرومِ درد ہو کوئی یہ بات اور ہے
جو اہلِ دل ہے دست نگر کربلا کا ہے
ہر ملک کے ادب پہ اثر کربلا کا ہے

(19)

توریت میں بھی جس کی شہادت کا ہے بیاں
ہوتا ہے کچھ زبور سے بھی ماجرا عیاں
انجیل بھی ہے جس کے منازل کی ترجماں
یہ جملہ انبیاؑ کے صحائف ہیں ہم زباں
تنظیمِ کائنات کا قلبِ صمیم ہے
قرآن میں وہ معنیِ ذبحِ عظیم ہے

(20)

جو ظلم کر رہے ہیں علوم و فنون پر
غدّار متحد ہیں حقائق کے خون پر
تصنیفِ ابنِ تیمیہ و خلدون پر
کیا تبصرہ کرے کوئی ان کے جنون پر
اُس عہد میں نہ تھے یہ تقاضے اِسی کے ہیں
یہ بھی شریک خون میں سبطِ نبیؐ کے ہیں

(21)

بے امتیاز مذہب و ملّت ہے جس کا سوگ
اکثر مٹادیا ہے تعصّب کا جس نے روگ
کتنے ہیں اب قریب بہت دور تھے جو لوگ
نامسلموں نے عشق میں جس کے لیا ہے جوگ
بھارت نواسیوں کو خطاب اک نیا دیا
کتنے برہمنوں کو حسینیؑ بنا دیا

(22)

حیرت میں عقل اس کے نظامِ عمل پہ ہے
حق بیں نگاہ حُسن دوامِ عمل پہ ہے
دل بے قرار دردِ پیامِ عمل پہ ہے
کتنا بلند اپنے مقامِ عمل پہ ہے
قوموں کے رہبروں کو ہے فخر انتساب سے
سب نور لے رہے ہیں اسی آفتاب سے

(23)

حاصل یہ جس کے غم کو ہوئی عظمتِ گراں
قیدِ زماں ہے اور نہ پابندیٔ مکاں
اب تک جو ہے محبتِ برحق کا ترجماں
خود واجب الوجود ہے جس کا نگاہباں
ہر غم کا زور چار ہی اشکوں میں بہہ گیا
یہ غم جہاں میں حق کی اشاعت کو رہ گیا

(24)

آدمؑ نے کی ہے نشرِ حقیقت کی ابتداء
یہ سلسلہ ازل سے ہے تا ختمِ انبیاءؑ
کیا کیا پیمبروں نے دکھایا ہے حوصلہ
پر تکملہ حسینؑ کی تبلیغ نے کیا
جاری ہے اُس کے بعد بھی پیغام آج تک
غم اُس کا کر رہا ہے وہی کام آج تک

(25)

پہلے ہی سے رسولؐ کی محنت پہ تھا زوال
ہونے لگا دمشق میں جب اور غیر حال
اپنی غرض تھی کوئی نہ اپنا کوئی خیال
انسانیت کا درد تھا ملّت کا تھا سوال
قابض تھے جس پہ غیر وہ اُس کا مقام تھا
وہ ذمہ دارِ خلقِ خدا تھا امامؑ تھا

(26)

مدت سے تھا حسینؑ پہ یہ راز آشکار
ہے دینِ حق کے بھیس میں شاہی کا اقتدار
بالکل بدل گیا ہے مسلمان کا شعار
اسلام کے اصول نہ اخلاقِ خوشگوار
جب سر میں ملک گیری کا سودا سمائے گا
غیروں کے سامنے یہی اسلام جائے گا

(27)

اُس وقت ہر لحاظ سے واجب تھا احتجاج
مرکز بنے ہوئے تھے امیروں کا تخت و تاج
ملّت کو ایسے راہ نما کی تھی احتیاج
ہر اعتبار سے ہو جو پیغمبری مزاج
جو اپنی جان دے کے رہِ حق پہ لاسکے
غم جس شہیدِ ظلم کا مُردے جلا سکے

(28)

اثنائے راہ میں یہ کہا اُس نے بارہا
اندازۂ غلط میں نہ ہو کوئی مبتلا
یہ وہ سفر ہے موت کا ہے جس میں سامنا
یہ انکشافِ راز کلیجہ اُسی کا تھا
یوں بے نیازِ وقت ہو کس کی مجال ہے
پہلی اور آخری یہ انوکھی مثال ہے

(29)

اکثر ٹھٹک کے رہ گئے منزل کی راہ میں
دُنیا کا طمطراق تھا جن کی نگاہ میں
جو فرق کرسکے نہ سپید و سیاہ میں
جن کی جگہ نہ تھی دلِ ایماں پناہ میں
حُسنِ عمل کا بار اٹھانے سے ڈر گئے
حق کے قریب رہ کے زمانے سے ڈر گئے

(30)

غیر از امامؑ کون ہے اُس دن کا راز داں
کیا کیا تھے معرکے حق و باطل کے درمیاں
حجت تمام کرنے کا یہ بھی ہے اک نشاں
اُس روز ہم شبیہہِ پیمبرؐ نے دی اذاں
فوجِ عدوے دیں میں جو غفلت کا راج تھا
یہ لہجۂ رسولؐ میں اک احتجاج تھا

(31)

تکبیر کی صدا میں وہ توحید کا وقار
اک لفظ میں جلالت و عظمت کا اختصار
وہ اعترافِ رحمت و انعامِ کردگار
صحرائے بے گیاہ میں تسبیح کی بہار
سجدوں کی رفعتوں سے وہ دل بھی ملے ہوئے
پیشانیوں کے نور سے چہرے کھلے ہوئے

(32)

کیا منصبِ عظیم تھا کیا حُسنِ انتخاب
پیشِ خدا ابھی تھا وہ سجدے میں باریاب
نکلی ہٹا کے پردۂ شب صبحِ انقلاب
دیتی ہوئی دعا کہ ترا عزم کامیاب
معبد اسی زمیں پہ محبت بنائے گی
ظلمت چھٹے گی عقل بشر جگمگائے گی

(33)

کچھ حُسن کی نمود تھی کچھ عشق کا مزاج
آیا نظر جو صبر و شجاعت کا امتزاج
حق نے رکھا شہادتِ عظمٰی کا سر پہ تاج
ملتا ہے آنسوؤں کا جسے مستقل خراج
مٹھی میں تھا لیے ہوئے موت اور حیات کو
کس دبدبے سے فتح کیا کائنات کو

(34)

وہ کربلائے دیدۂ و دل ساحلِ فرات
وہ منزلِ جمال و مقامِ تجلیات
ہونی تھی جس زمین پہ مابین کائنات
ایسی عظیم جنگ جو ہو مقصدِ حیات
قائم ہو جس سے عزتِ معیار زندگی
ہوجائیں بے نقاب اداکارِ زندگی

(35)

یہ جنگ انتظامِ شریعت کی جنگ تھی
باطل کی قوتوں سے حقیقت کی جنگ تھی
سرمایہ دار و صاحبِ محنت کی جنگ تھی
یہ حکمتِ بشر سے مشیت کی جنگ تھی
یہ جنگ آخری تھی ہدایت کی راہ میں
مہدیؑ کا انتظار ہے اب رزم گاہ میں

(36)

انسانیت شرافتِ غم سے تھی بے خبر
مظلومیِ حسینؑ کا اللہ رے اثر
ہر سانس خوشگوار ہے ہر آہ معتبر
ہر عیش سے ہے آج یہ جذبہ بلند تر
غم تھے ہزار غم کو یہ عظمت ملی نہ تھی
آنسو تھے آنسوؤں میں حرارت کبھی نہ تھی

(37)

سمجھا نہ کوئی حق کی مشیت کا مدعا
کیا چار اشک ہیں یہ محبت کا مدعا
ایسے عظیم کار شہادت کا مدعا
بربادی و تباہی عترت کا مدعا
اک لمحہ بھی نہ صَرف کیا فکر و غور میں
یہ بات سوچنے کی تھی ہر ایک دور میں

(38)

یا لیتنی کا ذوق اور احساسِ کمتری
محروم ارتقا سے ہیں تنظیم سے بری
عزم و عمل ہے وہ نہ وہ ایثار پروری
مانی ہے کیا زبان ہی سے ان کی سروری
دیتے ہیں مشکلوں میں فقط ان کے واسطے
قربانیاں ہوئی تھیں اسی دن کے واسطے

(39)

جب سے ہوئی ہے خلقتِ دنیائے انس و جن
جب سے بشر کے ذہن میں تاریخ کا ہے سن
بھاری ہر ایک دن سے ہے عشرے کا ایک دن
کتنی قیامتوں میں تھا وہ نفسِ مطمئن
کیا منزلِ جہادِ شۂِ مشرقین ہے
اُس دن کے میں نثار جو یومِ حسینؑ ہے

(52)

قاسمؑ وہ خانوادۂ ہاشم کا خوش جمال
کیا بچپنے میں تیغ زنی کی ہے بے مثال
دولھا بنا ہُوا تھا وہ زخموں سے تھا یہ حال
سہرا وفا کا اس کی جبیں پر ہے لازوال
دولھا جہاں میں پھر کوئی ایسا نہیں بنا
میدانِ کار زار کا دولھا نہیں بنا

(53)

کیا لرزہ خیز تھی علیؑ اکبر کی جنگ بھی
تنہا پہ وار کرتے تھے ہر سمت سے شقی
سینہ فگار کر گئی برچھی کی اک انی
ملت نے کیا شبیہہ پیمبرؐ کی قدر کی
قبلِ ظہور وقت پلٹ کر نہ آئے گا
اب کوئی ہم شبیہہ پیمبرؐ نہ آئے گا

(54)

عباسؑ کو فرات پہ جانے کا حکم تھا
پانی لبِ فرات سے لانے کا حکم تھا
مشک و علَم کا بار اٹھانے کا حکم تھا
خود اپنے تیوروں کو بجھانے کا حکم تھا
بابا کی طرح گرچہ شجاعت میں فرد تھا
وقت آ پڑا تو صبر کے میداں کا مرد تھا

(55)

پرچم وہ سوئے نہر اُڑاتا ہوا چلا
دیوار آہنی کو گراتا ہوا چلا
تیغوں کو برچھیوں کو ہٹاتا ہوا چلا
حیدرؑ کا زور یاد دلاتا ہوا چلا
جھک کر ذرا اٹھی جو نظر کائنات کی
لپٹی تھیں اس کے پاؤں سے موجیں فرات کی

(56)

عباسؑ اور وفا میں کچھ ایسا ہے اتحاد
ذکر وفا کے ساتھ ہی آتی ہے اس کی یاد
مشکیزہ بھر لیا یہی پیاسے کی تھی مراد
آئی لبِ فرات سے آواز ''زندہ باد''
اونچا علم سے بھی یہ وفا کا نشاں رہا
دریا پہ ہاتھ ڈال کے تشنہ وہاں رہا

(57)

کتنا عظیم ہے علیؑ اصغر کا ماجرا
اس دور میں یہ درد کی تاثیر دیکھنا
اک سرزمینِ عیش کا شاعر تڑپ اٹھا
اپنی زباں میں نظم کیا جس نے مرثیا
یہ شاہکار نذر بہ عجز و ادب دیا
معصوم ہستیوں کا ستارہ لقب دیا

(58)

جو کربلا کی عظمتِ غم کو بڑھا گیا
جو محبتِ حسینؑ کو محکم بنا گیا
قربانیوں پہ سارے شہیدوں کی چھا گیا
دنیا کی جدوجہد پہ جو مسکرا گیا
احساس جس کے سامنے ہر غم کا سرد ہے
کیا دل گداز اس کے تبسم کا درد ہے

(59)

ایسی بنائے ظلم ہے اس کے گلے کا تیر
جس سے نگاہِ غیر میں اسلام تھا حقیر
ہوتی ہی جارہی تھیں غلط فہمیاں کثیر
روکی ہمارے اشکِ عزا نے یہ دار و گیر
ماتم نے راز فاش کیے اہلِ شام کے
ہم نے بتا دیا وہ مسلماں تھے نام کے

(60)

خیمے میں کیا عجب ہے جو مادر کو ہو نہ چین
عالم یہ تھا کہ جیسے فضا کررہی ہو بین
میت تھی شیر خوار کی اور شاہِ مشرقین
اصغرؑ کو دفن کرکے زمیں سے اٹھے حسینؑ
اُٹھ کر عنانِ صبر بس اک بار کھینچ لی
کیا دل پہ گزری ہوگی جو تلوار کھینچ لی

(61)

ہمت فزا ہے آج بھی سبطِ نبی کی جنگ
ماحولِ درد و غم میں یہ تیغ افگنی کے ڈھنگ
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و نیزہ و خدنگ
بالکل بدل چلا تھا زمیں آسماں کا رنگ
کچھ خوش نہ تھا وہ موت کی اس ترک و تاز میں
رخ سوئے فوج دل تھا خیالِ نماز میں

(62)

آ پہنچا وقتِ عصر جو کچھ اور دن ڈھلا
اُترا فرس کو روک کے سلطانِ کربلا
وہ پیاس کیا تھی اور وہ لشکر تھا کیا بلا
مارا گیا نماز میں زہراؑ کا لاڈلا
جرأت تھی لازوال وغا بے مثال تھی
کرتا اُسے شہید یہ کس کی مجال تھی

(63)

وہ عصرِ تنگ اور وہ دھندلکا سا شام کا
سورج غمِ حسینؑ میں وہ ڈوبتا ہوا
وہ دل گداز عالمِ ارواحِ انبیاءؑ
فرطِ الم سے لرزہ براندام کربلا
قدسی سرِ نیاز و ادب خم کیے ہوئے
آغوش میں نواسے کو نانا لیے ہوئے

(64)

اہلِ حرم کو پہلے ہی کچھ کم نہ تھے ملال
خیمے جلے تو اور ہُوا سب کا غیر حال
سجادؑ فرشِ خاک پہ تھے جس جگہ نڈھال
زینبؑ نے یہ بھتیجے سے آکر کیا سوال
جل جائیں پردہ دار کہ نکلیں خیام سے
پوچھا گیا یہ مسئلہ پہلا امامؑ سے

(65)

باہر ہوئے جو خیموں سے ماتم زدہ حرم
آیا قلق سے گردنِ انسانیت میں خم
تھی لاڈلی بتولؑ کی تصویرِ درد و غم
تپتی ہوئی زمیں تھی لرزتے ہوئے قدم
توفیق صبر و ضبط سے آنسو پیے ہوئے
تطہیر کا جلال تھا پردہ کیے ہوئے

(66)

خیمے تھے شعلہ بار تو میدان خوں چکاں
سویا ہُوا تھا رات کا بیدار کارواں
سب کے لبوں پہ موجِ تبسم تھی ضو فشاں
ہم ایسے منچلے ہیں یہ چہروں سے تھا عیاں
دنیا نشانِ حوصلہ مندی بھی دیکھ لے
سر برچھیوں پہ ہیں یہ بلندی بھی دیکھ لے

(67)

بے سر وہ جسم ذوقِ شہادت کی آبرو
بکھرے ہوئے تھے چاند ستارے سے چار سو
زینبؑ نے کی نہ بیٹوں کے لاشوں کی جستجو
مقتل کی سمت لے چلی بھائی کے خوں کی بو
جس راہ کی تلاش تھی وہ راہ پاگئی
آواز جیسے حلق بُریدہ سے آگئی

(68)

پہنچی جو قتل گاہ میں دیکھا یہ ماجرا
بے سر ہے فرشِ خاک پہ زہراؑ کا مہ لقا
خیبر کشا کی بیٹی کا اللہ رے حوصلا
لاشہ اٹھا کے ہاتھوں پہ زینبؑ نے کی دعا
قربانیِ حسین کا مقصد حصول ہو
یارب یہ نذر آلِ پیمبرؑ قبول ہو

(69)

اللہ یہ نبیؐ کے نواسے کی موت تھی
زینبؑ کا غم شریک ہو اتنا نہ تھا کوئی
برسا فلک سے خون زمیں تھر تھرا گئی
جو موج اُٹھی فرات سے سر پیٹتی اُٹھی
ماتم کا اہتمام کیا شش جہات نے
پُرسہ دیا امامؑ کا کُل کائنات نے

(70)

کس درجہ دردناک تھا وہ وقت وہ مقام
خاموش فرطِ غم سے تھے اہل حرم تمام
غیرت سے بیکسوں کو نہ تھی طاقتِ کلام
بے رحم کررہے تھے اسیری کا اہتمام
آواز تھی بلند سکینہؑ کے بین کی
مقتل میں ہورہی تھی یہ مجلس حسینؑ کی

(71)

ہر دور میں رہے گی مجالس کی زیب و زین
بدلے یہ کائنات دبیں گے نہ دل کے بین
ہوگا نئے اصول سے پھر ماتمِ حسینؑ
سمجھیں گے اہلِ درد زیارت کو فرضِ عین
فرق آئے گا نہ ولولۂ اشتیاق میں
لاکھ انقلاب آئیں مزاجِ عراق میں

(72)

اہلِ زمیں کی آج ستاروں پہ ہے نظر
ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر
مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباسؑ نام ور کا علَم لے کے جائیں گے
ہم چاند میں حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

رخصت طلب ہے جسم کی اب عارضی حیات
ستّر برس کی عمر میں کچھ کم نہیں یہ بات
پچپن برس کے ملکِ سخن پر تصرفات
تیری ثنا گری ہے مرے گھر کی کائنات
مولا مرے سہیلؔ کو بھی یہ مقام دے
دونوں کی خدمتوں کو حیاتِ دوام دے

مرثیہ غیر مطبوعہ

(1)

دنیا کی ہر روش کا ہے انجام انقلاب
اس کے تغیرات کا ہے نام انقلاب
ہے وقت کی زبان کا پیغام انقلاب
ہر صبح انقلاب ہے ہر شام انقلاب
اپنی حدوں پہ جب شبِ تاریک آگئی
منزل سحر کی اور بھی نزدیک آگئی

(2)

مرضی ہے کس کی معرکہ آرائے انقلاب
فطرت کے قلب میں ہے تمنائے انقلاب
کرتا ہے ذرّہ ذرّہ تقاضائے انقلاب
ہوتا ہے ہر قدم پہ تماشائے انقلاب
گردش زمیں میں ہے حرکت آسمان میں
جو آج ہے وہ کل نہ رہے گا جہان میں

(3)

تاریکیٔ افق سے ابھرتے ہیں قافلے
راہوں کے پیچ و خم سے گزرتے ہیں قافلے
منزل کی آڑ لے کے ٹھہرتے ہیں قافلے
دم عزم و اعتماد کا بھرتے ہیں قافلے
یہ زندگی سفر کے سوا اور کچھ نہیں
موت ایک رہگذر کے سوا اور کچھ نہیں

(4)

تاریخ کہہ رہی ہے اک ایسے سفر کا حال
دنیائے اعتبار میں جس کی نہیں مثال
ہے جادۂ وفا پہ کچھ افراد خوش خصال
سالارِ قافلہ تھا علیؑ ولی کا لال
نکلا تھا گھر کو چھوڑ کے دنیا کے جبر سے
رویا لپٹ لپٹ کے جو نانا کی قبر سے

(5)

اس حال میں حسینؑ کو کیا یاد آگیا
عزم و ثباتِ شیرِ خدا یاد آگیا
بیٹے کو ماں کا طرزِ دعا یاد آگیا
وہ کمسنی کا عہدِ وفا یاد آگیا
نانا سے کررہا تھا نواسا بیانِ دل
احساس کی زبان تھی اور داستانِ دل

(6)

کی عرض امرِ حق کی حفاظت ہمیں سے ہے
دنیا میں احترامِ شریعت ہمیں سے ہے
روشن چراغِ عہدِ رسالت ہمیں سے ہے
سامانِ سرخروئی ملت ہمیں سے ہے
دنیا کی زد سے دینِ خدا کو بچائیں گے
حق پر جو آنچ آئی تو پلٹ کر نہ آئیں گے

(7)

بات اتنی بڑھ گئی کہ وطن کی زمیں ہے تنگ
شاہی کے اشتیاق نے بدلا ہے دیں کا رنگ
ارباب زر کو پاسِ شریعت ہے وجہ ننگ
ہوتی ہے ایک فیصلہ کن خیر و شر کی جنگ
خواہش ہے وقت کی قدم آگے بڑھائیں ہم
توفیقِ ایزدی ہو تو کچھ کر دکھائیں ہم

(8)

مذہب کی زندگی کو ہے قوت کی جستجو
اعزاز کی وقار کی عظمت کی جستجو
حُسنِ عمل کی شانِ شجاعت کی جستجو
ایمان کررہا ہے شہادت کی جستجو
جلدی مہم یہ سر ہو دعا دیجیے ہمیں
منزل بلا رہی ہے رضا دیجیے ہمیں

(9)

کیا وقت تھا کہ جب کوئی غم تھا نہ خلفشار
کرتے تھے آپ دوش پہ اپنے ہمیں سوار
اب یہ گلا ہے اور ہے شمشیرِ آبدار
کانوں میں گونجتی ہے اک آواز بار بار
میدانِ کربلا نے پکارا ہے الوداع
نانا ہمیں قضا نے پکارا ہے الوداع

(10)

نانا سے اذن لے کے اٹھے کارواں بڑھا
بڑھتے ہی جس کے سلسلۂ امتحاں بڑھا
سوزِ عیاں کے ساتھ ہی دردِ نہاں بڑھا
تیار ہوکے موت پہ ہر قدر داں بڑھا
مستقبلِ سفر نہ کسی کی نظر میں تھا
بارِ امید و بیم بھی زحمتِ سفر میں تھا

(11)

یثرب سے جب سواریٔ سبطِ نبی چلی
رونق چلی بہار چلی زندگی چلی
حکمت چلی شعور چلا آگہی چلی
ہمراہ اہلِ بیتؑ کے پاکیزگی چلی
جن کو خلوص تھا وہ فدا کار ساتھ تھے
قدرت نے جو چنے تھے وہ انصار ساتھ تھے

(12)

خود ذوقِ کربلا تھا نگہباں حسینؑ کا
دشمن تھا گرچہ صاحبِ فرقاں حسینؑ کا
یہ وجہ احتیاط یہ عرفاں حسینؑ کا
یہ حرمتِ حرم پہ ہے احساں حسینؑ کا
کس حُسن سے مقامِ شہادت بتا گئے
کعبہ کے راستے سے سوئے کربلا گئے

(13)

پہنچے جو کربلا میں تو دنیا بدل گئی
توفیقِ درد زیست کا نقشا بدل گئی
فیضِ قدم سے حالتِ صحرا بدل گئی
فکرِ ستم میں نیتِ اعدا بدل گئی
تھی فوجِ ظلم و جبر جو دشمن حیات کی
پیاسوں پہ بند ہوگئیں راہیں فرات کی

(14)

عاشور کی وہ رات وہ منزل کی ظلمتیں
ظلمت تھی مشکلوں کی تو مشکل کی ظلمتیں
سوزِ جگر تھیں پیاسوں کا ساحل کی ظلمتیں
وہ نورِ حق کے سامنے باطل کی ظلمتیں
تاریکیوں کے سائے میں سارا جہان تھا
پیری تھی روشنی کی اندھیرا جوان تھا

(15)

شدت کی پیاس میں شبِ عاشور کٹ گئی
تاریخ غم کا ایک ورق اور الٹ گئی
ظلمت کی فوج صبح کے رستہ سے ہٹ گئی
دم بھر میں کائنات کی قسمت پلٹ گئی
ہیبت سے ایک لشکرِ شب زندہ دار کی
تاریکیوں نے راہِ فرار اختیار کی

(16)

اُبھرا افق سے نیّرِ تابانِ کربلا
روشن ہوئی جبینِ بیابانِ کربلا
خیمہ سے باہر آ گیا سلطانِ کربلا
وہ شاہِ بے دیار وہ مہمانِ کربلا
عہدِ ازل کا بارِ امانت لیے ہوئے
درماں و درد دونوں کو یکجا کیے ہوئے

(17)

دنیا کے بحر و بر میں تلاطم تھا رونما
جیسے کہ ختم ہونے کو ہے عمرِ ماسوا
ہر سمت کائنات کے خالق سے تھی دعا
موجوں کی عرض داشت تھی ذرّوں کی التجا
رہ جائے بات ابنِ شہِ بوتراب کی
ضد سے مچل رہی تھی کرن آفتاب کی

(18)

وہ صبح کا سماں وہ جلالت حسینؑ کی
کتنے دلوں پہ نقش ہے صورت حسینؑ کی
ہو جیسے زندگی کو ضرورت حسینؑ کی
تھی بحر و بر کے قلب میں ہیبت حسینؑ کی
صحرا پکارتا تھا کہ میں بے قصور ہوں
دریا کو تھی یہ شرم کہ پیاسوں سے دور ہوں

(19)

اس قافلے میں تھیں وہ خواتین ذی وقار
تطہیر کا جلال تھا خود جن کا پردہ دار
پہلے کبھی ہوئی تھیں نہ اس طرح بے دیار
محسوس ہوگیا تھا کہ ہے وقتِ کار زار
سب منزلِ وفا کی طرف رہ نورد تھیں
اس گھر کی عورتیں بھی شجاعت میں مرد تھیں

(20)

زینبؑ نے راہِ صبر کو آسان کردیا
ایثار کے کمال کو ایمان کردیا
قائم جہادِ زیست کا عنوان کردیا
اولاد کو اصول پہ قربان کردیا
نذرِ وفا امامؑ وفا نے قبول کی
لٹ کر بھی مطمئن تھی نواسی رسولؐ کی

(21)

مارے گئے جو عونؑ و محمدؑ سے دو پسر
زینبؑ نے یوں اٹھائی سوئے آسماں نظر
اک ہاتھ اِس کی لاش پہ اک اُس کی لاش پر
چپ رہ گئی یہ کہہ کے وہ خاتون خوش سیر
قسمت کی تیرگی نے یہ دن بھی دکھادیے
اس گھر کے دو چراغ تھے وہ بھی بجھا دیے

(22)

جن کو بڑی امیدوں سے پالا بڑا کیا
ان کو نثارِ حوصلہ کربلا کیا
یوں ماتا نے حقِ امانت ادا کیا
ٹکڑوں کو دل کے قرض سمجھ کر جدا کیا
بنتِ علیؑ کے پیشِ نظر ہر مقام تھا
بیٹے خدا کی دین تھے بھائی امامؑ تھا

(23)

عباسؑ ہوگئے جو اجازت سے سرفراز
نکلے تلاشِ آب میں پیاسوں کے چارہ ساز
ساحل کو تھا عروجِ مقدر پہ فخر و ناز
کچھ اور بڑھ گیا حق و باطل کا امتیاز
تھی دشمنوں کو ضد کہ نہ اس سمت آیئے
دریا پکارتا تھا کہ تشریف لایئے

(24)

کرتے ہوئے ہجوم کو دشمن کے منتشر
ساحل کی حد پہ تھم گئے عباسؑ نامور
تشنہ لبوں کی طرح نہ پانی پہ کی نظر
چلو میں لے کے پھینک دیا سطحِ آب پر
عباسؑ سے وہ درس ملا ہے فرات کو
کوتاہ دامنی کا گلا ہے فرات کو

(25)

تعلیم صبر و شکر ملی تھی امام سے
نسبت تھی تشنگی کو شہادت کے جام سے
واقف تھے خوب ایسی وغا کے مقام سے
اذنِ جہاد پایا تھا بچوں کے نام سے
پانی سے مشک بھرتے ہی دریا سے ہٹ گئے
سیدھے ہوئے علم کو سنبھالا پلٹ گئے

(26)

کاندھے پہ وہ علم تھا جو اب تک ہے یادگار
عزم و عمل کا جاہ و جلالت کا شاہکار
جنبش پہ جس کی عظمتِ قومی کا انحصار
سایہ میں جس کے ہوگا دو عالم پہ اقتدار
وابستہ جس سے حمزہؓ و جعفرؓ کی یاد تھی
خود جس کے دل میں فاتحِ خیبر کی یاد تھی

(27)

دیتا اگر علم کو زباں ربِّ دوجہاں
ہوتے ہزار نکتۂ فتح و ظفر عیاں
کہتا یہ سب سے معرکۂ حق کی داستاں
رکھا ہے احتیاطِ مشیت نے بے زباں
پنہاں حقیقتوں کی گرہ کھولتا نہیں
بات آپڑی ہے یہ کہ علم بولتا نہیں

(28)

نرغہ کیے ہوئے جو سپاہِ یزید تھی
زخمی تھا سارا جسم نقاہت شدید تھی
دل تھا قوی کہ دل میں ابھی اک امید تھی
اور یہ امید بابِ ظفر کی کلید تھی
ہمت پہ مشک مشک میں پانی گواہ تھا
ہاتھ اس کے کٹ چکے تھے مگر رو براہ تھا

(29)

عباسؑ کو تھا نام بھی بیعت کا ناگوار
ذکرِ اماں سے تھا دلِ درد آشنا کو عار
نازاں تھا اپنی وضعِ وفا پر وفا شعار
سمجھا دیا یہ دل کو تو آیا کہیں قرار
جز فکرِ مشک اب کوئی غم ساتھ ہی نہیں
بیعت کا کیا سوال ہے جب ہاتھ ہی نہیں

(30)

ٹوٹی یہ آس تیر جب آیا ہے مشک پر
گھوڑے سے جب گرے ہیں علمدارؑ نامور
آنکھوں میں دم حسینؑ کے خیمہ پہ تھی نظر
آخر اسی جگہ سے کیا آخری سفر
عباسؑ کس مقامِ تمنا پہ رہ گئے
پیاسوں کے غم میں ساحلِ دریا پہ رہ گئے

(31)

تاعصر حق کی راہ دکھاتے رہے حسینؑ
فرمانِ کردگار سناتے رہے حسینؑ
حکمِ رسولؐ یاد دلاتے رہے حسینؑ
لاشے مجاہدوں کے اٹھاتے رہے حسینؑ
اب کون ایسی صبر کی قوت دکھائے گا
کوئی امامِ وقت نہ لاشے اٹھائے گا

(32)

اک لاش یادگار برادر کی لاش تھی
پیشِ نظر شبیہ پیمبرؐ کی لاش تھی
ساحل پہ ابنِ فاتحِ خیبر کی لاش تھی
ہاتھوں پہ بے زباں علیؑ اصغر کی لاش تھی
یہ شان منفرد ہے شہِؑ تشنہ کام کی
مقتل میں دیدنی تھی شجاعت امامؑ کی

(33)

بعدِ وغا بڑھا جو شہیدوں کا سوگوار
آنکھوں میں اک جلال تھا چہرے پہ اک وقار
روشن جبیں سے شوقِ شہادت تھا آشکار
باہر ہوئی نیام کے پردے سے ذوالفقار
ہیبت وہ تھی کہ قلبِ جہاں سرد ہوگیا
مغرب میں آفتاب کا منہ زرد ہوگیا

(34)

غربت میں بیکسی میں سہارا کوئی نہ تھا
کرتا جو اپنی موت گوارا کوئی نہ تھا
ہوتا جو بڑھ کے معرکہ آرا کوئی نہ تھا
تنہا مہِ مبیں تھا ستارا کوئی نہ تھا
بے اختیار حق کے ولی یاد آگئے
تلوار کھینچتے ہی علیؑ یاد آگئے

(35)

سب ختم ہوچکی تھی بضاعت حسینؑ کی
جو کررہے تھے صبح سے خدمت حسینؑ کی
کام آچکے تھے لے کے اجازت حسینؑ کی
لشکر تھا اب کوئی نہ قیادت حسینؑ کی
اک خالقِ سرور و غمِ روزگار تھا
اک جبر و اختیار کا پروردگار تھا

(36)

پائی جو غور و فکر کی فرصت حسینؑ نے
محسوس کی صدائے مشیت حسینؑ نے
دیکھی قضائے مرضیِ قدرت حسینؑ نے
ظاہر کیا کمال شجاعت حسینؑ نے
مانوس تھے جو حق کے پیام و سلام سے
آگے بڑھے اجازتِ ربِ انام سے

(37)

اس سمت بے شمار ضلالت کے تھے ہدف
تنہا اُدھر امامِ دوعالم تھے سر بکف
ترتیب اِدھر تھی ظلم مکمل کی صف بہ صف
یکجا تھی پوری قوتِ اسلام اس طرف
دیکھا جو محوِ جنگ شۂِ دیں پناہ کو
خیبر کی یاد آگئی اہلِ نگاہ کو

(38)

اب خیر و شر کا معرکہ آیا شباب پر
حملہ تھا جانشینِ رسالتؐ مآب پر
ذرّات کی ہو جیسے یورش آفتاب پر
حیرت تھی کائنات کو اس انقلاب پر
رخ زندگی کا راہِ ترقی سے پھر گیا
ایماں کا چاند کفر کی بدلی میں گھر گیا

(39)

کہتے ہیں سب حیات ہے ممنونِ ارتقا
جلوے ہیں شش جہات کے مرہونِ ارتقا
فطرت کا دل ازل سے ہے مفتونِ ارتقا
اس پر بھی کربلا میں ہوا خونِ ارتقا
حالت یہ دیکھ کر شۂِ والا صفات کی
میداں میں سانس رکنے لگی کائنات کی

(40)

سب لٹ چکا تھا دشت میں سامانِ زندگی
نرغہ میں تھا خزاں کے گلستانِ زندگی
بے رونق تھی رونقِ ایوانِ زندگی
خود زندگی مٹانے لگی شانِ زندگی
حملے امامؑ پر تھے اثر شش جہات پر
زردی تھی موت کی سی رُخِ کائنات پر

(41)

وہ زخم بے حساب وہ تشنہ لبی کا زور
وہ ضعف کا شباب وہ ناطاقتی کا زور
وہ بیکسی کا زور وہ بیچارگی کا زور
وہ بازوئے امامؑ میں پیغمبری کا زور
فوجِ عدو کے قلب میں دہشت فنا کی تھی
تلوار تھی حسینؑ کی قوت خدا کی تھی

(42)

وہ دستِ حق پرست وہ شمشیرِ جاں ستاں
اشرار کی صفوں میں قیامت کا تھا سماں
جو زد سے بچ گئے تھے وہ بزدل تھے نیم جاں
ہر سمت سے بلند تھی آوازِ الاماں
معراج سرفروشی و ایثار بن گیا
یہ معرکہ جہاد کا معیار بن گیا

(43)

حیرت اثر وہ طرزِ وغا تشنہ کام کی
دل میں کہیں خلش بھی نہ تھی انتقام کی
کس منہ سے ہو ثنا شہِ گردوں مقام کی
ہمت تھی یہ حسینؑ علیہ السلام کی
کانٹوں کو پھول بن کے مہکنا سکھا دیا
صحرا کو خون دے کے گلستاں بنا دیا

(44)

اسلام کے اصول سے تھی سرکشی کی جنگ
ایمان کے وقار سے تھی گمرہی کی جنگ
انصاف کے شعار سے تھی رہزنی کی جنگ
برپا تھی کربلا میں خدا سے خودی کی جنگ
آخر میں جس کا ایک سپاہی حسینؑ تھا
یہ کوئی عام جنگ نہ تھی فرض عین تھا

(45)

وہ جنگ تھی کہ دورِ فلک بدحواس تھا
قلبِ عدو میں خون کے بدلے ہراس تھا
اور اس طرف زبان پہ شکر و سپاس تھا
پھر بھی امامِ وقت کو اُمت کا پاس تھا
گرتی ہوئی وہ برقِ شرر بار روک لی
کچھ سوچ کر حسینؑ نے تلوار روک لی

(46)

سمجھا یہ ظالموں نے اب وقت آ گیا
پائے ثبات عزم و عمل لڑ کھڑا گیا
بندہ ادھر اشارۂ معبود پا گیا
دم بھر کو حرب و ضرب کی قوت دکھا گیا
نکلا نہ تھا وہ گھر سے لڑائی کے واسطے
کوشش تھی ایک راہنمائی کے واسطے

(47)

بھٹکا ہوا جہاں کو جو پایا حسینؑ نے
سب کچھ لٹا کے حق کو بچایا حسینؑ نے
جادہ نئی روش کا دکھایا حسینؑ نے
سجدہ میں رکھ کے سر نہ اٹھایا حسینؑ نے
اہلِ نظر کا حوصلۂ دل بڑھا دیا
اس آخری نماز کو منزل بنا دیا

(48)

تسکین کی تلاش میں زہراؑ سے جا ملا
دنیا کا رنگ دیکھ کے بابا سے جا ملا
بچپن کی یاد آئی تو نانا سے جا ملا
سر کو جھکا کے مرکزِ اعلیٰ سے جا ملا
یہ درس دے گیا وہ شہادت کی راہ میں
سجدہ بھی اک قدم ہے محبت کی راہ میں

(49)

ہے اس علیؑ کا لال یہ شاہِ فلک سریر
جس کے سکونِ قلب کی ملتی نہیں نظیر
خیبر شکن محافظِ اسلام قلعہ گیر
سجدہ میں جس کے پاؤں سے کھینچا گیا ہے تیر
انداز بندگی کو نئی آن بان دی
آیا وہی مقام تو بیٹے نے جان دی

(50)

طوفان صبر و جوشِ حمیت عجیب ہے
مقتل میں پاسِ وضعِ محبت عجیب ہے
ذوقِ وصال و شوقِ شہادت عجیب ہے
سر جائے یا رہے یہ عبادت عجیب ہے
ملت نثارِ حُسنِ عمل کے یقین پر
ایسی نماز پھر نہ ہوئی اس زمین پر

(51)

جو زینتِ متاعِ رسالت ہے وہ نماز
آئینہ قیامِ قیامت ہے وہ نماز
جو حُسنِ صبر و نازشِ ملت ہے وہ نماز
قربان جس پہ روحِ عبادت ہے وہ نماز
کچھ اس طرح حسینؑ نے درسِ وفا دیا
دنیا کو بارگاہِ خدا میں جھکا دیا

(52)

جو دین پر حسینؑ کا احساں ہے وہ نماز
جو شانِ عبدیت کی نگہباں ہے وہ نماز
جس کے جلو میں رحمتِ یزداں ہے وہ نماز
جو مستقل نمونۂ ایماں ہے وہ نماز
سر یوں رہِ خدا میں جھکا کر گئے حسینؑ
ذرّوں کو سجدہ گاہ بنا کر گئے حسینؑ

(53)

کس شان سے شہید ہوا جانِ مرتضیٰ
وہ فاطمہؑ کا لال وہ محبوبِ مصطفیٰؐ
دل میں نہ کوئی غم نہ زباں پہ کوئی گلا
سر کٹ رہا تھا اور لبوں پر تھی یہ صدا
قربِ خدائے درد کی لذت نصیب ہو
اے نفسِ مطمئن تجھے راحت نصیب ہو

(54)

دنیا کو کربلا سے نیا راستہ ملا
منزل ملی مقام ملا مدعا ملا
اس در کی جستجو میں درِ مصطفیٰؐ ملا
نورِ خدا کی راہبری سے خدا ملا
اس شامِ غم کا ذکر سبیلِ نجات ہے
خونِ حسینؑ سرخیٔ صبحِ حیات ہے

(55)

دل کو غمِ حسینؑ ملا زندگی ملی
صدقے ہو جس پہ ہوش بھی وہ بیخودی ملی
ایمان کو وقار ملا پختگی ملی
انسانیت کو ایک نئی روشنی ملی
یوں شان صبر و شکر دکھاتا چلا گیا
شمعیں سی ہر قدم پہ جلاتا چلا گیا

(56)

تلوار کی برش سے نہ کم تھی حرم کی راہ
کوفے کو قید ہوکے چلے حریت پناہ
عزم و ثبات و صبر جلالت کے تھے گواہ
تھرا کے گر پڑی اگر اٹھی کوئی نگاہ
پیشِ خدا گیا وہ شہادت کی شان سے
گزرے یہ سوگوار نئے امتحان سے

(57)

میدان میں شہیدوں کے لاشوں کو چھوڑ کے
فرشِ زمیں پہ عرش نشینوں کو چھوڑ کے
شعلوں کے مد و جزر میں خیموں کو چھوڑ کے
مقتل میں بد دعا کے ارادوں کو چھوڑ کے
ایثار کا وہ رخ وہ روش اختیار کی
قدموں نے بڑھ کے راہِ عمل استوار کی

(58)

وہ سخت امتحاں کہ ہزار امتحاں نثار
اس خامشی پہ محشر آہ و فغاں نثار
تسبیحِ شکر وہ کہ صلوٰۃ و اذاں نثار
تمکین قید و بند پہ آزادیاں نثار
غرق عرق تھے شرم سے قیدی جدھر گئے
پر مقصدِ حسینؑ کی تکمیل کر گئے

(59)

تکمیل کی یہ شان تھی تکمیلِ دینِ حق
اہلِ زباں نے چھوڑ دیا ذکرِ ما سبق
تاریخِ انقلاب نے الٹا نیا ورق
ہے کون ان سے بڑھ کے حکومت کا مستحق
حق کے تصرفات پہ قبضہ انھیں کا ہے
تا حشر جو چلے گا وہ سکہ انھیں کا ہے

(60)

گزرے جدھر سے وقت کا نقشہ بدل دیا
کیا صبر تھا کہ ظلم کا چہرہ بدل دیا
ہنسنے کا اشک و غم نے ارادہ بدل دیا
طرزِ نگاہ اہلِ تماشہ بدل دیا
قہرِ خدا کو تیغ بکف دیکھنے لگے
گھبرا کے آپ اپنی طرف دیکھنے لگے

(61)

حقانیت کی شان دکھاتے ہوئے چلے
قیدی خدا کی راہ بتاتے ہوئے چلے
خونِ جگر سے رنگ جماتے ہوئے چلے
خاموش رہ کے درد سناتے ہوئے چلے
اس ضبط و غم کی مرثیہ خوانی ہے آج تک
روکے تھے اشک یوں کہ روانی ہے آج تک

(62)

زادِ سفر کے واسطے اللہ رے اہتمام
رسّی میں گردنیں تھیں تو لب پر خدا کا نام
حیرت سے دیکھتے تھے اسیروں کو خاص و عام
کتنوں کے دل بدل دیے کوفہ سے تا بہ شام
غفلت زدوں کو نیند سے آخر جگا گئیں
قربانیاں کمال کے نقطے پہ آ گئیں

(63)

ڈوبے ہوئے تھے مرضیِ پروردگار میں
ایسا دلوں پہ جبر کیا اختیار میں
ہے آج تک جگہ نگہِ اعتبار میں
چھوڑے ہیں ایسے نقشِ قدم رہگذار میں
گِھر کر ہجومِ غم میں سنبھلنا سکھا دیا
قوت کو صبر و ضبط میں ڈھلنا سکھا دیا

(64)

پہنچے جو شام میں یہ گرفتارِ کربلا
لائے تھے اپنے ساتھ سب آثارِ کربلا
ناواقفوں پہ کھل گئے اسرارِ کربلا
کیا پُر اثر تھا خطبۂ بیمارِ کربلا
اٹھی ہر اک طرف سے صدا شورشین کی
دربار تھا یزید کا مجلس حسینؑ کی

(65)

ان کے تصرفات سے ملت کی شان ہے
اسلام کی نمود شریعت کی شان ہے
باطل ہے دم بخود وہ حقیقت کی شان ہے
دنیا میں ان کے دم سے شرافت کی شان ہے
ہر بارِ غم اٹھالیا ہر ظلم سہ گئی
انسانیت اسی کے سہارے سے رہ گئی

(66)

ہمت ہے استوار مصیبت کے ذکر سے
آتا ہے صبر عالمِ غربت کے ذکر سے
ہوتا ہے سر بلند شجاعت کے ذکر سے
بڑھتا ہے خوں رگوں میں شہادت کے ذکر سے
مایوسیوں میں فتح کا امکاں ہے آج بھی
عزمِ حسینؑ عظمت انساں ہے آج بھی

(67)

قائم جہاں میں سلسلۂ صبح و شام ہے
اس سلسلے کی حد پہ نیا اہتمام ہے
ہوگا سفر شروع ابھی تو قیام ہے
دنیا کو انتظار ظہورِ امامؑ ہے
جب دستِ غیب پردۂ غیبت اٹھائے گا
خونِ حسینؑ ایک نیا رنگ لائے گا

(68)

اے بانیانِ بزمِ عزا یہ نہ بھولیے
اے ساکنانِ شہرِ وفا یہ نہ بھولیے
دلدادگانِ کرب و بلا یہ نہ بھولیے
ببرِ رسولؐ ببرِ خدا یہ نہ بھولیے
غم ہے تو غم میں شوکت و عظمت بھی چاہیے
مومن کے آنسوؤں میں حرارت بھی چاہیے

(69)

سرمایۂ نجات ہے جوشِ ولا مجھے
تقدیر سے رہا نہ کوئی اب گلا مجھے
ہے حُبِّ اہل بیتؑ ہی کویا صلا مجھے
یہ ہے صلا ...... تو سب کچھ ملا مجھے
اب صرف یہ نوازشِ تقدیر چاہیے
مدح و ثنا میں قوتِ تاثیر چاہیے

(70)

آقا کے در پہ محوِ سجود وفا ہوں میں
گہرائیوں سے دل کی شریکِ عزا ہوں میں
حکمِ خدائے پاک سے وقفِ ثنا ہوں میں
قرآں میں جو لکھا ہے وہی کہہ رہا ہوں میں
اندازِ مدح اور ہیں ممدوح ایک ہے
قالب جدا جدا ہیں مگر روح ایک ہے

(71)

اے کار سازِ خالقِ کُل مقصدِ حیات
اے بے نیازِ عالمِ مطلوبِ کائنات
گنجینۂ محاسن و مجموعۂ صفات
اے وہ کہ حدِ فکر سے آگے ہے تیری ذات
میرے قلم میں میری زباں میں اثر رہے
مجھ پر شہیدِ کرب و بلا کی نظر رہے

(72)

مدت کے بعد وقت کا جب مقتضا ہوا
اک آفتاب لطف و کرم رونما ہوا
دل کا قرار دل کا سہارا عطا ہوا
نورِ نظر سے نور نظر کا سوا ہوا
خوش بخت و شاد کام ہمیشہ جہاں میں رکھ
صدقہ حسینؑ کا اسے اپنی اماں میں رکھ

O

باب سوم

نوحے

1.	انقلابی نوحوں کا پروردگار	ڈاکٹر سید تقی عابدی
2.	تجمل کے نوحوں کا تجزیہ	پروین شاکر
3.	تجمل آفندی کے نوحے	پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی
4.	جدید نوحہ کا موجد	افضال حسین نقوی
5.	منتخب اشعار	(133) عدد
6.	کل نوحے (مطبوعہ و غیر مطبوعہ)	(144) عدد
7.	کل اشعار	(2237) عدد

پروین شاکر

نجم آفندی کے نوحوں کا تجزیہ

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک تاریخ اور مذہب نے تہذیب اور ادب پر گہرے اثرات مرتسم کئے ہیں اور پھر شاعر جو شیلے کے قول کے مطابق ''ایک جلتی ہوئی روح ہے۔'' ان لمحوں کی اہمیت اور نوعیت کو سب سے زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے اور اپنے ذاتی دکھ سکھ سے ماورا ہو کر ان میں Involve ہو جاتا ہے۔

سانحۂ کربلا چودہ سو برس سے صاحبانِ وجدان کے لیے سرچشمۂ عرفان رہا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں حق کو اور حق پرست ہیں، ارضِ نینوا کی یاد تابندہ ہے، جو سینہ بہ سینہ سفر کرتی آئی ہے اور اس سفر میں کتنے وجود ایسے ہیں کہ ہمارے لیے چراغ راہ بنے۔ اگر ہم اپنی نگاہ، محض سرزمین پاک و ہند پر ہی ڈالیں تو منکشف ہوگا کہ غم حسینؑ نے کن کن اشک بار آنکھوں کو گہر ریز کیا ہے یہ قافلۂ ماتم داراں تو نہ معلوم کب سے رواں ہے لیکن چند میر ہائے کارواں کے نام جن کی آوازیں آج بھی کھوئے ہوؤں کی رہنمائی کرتی ہیں، ان میں مرزا علی نقی ایجادؔ، قائمؔ چاند پوری، میر تقی میرؔ، ضمیرؔ لکھنوی، دلگیرؔ لکھنوی، میر خلیقؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، میر انیسؔ، میر نفیسؔ، میر عشقؔ، میر تعشقؔ، عزیزؔ لکھنوی، آرزوؔ لکھنوی، نسیمؔ امروہوی، پیارے صاحب رشیدؔ، جوشؔ ملیح آبادی، سید آلِ رضا اور جناب نجم آفندی شامل ہیں۔

ماتم گسارانِ حسینؑ کے اس کارواں میں ہر نوحہ کناں کا اپنا ایک منفرد لہجہ ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ حضرت نجم آفندی کے لہجے کو (فی الوقت ہمیں ان کے ہی فن تک گفتگو محدود رکھنی ہے) ہم دھیما اور پُرسوز لہجہ کہہ سکتے ہیں، جس کے اندر ایک نرم آہنگ، انقلابی فکر Under

Current کی طرح رواں ہے۔

سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک ایسا موضوع اور فن جسے انیسؔ و دبیرؔ جیسے کاملانِ فن نے منتہائے عروج پر پہنچا دیا تھا اور اپنے اپنے انداز میں ایک مضمون کو سو رنگ سے باندھ چکے تھے تو ایک Spent اور Exhausted موضوع میں حضرت نجم آفندی نے اپنے لیے کیا امکانات پیدا کئے اور اپنے لہجے کی شناخت کس طرح کروائی۔

اس ضمن میں ان کے اسلوب کی انفرادیت سب سے زیادہ ان کی نظم ''نہرِ علقمہ'' میں واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔''نہرِ علقمہ'' اپنے لہجہ کی گھمبیرتا، زبان کی سادگی اور موضوع کی سنجیدگی کے لحاظ سے اردو کی چند ممتاز ترین نظموں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ تخاطب میں جس طرح نہر کی تجسیم کی گئی ہے، اس سے نہرِ علقمہ محض ایک ندی نہیں رہتی بلکہ ایک کردار بن کر سامنے آتی ہے۔

پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ
اُٹھتی رہیں موجیں تری اے وائے نہرِ علقمہ
وہ خشک لب، سوکھا گلا شیرِ خدا کی آل کا
وہ تیرے ہونٹوں پر تری اے وائے نہرِ علقمہ
طوفاں اُٹھانا تھا تجھے یا سوکھ جانا تھا تجھے
کچھ تو نے خدمت ہی نہ کی اے وائے نہرِ علقمہ
قبضے میں تیرے آب ہو اور پیاس سے بے تاب ہو
شہؑ کے چمن کی ہر کلی اے وائے نہرِ علقمہ
اِک چادرِ آبِ رواں اوڑھے ہوئے تو نوحہ خواں
زینبؑ کی یہ بے چادری اے وائے نہرِ علقمہ
اشکِ سکینہؑ بہہ گئے منہ دیکھتے سب رہ گئے
تو اور تری دریا دلی اے وائے نہرِ علقمہ
یہ کون سا دستور تھا مہمان کتنی دور تھا
کیا پاؤں میں زنجیر تھی اے وائے نہرِ علقمہ

اس نظم کی Rythem، خطابیہ انداز اور ردیف ''اے وائے بُر علقمہ'' سب مل جل کر ایک ایسی حزنیہ کیفیت کو جنم دیتے ہیں جس میں قاری کا پورا وجود Involve ہو جاتا ہے اور یوں قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلنا شاعر کی بہت بڑی کامیابی قرار دی جا سکتی ہے۔ فنی اعتبار سے بھی صنعتِ رعایت لفظی و صنعت مراۃ النظیر کا ماہرانہ استعمال نظم کے صوتی حُسن میں اضافہ کرتا ہے۔

اسی طرح ان کی نظم ''عالمِ تنہائی'' ہے کہ جب روز عاشور سب جاں نثار راہِ وفا میں ایک ایک کر کے کام آ چکے ہیں اور امامِ مظلومؑ مقتل میں یکہ و تنہا کھڑے ہیں۔ اس پوری نظم میں بحر کے انتخاب الفاظ کے چناؤ اور لہجے کے ٹھہراؤ نے گویا تنہائی کی تصویر کھینچ دی ہے

مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا
قاتل کھڑے ہیں خاموش یک جا
حیرت میں گردوں سکتے میں صحرا
ساکت ہیں موجیں ساکن ہے دریا
سورج کا چہرہ اُترا ہوا ہے

گردوں کی حیرت صحرا کے سکتے اور موجوں کے سکوت کے ساتھ ساتھ سورج کے چہرے کو اُترا ہوا دیکھنا...... ایک انتہائی حساس ذہین شاعر کے بس کی ہی بات ہے، جو اپنے دکھ کا عکس، کائنات کی ہر شے میں ڈھونڈھ لے اور پھر اس عکس کی گرفت کر سکے۔ اسی طرح اس نظم کا تیسرا بند ہے

خیمے میں سب کی نظریں ہیں در پر
دم رُک گئے ہیں سینوں کے اندر
کیا ضبطِ غم ہے اللہ اکبر
چُپ رہ گئی ہے اصغرؑ کی مادر
اصغرؑ کا جھولا ٹھہرا ہوا ہے

یہاں مخمس کے آخری مصرعے میں شاعر کے مشاہدے کی Breath Taking گہرائی اپنے عروج پر ہے اور پھر صحیح الفاظ کا استعمال اس پر مستزاد۔ اس موقع پر کوئی بھی عام شاعر وزن قافیے اور موضوع کی مناسبت سے مصرعہ کو کوئی بھی شکل دے سکتا تھا۔ مثلاً ''اصغرؑ کا جھولا سونا پڑا ہے''۔ لیکن جھولا ٹھہرا ہوا

ہے، میں جو Pathos ہے، جو اُن کی داستانِ خونچکاں ہے، وہ ایک استادِ فن کا ہی حصہ ہے۔

اسی طرح اس نظم کا آخری بند ہے

روکو قلم کو نجم سخن ور
ہے سر بہ سجدہ جانِ پیمبرؐ
نزدیک ہے اب قاتل کا خنجر
در پر ہے زینبؑ مجبور و مضطر
خیمے کا پردہ اُٹھا ہوا ہے

یہاں اس ''خیمے کا پردہ اُٹھا ہوا ہے'' نے اس حسرت ناک فضا کی تکمیل کردی ہے، جسے قاری پہلے بند سے ہی اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

یہی کیفیت اُن کی نظم ''شامِ عاشور'' کی ہے

عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہوا غم کا وہ کائنات پہ پردہ پڑا ہوا

اور پھر فنکارانہ صنائی

تشنہ لبوں کے خون کی ندی چڑھی ہوئی پانی اب فرات سے منھ پھیرتا ہوا

تشنگیِ معصوماں کے حوالے سے جو تلازمے استعمال کئے گئے ہیں، وہ حیرت انگیز ہیں۔ اظہارِ بیاں پر قدرت کے بعد جو دوسرا عنصر حضرت نجم آفندی کے قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے، وہ ان کی کردار نگاری ہے جو اپنی حیثیت میں کسی ناول نگار کے سے انہماک اور ہنر کے ساتھ عمل میں لائی گئی ہے۔ مثلاً حضرت علی اکبرؑ کا سراپا اور کردار، علی الترتیب کچھ اس طرح سامنے آتا ہے

ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ وشاب آیا
جوانی اُن پہ کیا آئی مدینے پر شباب آیا
مگر جب کربلا کے دشت میں یہ ماہتاب آیا
فلک، قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام، سن زہراؑ کا، اور صورت پیمبرؐ کی

اگر اس بند کا صرف آخری مصرع ہی پڑھا جائے تو اس شہزادے کا پیکرِ رعنا ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور پھر کردار

سنا ہے چاند سے سینے پہ برچھی جنگ میں کھائی
یہ منظر لے گیا شبیرؑ کی آنکھوں کی بینائی
تعجب کیا اگر خیمے سے شہزادی نکل آئی
فلک قابل مٹانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام، سِنّ زہرا کا اور صورت پیمبرؐ کی

اسی طرح ننھے مجاہد، علی اصغرؑ کے بارے میں رقم طراز ہیں

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی
مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر
آنکھوں میں جھلکتا ہوا معصوم تبسم
گردن سے ٹپکتا ہوا خونِ دلِ مادر
نانا کے سب انداز ہیں دادا کے طریقے
نیند آگئی ریتی پہ نہ تکیہ ہے نہ بستر

پھر پسرانِ مسلم کے بارے میں لکھتے ہیں

یہ نزع کا ہنگام یہ معصوم نگاہی
دیتا ہے ہر انداز لڑکپن کی گواہی
کم سِن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

اسی انداز میں جناب زینبؑ کے صاحبزادگان کے متعلق لکھا ہے

کشتوں میں یہ رعنائی یہ شان نہیں دیکھی
مرتے ہوئے بچوں میں یہ جان نہیں دیکھی

دنیا سے کہو دیکھے یہ شیر ہمارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

اور پھر سب سے بڑھ کر جناب زینبؑ کا کردار اپنی تمام تر Dimensions کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے

ایسا کسی بی بی کا ایثار نہیں دیکھا
بھائی سے زمانے میں یہ پیار نہیں دیکھا
بھائی کی محبت میں صدقے یہ اتارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
وہ عونؑ و محمدؑ بن عبداللہ جعفرؒ
بچے تھے مگر ماں نے کیا فدیۂ اکبر
ہیبت اسدُ اللہ کے اللہ رے تیور
زلفوں کو سرِ دوش بکھرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

کردار جنابِ زینبؑ کا ایک اور روشن پہلو ان کی بے مثال خطابت، نجم آفندی کے ذریعے ہم تک اس طرح پہنچی

یک بیک اٹھا فضا میں زینبِ کُبریٰ کا ہاتھ
ہاتھ کا اٹھنا کہ سنّاٹا سا تھا چھایا ہوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے
اُس میں تھراہٹ کہاں مجمع ہے تھرایا ہوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے
دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہوا
منتظر کانوں پہ اِک الفاظ کی بجلی گری
ہوش رخصت ہوگیا ذہنوں سے گھبرایا ہوا

اس دہن میں تھی زباں گویا لسان اللہ کی
حرف اک اک نقش تھا ارشاد فرمایا ہوا

آلِ احمدؐ کی اسیری اپنی آزادی کا راز
یوں سمجھ میں آگیا جیسے ہو سمجھایا ہوا

چیر کر نفس اُن کا ان کو اس طرح دکھلا دیا
اپنی ہستی سے تھا اک اک فرد شرمایا ہوا

گردنیں خم ہوگئیں آنکھوں میں آنسو آگئے
ہر کلیجہ چاک ہر سینہ تھا برمایا ہوا

اسی طرح حضرت عباسؑ علم دار کی شجاعت کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں

کربلا میں شانِ عباسؑ دلاور دیکھنا
خون میں ڈوبی ہوئی تصویرِ حیدرؑ دیکھنا

راہ کرلی خون کے دریا کا سینہ چیر کر
ایک ہی حملے میں نہر علقمہ پر دیکھنا

مشک بھر کر نہر سے باہر نکلنا تشنہ لب
خیمۂ شبیرؑ کی جانب وہ مڑ کر دیکھنا

کنارِ فرات رونما ہونے والے اِس خوں چکاں سانحہ کی جب گنگ وجمن کی سرزمین پر رہنے والے شاعر نے تصویر پیش کی، تو اس میں کچھ مقامی رنگوں کا شامل ہونا ناگزیر تھا۔ سو کہیں کہیں لہجے میں، بیان میں اور رسومات کا ذکر کرتے ہوئے یہ رنگ جھلک جاتے ہیں۔ 'حسینی سیوا' 'دکھ کا ساگر' 'پریم پنچھی' اور 'کھیون ہار' ایسی نظمیں، جو ٹھیٹ ہندی اسلوب میں لکھی گئی ہیں، شاعر کے کمالِ فن کے ایک اور پہلو کو اجاگر کرتی ہیں۔ زبان کی نرمی، موضوع کے گداز کو دو چند کردیتی ہے

اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دھن موت کی سگری رات رہی
ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سلجھات رہی

(حسینی سیوا)

پریم نگر کا پنچھی قاسمؑ موت سے بیاہ رچائے گا
ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گا
رتھ نار لہو کی دھاریں تھیں اس گورے گورے مکھڑے پر
اسی دھج پہ کسی کی لاگی مجر ہی سہرا بدھی کھائے گا
(پریم پنچھی)

ہندی بولوں سے ہٹ کر خالص شاعرانہ بیان میں بھی مقامی لہجے کی کھنک صاف سُنائی دیتی ہے

یہ کیسا دن تیری شادی کا کیسی رات ٹھہری تھی
عروسِ مرگ سے کب مرنے والے بات ٹھہری تھی

یا پھر

عروسِ مرگ ہے اکبرؑ کی منتظر رن میں
یہ خیمہ گاہ میں دولہا بنائے جاتے ہیں

حضرت نجم آفندی کے اُن نوحوں کا ایک خوشگوار پہلو ان کا تبلیغی رنگ ہے

اڑاؤ آشتی کے پھول زندگی کی راہ میں
امانِ بے اماں ہو ستم کی جلوہ گاہ میں
صدائے یا حسینؑ دو فضائے کوہ و کاہ میں
تمام بحر و بر کو لو حسینؑ کی پناہ میں
حُسینؑ کے فدائیو بڑھے چلو بڑھے چلو
(علم بدوش)

یا پھر

ایمان کو ایمان کی صورت میں دکھاؤ
اسلام کو اسلام کا مصداق بناؤ
سرکار دو جہاں کی محبت کے نام پر
آپس کے اختلافات کو قربان کیجئے

قربانی جو خاندانِ نبوت کی رسمِ امتیاز تھی

سب راہِ خدا کے سالک تھے یا قتل ہوئے یا قید ہوئے

یہ رسم گئی ہے دور تلک شبیرؑ کے ماتم داروں میں

اور جب تلک شبیرؑ کے ماتم دار کائنات میں موجود ہیں یہ رسمِ جاں فروشی بھی سلامت ہے اور اس کی یاد بھی جسے فروزاں رکھنے میں جہاں کئی اور نام روشن رہیں گے۔ وہاں حضرت نجم آفندی کا نام نامی بھی غمِ حسینؑ کے حوالے سے امر رہے گا۔

O

پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی

نجم آفندی کے نوحے...!

دیگر اصنافِ سخن کی طرح نوحے میں بھی زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اور اردو زبان کی ترقی کے ساتھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ابتدا میں نوحہ صرف بیتیہ اشعار تک محدود رہا اور نوحے کی زبان بھی بالکل ابتدائی اور سادہ تھی، ہندی الفاظ کی آمیزش بھی زیادہ تھی جیسا کہ ہاشم علی برہانوی کے نوحوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک ادبی مقالے میں پیش کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو نقوشِ سلیمانی۔ اس دور کے بعد زبان، طرزِ معاشرت اور طرزِ فکر کے بدلتے ہوئے انداز کے ساتھ نوحہ گوئی کا انداز بھی تبدیل ہوتا رہا اور دیگر اصنافِ سخن، خصوصاً مرثیہ کی طرح نوحہ میں بھی وسعتِ فکر اثر انداز ہوئی اور نوحہ میں زبان کی فصاحت وبلاغت اور الفاظ کی شان وشوکت کے اہتمام کے ساتھ نئے نئے مضامین نوحوں میں شامل کئے گئے۔ بالخصوص عارفانہ، فلسفیانہ اور تبلیغی مضامین نوحوں میں پیش کئے گئے اور دو مصرعہ نوحوں کے علاوہ مثلث، مربع، مخمس اور مسدس نوحے بھی لکھے گئے۔

نجم آفندی نے نوحہ گوئی کے جدید رجحانات اور جدید تقاضوں کو اپنایا اور چونکہ فطری طور پر یہ فن خزانۂ قدرت سے ان کو عطا ہوا تھا، اس لیے فنِ نوحہ گوئی میں ایک مخصوص اور نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کے نوحے جدید تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

ان کے نوحوں میں الفاظ کی شان وشوکت کے ساتھ عارفانہ اور تبلیغی عنصر نمایاں ہیں۔ جن بحروں میں انہوں نے نوحے لکھے ہیں، وہ عارفانہ اور تبلیغی مضامین کے اعتبار سے نہایت مناسب اور موثر ہیں۔ ان کے نوحے جدید نوحہ گوئی کا ایک بلند معیار متعین کرتے ہیں۔ نجم آفندی نے

نوحوں کے ذریعے دو اہم کام کئے ہیں، ایک غمِ حسینؑ میں رونا اور رولانا جو محبتِ اہلبیتؑ کے اظہار کے لیے ضروری ہے اور دوسرا امام حسین علیہ السلام کے کارناموں کی تبلیغ واشاعت، ان دونوں مقاصد میں تجمّل آفندی کامیاب ہیں۔

عزاداری کی تکمیل کے لیے مرثیوں کے ساتھ نوحے بھی نہایت ضروری ہیں، اس لیے کہ مجلس کا دارومدار مرثیہ پر ہوتا ہے اور ماتم کا دارومدار نوحے پر۔ جس طرح مجالس میں منتخب مرثیے پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ماتم میں منتخب نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں جہاں مجالس وماتم کا رواج عام ہے، منتخب مرثیے ونوحے پڑھے جاتے ہیں۔ تجمّل آفندی کے نوحے چونکہ مجالس وماتم کے مقاصد کو بدرجہ اتم واکمل پورا کرتے ہیں، اسی لیے ان کا شمار منتخب نوحوں میں کیا جاتا ہے اور ہر جگہ مقبول ہیں۔

تجمّل آفندی کے نوحوں میں جو ادبی اور فنی خصوصیات پائے جاتے ہیں، ان کے نوحوں کے نمونوں کے ذریعے واضح کرنے کے لیے ان کے تمام کلام کو پیش نظر رکھنا اور ان کا عمیق مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اس وقت میرے سامنے ان کی ایک بیاض ''کاروانِ ماتم'' ہے جس کے چند نمونے ان کی نوحہ گوئی کے خصوصیات کی وضاحت کے لیے پیش کرتا ہوں۔

شبِ عاشورہ سے متعلق ایک شعر جو تجمّل آفندی کے اعلیٰ تخیل اور تبلیغی اندازِ فکر کا آئینہ دار ہے، ملاحظہ ہو۔

جگا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو
اک ایسی رات بھی اس مرنے والے نے گزاری ہے

اس شعر میں شبِ عاشورہ کے متعلق ایک نہایت اعلیٰ اور حقیقت پر مبنی تخیل وتفکر رہتا ہے۔ شبِ عاشورہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی عبادت حق تعالیٰ اور حق پر اپنی واقربا وانصار کی جانیں قربان کرنے اور اسلام کو کفر سے بچانے کا عزمِ مستحکم اور یزید کی بیعت سے قطعی انکار، یہ وہ کارنامے ہیں جن سے اسلام اور کفر کا فرق دنیا میں واضح ہوگیا اور کفر کی تاریکی دور ہوئی اور دنیا جاگ اٹھی۔ اس ایک شعر میں خیامِ حسینیؑ میں شبِ عاشورہ، اطاعت حق میں جاگنے والی مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کی عبادت اور راہِ حق پر جان دینے کا جوش وخروش اور کفر کے مقابلے میں جنگ کی

تیاریاں، یہ تمام کارنامے اس شعر میں پنہاں ہیں اور اس شعر سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شب عاشورہ خیامِ حسینیؑ کے واقعات، ایسے چمکے کہ ساری دنیا میں روز روشن کی طرح واضح ہو گئے اور رات کی تاریکی اور کفر کی سیاہی ان پر مطلق اثر انداز نہ ہو سکی۔

اسلام میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور آپ کے اہلبیتؑ کا مرتبہ اور پھر ظالموں کا آپ کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور کفر کی شدت پر نجم آفندی نے حسب ذیل اشعار اپنے نوحوں میں پیش کئے ہیں۔

مسلماں سر لیے جاتے ہیں سوئے شام نیزے پر
سوارِ دوشِ پیغمبرؐ کی یہ آخر سواری ہے
ایک دن جو دوشِ پیغمبر پر تھا اس کو سلام
اس کو مجرئی ایک دن نیزہ پر جس کا سر گیا
ہائے عاشورہ محرم ہائے شامِ قیدِ غم
آج بے پردہ ہیں وارث چادرِ تطہیر کے
ادا ہو رہا ہے خراجِ مودّت
یہ زنداں میں آلِ نبیؑ جا رہی ہے
جس کے گلے پہ ثبت ہوں بوسے رسولؐ کے
اس کے گلے پہ خنجرِ قاتل کی دھار ہو
سایہ کیا طیور نے بیکس کی لاش پر
آئے نہ دفن کرنے کو انسانِ کربلا
مقصدِ کائنات ہے پیاسا مصدرِ شش جہات ہے پیاسا راز دارِ حیات ہے پیاسا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں سیّدِ مشرقین پیاسے ہیں۔

مذکورہ اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ فوج یزید کے افراد، جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، پیغمبر اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت وانصار پر ہر طرح کے ظلم وستم کرتے، حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے پر مستعد ہوتے۔ نہ خدا کا خوف کیا، نہ رسولؐ کی شرم،

اسلام اور بانیانِ اسلام کے خلاف فوجِ یزیدی کا ظلم اور استبداد اور کفران اشعار سے قطعی واضح ہوجاتا ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ ظالموں کا ہر قول حکم خدا اور رسولؐ کے قطعی خلاف تھا اور ظالم اسلام سے منحرف ہوکر کفر کی طرف اور انسانیت سے منحرف ہوکر حیوانیت کی طرف پلٹ گئے تھے اور اسلام کے چاہنے والوں پر ہر طرح کے ظلم و استبداد کرنے پر آمادہ تھے۔

تبلیغِ اسلام اور اسلام کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت و انصار نے جو قربانیاں میدانِ کربلا میں دیں، ان کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نجم آفندی نے جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

ہو آلِ مصطفٰےؐ کا لہو جس کے دوش پر
وہ انقلاب دہر نہ کیوں یادگار ہو

طوفانِ آبِ تیغ بھی شرما کے رہ گیا
بچّے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے

یہ کہتے تھے لبیک آوازِ حق پر
یہ لاشے ہیں حق کا پتہ دینے والے

تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

لہو چشمِ حق بیں کو رُلوا رہے ہیں
یہ ہر زخم پر مسکرا دینے والے

آج اس پہ گامزن ہیں ہزاروں دل و دماغ
رستہ بتا گیا ہے جو بیمار آپ کا

خونِ شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے
ایسی محکم نہ نظر آئے گی تعمیر کوئی

سن وہ چھ ماہ کا، وہ پیاس، وہ آغوشِ پدر
علی اصغرؑ سا نہ ہوگا ہدفِ تیر کوئی

مذکورہ اشعار میں تجمّ آفندی کا بلند تخیل کارفرما ہے جو حقیقت سے لبریز ہے۔ حقائق کربلا اس خوبی سے پیش کئے ہیں جیسے کوزہ میں دریا۔ ایک ایک شعر میں واقعات کربلا کا پورا نقشہ سمو دیا ہے۔ یہ کام ایک ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔ اسلامی جوش وخروش، اسلامی عزم، اسلام پر قربانی کا جذبہ جس کا مظاہرہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اقربا وانصار نے راہ حق پر کیا، اس کو تجمّ آفندی نے اپنے اشعار میں بڑے جوش کے ساتھ پیش کیا ہے اور تبلیغی نقطۂ نظر سے تجمّ آفندی کا یہ کارنامہ اردو ادب کی تبلیغی شاعری میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

آخر میں معرفتِ الٰہی اور معرفتِ حسینؑ سے متعلق تجمّ آفندی کے اشعار پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے معرفتِ الٰہی منشاء الخلائق انسانی ہے۔ جیسی معرفت امام حسین علیہ السلام کو حاصل تھی، ویسی رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوئی۔

شکر خدا زبان پہ یادِ خدا میں دل
تیغوں کی چھاؤں پیکرِ خونبار آپ کا
زخمی جبیں لہو سے مصلی رنگا ہوا
یہ روحِ معرفت یہ عبادت ہے اے حسینؑ
منزل تھی محبت کی انوار کی تابانی
تلوار تھی گردن پہ سجدہ میں تھی پیشانی
راہِ خدا میں جان گنوائی
یادِ خدا میں وقت گذارا

امام حسین علیہ السلام بانیٔ اسلام ہیں، اس حقیقت پر تجمّ آفندی کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسینؑ
دنیا میں دین تری بدولت ہے اے حسینؑ
حسین صَرفِ خزاں کرکے اپنے گلشن کو
خدا کا دین سپردِ بہار کرتے ہیں

اگر انسان کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہو جائے
شعورِ حریت دنیا میں عالمگیر ہو جائے

مذکورہ عرفانی اشعار سے واضح ہو جاتا ہے کہ نجم آفندی عرفان پر بھی اچھے اور بلند شعر کہنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

راہِ خدا میں صبر و رضا کی منزلیں طے کرنا نہایت دشوار اور مرحلۂ صعب ہے۔ سید الشہدؑا نے صبر و رضا کی منزلوں کو جس طرح طے فرمایا، تاریخِ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا یہ کارنامہ آپ کے عرفان کی انتہا کا مظہر ہے۔ آپ کے صبر و رضا کے متعلق نجم آفندی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نجم آفندی کا ایک نوحہ جس کا عنوان ''حسینیؑ مسلک'' ہے، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نفسِ رسولؐ اس کی رضا تک پہنچ گیا
سمجھے تھے ہم کہ راہِ خدا نا تمام ہے

ایک اور نوحہ جس کا عنوان ہے ''راہِ رضا'' اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

حق بھی ہے اسی سمت میں رُخ ان کا جدھر ہے
یہ راہِ رضا زیرِ قدم لائے ہوئے ہیں

ایک اور نوحہ کا ایک شعر منزلِ راہ میں ملاحظہ ہو:

سالکِ راہِ رضا ہیں ورنہ سجادِؑ حزیں
ایک انگڑائی میں حلقے توڑ دیں زنجیر کے

یہ ایک اور شعر کیا خوب کہا ہے:

راہِ عمل میں اُٹھائے جو مرتضٰیؑ نے قدم
اصول بن گئے اللہ کی رضا کے لیے

صبر کے متعلق دو اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا صبر کی تنظیم ہے اس تشنہ لبی میں
کیا اہلِ حرم بچوں کو بہلائے ہوئے ہیں

دربار یزیدی کا وہ صبر شکن منظر
اسلام کے وارث کی منبر پہ ورز افشانی

تجمّ آفندی نے صبر و رضا کی وہ سخت و صعب منزلیں اپنے نوحوں میں دکھائی ہیں، جہاں امام حسینؑ علیہ السلام یکتا نظر آتے ہیں اور اسی طرح تجمّ آفندی نے اپنے نوحوں کو عرفانی نقطۂ نظر سے بھی مکمل کر دیا ہے۔

ذیل کے اشعار میں عزاداری کا جواز تجمّ آفندی نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے:

کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل
جذبات حریت کا جو پروردگار ہو
باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حسینؑ سے
باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو

عزادار امام حسین علیہ السلام کے مرتبہ کو تجمّ آفندی اسی طرح ظاہر کرتے ہیں:

اے چشمِ حقیقت میں ہر اہلِ عزا مجھ کو
شبیرؑ کے لشکر میں شامل نظر آتا ہے

غرضیکہ تجمّ آفندی نے جس مضمون اور واقعہ کو لکھا ہے، پورے زور اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ ان کے نوحوں میں کسی قسم کا شاعرانہ اور علمی جھول محسوس نہیں ہوتا۔

ہر نقطۂ نگاہ سے ان کے نوحے مکمل ہیں جس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ پایہ کے عالم بھی ہیں۔ ان کو زبان و ادب، فلسفہ اور عرفان اور نفسیات پر بڑا عبور حاصل ہے۔ ان کا تبلیغی انداز بلاتفریق مذہب و ملت، ہر فرد کے لیے قابل تسلیم ہے اور یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے۔

افضال حسین نقوی

جدید نوحہ کا موجد

اپنے اور بیگانوں کے اتلافِ جان پر شاک پروف ہو کر پتھر بن جانا، فلسفۂ حیات کے کسی واحد داعی (Stoic) کا ایک انوکھا طریقۂ فکر رہا ہو تو رہا ہو، لیکن انسانی خواص اور نفسیات کے ساتھ دکھ اور درد کو سرے سے پی جانا، انسانی سرشت سے کلیتہً بعید بات ہے، بلکہ اگر سینے پر پتھر رکھ کر یہ طریقۂ حیات اپنا بھی لیا جائے تو تاثرات سے عاری سنگلاخ اور چٹان دل انسان، حیات کی اس بوقلمونی پر پتھر کی سلوں کی بارش کر دیں گے۔

ابھی انسان نے اس گیتی پر شعور کی آنکھیں بھی نہ کھولی تھیں، ابھی تو اس کے منہ میں زبان بھی نہ آئی تھی کہ صدمات اور تفکرات، اتلافِ جان و مال کے لخراش دھچکوں سے اس کی چھاتی دہل جاتی۔ چند سُر سے بے سُرے بین و بکا کلمات اور کچھ آنسو اس تاثر کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے رہے۔

انسان تاریخ کی ابتداء سے پہلے بھی کسی عزیز کی موت، کسی دوست کے بچھڑنے اور کسی جانی اتلاف سے دوچار ہونے کی صورت میں نوحے اور بین کہتے تھے۔ یہی نوحے اور بین آگے چل کر مہذب اور ترقی یافتہ زبانوں میں مرثیہ کی شکل اختیار کر گئے۔

سر جیمس جان فریزر (Sir James John Fraser) اپنی کتاب ''گولڈن باؤ'' میں رقم طراز ہے: (میں درج ذیل اقتباس اپنے ہی مقالے ''مرثیہ اور انیس'' مطبوعہ نقوش لاہور دسمبر ۷۰ء سے پیش کر رہا ہوں):۔

''مقامی روایات کے بموجب، جس کی پلوٹرچ بھی تائید کرتا ہے، جب ایسس (Isis) کو اپنے شوہر اوسارس (Osiris) کی لاش ملی تو وہ اپنی بہن نیفاطیس کے ساتھ لاش کے برابر بیٹھ

گئی۔نوحہ وشیون کرنے لگی، یہ بین، بعد کے زمانے کے لیے متوفی کے لیے ایک عام نوحہ کی صورت اختیار کر گیا۔"

درج بالا نوحہ تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح کہا گیا تھا۔

انسانی حیات کی تدریج کے ساتھ ساتھ مختلف ترقی یافتہ زبانوں میں اس صنف کو جلا ملتی رہی۔دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو، جو اس صنف کے سرمایہ سے تہی دامن ہو۔

عربی اور فارسی نوحے اپنی نظیر آپ ہیں۔خصوصاً عربی نوحے جو مرثیہ کے ذیل میں آتے ہیں، اپنی بے ساختگی، درد و الم کی کیفیت اور متوفی کی شخصیت کی عکاسی کی بہترین مثال کہے جاسکتے ہیں۔فارسی نوحوں میں درد کی چاشنی کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کی بھی آمیزش ہو گئی ہے۔

شروع عہد سے لے کر، تاہنوز نوحہ کی مسلسل تدریج ہوتی رہی ہے اور اس کا زمانہ لگ بھگ ساڑھے تین سو چار سو سال کا ہوتا ہے۔کسی صنف سخن کی تدریج، ارتقاء اور ترقی کے لیے یہ زمانہ بہت طولانی ہے اور اس پر کما حقہ روشنی ڈالنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

دکن کے شیعہ ریاستوں کے والیوں کی اردو دوستی اور حُبِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اظہر من الشمس ہے۔ ان والیوں کے مرثیے اور نوحے آج کی بھاکا سے بالکل مختلف ہیں اور تقریباً ناپید ہیں۔اور جو کچھ موجود بھی ہیں، ان میں مرثیوں اور نوحوں کا فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔البتہ جو بھی نمونے مل سکتے ہیں، وہ ولیؔ دکنی کے عہد سے تاجدارانِ اودھ کے عہد تک تدریجاً دستیاب ہو سکتے ہیں، یقیناً اگر کوئی محقق اس بات کی تحقیق کا بیڑا اٹھالے گا تو اس کے لیے اس زمانے کا مواد کافی دستیاب ہو سکتا ہے۔واجد علی شاہ اخترؔ کے بعد تاہنوز اس صنف کی تدریج میں کوئی گنجلک نہیں۔

ہر مرثیہ گو، اپنے مرثیے کے ساتھ ساتھ نوحے بھی کہتا تھا۔یہ بڑی جانکاہی اور دقتِ نظر کا کام ہے کہ نوحہ کی اس تدریج کی ایک مسلسل تاریخ مرتب کی جاسکے۔

نفسِ مضمون سے چند باتوں کے گریز کی معافی چاہوں گا۔

گذارش یہ ہے کہ میری عین تمنا تھی کہ علامہ نجم آفندی پر کچھ لکھا جائے، لیکن بُرا ہو میرے حالیہ آنکھ کے آپریشن کا کہ میں کسی لکھنے پڑھنے کے کام سے معذور تھا۔البتہ عزیزی ضمیر اختر کے اصرار پر میں نے حامی بھر لی کہ علامہ مرحوم کے جدید نوحوں پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

لیکن حق یہ ہے کہ موجودہ مجبوری کے پیش نظر کوئی تحقیقی کام تو سرانجام نہیں دے سکتا، اور وہ بھی اس التزام کے ساتھ کہ مضمون دو ہفتوں میں تیار ہو جائے۔ بہرصورت وقتی طور پر نوحہ کی تدریج کے متعلق سیر حاصل کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ البتہ کسی اگلے وقت کے لیے کچھ حدود تعین کرنے کی کوشش ضرور ہو جائے گی۔

علامہ تجم آفندی ایک بڑی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت تھے۔ علامہ موصوف کا انتقال پُر ملال ایک پورے دبستان کے خاموش ہو جانے کے مترادف ہے۔ اتنی طولانی حیات میں موصوف نے کن کن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور انہیں پروان چڑھایا، ان سب پر لکھنا کار دارد بات ہے۔

اس مقالے کی حد تک موصوف کے جدید نوحے ہی میرا موضوع کلام ہیں۔

اردو نوحے جن کی ابتداء بطور ہدیۂ خلوص، بین و بکا اور اظہار عقیدت کے طور پر ہوئی تھی، جس کی تدریج میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کی آمیزش ہوتی چلی تھی، علامہ تجم کے ہاتھوں ادب کی دھیمی آنچ پر تبلیغ کارِ حسینیؑ کا رنگ بھی خوب ہی چوکھا کر دکھایا گیا۔ علامہ کی زبان و بیان پر ندرت مثالی ہے۔ ظاہر ہے کہ آگرہ کے ہوتے ہوئے بھی موصوف لکھنوی تھے، کیونکہ اتباع اور تلامذہ کا اثر بے پناہ ہوتا ہے۔

صرف یہ کہہ دینا کہ تجم نے صنف نوحہ سے حسینیت کی تبلیغ کا کام لیا، دراصل ایک پورے دفتر کو ایک بے ہنگم فقرے میں بند کر دینے کے برابر ہے۔ نوحہ جو اصولی طور پر بین و بکا ہے، جس میں درد و غم کا رچاؤ اس کی روح ہے۔ کیا کوئی صاحبِ فن ایسا بھی حشر آسا اور قیامت بردوش ہو سکتا ہے جو نوحہ جیسی نازک، کومل اور چھوئی موئی زمین پر اتنی بلند و بالا تبلیغ کی عمارت کھڑی کر سکے اور اس فرض سے عہدہ برآ ہو سکے تو میں عرض کروں گا، وہ صرف اور صرف تجم آفندی ہے جس نے نوحہ کو نہ صرف اس جدت سے آشنا کیا۔ بلکہ اس ندرت کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔

علامہ تجم آفندی کے نوحوں کا عجیب مزاج ہے۔ یہ مزاج نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا گیا اور نہ ہی علامہ کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھوں اس کا ویسا ہی حق ادا ہو سکا۔ وہ ادب میں تبلیغ اور موعظت کس خوبی سے شیر و شکر کرتے ہیں کہ قاری اور سامع نوحے کے تاثر کے ریل میں بہا چلا

جاتا ہے۔ ذرا ملاحظہ تو فرمائے علامہ ''تعمیر حسینیؒ'' کے عنوان سے کتنا تیکھا نوحہ پیش کرتے ہیں۔

پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا — تکلیفِ غم سے کانپ گئی ارضِ نینوا
آداب الوداع بجا لائی زندگی — کی عرض بڑھ کے پیکِ اجل نے کہ مرحبا
جلتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پہ آہ تھی — مہر فلک کو اپنی تمازت سے تھا گلا
اترے حرم نبیؐ کے قناتیں ہوئیں بلند — آواز دور باش اٹھی تھم گئی ہوا
وہ گودیوں میں پھول سے بچے لیے ہوئے — اک اک صغیر فدیۂ سلطانِ کربلا
اس اہتمام پر بھی نگاہیں جھکی ہوئی — تہذیب کی نقاب سے ہر منہ چھپا ہوا
پردہ درِ خیام کا تطہیر کی نظر — گھیرے ہوئے جلالتِ انصارِ باوفا
دولت سرا کے در پہ ہر اک خاص و عام کو — عباسِ نامدار کی ہیبت کا سامنا
جنگل کی رُت بدل گئی مقصد کی شان سے — دلِ راہِ حق میں ایک تھے خیمے جدا جدا
مرنے کو ایک سمت جوانانِ ہاشمی — لُٹنے کو اک طرف حرم سیّدالوریٰ
آیا درود اوجِ فلک سے حسینؑ پر — بہر سلام آئے زمیندارِ کربلا
شانِ جلال دیکھ کے تعظیم کو جھکے — روحِ جمال دیکھ کے صلِ علیٰ کہا
سلطانِ دوسرا نے خریدی یہاں زمین — ہر قصر کا بہشت میں چہرہ اُتر گیا
یہ اپنی قتل گاہ بنانے کو آئے ہیں — سمجھے بنی اسد کہ بنے گی محل سرا
جانِ علیؑ کو بات بتانی ہے دین کی — مقتل خریدنا ہے کہ مدفن خریدنا
سوئے گا سر کٹائے یہاں سیدہؑ کا لال — تا حشر جانِ آدمِ عالم بنا ہوا
اٹھارہ سال والے کی ہوگی یہیں لحد — زینبؑ سے کہہ نہ دے کوئی جا کر یہ ماجرا
اک شیر کی بنے گی ترائی میں خوابگاہ — دریا کو جس نے چھین کے پانی نہیں پیا
قاسمؑ عروسِ مرگ سے شادی رچائیں گے — چھوٹی سی قبر ہوئے گی حجلہ عروس کا
اپنا لہو ملائیں گے اس خاک پاک میں — مسلمؑ کے لال زینبؑ مضطر کے دلربا
جھولے سے اٹھ کے آئیں گے اصغرؑ اسی جگہ — گز بھر زمیں ملے گی اور اک تیر بے خطا
لیلیٰ کی حسرتوں کا بنے گا یہیں مزار — یاں دفن ہوگا خاک میں ارمان بیاہ کا

مرکز بنے گا قوتِ اسلام کا یہ دشت
بہر طواف آئے گی یاں روحِ مصطفےٰؐ

نوحہ کا یہ انداز پہلے کبھی نہ تھا جس میں ادب، تاریخ، حسن بیان، درد کی چاشنی، تبلیغ، بین وبکا سبھی رچ بس گئے ہوں اور ان سب کا مل جل کر خمیر ایسا اٹھے کہ باید وشاید۔ یہی نجم کے نوحے کا امتیاز ہے اور یہی ان کا افتخار۔ یہ چھوٹا سا نوحہ تعمیر حسینیؑ جیسے ارفع مضمون کی جس خوبی سے تخلیق کرتا ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ نوحے کے اگر اجزاء پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا انداز کچھ ایسا ہے کویا پہلے کوئی مورخ کوئی واقعہ بیان کررہا ہو۔ واقعہ کے ابلاغ میں ادب کا رنگ بھرا جاتا ہے اور درد کی میٹھی آنچ پر تپایا جاتا ہے۔ تبلیغ وموعظمت کی روح اس سارے بلڈ اَپ (Buildup) میں جاری وساری ہے۔ نوحہ کی اس تدریج میں بین وبکا جو کسی بھی نوحہ کا لازمی عنصر ہے، اپنے بدیہی اور فطری روپ میں موجود ہے۔ اردو زبان صرف نوحہ کی حد تک اس تکنیک سے عاری تھی۔ علامہ نجم آفندی کے ہاتھوں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

علامہ نجم آفندی نے کم وبیش سارے نوحے کسی نہ کسی عنوان کے تحت لکھے ہیں، مثلاً شبِ عاشور، صبح عاشورہ، قومی نشان، اسوۂ حسینیؑ، نماز خوف، مسلمؑ کے لال، زینبؑ کے دُلارے، شبابِ کربلا، حسینیؑ جوان، بہشتی، علمدارؑ، علمِ علمدارؑ، شبیہ پیمبرؐ، ننھا مجاہد وغیرہ وغیرہ۔

شبِ عاشور کے عنوان سے نجم نے نہایت بلیغ اور پُراثر نوحہ کہا ہے۔ نوحے کا مطلع ہے

چاند کملایا ہُوا نکلا شبِ عاشور کو
کس قدر غم کا اندھیرا تھا شبِ عاشور کو

اس نوحے میں ایسے پُراثر اشعار ہیں جن کا تاثر بے کراں ہے۔ فرماتے ہیں

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات
بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

اس شعر کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ادب اور مرثیت اور بین وبکا کا اس قدر حسین اور اعلیٰ امتزاج دیدنی ہے۔ زندگی کے اضطراب کو بے شیر کے جھولے سے تشبیہ دینا حُسن وبیان کا حق ادا کرتا ہے۔

اسی نوحے میں فرماتے ہیں:-

ایسے بے پروا کہ گویا سر ہی شانوں پر نہیں
جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو

کیا حسین اور اعلیٰ شعر ہے، اور کس سادگی سے کہا گیا ہے کہ جنگ پر فیصلہ ہی ٹھہرا تو پھر اس فیصلہ پر اس قدر استقامت کہ پا مردوں اور بہادروں کے گویا شانوں پر سر ہی نہ ہوں۔ اسی نوحے کا ایک شعر ہے:

جانے کیوں کر رہ گئے بے پردا اسرارِ ازل
ننگے سر تھیں فاطمہؑ زہرا شبِ عاشور کو

اس شعر پر کچھ مزید لکھنا عبث ہے۔

مقطع کا شعر ہے

نجم گردوں سر بہ سجدہ ہے ستارے سرنگوں
کس سے پوچھیں تم نے کیا دیکھا شبِ عاشور کو

حسن و بیان، تاثر، درد کے میٹھے رچاؤ کا اس سے بہتر اور کیا نمونہ ہو سکتا ہے۔ اسی ذیل کا ایک نوحہ صبحِ عاشورہ کے عنوان کا ہے، جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مطلع ہے

سجدے سے سر کسی کا اُٹھا روشنی ہوئی
عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی

مطلع کا حسن محتاجِ تعارف نہیں۔ دوسرے شعر کا حسن ملاحظہ فرمایئے:

وہ سامنے حسینؑ کے میدانِ کربلا
دل میں وہ کربلائے محبت بسی ہوئی

شعر کے تیور کیا عجیب ہیں۔ حسینؑ کے سامنے میدانِ کربلا ہے اور دل میں حسینؑ کے کربلائے محبت بسی ہوئی ہے۔ اس زبان کی تعریف کچھ اہلِ زبان ہی کر سکتے ہیں۔

اس نوحے کا ایک شعر ہے

سجدہ کہ جس پہ سجدۂ کون و مکاں نثار
حیرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی

شعر کا حسن دیدنی ہے۔

تجمؔ آفندی نے ایک نوحہ 'ننھا مجاہد' کے نام سے لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ ندرتِ خیال اور حسنِ بیان کا حق ادا کر دیا ہے۔ چند ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

بے چین ہیں غربت پہ تری چاند کی کرنیں　　سو جائیں گی لاشہ ترا آغوش میں لے کر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

اُلجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم　　ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

ڈھلکی ہوئی گردن پر یداللہ کے بوسے　　سوکھے ہوئے ہونٹوں پر تصدق لبِ کوثر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی　　مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

نوحے کا یہ رنگ تجمؔ کا عطیہ ہے۔ نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آیا اور نہ اس کے بعد کسی میں یہ توفیق ہو سکی۔ ذرا ملاحظہ کیجیے ننھے مجاہد کے کتنے البیلے اور حسین تیور اور ان دیکھے روپ دکھائے گئے ہیں۔ آخری بند کی تو جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

چتون میں اکبرؑ کی جوانی چھپائے ہوئے اور مٹھی میں سجادؑ کے جوہر دبائے ہوئے ننھے سے بچے کی اس سے بہتر اور اعلیٰ تعریف کیا ہو سکتی ہے۔

اور پھر حسن یہ ہے کہ درد کا رچاؤ اپنے بند توڑ رہا ہے۔ تجمؔ کا ہر نوحہ اسی شان اور اسی آن کا ہے۔

اس مقالے کا اختتام علامہ تجمؔ کے بے پناہ پُرسوز نوحے ''پروردگارِ غم'' پر کرنا چاہتا ہوں میرے نزدیک اردو نوحے کی تاریخ میں ایسے بلیغ نوحے شاید ہی چند ایک لکھے گئے ہوں۔ نوحہ ملاحظہ فرمائیے۔ نوحے کے کچھ حسین گوشوں کی طرف نشاندہی کی بھی کوشش کروں گا۔

شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا　　حسین درد کے پروردگار کیا کہنا
وہ خشک لب وہ گریباں رنگے ہوئے خوں میں　　نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

وہ سر، وہ طرۂ خیرالبشر وہ پیکرِ نور | گلے کی زیب وہ زخموں کے ہار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشاں نہ رہے | تڑپ کے روک لیا دل پہ وار کیا کہنا
وہ تیرے صبر کی آغوش و لاشۂ اصغرؑ | یہ دل یہ دل پہ ترا اختیار کیا کہنا
بھلا دیا وہ تبسم بھی دردِ ملت نے | رہا نہ یاد سکینہؑ کا پیار کیا کہنا
یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا | یہ تیرے دوش یہ کوہِ وقار کیا کہنا
جناں کا قصد لہو کر کے شیر زہراؑ کو | پسند آگئی خنجر کی دھار کیا کہنا
وہ نانا جان کی امت سے کی وفا تو نے | تیری وفا پہ دو عالم نثار کیا کہنا
شہید ظلم زمانہ شہید ہے تیرا | ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ دل میں دردِ محبت یہ تجمؔ جوش سخن
یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

نوحہ کا کمال یہ ہے کہ زبانِ نوحہ خواں درد بن جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجمؔ اس نوحہ میں مجسم درد بن گئے ہیں۔نوحے کا مطلع ہی اس غضب کا ہے۔

حسینؑ کو درد کے پروردگار کہنا صرف تجمؔ کا حق ہے۔لفظوں کی یہ ترکیب ایسی انوکھی ہے اور پھر اس ترکیب کا قبول دوام تجمؔ ہی کا عطیہ ہے۔ بارگاہِ حسینیؑ میں اس سے بڑا ہدیۂ تبریک اور کیا ہوسکتا ہے۔

دوسرے شعر کا حسن کچھ اہل زبان ہی محسوس کرسکتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ حق پر مر مٹنے والوں کا عجیب وغریب انداز ہے، ان کے لب خشک ہیں۔ان کے گریبان انھیں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ اللہ اللہ حسینؑ کے چمن کے غنچہ وگل پر یہ کیسا نکھار ہے جس کی تعریف کے لیے زبان ساتھ نہیں دیتی۔

تیسرے شعر کا حسن وسوز محتاج تعارف نہیں

چوتھے شعر کی زبان اپنے حسن وابلاغ کے لحاظ سے منفرد ہے شاعر کا مخاطبہ سیدالشہداؑ کی طرف ہے۔فرماتے ہیں کہ وہ تیرا سر جو طرۂ خیرالبشر تھا، جس کا پیکر نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، ایسے مطہر اور مقدس پیکر کے گلے کی زیب یعنی خنجر کی دھار اور زخموں کے ہار یعنی تیر وتبر کے

فہرست نوحے

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال	صفحہ نمبر
1	ایلچی	اے مسلمِ غریب صداقت کے ایلچی	(20)	مسلم ابن عقیل	1247
2	ترکِ وطن	آج مدینہ میں ہیں غم کی فراوانیاں	(15)	مدینہ سے روانگی	1248
3	مدینہ کا سلام	سفر ہے کس کا کہ طوبا سلام کہتا ہے	(26)	مدینہ سے روانگی	1250
4	مرکزِ رحمت	قسمت سے کربلا کی شبیرؑ آ رہے ہیں	(18)	ورود کربلا	1252
5	دھرم پربت	اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے	(14)	کربلا	1253
6	حسینی تعمیر	پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا	(26)	ورود کربلا	1254
7	شب عاشور	چاند کمہلایا ہوا نکلا شبِ عاشور کو	(13)	شبِ عاشور	1255
8	عاشور کی شب	دن ختم تھا آئی ہوئی عاشور کی شب تھی	(30)	شبِ عاشور	1256
9	صبحِ عاشور	سجدے سے سر کسی کا اٹھا روشنی ہوئی	(14)	صبحِ عاشور	1258
10	قومی نشان	نشانِ فوجِ پیمبرؐ سجایا جاتا ہے	(16)	پرچم عباسؑ	1259
11	اُسوۂ حسینؑ	حسینؑ رن میں آ گئے یہ کارواں لیے ہوئے	(11)	امام حسینؑ	1260
12	نمازِ خوف	یہ کن پیاسوں کے سجدے ہیں کہ دنیا تھرتھراتی ہے	(12)	نماز ظہر عاشور	1261
13	مسلم کے لال	بے جاں ہیں مگر جانِ قبیلہ جن و بشر ہیں	(10)	پسران مسلم	1262
14	زینبؑ کے دلارے	کس شوق سے چاہت سے مقتل کو سدھارے ہیں	(20)	عونؑ و محمدؑ	1263
15	زینبؑ کے لاڈلے	یہ کربلا کی جنگ یہ بچوں کے ولولے	(18)	عونؑ و محمدؑ	1265
16	شبابِ کربلا	علیؑ کے لاڈلے سرورِ ریاضِ مصطفیؐ قاسم	(20)	حضرت قاسم	1266
17	حسینی جوان	رونقِ دشتِ نینوا قاسم	(18)	حضرت قاسم	1268

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال	صفحہ نمبر
18	پریم پنچھی	پریم نگر کا پنچھی قاسمؑ موت سے بیاہ رچانے گیا	(11)	حضرت قاسمؑ ہندی	1269
19	بہشتی	کربلا میں شانِ عباسؑ دلاور دیکھنا	(13)	حضرت عباسؑ	1270
20	علمدارؑ	اے جانِ و دلِ حیدرؑ کرار علمدارؑ	(20)	حضرت عباسؑ	1271
21	عَلم اور علمدارؑ	کیا قیامت ہے یہ کیا منظر دکھاتا ہے عَلم	(26)	حضرت عباسؑ	1272
22	شبیہ پیمبرؐ	تھا موت کا تقاضا اکبرؑ کو زندگانی	(11)	علی اکبرؑ	1274
23	علی اکبر	ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ و شاب آیا	(14)	علی اکبرؑ	1275
24	کڑیل جواں	کیا سخت ماجرا ہے کہانی حسینؑ کی	(19)	علی اکبرؑ	1276
25	اسلامی جوان	وہ عشرہ کی سحر اور وہ صدائے دلستاں اکبرؑ	(16)	علی اکبرؑ	1278
26	حسینی سیوا	اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دھن موت کی سگری رت رہی	(11)	علی اکبرؑ	1279
27	ننھا مجاہد	اے معرکۂ قوتِ اسلام کے جوہر	(15)	علی اصغرؑ	1279
28	گود کا مسافر	اے غم کے راحتِ جاں اے درد دل کے پالے	(11)	علی اصغرؑ	1281
29	ننھا سپاہی	غربت کا بیکسی کا بادل سا چھا رہا ہے	(19)	علی اصغرؑ	1282
30	عزتِ اسلام	جنگ میں بچوں کو شاہِ کربلا لے جائیں گے	(13)	شہدائے کربلا	1283
31	آخری جاں نثار	کعبہ میں بلند ہوئی عصر کی اذاں	(19)	مجاہد کمسن	1284
32	نو مائیں	ہاتھ آئے تھے کیا کیا گُلِ زہراؑ کو فدائی	(20)	شہدائے کربلا	1285
33	عالم تنہائی	مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا	(20)	امام حسینؑ	1287
34	بندۂ بے نیاز	زمیں کو زیرِ قدم آسماں بنائے ہوئے	(44)	امام حسینؑ	1288
35	فاتح کربلا	حسینؑ قلبِ دو عالم ہلائے جاتے ہیں	(12)	امام حسینؑ	1291
36	حسینی رضا کار	ذبح جب ان میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا	(23)	امام حسینؑ	1292
37	دکھ کا ساگر	ڈوبی ہوئی دُکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی	(11)	شام غریباں ہندی	1293
38	اسلام کا سلام	اے رئیسِ دوسرا تجھ پہ سلام اسلام کا	(14)	امام حسینؑ	1294
39	ذوالجناح	اے ذوالجناح اے شۂ بے کس کے راہوار	(15)	ذوالجناح	1295

54	ہمارا کارواں	وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا	(13)	شہدائے کربلا	1321
55	پروردگارِ درد	شہید ظلم غریب الدّیار کیا کہنا	(14)	امام حسینؑ	1323
56	ملّتِ ناکام	جلوہ گرِ کربلا تیرا ہی یہ کام ہے	(13)	ملّت	1324
57	یثرب سے آنے والے	اے دشتِ کربلا میں یثرب سے آنے والے	(13)	امام حسینؑ	1325
58	درود وسلام	اب سحر آئے اور نہ شام آئے	(13)	امام حسینؑ	1326
59	نہرِ علقمہ	پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ	(12)	شہدائے کربلا	1327
60	جانِ کربلا	جانِ کربلا تو نے راہِ حق دکھا دی ہے	(11)	شہدائے کربلا	1328
61	تصوّرات	دنیا دکھائی دیتی ہے ماتم سرا مجھے	(12)	فکرِ شاعر	1329

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال	صفحہ نمبر
62	پیارا سجدہ	راج دلارا زہراؑ کا زخمی ہے اور پیاسا ہے	(11)	امام حسینؑ	1330
63	پہلی مجلس	بھر دیا جوشِ عمل اسلام کی تلوار میں	(11)	امام حسینؑ	1331
64	سینہ زنی	آج تک اسلام کی جلوہ گری رہ گئی	(11)	سینہ زنی	1332
65	شبیرؑ کا پیغام	تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے	(9)	امام حسینؑ	1333
66	صبر عالم اُن ……	رن میں اصغرؑ تیر کھا کر رہ گئے	(9)	حضرت علی اصغرؑ	1334
67	شہیدِ ظلم	شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تونے	(14)	امام حسینؑ	1335
68	مظلوم کا حق	مظلوم کا حق ہے عالم پر ہیں دونوں جہاں غمخواروں میں	(12)	امام حسینؑ	1336
69	مجبوریاں	امت ہوئی ہے درپئے آزار کیا کریں	(9)	شہدائے کربلا	1337
70	نوحہ	سرورے کے کربلا میں شۂ اُنس وجاں رہے	(9)	شہدائے کربلا	1338
71	نوحہ	کشتۂ کرب و بلا یادِ خدا کر گئے	(9)	شہدائے کربلا	1338
72	امتحان	امتحان کچھ اور باقی ہے تو ایسا بھی سہی	(9)	علی اصغرؑ	1339
73	قربانیاں	یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ دیا	(9)	امام حسینؑ	1340
74	اعجازِ کرم	باقی نہ رہا جب کہ حکومت کا سہارا	(28)	شہدائے کربلا	1340
75	تبلیغِ محبت	مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو	(16)	تبلیغ پیام حسینیؑ	1342
76	علم بدوش	حسینؑ سے ہے دینِ حق حسینؑ دیں پناہ ہے	(18)	حسینیتؑ	1343
77	اسلام رہے گا	ہر عالمِ نو میں کرمِ عام رہے گا	(24)	عزاداری	1344
78	الوداع	موسمِ غم ختم ہے اے گلعذارو الوداع	(10)	شہدائے کربلا	1346
79	درشن کا اُجالا	درشن کا اُجالا لے کے چلے انکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے	(12)	شہدائے کربلا	1347
80	اللہ والے	وہ جنگل میں یثرب کی گودی کے پالے	(14)	شہدائے کربلا	1348
81	صبر و رضا	ظلم کی دنیا سے بیعت کے پیام آتے رہے	(12)	شہدائے کربلا	1349
82	کارنمایاں	خدا کی رہ میں کارنمایاں ایسے ہوئے ہیں	(9)	امام حسینؑ	1350

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادِشعر	درحال	صفحہ نمبر
83	جگت گرو	اب حسینؑ اکیلے ہیں لٹ چکی جو مایا تھی	(9)	امام حسینؑ	1351
84	اے حسینؑ	صبر اور تلوار کی حامی ہے دنیا اے حسینؑ	(17)	امام حسینؑ	1351
85	ست جگ کا ستارہ	پر بھوا مے گلا کٹا یو گھر بھر دیو لٹائے	(26)	شہدائے کربلا	1352
86	عازمِ نجف	جاتے ہو کہاں دوش پہ زلفوں کو سنبھالے	(24)	زوّار	1354
87	حسینیت	سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے	(20)	حسینیت	1356
88	تیرہ سو برس بعد	اے صاحبِ دل واقفِ اسرارِ زمانہ	(39)	عزاداری	1360
89	حسینؑی ورثہ	سنسان تھی بستیِ یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جایا تھا	(12)	امام حسینؑ	1363
90	راہِ خدا	ملّت کا شیدا حق کا شناسا	(20)	امام حسینؑ	1364
91	حسینؑ کی دولت	یثرب کی نینوا کے ستم پر نظر نہیں	(11)	شہدائے کربلا	1365
92	حسینؑی کارواں	حسینؑ ابن علی اسلام کا درد نہاں سمجھے	(12)	شہدائے کربلا	1366
93	غم کا منتظر	ڈھلا عاشور کا دن فاطمہؑ کا لال تنہا ہے	(17)	شہدائے کربلا	1367
94	نازشِ اسلام	کربلا میں کس کا سر نیزہ پہ اے اسلام تھا	(14)	امام حسینؑ	1368
95	موت کا تعاقب	پُر درد ہے نہایت اسلام کا فسانہ	(12)	امام حسینؑ	1369
96	پیغام کربلا	جہاں نواز جو پیغام کربلا نہ رہے	(11)	امام حسینؑ	1370
97	شہزادۂ انوار	عشرہ کا وہ دن وہ شۂِ ابرار کا عالم	(30)	امام حسینؑ	1371
98	پریم کہانی	کربلا کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے	(11)	شہدائے کربلا	1372
99	تیرہ سو برس	غمِ شبیرؑ و چشمِ تر کو تیرہ سو برس گزرے	(11)	عزاداری	1373
100	صبرِ فاطمیؑ	خدا را سامنے سے ہر غمِ دنیا ہٹا دینا	(12)	عزاداری	1374
101	مظلوم کا سہارا	تیر سے بے زباں کو مارا ہے	(14)	شہید کربلا	1375
102	غم کا خلش	جان ڈالی پیکرِ اسلام میں شبیرؑ نے	(13)	شہیدائے کربلا	1376
103	راہِ کربلا	پڑا جو وقت تو اسلام کو بچانہ گیا	(13)	واقعہ کربلا	1377
104	شانِ وفا	خدا کے راہ میں گردن کٹائی جاتی ہے	(12)	امام حسینؑ	1378

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	درحال	صفحہ نمبر
105	شانِ شہادت	سوئے جنت سدھارے جانِ زہرؑا کربلا ہوکر	(11)	امام حسینؑ	1379
106	جانوں کی قیمت	وہ ڈوبے ہوئے خوں میں دریا کنارے	(11)	شہدائے کربلا	1380
107	من چلے	خون کی ندیوں سے بھی اہلِ وفا گزر گئے	(11)	شہدائے کربلا	1381
108	نقشِ وفا	خلق میں افسانۂ کرب و بلا رہ گیا	(10)	امام حسینؑ	1382
109	راہِ عمل	کانپیں گے دل حسینؑ کا ایثار دیکھ کر	(14)	امام حسینؑ	1383
110	اجرِ رسالتؐ	کیا مستقل حسینؑ کی بیگانگی رہی	(12)	شہدائے کربلا	1384
111	صراطِ شہادت	ملت پہ اے حسینؑ ہیں احسان آپ کے	(12)	امام حسینؑ	1385
112	اشکوں کی جزا	جس کو غمِ شبیرؑ کی توفیق خدا دے	(11)	عزاداری	1386
113	تکبیر والے	مدینہ کی بستی سے آئے ہوئے ہیں	(14)	شہدائے کربلا	1387
114	زندہ کارنامے	بلا اسلام پر آتے ہی سوئے نینوا آئے	(11)	شہدائے کربلا	1388
115	نفسِ مطمئن	سر دیدیے بلا میں جو اسلام آگیا	(11)	امام حسینؑ	1389
116	تنہا	میدان میں شبیرؑ جو تنہا نظر آئے	(11)	امام حسینؑ	1390
117	پیمبری	قسمتِ ذوالفقار میں یہ بھی تھا کارِ آخری	(14)	شہدائے کربلا	1390
118	سجادۂ طاعت	اب عصر کا ہنگام ہے اور یادِ خدا ہے	(11)	امام حسینؑ	1391
119	اعلانِ حق	زندہ ہے کربلا میں گردن کٹانے والا	(12)	امام حسینؑ	1392
120	جوہرِ صبر	کس طرح خزاں ہوا دینِ خدا سنوار کے	(13)	امام حسینؑ	1393
121	ورثہ داری	اے وہ لہو ہے جس کی خاکِ لحد سے جاری	(13)	امام حسینؑ	1394
122	قافلہ سالار	کیوں باز رہے دیدۂ جوئبار ہمارا	(13)	امام حسینؑ	1395
123	اکبرؑ کا تصور	سحر آئی شبِ غم کی ستارے جھلملاتے ہیں	(11)	علی اکبرؑ	1396
124	کربل کی آہ	فاطمہؑ کے گل بدن جانِ رسولؐ زمن	(7)	امام حسنؑ	1397
125	زینبؑ آئی	جینے سے گھبرائی ہے زینبؑ	(20)	حضرت زینبؑ	1397
126	نوحہ	اب کوئی نہیں قتل ہوئے سیّد ابرار	(16)	وسعتِ امامؑ	1399

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حال	صفحہ نمبر
127	نوحہ	اے فاطمہؑ زہرا کے غم و درد کی تصویر	(17)	حضرت زینبؑ	1400
128	نوحہ	جاتی ہے زینبؑ وطن بالی سکینہؑ بغیر	(9)	شہدائے کربلا	1401
129	مسافر کہاں ہے جو رہا	تین دن بھوکا پیاسا	(14)	امام حسینؑ	1402
130	کاروانِ ماتم	راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں	(17)	عزاداران	1403
131	اسلام کا غرور	میدان سے لاشیں آئی ہیں چہرے بحال ہیں	(22)	پسران مسلم	1405
132	جعفری نونہال	بستانِ جعفری کے نہالوں کو دیکھنا	(22)	عون ومحمدؑ	1407
133	آمد شباب	جنگل کے تیرگی کا اُجالا بنے ہوئے	(20)	حضرت قاسمؑ	1409
134	فرات پر	تو کاروانِ درد سراپا نہ بن گیا	(18)	حضرت عباسؑ	1410
135	پیاس	کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں	(13)	امام حسینؑ	1412
136	کربلا نہ بھولیں گے	ظلم جو مسافر پر ہوگیا نہ بھولیں گے	(19)	عزاداری	1413
137	میر کارواں اصغرؑ	زندگی کی راہوں میں نورِ جاوداں اصغرؑ	(12)	علی اصغرؑ	1415
138	حسینؑ کا چہلم	چہلم کرو حسینؑ کا آو حسینیو	(13)	اربعین	1416
139	رگِ جاں	انصارِ حسینؑ میں نمایاں علی اصغرؑ	(18)	علی اصغرؑ	1417
140	ہائے کربلا والو	اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو	(12)	شہدائے کربلا	1419
141	پروانۂ شبیرؑ	سینوں میں یہی دل ہیں عزا خانۂ شبیرؑ	(10)	عزادار	1420
142	نوحہ	تو فرش پہ ہے عرش کی تنویر سکینہؑ	(12)	حضرت سکینہؑ	1421
143	چہلم	چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورعین کا	(19)	چہلم	1422
144	پردیسی	شبیرؑ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں	(12)	امام حسینؑ	1425

علامہ اپنے قصاید ارنوحوں کی بیاضوں میں اپنے پوتے، پوتیوں، نواسے اورنواسیوں کی تاریخ ولادت کا فی محفوظ کر دیتے تھے

منتخب اشعار

(133)

تجھ پہ اے مظلوم بھارت کے سپوتو کا سلام — ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام

کیا جوش تولا کا ہے معیار نہ بھولو — یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا — کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے — اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لیے

تبدیل نظامِ قدرت ہو تو نے ہی گوارا خود نہ کیا — سنتے ہیں بدلنے والا تھا کونین کا نقشہ تیرے لیے

کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی — سوئی ہوئی ملت کی غیرت کو جگانا ہے
یہ کس نے جھکایا ہے سرطاعتِ خالق میں — کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھانا ہے
احمدؐ کا نواسا ہے معراج بھی پائے گا — نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے

اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو — کیا تونے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے

زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ — نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا

خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں آج وہ روحِ عمل مقصدِ اقوام ہے

عالمِ امکاں میں ہے آج وہ ملّت بلند دل سے لگائے ہوئے جو ترا پیغام ہے

تیری نظر کے نثار ایک نظر دیکھ لے رُو بہ زوال آج پھر ملّتِ ناکام ہے

اُس کے در پہ سجدے کر اے غرورِ انسانی جس نے آدمیت کی آبرو بچائی ہے

فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو سو رہا ہے کربلا کی منزلِ بیدار میں

تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے اے شہیدؑ کربلا اسلام تیرا نام ہے

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تو نے حسینؑ درد کے دریا بہا دیے تو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا اذیتوں میں تبسّم کھلا دیے تو نے
زمینِ کرب و بلا پر خلیلِ کرب و بلا ہزار کعبۂ معنی بنا دیے تو نے
ہر اک ذرۂ بے حس میں اک تڑپ بھر دی دماغ وضع کیے دل بنا دیے تو نے

آج اُس سے عبادت باقی ہے آج اس سے نمازیں قائم ہیں کل ایک مصلا بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں

اے چرخ جس کے ہاتھ میں ہو نظمِ کائنات		وہ کربلا سے شام تلک سارباں رہے

تا قیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں		ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعی بے جا بھی سہی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے		تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اے ہند کے مزدور سپوتو ادھر آؤ		مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غم خوار ہے سب کا		ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے		دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے		محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا		دنیا میں حجمِ چشم حقیقت مگر نہیں

تصدق میں شہیدانِ وفا کے وہ بھی دن آئیں		حسینیؑ کارواں کا رخ یہ قومی کارواں سمجھے

خطبۂ سجادؑ ہو یا ہو رجزِ شبیرؑ کا		ان کا ایک اک حرف شرحِ عزتِ اسلام تھا

مایا نے جنہیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے		یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

کربلا کو بنا گیا کعبہ		کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے

اُس مکاں سے بلند ہیں شعلے　　حق نے تارا جہاں اُتارا ہے

ہمیں دیارِ مدینہ سے یہ شکایت ہے　　کہ یہ حسینؑ کے ہمراہ کربلا نہ گیا

کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے　　کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

جوانا مرگ تھے عباسؑ بھی اکبرؑ بھی قاسمؑ بھی　　وفا داروں میں آئی تھی جوانی بے وفا ہو کر

یہ کیسا شکر کا کلمہ تھا مولاؑ قتلِ اصغرؑ پر　　رہے گا حشر تک ہر لفظ جس کا مرثیا ہو کر

ابر و ہوا و ارض و سماوات دشت و در　　ساکت ہیں مرضیٔ شہِ ابرار دیکھ کر

یوں ہوگئی شہیدوں کی لاشوں پہ روشنی　　تاروں کے کچھ چراغ جلے چاندنی رہی

مظلوم کے ایثار کی قوت کو نہ پوچھو　　ماتم میں یہ قوت ہے کہ دنیا کو ہلا دے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے　　بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

ہو آلِ مصطفیؐ کا لہو جس کے دوش پر　　وہ انقلاب دہر نہ کیوں یادگار ہو

طوفانِ آب تیغ بھی شرما کے رہ گیا　　بچے ذرا ذرا سے لہو میں نہا گئے

تعجب ہی کیا ہے خدائی جو لے لیں　　خدا کے لیے گھر لٹا دینے والا

زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات　　　بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

جانے کیوں کر رہ گئے بے پردا اسرارِ ازل　　　ننگے سر تھیں فاطمہ زہراؑ شبِ عاشور کو

بے چین ہیں غربت پہ تری چاند کی کرنیں　　　سو جائیں گی لاشہ ترا آغوش میں لے کر

الجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم　　　ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی　　　مٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر

تجھ سے مجاہد علی اصغرؑ علی اصغرؑ

ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پر نہیں　　　جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شب عاشور کو

شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں　　　صبحِ محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اک نظر　　　عزت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی
اک ذاتِ سرفروش اور اک ذاتِ کردگار　　　مرکز سے کائناتِ دوعالم ہٹی ہوئی
وہ نفسِ مطمئن کا سرِ عرش سے خطاب　　　جنبش سی وہ لبوں کو وہ گردن ڈھلی ہوئی

اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکرائی ہے　　　اُس دیش کی تجھی دور ہوا جس دیش پہ یہ غم چھائے ہے

چشم خوں آلود میں اشکِ سکینہؑ کی تری　　　لعل لب پر خشکی لب ہائے اصغرؑ دیکھنا

نبض کی رفتار زینبؑ کا مسلسل اضطراب   دل کی دھڑکن جنبشِ گیسوئے اکبرؑ دیکھنا
چہرۂ پُرنور پر زردی رُخِ سجادؑ کی   چین آبرو میں غمِ سبط پیمبرؐ دیکھنا

میں نجم ایک ذرہ ہوں تیری رہگزر کا   شاعر ہوں تیرے در کا اے عرشِ آشیانی

ننھا سا یہ مسافر دیکھو رہِ رضا کا   تاریخ اس کو فاتح لکھے گی کربلا کا
جھولے کو چھوڑ کر جو مقتل کو جا رہا ہے

سارے جہاں سے کہہ دو کون و مکاں سے کہہ دو   یہ روحِ کارواں ہے ہر کارواں سے کہہ دو
پیاسا ہے تین دن کا اور تیر کھا رہا ہے

سویا علیؑ کا لال دو عالم کو جیت کر   مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

ہمت یہ استوار کہ ہر لب پہ شکرِ حق   چہروں سے آشکار کہ ہر دل دکھا ہوا

یک بہ یک اٹھا فضا میں زینبؑ کبریٰ کا ہاتھ   ہاتھ کا اٹھنا کہ سناٹا سا تھا چھایا ہوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے   اس میں تھراہٹ کہاں مجمع تھا تھرایا ہوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے   دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہوا

نجمی کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا   کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آ گیا

ہمراہ ہوں اے نجم یہ نوحے یہ قصیدے   جب ملکِ عدم کے لیے حکمِ سفر آئے

نجم اِسی کے فیض سے شاعرِ اہلِ بیتؑ ہوں
دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرّہ پروری

اے نجم کچھ نہ پوچھو اُس وقت کی جلالت
تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِ والا

سوئے دیارِ کربلا جب کوئی قافلہ گیا
نجم وہ بدنصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے

ردتِ عزا پہن کر اے نجم گھر سے نکلو
ہندوستاں میں آئی سرکار کی سواری

سُنا ہو اور دیکھا ہو کبھی اہلِ تولا نے
ہمیشہ نجم اس انداز کو نوحہ سناتے ہیں

نجم ہمیں نزع میں صرفِ عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

وہ سامنے ہے علَم کی شبیہ نجم اٹھو
وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے

جہاں کو درس دے رہے ہو اُسوۂ حسینؑ کا
بیاض نجم دلفگار نوحہ خواں لیے ہوئے

اے نجم یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

یہ نجم تیرا شاعر دردِ نہاں کے صدقے
دل کو زباں بنادے سوکھی زباں کے صدقے

نجم اُڑ اُڑ کر ہماری خاک کے ذرّے ہمیں
یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

کیا جان دے کے نجم گیا جانِ مرتضیٰ
جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

ترا غم تیری محبت نجم کا اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا

اپنے کو جو چاہے نجمی اُس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہر لیں ہمارا

دوش پر فوجِ حسینؑ کا علم لے کر چلو
نجم آو بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو

نجم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی
دربار میں شامل ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ ترا تیرے لیے

ہے نجم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے
کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

یہ دل میں دردِ محبت یہ نجم جوشِ سخن
یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

در پہ تیرے صف بہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی
نجم کی خاطر فقط گردشِ ایام ہے

یہ نجم نوحہ گر کا نوحہ قبول کر لے
اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

نجم آئے تو اہلِ دل نے کہا
درد یکسر غم تمام آئے

عازمِ زیارت ہے نجم ایک مدّت سے
کس کو اب صدا تو نے ارضِ کربلا دی ہے

شاعر ہوں اہلبیتؑ کا میں نجم دلفگار
پہنچانتے ہیں کشتۂ راہِ خدا مجھے

نجم غرورِ ملّت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا
ایسا مجاہد عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی　　　اک حقیقت اک تڑپ ہے ججم کے اشعار میں

ججم غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی　　　یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

کب حضوری میں بلاتے ہیں حسینؑ ابن علیؑ　　　دیکھتا ہوں ججم کب تک گردشِ ایام ہے

مزا ملا ہے وہ دل کو تری ولا کے نثار　　　حیاتِ ججم کے لمحے بڑھا دیے تو نے

جنت کی سند بن جائے گی اے ججم ثنائے آلِ نبیؐ　　　نظمیں یہ ہماری پہنچیں گی جب ان کی سخی سرکاروں میں

سرکارِ اہلبیتؑ کا شاعر بنا دیا　　　اب اور ججم طالعِ بیدار کیا کریں

مرکزِ غمِ حسینؑ کا ہندوستاں ہے ججم　　　آباد پُر بہار یہ ہندوستاں رہے

کربلا جانے کا کچھ ساماں نظر آتا نہیں　　　ججم دل پر ایک یہ داغِ تمنا بھی سہی

مجھے ججم کوئی کہا کرے میں بلندِ اوجِ فلک سے ہوں　　　مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مہ و مہر سے بھی بڑھا دیا

کچھ غور کرو ججم کے مفہوم سخن پر　　　دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دو ہے ہیں کچھ نوحے ہیں　　　ججی یہی مایا لائے تھے ججی یہی مایا چھوڑ گئے

اسی دھن میں نالے کئے جاؤ ججی　　　یہ نوحے ہیں دل کو ہلا دینے والے

سُنا کر نجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا　　مسلمانوں کو سمجھا دو مسلماں ایسے ہوئے ہیں

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو نجمی　　آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

نجمی حسینیت کی طرف جھک رہے ہیں دل　　مصروف غور و فکر میں ساری خدائی ہے

رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت　　نجمی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت

اس دیس کی آنکھیں بھی نجمی پیاسی تھیں حسینؑ درشن کی　　بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولاؑ سے　　وہ لمحے زندگی کے نجم ہم نے رائیگاں سمجھے

شۂ دیں کا تصرف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ　　میں جس عالم میں ہوں اے نجم دنیا کو خبر کیا ہے

حالت ہی نجم کب تھی نوحہ گری کے قابل　　ہم چپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسینؑ اے نجم　　محال ہے کہ یہاں غم حسینؑ کا نہ رہے

نجم آتے ہیں وہ آہ بہ لب دست بہ سینہ　　دیکھے تو کوئی شاعرِ سرکار کا عالم

نجمی وہ بڑے دل والے تھے دل امام سے دھک دھک کرتے ہیں　　یاد ان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھمک بن جاتی ہے

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو　　فضائے کربلا میں نجم کا نوحہ سُنا دینا

اب غلاموں میں وہ گنے نہ گنے　　نجم آقا یہی ہمارا ہے

(1)

ایلچی

اے مسلمِ غریب صداقت کے ایلچی   دینِ مبین حق کی حکومت کے ایلچی
پیغمبرؐ خدا کی امانت کے ایلچی   ایثار کے وفا کے شرافت کے ایلچی
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تیری ادائے مرگ کی دنیا شہید ہے   تاریخ ہے گواہ کہ پیاسا شہید ہے
روئے جسے حسینؑ وہ تنہا شہید ہے   کوفے میں کربلا کا تو پہلا شہید ہے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

نکلا وطن سے بارِ سفارت لیے ہوئے   فرمانِ بارگاہِ امامت لیے ہوئے
آقا کے اعتماد کی دولت لیے ہوئے   شبیرؑ کا پیامِ محبت لیے ہوئے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

دیکھا کوئی سفر نہ اس آن بان کا   بچوں کی فکر تھی نہ خیال اپنی جان کا
ہر لب پہ تذکرہ ہے وصیت کی شان کا   غم تھا دمِ اجل تو علیؑ کے نشان کا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

مسلم تیری وفا کے مسلماں گواہ ہیں   تاریخ کے حروفِ درخشاں گواہ ہیں
شمس و قمر کے دیدۂ حیراں گواہ ہیں   غربت پہ تیری کوفہ کی گلیاں گواہ ہیں
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا لڑا ہزار سے اللہ رے حوصلا   وہ دور بیکسی کا شجاعت کا ولولا
ٹھہرا نہ سامنے کوئی جانباز من چلا   کوفے کی تھی گلی تیرا میدانِ کربلا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا پہ فوج بھیجی تھی ابن زیاد نے　　طبقے اُلٹ دیئے تیرے جوشِ جہاد نے
پیہم شکست کھائی گروہ فساد نے　　مارا تجھے فریب سے اہلِ عناد نے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

کیا کیا تھیں حسرتیں دلِ اُمیدوار میں　　پہنچا نہ پھر حضور شۂ ذی وقار میں
آیا نہ فرق پر تیرے قول وقرار میں　　کوفے کے در پہ لاش رہی انتظار میں
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

بچے بھی تیرے بعد بہت دن نہیں جئے　　کوفے سے دو عدم کو گئے حسرتیں لیے
جن بیکسوں کی موت پہ دشمن بھی رودیئے　　دو کربلا میں سوتے ہیں جامِ اجل پئے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تونے خدا کی راہ میں کیا کیا نہ غم سہا　　روحِ وفا نے چونک کے صلِ علیٰ کہا
تیرے جگر کا خونِ اس افراط سے بہا　　نسلِ عقیل میں کوئی باقی نہیں رہا
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

(2)

ترکِ وطن

آج مدینہ میں ہیں غم کی فراوانیاں　　آج مدینہ میں ہیں درد کی جولانیاں
آج مدینہ میں ہیں اشکوں کی ارزانیاں　　آج مدینہ میں ہیں زلزلہ سامانیاں
سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

جاتے ہیں معمورۂ دام و درم توڑنے　　سلسلۂ نخوتِ اہلِ ستم توڑنے
بتکدۂ شام کا تازہ صنم توڑنے　　سجدۂ معبود میں خاک پہ دَم توڑنے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

دیس سے پردیس میں ظلم اُٹھانے چلے   دین کی بگڑی ہوئی بات بنانے چلے
قوتِ اسلام کی شان دکھانے چلے   خون سے بے شیر کے رنگ جمانے چلے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

خلق کے غمخوار سے شہر چھٹا گھر چھٹا   سرورِ کونین کا روضۂ انور چھٹا
قبرِ برادر چھٹی مسکنِ مادر چھٹا   ہائے وہ بیمارِ غم جس سے کہ گھر بھر چھٹا

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

آج مدینہ تیرے آئینہ پیکر گئے   زینتِ مسجد گئے رونقِ منبر گئے
صاحبِ مسند گئے وارثِ حیدرؑ گئے   جانے دیا تونے کیوں ہائے وہ کیونکر گئے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

اہلِ مدینہ سے کہہ منہ سے تو کچھ بولئے   کیسی یہ غفلت ہوئی دیدۂ دل کھولئے
نالے کئے آہ کی اشکوں سے منہ دھولئے   جانِ پیمبرؐ گیا ساتھ نہ سب ہولئے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

تجھ کو خبر بھی ہے کچھ اب نہ اِدھر آئیں گے   تیرے مسافر کبھی پھر کے گھر نہ آئیں گے
عابدؑ مضطر فقط لے کے خبر آئیں گے   داغ بہ دل آئیں گے خاک بسر آئیں گے

سیّدِ ابرار نے ترکِ وطن کردیا
قوم کے سردار نے ترکِ وطن کردیا

(3)

مدینہ کا سلام

سفر ہے کس کا کہ طوبا سلام کہتا ہے   فرازِ عرشِ مُعلّا سلام کہتا ہے
یہ کون جاتا ہے کعبا سلام کہتا ہے   مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

رہی تو کیا وہ قرینے کی زندگی نہ رہی   سکوں پسند سفینے کی زندگی نہ رہی
جو آج تک تھی مدینے کی زندگی نہ رہی   غرورِ یثرب وبطحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

حسینؑ! یہ کرمِ کار ساز کیا کہنا   درودِ عشق و سلامِ نیاز کیا کہنا
یہ حُسن کی نگہ امتیاز کیا کہنا   کسی کا جلوۂ یکتا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

کدھر سے درد کے مالک ہوائے درد آئی   یہ کس کی آہ تڑپ کر فضا میں لہرائی
چلے ہو لیکے کدھر نازشِ مسیحائی   کوئی مریض تمہارا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

یہ جانتے ہیں چلے ہو رہِ رضا کے لیے   بہت دنوں سے ہو بے چین کربلا کے لیے
حسینؑ مُڑ کے ذرا دیکھ لو خدا کے لیے   رواقِ مشہدِ زہراؑ سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نہ پوچھئے جو فضا تھی ورودِ پیہم سے   عجب نہیں جو تزلزل زمیں کو ہو غم سے
رہا جو مدفنِ مادر پہ آپ کے دم سے   بقیع کا وہ اُجالا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سفر میں دشت کوئی بھا گیا تو کیا ہوگا   جو دل فرات پہ لہرا گیا تو کیا ہوگا
کہیں عراق پسند آ گیا تو کیا ہوگا   حجازِ سیّدؑ والا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

ستم شعاروں کی سازش بروئے کار نہ ہو کسی سے جنگ محبت کے تاجدار نہ ہو
لحد میں روح پیمبرؐ کی بیقرار نہ ہو سکونِ گنبدِ خضرا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جبینِ پاک سُنا ہے کہ خونچکاں ہوگی کہاں نماز تہِ تیغ جانستاں ہوگی
زمیں وہ آپ کے سجدوں سے آسماں ہوگی نبیؐ علیؑ کا مُصلاّ سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نظر کے ہیں یہ اشارے زباں نہیں کھلتی کسی کے درد کے مارے زباں نہیں کھلتی
نبیؐ کے راج دُلارے زباں نہیں کھلتی دِلوں کا درد مسیحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جو اپنی تیغ کے جوہر دکھا نہیں سکتا بُری گھڑی ہے مگر کام آ نہیں سکتا
وہ کم نصیب جو ہمراہ جا نہیں سکتا وہ لطفِ خاص کا پیاسا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام راہِ رضا کا ازل سے تا بہ اَبد سلام روحِ ولا کا ازل سے تا بہ اَبد
سلام اہلِ وفا کا ازل سے تا بہ اَبد ہر ایک چاہنے والا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام تم پہ خدا کے غریب بندوں کا ہر ایک قوم کے ملت کے حق پسندوں کا
سلام سارے زمانے کے درد مندوں کا حسینؑ سارا زمانا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

مرکزِ حُرّیت

قسمت سے کربلا کی شیئز آرہے ہیں　　جنگل میں دردِ دل کی بستی بسا رہے ہیں
شاید اُنھیں کو دنیا لشکر سمجھ رہی ہے　　کچھ اپنے دل کے ٹکڑے ہمراہ لا رہے ہیں
صدقے میں کارواں پر کیا عزمِ کارواں ہے　　اصغر کا شوق دیکھو گودی میں آرہے ہیں
کیا چھوٹ پڑ رہی ہے چہروں کے آئینوں کی　　ذرّاتِ کربلا میں جلوے سما رہے ہیں
مضبوط ہو رہا ہے اسلام ہر قدم پر　　کونین ہر نظر سے تسکین پا رہے ہیں
مفہوم ہے نرالا انداز کہہ رہا ہے　　محبوب ہیں ارادے تیور بتا رہے ہیں
انسان یا الٰہی خاطر کریں گے کیا کیا　　ہر گام پر فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں
کیا کیا نہ ہوں گے سب کو ارمانِ میزبانی　　اللہ یہ مُسافر یثرب سے آرہے ہیں
اے وائے میزبانی یہ تین دن کے پیاسے　　اپنے ہی خونِ دل کا دریا بہا رہے ہیں
یہ بے جگر مسافر نیزوں میں بڑھنے والے　　ہر کاروانِ حق کی ہمت بڑھا رہے ہیں
میدانِ کربلا کو اپنا لہو پلا کر　　دنیا میں حُرّیت کا مرکز بنا رہے ہیں
ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی　　الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں
ایمان بن گئے ہیں انسان ہوں تو ایسے　　انسانیت کی خاطر تلواریں کھا رہے ہیں
کیا پھول سے دلوں کو پتھر بنا لیا ہے　　تلواریں کھا رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
تا حشر درس لیں گے دنیا میں آنے والے　　ایسا پیام دے کر دنیا سے جا رہے ہیں
واللہ ان لبوں کو چوما ہے مصطفیٰؐ نے　　نیزے کی نوک پر بھی قرآں سُنا رہے ہیں
کیا سوز ہے انوکھا کس دبدبہ کا ماتم　　لرزش میں روحِ غم ہے دل تھرتھرا رہے ہیں

ہر ذرّۂ وطن کو اے نجم دل بنا دو
ہندوستاں میں آقا تشریف لا رہے ہیں

دھرم پربت

اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے ۔۔۔ اک چاند سروپی سورج روپی مکھڑا درس دکھاتا ہے
جب مایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی بپتا آتی ہے ۔۔۔ جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے
لودھرم کی من میں ہوک اُٹھی وہ دیس مدینہ چھوڑ چلا ۔۔۔ کانٹوں کی ڈگر سے شام نگر اک جانے والا جاتا ہے
سب کعبہ کے رکھوالے ہیں کچھ بڑھے ہیں کچھ بالے ہیں ۔۔۔ سب ایک ہی کنبے والے ہیں ان سب کا نبیؐ سے ناتا ہے
کیا اکیشر روپی مایا ہے من موہن مورت اکبرؑ کی ۔۔۔ یہ چاند عرب کی بستی میں ہمشکل نبیؐ کہلاتا ہے
عباسؑ کی سج دھج دیکھو گے ان مرنے جینے والوں میں ۔۔۔ چھاتی پہ مشک مچلتی ہے کاندھے پہ علم لہراتا ہے
کیا دھاروں پر تلواروں کی بیعت کا سندیسا دیتے ہیں ۔۔۔ جب ست ہی ست ہو ہردے میں دوجا کون سماتا ہے
شبیرؑ دھرم کا پربت ہے کوئی نے کے ادھری کیا جانیں ۔۔۔ مائی میں جسے مل جانا ہو وہ پربت سے ٹکراتا ہے
اسلام کی جیون رکھشا کو بلدان ہے ننھے بچوں کا ۔۔۔ یاں گودیں خالی ہوتی ہیں واں دامن بھرتا جاتا ہے
قرآن کیسے دکھلائے گا اک بالک ہے قرآن نہیں ۔۔۔ دھرتی میں سُلا کر آئے گا جھولے سے اٹھا کر لاتا ہے
شبیرؑ کے گھر کا حال کہو پھلواری کے رکھوالوں سے ۔۔۔ سو ہُو کیں من میں اٹھتی ہیں اک پیڑ اگر مُرجھاتا ہے
اِک جینا مرنا اُن کا ہے جو جیتے ہیں مرجاتے ہیں ۔۔۔ اِک جینا مرنا اُس کا ہے جو مر کے امر ہو جاتا ہے
جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں خنجر کے تلے بھی آہ نہ کی ۔۔۔ سکھ نیند اُسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے

بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دُکھ رُوپ کہانی کربل کی
محنت پہ سوارت ہو نجمی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

حسینیؑ تعمیر

پہنچا جو قتل گاہ میں زہراؑ کا لاڈلا
تکلیفِ غم سے کانپ گئی ارضِ نینوا

آدابِ الوداع بجالائی زندگی
کی عرض بڑھ کے پیکِ اجل نے کہ مرحبا

دریا کی راہ روک لی کوفہ کی فوج نے
ساحل سے ہٹ کے دھوپ میں خیمہ بپا ہوا

آئیں نظر جو دور سے کمہلائی صورتیں
نکلی لبِ فرات سے فریاد کی صدا

جلتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پہ آہ تھی
مہرِ فلک کو اپنی تمازت سے تھا گلا

اُترے حرم نبیؐ کے قناتیں ہوئیں بلند
آواز دُور باش اُٹھی تھم گئی ہَوا

وہ گودیوں میں پھول سے بچے لیے ہوئے
ایک اِک صغیر فدیۂ سلطانِ کربلا

اس اہتمام پر بھی نگاہیں جھکی ہوئی
تہذیب کی نقاب سے ہر مُنہ چھپا ہُوا

پردہ درِ خیام کا تطہیر کی خبر
گھیرے ہوئے جلالتِ انصارِ با وفا

دولت سرا کے در پہ ہر ایک خاص و عام کو
عباسؑ نامدار کی ہیبت کا سامنا

جنگل کی رُت بدل گئی مقصد کی شان سے
دِل راہِ حق میں ایک تھے خیمے جُدا جُدا

مرنے کو ایک سمت جوانانِ ہاشمی
لٹنے کو اک طرف حرمِ سیدؑ الورا

آیا درود اَوجِ فلک سے حسینؑ پر
بہرِ سلام آئے زمیندارِ کربلا

شانِ جلال دیکھ کے تعظیم کو جھکے
رُوحِ جمال دیکھ کے صلی علیٰ کہا

تعمیر اک حسینؑ کے پیشِ نگاہ تھی
مُدت سے تھا خیال میں نقشہ کھچا ہوا

سلطانِ دوسَرا نے خریدی یہاں زمیں
ہر قصر کا بہشت میں چہرہ اُتر گیا

یہ اپنی قتل گاہ بنانے کو آئے ہیں
سمجھے بنی اسد کہ بنے گی محل سرا

جانِ علیؑ کو بات بنانی ہے دین کی
مقتل خریدنا ہے یہ مدفن خریدنا

سوئے گا سرکٹا کے یہاں فاطمہؑ کا لعل
تا حشر جانِ آدم و عالم بنا ہوا

اٹھارہ سال والے کی ہوگی یہیں لحد
زینبؑ سے کہہ نہ دے کوئی جا کر یہ ماجرا

اک شیر کی بنے گی ترائی میں خواب گاہ　　دریا کو جس نے چھین کے پانی نہیں پیا
قاسم عروسِ مرگ سے شادی رچائیں گے　　چھوٹی سے قبر ہوئے گی حجلہ عروس کا
اپنا لہو ملائیں گے اس خاک پاک میں　　مُسلم کے لال زینبؑ مضطر کے دِل رُبا
جھولے سے اُٹھ کے آئیں گے اصغرؑ اسی جگہ　　گز بھر زمیں ملے گی اور اِک تیر بے خطا
لیلیٰ[1] کی حسرتوں کا بنے گا یہیں مزار　　یاں دفن ہوگا خاک میں ارماں رباب[2] کا

مرکز بنے گا قوتِ اسلام کا یہ دشت
بہر طواف آئے گی یاں رُوحِ مصطفیٰؐ

(7)

شبِ عاشور

چاند کمہلایا ہوا نکلا شبِ عاشور کو　　کس قدر غم کا اندھیرا تھا شبِ عاشور کو
ہو رہی تھیں تیز تلواریں نبیؐ کی آل پر　　لرزہ براندام تھی دنیا شبِ عاشور کو
زندگی کی گود میں وہ اضطراب کائنات　　بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو
آہ نکلی سینۂ گیتی سے پہنچی تا فلک　　توڑ کر فطرت کا سناٹا شبِ عاشور کو
کربلا کے دشت میں بیخواب تھا جانِ حجاز　　سو رہے تھے یثرب و بطحا شبِ عاشور کو
متحد تھا شکرِ حق میں صبح کرنے کے لیے　　قافلہ دو روز کا پیاسا شبِ عاشور کو
تھے تبسم ریز انصارِ حسینؑ ابن علیؑ　　زندگی دلچسپ تھی گویا شبِ عاشور کو
کچھ صدائیں آرہی تھیں خیمۂ شبیرؑ سے　　درد کا طوفان تھا دریا شبِ عاشور کو
اللہ اللہ چاہتے ہیں تجھ کو انصارِ حسینؑ　　زندگی نے موت سے پوچھا شبِ عاشور کو
ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پر نہیں　　جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو

---

[1] لیلیٰؑ۔ مادرِ علی اکبر　　[2] رباب۔ مادرِ علی اصغرؑ

شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں　　　صبح محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو
جانے کیونکر رہ گئے پردہ میں اسرارِ ازل　　　ننگے سر تھیں فاطمہ زہراؑ شبِ عاشور کو
انجم گردوں سر بسجدہ ہے ستارے بے زباں
کس سے پوچھیں تم نے کیا دیکھا شبِ عاشور کو

(8)

عاشور کی شب

دن ختم تھا آئی ہوئی عاشور کی شب تھی　　　کس غم کی ستائی ہوئی عاشور کی شب تھی
اشکوں میں نہائی ہوئی عاشور کی شب تھی
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
بگڑی ہوئی تھی عالمِ اسباب کی صورت　　　اِک درد تھا گھیرے ہوئے گرداب کی صورت
افلاک پہ سہمی ہوئی مہتاب کی صورت
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
خورشید کو شکل اپنی دکھانے میں تامل　　　فطرت کو تھا دنیا کے جگانے میں تامل
صبحِ شبِ عاشور کو آنے میں تامل
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
شبیرؑ کے انصار میں تھی یادِ الٰہی　　　سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تشہد کی گواہی
رکھے ہوئے تھے خاک پہ ماتھوں کو سپاہی
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی
اخلاص بڑھاتا ہُوا ہر سانس کا پھیرا　　　پُر نور جبینوں سے جھلکتا تھا سویرا
سمٹا ہوا تھا شام کے لشکر کا اندھیرا
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

محسوب تھے کچھ تنگ نظر خوش نظروں میں   کم ظرف سموئے ہوئے خالی گھروں میں
کھوٹے بھی کئی مل گئے تھے آکے کھروں میں
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

اے صلِ علیٰ ہمتِ مردانۂ شبیرؑ   حیران تھے افلاک و زمیں صورتِ تصویر
دربار میں گونجی ہوئی شبیرؑ کی تقریر
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

مقصد تھا کہ میرے لیے زحمت نہ اُٹھائے   جانا ہو جسے شب کے اندھیرے میں وہ جائے
بیٹھا تھا رسالت کا قمر شمع بُجھائے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

کمزور یہی ڈھونڈتے رہتے ہیں سہارے   تھرّاتا رہا چاند لرزتے رہے تارے
جانا تھا جنہیں منہ کو چھپا کر وہ سدھارے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

وہ رہ گئے مولاؑ پہ جو انصار تھے صدقے   کتنے درِ دولت کے نمک خوار تھے صدقے
خیمے میں اُدھر صبح سے تیار تھے صدقے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

قربانیوں کی فکر میں تھے شہؑ کے یگانے   دِل بخشا تھا کیا ثانیٔ زہراؑ کو خدا نے
بچوں کو سُنائی تھیں شجاعت کے فسانے
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

قاسمؑ کو یہ حسرت تھی کہ آقا پہ ہوں قرباں   سہرا تھا نہ بدّھی تھی نہ تھا بیاہ کا اَرماں
چہرہ تھا یہاں شوقِ شہادت میں درخشاں
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

تیار تھے مرنے کو جگر بند ہَراول   تھا شغل علمدارؑ کا تلوار کی صیقل
اس شیر کے نعروں سے تھا گونجا ہوا جنگل
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

دلدوز عجب خیمۂ لیلٰیؑ کا تھا منظر   سویا ہوا تھا فرش پہ ہمشکلِ پیمبرؐ
منہ دیکھتی تھی شمع جلائے ہوئے مادر
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

ایک ایک کا تھا گود کے پالوں سے اشارہ   رہنا کہیں پیچھے نہ دمِ جنگ خدا را
اصغرؑ کی بھی قسمت کا چمکتا تھا ستارا
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

(9)

صبحِ عاشورہ

سجدہ سے سر کسی کا اُٹھا روشنی ہوئی   عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی
وہ سامنے حسینؑ کے میدانِ کربلا   دِل میں وہ کربلائے محبت بسی ہوئی
وقتِ نمازِ عصر کا آنکھوں کو انتظار   کانوں میں وہ اذاں علی اکبرؑ کی دی ہوئی
بَر میں قبا تو سر پہ عمامہ رسولؐ کا   تحت الحنک بندھی ہوئی زلفیں کھلی ہوئی
وہ رخصتِ حسینؑ وہ پردہ اُٹھا ہُوا   خیمہ میں یا علیؑ کی صدا گونجتی ہوئی
انصار ادھر سلام کو باندھے ہوئے صفیں   در پر بلائیں لینے کو فضّہ کھڑی ہُوئی
دستِ جہاں پناہ میں اسلام کی نجات   راہِ خدا ثباتِ قدم سے لگی ہوئی
وہ گرد و پیش مجمعِ اَرواحِ انبیاؑ   دنیا ادب سے حدِ نظر پر رُکی ہُوئی
اُلٹی ہُوئی وہ اکبرؑ و قاسمؑ کی آستیں   عباسؑ نامدار کی تیوری چڑھی ہُوئی
پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اِک نظر   عزّت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہُوئی
وہ رفتہ رفتہ عالمِ تنہائی حسینؑ   ننھی سی قبر ہاتھ میں مٹی بھری ہُوئی

اکِ ذاتِ سرفروش اور اِک ذاتِ کردگار　　مرکز سے کائناتِ دو عالم ہٹی ہوئی
سجدہ کہ جس پہ سجدۂ کون و مکاں نثار　　حیرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہُوئی

وہ نفسِ مطمئن کا سرِ عرش سے خطاب
جنبش سی وہ لبوں کو وہ گردن ڈھلی ہوئی

(10)

قومی نشان

نشانِ فوجِ پیمبرؐ سجایا جاتا ہے　　شبابِ شیرِ خدا یاد آیا جاتا ہے
علیؑ کا لال علَم لے چکا برادر سے　　سکینہؑ بی بی کا سقہ بنایا جاتا ہے
علَم میں مشک بندھی سب کی بندھ گئی اُمید　　کہ اَب پیاسوں کو پانی پلایا جاتا ہے
حرم میں گھیرے ہوئے ہے نبیؐ کی آل بھی　　ابھی تو آنکھوں سے پرچم لگایا جاتا ہے
خدا کرے کہ یہ خیمہ میں کامیاب آئے　　بڑی اُمید سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے
علیؑ کا چاند علیؑ کا نشان کیا کہنا　　تمام دشتِ بلا جگمگایا جاتا ہے
ہوائے درد پھریرے کو لے اُڑی رَن میں　　ابھی فرات کی لہروں پہ چھایا جاتا ہے
وہ شیر گھاٹ پہ پہنچا وہ مشک بھر کے پھرا　　وہ نیزہ بازوں کے نرغہ میں آیا جاتا ہے
جو تیر مشک پہ آیا وہ لے لیا دِل پر　　وفا کی راہ میں یوں زخم کھایا جاتا ہے
گھٹا جو زور تصوّر بڑھا سکینہؑ کا　　نظر میں پھول سا چہرہ سمایا جاتا ہے
سمٹ کے آئی ہیں فوجیں کہ راستہ نہ ملے　　علیؑ کے چاند پہ بادل سا چھایا جاتا ہے
جسے لہو سے بھی اپنے عزیز سمجھا تھا　　لگا کے تیر وہ پانی بہایا جاتا ہے
اُمید قطع ہوئی اب سنبھل نہیں سکتے　　نشانِ فوجِ خدا تھر تھرایا جاتا ہے
کٹا کے ہاتھ ترائی میں سو گئے عباسؑ　　علَم حسینؑ کے خیمہ میں لایا جاتا ہے

کچھ ایسی شان سے اکبرؑ اٹھا کے لائے ہیں   کہ جس طرح سے جنازہ اُٹھایا جاتا ہے
وہ سامنے ہے علَم کی شبیہہ تجمؔ اٹھو
وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے

(11)

اُسوۂ حسینؑ

حسینؑ رن میں آ گئے یہ کارواں لیے ہوئے   سکونِ دل لیے ہوئے قرارِ جاں لیے ہوئے
غریب و خستۂ سفر جگر فگار و تشنہ لب   تنِ ضعیف و مضمحل دلِ جواں لیے ہوئے
امیرِ کائنات کی جلالتیں نگاہ میں   رسولؐ شش جہات کی تجلّیاں لیے ہوئے
صداقتِ اصول کی تسلّیوں سے مطمئن   شرافتِ خیال کی بلندیاں لیے ہوئے
تمام ظلم و جور کے مقابلہ کی فکر میں   تمام ضبط و صبر کی نشانیاں لیے ہوئے
وہی جلالِ حیدریؑ وہی ادائے خیبری   علیؑ کا لعل دوش پر وہی نشاں لیے ہوئے
یہ کس کے حُسن کی جھلک جمالِ اکبریؑ میں ہے   خطا شعار دم بخود ہیں برچھیاں لیے ہوئے
ہوائے تیرِ ظلم کا گلوئے خشک منتظر   خلاصۂ جہاد ایک بے زباں لیے ہوئے
یہ کس نبیؐ کی قوم ہے جو تا بہ شام جائے گی   نبیؐ کے اہلبیتؑ کو کشاں کشاں لیے ہوئے
ہزار درد و رنج پر ثباتِ عزمِ آہنی   یہ ناتواں ہیں کس قدر غمِ گراں لیے ہوئے
جہاں کو درس دے رہے ہیں اُسوۂ حسینؑ کا
بیاض تجمؔ دلفگار نوحہ خواں لیے ہوئے

نمازِ خوف

یہ کن پیاسوں کے سجدے ہیں کہ دنیا تھرتھراتی ہے — زمینِ کربلا پیشانیوں سے لپٹی جاتی ہے
صدائیں قتل کے میدان میں اللہ اکبر کی — یہ کس کا دل ہے کس کا ہے کلیجہ کس کی چھاتی ہے
ادھر تیر آرہے ہیں جلتی ریتی کے مُصلے پر — صدائے واحسینا اُس طرف خیمہ سے آتی ہے
سپر ہے تو سعیدِ با وفا ایسے نمازی کی — سحر سے جس کو رُوحِ فاطمہؑ چھاتی لگاتی ہے
کہاں دیکھا تھا دنیا نے قیام ایسا قعود ایسا — وہاں پر تو ہے تیروں کی جہاں بوچھار آتی ہے
جزاک اللہ تو نے جنگ کی حسرت بھی صدق کی — محبت آج تیرے نام کا ڈنکا بجاتی ہے
نماز آقا کی تیرے ختم ہے اور زندگی تیری — مبارک! تیری بالیں پر شہادت مُسکراتی ہے
یہ حالت ہے نواسہ کی ذرا نانا سے کہہ دینا — ہنساتے تھے جسے تم آج اُسے دنیا رُلاتی ہے
اکیلا ہے تمہارا لاڈلا اعدا کے نرغہ میں — جب اُٹھتی ہے نظر انصار کے لاشے دکھاتی ہے
ملے ہیں داغ دل داغ جگر اجرِ رسالت میں — سبق جو دے گئے تھے وہ اُمّت بھولی جاتی ہے
سُنی جاتی نہیں اب تشنہ لب بچوں کی آوازیں — جب آتی ہے صدائے العطش خیمہ سے آتی ہے

نمازِ عصر پڑھنی ہے ابھی حضرت کے دلبر کو
نہ جانے یہ قیامت خیز ساعت کیا دکھاتی ہے

مسلم کے لال

بے جاں ہیں مگر جانِ شہِؑ جن و بشر ہیں　　کو پیاس کے مارے ہیں یہ رشکِ گلِ تر ہیں
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
ہونٹوں سے یہ ظاہر ہے کہ پانی نہیں پایا　　تیور کا یہ عالم ہے کہ بل تک نہیں آیا
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
انصار ہیں فرزند رسولؐ عربی کے　　ہیں ساتھ کے کھیلے ہوئے ہمشکلِ نبیؐ کے
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
کوفہ کے مسافر کی ذرا یاد جو آئی　　اب تک ہے زبانوں پہ وہ تلوار چلائی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
مذبوح جفا حُسن کی تصویر ہیں دونوں　　بابا کی طرح فدیۂ شبیرؑ ہیں دونوں
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
یہ نزع کا ہنگام یہ معصوم نگاہی　　دیتا ہے ہر انداز لڑکپن کی گواہی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
منکے ہیں ڈھلے نبض کی رفتار ہے دھیمی　　لاشوں پہ نہیں کوئی بجز دردِ یتیمی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

تا حشر کہی جائے گی دنیا میں کہانی   آفاق میں گھر گھر انہیں روئے گی جوانی
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں
اے حجم میں اس شان اس انداز کے صدقے   اِن سینوں میں رُکتی ہوئی آواز کے صدقے
کمسن ہیں محبت کے شہیدوں میں مگر ہیں
یہ خون میں ڈوبے ہوئے مسلم کے پسر ہیں

(14)

زینبؑ کے دُلارے

کس شوق سے چاہت سے مقتل کو سدھارے ہیں   ہیں چاند سی شکلیں بھی انداز بھی پیارے ہیں
گیسو اسی بی بی نے ہاتھوں سے سنوارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
ایمانِ وفا ہوگی عالم میں وفا ان کی   دُنیا کو رُلائے گی مرنے کی ادا ان کی
دریا پہ نہ جائیں گے گو پیاس کے مارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
ایسا کسی بی بی کا ایثار نہیں دیکھا   بھائی سے زمانے میں یہ پیار نہیں دیکھا
بھائی کی محبت میں صدقے یہ اُتارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں
ہے موت کی بے چینی کروٹ بھی نہیں لیتے   امداد پہنچنے کی آہٹ بھی نہیں لیتے
ہونٹوں پہ تبسم ہے اور گور کنارے ہیں
زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

کشتوں میں یہ رعنائی یہ شان نہیں دیکھی مرتے ہوئے بچوں میں یہ جان نہیں دیکھی

دُنیا سے کہو دیکھے یہ شیر ہمارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

دو فوجِ حسینیؑ کے نو عمر مجاہد ہیں دو سبطِ پیمبرؐ کی مظلومی کے شاہد ہیں

دو عرشِ الٰہی کے ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

کیا خون کی دھاروں نے دولہا سا بنایا ہے چہروں پہ جلالت کا کیا نور سا آیا ہے

قدرت کے ہیں شہ پارے قرآن کے پارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

کِس شان سے آئی ہے بچوں کی قضا دیکھو کیا رنگِ شہادت ہے تیور تو ذرا دیکھو

بچپن میں جوانی کے آثار سنوارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

بے چارگیٔ دل کا چارہ نہ کیا ان کو اسلام کی خدمت سے پیارا نہ کیا ان کو

یہ لاڈلے ماموں کے ماں باپ کے پیارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

تم اپنی محبت کے مرکز سے نہ ہٹ جانا ہاں حشر کے دِن اُن کے دامن سے لپٹ جانا

اے انجم یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں

زینبؑ کے دُلارے ہیں زینبؑ کے دُلارے ہیں

زینبؑ کے لاڈلے

یہ کربلا کی جنگ یہ بچوں کے وَلوَلے   آیا ہُوا ہے تیغ کا پانی گلے گلے
ڈوبے ہوئے ہیں شام کے لشکر میں منچلے   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
پیاسے بھی ہیں لہو میں نہائے ہوئے بھی ہیں   کم عمر بھی ہیں جان لڑائے ہوئے بھی ہیں
مرتے ہیں اور موت پہ چھائے ہوئے بھی ہیں   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
جنگ آزما یہ راحتِ جاں ہوگئے ہیں کیا   مانوسِ تیغ و تیر و سناں ہوگئے ہیں کیا
یہ برچھیوں میں آ کے جواں ہوگئے ہیں کیا   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
نیزوں کے وار لیتے ہیں سینوں پہ بے دھڑک   تیغوں کی بجلیوں سے جھپکتی نہیں پلک
بچے ہیں موت سے ابھی کھیلیں گے دیر تک   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
تیروں سے غازیوں کے جگر ہیں چھنے ہوئے   سر فخر سے بلند ہیں سینے تنے ہوئے
راہِ خدا میں دونوں ہیں دولہا بنے ہوئے   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
آقا کی بیکسی کا اَلم لے کے آئے ہیں   شاید حرم سرا میں بھی دَم لے کے آئے ہیں
ماں کی دعائیں شہؑ کے قدم لے کے آئے ہیں   ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

نکلے ہیں سربکف یہ حسینی سپاہ سے　　سیدھا جناں کا عزم ہے اب رزم گاہ سے
آتے ہوئے شباب کو لے لیں گے راہ سے　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
ماں چاہتی تھی جو وہی سامان ہوگئے　　اکبرؑ سے پہلے رن میں یہ بے جان ہوگئے
ہم صورتِ رسولؐ پہ قربان ہوگئے　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے
اے نجم منہ نہ پھیریں گے اُمیدوار سے　　ہوں گے سفارشی یہ شہِ ذی وقار سے
ماموں کے مداح خواں کو بچالیں گے نار سے　　ہم صورتِ بتولؑ کی آغوش کے پلے
زینبؑ کے لاڈلے ہیں یہ زینبؑ کے لاڈلے

(16)

شبابِ کربلا

علیؑ کے لاڈلے سرورِ ریاضِ مصطفیٰؐ قاسمؑ　　سکونِ دل حسنؑ کے فاطمہؑ کے دلربا قاسمؑ
حسینِ آلِ ہاشم سیّد گلگوں قبا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
فقط کرتا پہن کر جنگ کے میداں میں آجانا　　عطش میں لب تیغ و تبر سے تسکین پاجانا
یہ تیری ہمتیں یہ حوصلے یہ ولولہ قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ
یہ کیسی خوں کی دھاریں ہیں جنہیں سہرا سمجھتی ہے　　یہ کیسے زخم ہیں دنیا تجھے دولہا سمجھتی ہے
سجی ہے کیا ترے تن پر شہادت کی قبا قاسمؑ
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسمؑ

یہ کیسا دن تری شادی کا کیسی رات ٹھہری تھی   عروسِ مرگ سے کب مرنے والے بات ٹھہری تھی
ترا عہدِ جوانی تھا ترا عہدِ وفا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
دہم کی شب کو جب لاشہ پہ ترے چاندنی پھیلی   اسیرانِ بلا میں اور بھی افسردگی پھیلی
خبر ہے کس کا کس کا دل تڑپ کر رہ گیا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
سُنا ہے لشکرِ اعدا کی بدحالی کا افسانہ   قیامت خیز ہے پر تیری پامالی کا افسانہ
نہ جانے تو نے کی تھی کس قیامت کی وغا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
ترا دل جلوہ گاہِ نازِ ارمانِ شہادت کا   ترا ایک اِک نفس دمساز ارمانِ شہادت کا
تیرا خونبار پیکر نقشِ تسلیم و رضا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
نشاط و عیش تھی گھر بھر کا خوشبو تیرے گیسو کی   سکوں ہوتی دِلِ مادر کا خوشبو تیرے گیسو کی
گئی ہوگی نہ زنداں تک یہ مقتل کی ہوا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
نگاہوں میں وہ تیری منظرِ بیداد کیا ہوگا   کلیجہ باپ کا ٹکڑے ہُوا تھا یاد کیا ہوگا
فلک نے آج ماں کا دل بھی ٹکڑے کر دیا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم
مسلمانانِ عالم کو محرم بھر رُلاتی ہے   تیرے شاعر کو تیرے تجم کو اکثر رُلاتی ہے
یہ تیری کمسنی یہ جان دینے کی ادا قاسم
شبابِ کربلا جانِ شہیدِ کربلا قاسم

حسینؑ جوان

روقِ دشتِ نینوا قاسم   جانِ زہراؑ کے دلربا قاسم
اے شہیدِ رہِ وفا قاسم   یہ نیا ظلم ہوگیا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
کیا اسی وقت موت آنی تھی   اَدھ کِھلا پھول زندگانی تھی
کچھ لڑکپن تھا کچھ جوانی تھی   اے جواں مرگ خوش ادا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
حُسنِ صورت پہ دو جہاں صدقے   تیکھی چتون پہ بجلیاں صدقے
موت پر عمرِ جاوداں صدقے   جس نے دولہا بنا دیا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
جان دینے وطن سے آئے تھے   فکرِ رخصت میں سر جھکائے تھے
کیا سفارش پدر کی لائے تھے   اذن کس طرح مل گیا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
شۂِ مسموم کے دُلارے ہو   مادرِ غم زدہ کے پیارے ہو
بیوگی کے تمہیں سہارے ہو   ماں سے کیونکر ملی رضا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
جادۂ شش جہات کانپ گیا   کاروانِ حیات کانپ گیا
عرصۂ حیات کانپ گیا   پھول سا جسم یہ جفا قاسم
ہائے پامال کربلا قاسم
یوں صداقت پہ جان کھوتے ہیں   آج تک حق پرست روتے ہیں

سچ ہے شیروں کے شیر ہوتے ہیں   یہ سن و سال یہ وغا قاسم
ہائے پامالِ کربلا قاسم
سر فروشی کی شان کیا کہنا   ہاشمی آن بان کیا کہنا
اے حسینی جوان کیا کہنا   راحتِ جانِ مجتبیٰ قاسم
ہائے پامالِ کربلا قاسم
طفلِ گلگوں قبا سلام علیک   مردِ جنگ آزما سلام علیک
وارثِ لا فتیٰ سلام علیک   مجم اس شان پہ فدا قاسم
ہائے پامالِ کربلا قاسم

(18)

پریم پنتھی

پریم نگر کا پنتھی قاسم موت سے بیاہ رچائے گیا   ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گیا
رتھ ما لہو کی دھاریں تھیں اُس گورے گورے مکھڑے پر   اس سج دھج پہ کسی کی لاگی نجر یہی سہرا بدھی کھائے گیا
اِک باغ کھلا تھا کربل بن میں یثرب والے مالی کا   کچھ سوکھ گیا بن پانی کے کچھ گھام پڑی مُرجھائے گیا
شبیرؑ کے تن کی بستی میں شبیرؑ کا من کیا ہیرا تھا   اس دیپ کی لَو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا
سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوارے نے   جو بھور سے لیکر سانجھ تک لاشیں ہی اُٹھا کر لائے گیا
کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی میٹھی باتیں تھیں   سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ اَمرت جَل برسائے گیا
سنسار کو ست کی شکتی سے گھربار لٹا کر موہ لیا   سودا ہے ذرا اِک جوکھم کا جو کھوئے گیا سو پائے گیا
اصغرؑ پہ بھی کیسی بپتا تھی جھولے میں دُکھی دھرتی میں سکھی   ماں باپ نے مکھ سے آہ نہ کی ماں باپ کو کیا سمجھائے گیا
پیاسوں کے نیلے سقے نے اِک آگ لگا دی جنگل میں   خیمہ سے نکل کر دریا تک اِک بجلی سی لہرائے گیا
سب شام کی سینا سکتہ میں اکبرؑ کے انوپ روپ سے تھی   جیسے کہ نبیؐ پرلوک سے پھر قرآن سنانے آئے گیا
اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے   اُس دیش کی گونجی دُور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

بہشتی

کربلا میں شانِ عباسؑ دِلاور دیکھنا   خون میں ڈوبی ہوئی تصویرِ حیدرؑ دیکھنا
شیر سے بپھرے ہوئے جاتے ہیں دریا کی طرف   دوش پر بکھری ہوئی زلفِ معنبر دیکھنا
چشم خوں آلود میں اشکِ سکینہؑ کی تری   لعل لب پر خشکی لب ہائے اصغرؑ دیکھنا
نبض کی رفتار زینبؑ کا مسلسل اضطراب   دل کی دھڑکن جنبشِ گیسوئے اکبرؑ دیکھنا
چہرۂ پُرنور پر زردی رُخِ سجادؑ کی   چین ابرو میں غمِ سبطِ پیمبر دیکھنا
دوش پر اسلام کی عزت نشانِ فوجِ حق   مشک اِک سوکھی ہوئی دِل کے برابر دیکھنا
راہ کرلی خون کے دریا کا سینہ چیر کر   ایک ہی ہلّہ میں نہرِ علقمہ پر دیکھنا
مشک بھر کر نہر سے باہر نکلنا تشنہ لب   خیمۂ شبیرؑ کی جانب وہ مُڑ کر دیکھنا
دیکھ کر چہرے تصور میں وہ مُرجھائے ہوئے   دُور تک پھیلی ہوئی پانی کی چادر دیکھنا
ہر طرف سے ہٹ کے وہ مشکِ سکینہؑ پر نظر   یہ امانت دیکھ کر یلغارِ لشکر دیکھنا
تیر پڑنا بیکسوں کی آخری اُمید پر   خون سا بہتا ہوا پانی زمیں پر دیکھنا
یک بیک دنیا بدل جانا امید و بیم کی   اپنے بازو دیکھنا قاتل کا خنجر دیکھنا

نجم وہ جانِ وفا ہے وہ ایمانِ وفا
یہ علم آتا ہے کس کے خون میں تر دیکھنا

علمدارؑ

اے جان و دلِ حیدرِؑ کرار علمدارؑ   زندہ ہیں جہاں میں ترے آثار علمدارؑ
مشک اور علَم اب بھی ہیں خونبار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
لہریں ابھی لیتا ہے فضا میں ترا پرچم   پرچم سے نمایاں ہے وفا کا تیری عالم
بھولے گی نہ دنیا ترا ایثار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
دریائے محبت میں رواں ہے تری کشتی   بچے تری تقلید میں بنتے ہیں بہشتی
ظاہر ہے سکینہؑ سے تھا جو پیار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
دریا پہ رہا یاد محبت کا قرینا   وہ پیاس میں دو روز کی پانی کا نہ پینا
یاد آتی ہے یہ منزلِ دشوار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
کیا سینہ سپر مشکِ سکینہؑ کا رہا تو   اِک تیر نہ آنے دیا جب تک رہے بازو
اس شان سے چمکی تیری تلوار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
پانی سے تسلی کے لیے وقت نہ کھویا   پینے کا تو کیا ذکر ہے منہ بھی نہیں دھویا
اے صلِ علیؑ آئینہ رخسار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
تجھ سے ہی سکینہؑ کو تھا پانی کا سہارا   کیا جانئے کس درد سے تھا اُس نے پکارا
اے لشکرِ شبیرؑ کے جرار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ

کس شان سے بابا کا علَم تو نے اُٹھایا   ہمت نے تجھے زندۂ جاوید بنایا
راس آیا ہے کیا منصبِ کرّار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
تیور پہ فدا تشنہ دہانی پہ تصدق   ملّت کے جواں تیری جوانی پہ تصدق
سب تیری محبت میں ہیں سرشار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ
صدیوں سے ہیں کاندھے پہ علَم تیرا اُٹھائے   ہاں اک نگہہ لطفِ یداللہ کے جائے
ہمت ہے دلوں میں تیری درکار علمدارؑ
اب تک ہے زبانوں پہ علمدارؑ علمدارؑ

(21)

علَم اور علمدارؑ

کیا قیامت ہے یہ کیا منظر دکھاتا ہے علَم   لے گیا تھا کون واپس کون لاتا ہے علَم
دستِ اکبرؑ میں ہے پھر بھی تھرتھراتا ہے علَم
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم
دامنِ ساحل سے خونی ابر اُٹھا ہے دیکھنا   خون دریا سے برستا آرہا ہے دیکھنا
وسوسہ ہے وہم ہے آخر یہ کیا ہے دیکھنا
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم
خون آنکھیں ہوگئیں یا ساری دنیا خون ہے   یا الٰہی سبز پرچم پر یہ کیسا خون ہے
اے لبِ ساحل بتا کیا موجِ دریا خون ہے
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

سبز پرچم سے بہارِ جاوداں لپٹی ہوئی مشک خالی تشنگی کی نوحہ خواں لپٹی ہوئی

تیر کچھ پیوست کچھ مایوسیاں لپٹی ہوئی

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

جو اِسی دن کے لیے اب تک جیا تھا کیا ہُوا گھاٹ پر ٹھہراؤ جس نے کر دیا تھا کیا ہُوا

جس نے دریا پر ابھی قبضہ کیا تھا کیا ہوا

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

لشکرِ دشمن کو جس نے روند ڈالا ہے کہاں ہاتھ کٹوا کر علَم جس نے سنبھالا ہے کہاں

مشک دانتوں میں دبا کر آنے والا ہے کہاں

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

خیمۂ اقدس میں بچے بے سہارے رہ گئے ڈوب کر سب کی امیدوں کے ستارے رہ گئے

تم علمدارِ جری دریا کنارے رہ گئے

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

اب کوئی امید کشتی کھے رہی ہے یا نہیں قلب کو تسکیں ترائی دے رہی ہے یا نہیں

علقمہ کی نہر لہریں لے رہی ہے یا نہیں

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

دیر سے پیاری سکینہؑ کو گِلا پانی کا ہے منتظر ہر طفل اے جانِ وفا پانی کا ہے

کیا کہیں گے جن کے دل کو آسرا پانی کا ہے

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

بیکسوں کو خوں بھری صورت دکھائے یا نہیں درد و غم کا اور اک طوفاں اٹھائے یا نہیں

یہ تو کہہ دیجے علَم خیمے میں جائے یا نہیں

خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

مرثیہ ہمت فزا ہے اِس علَم کے حال کا　　رہ گیا ہے یہ نشاں اسلام کے اجلال کا
یہ علَم ہے اے مسلماں مصطفیٰؐ کی آلِ کا
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

یہ مداوا ہے تری ہمت کی خامی کے لیے　　فرش کر آنکھیں صداقت کے پیامی کے لیے
حرّیت ہوتی ہے خم اس کی سلامی کے لیے
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

یہ ہے جانبازوں کا پرچم اے جواں تکریم کر　　دست بردل فرش سے مجلس کے اُٹھ تعظیم کر
اے نگاہِ مردمِ حق آشنا تسلیم کر
خون میں ڈوبا ہُوا دریا سے آتا ہے علَم

(22)

شبیہ پیمبرؐ

تھا موت کا تقاضا اکبرؑ کو زندگانی　　اسلام پر منادی بھر پور نوجوانی
دریا تھا سامنے اور لہرا رہا تھا پانی　　یہ اپنے خونِ دِل کی دیکھا کیے روانی
کیا قدر ہورہی تھی تصویرِ مصطفیٰؐ کی　　تیروں کی تھی نوازش تیغوں کی مہربانی
اسلام مہماں تھا اور میزباں مسلماں　　لیکن بدل گیا تھا آئین میزبانی
پھونکا عطش نے سینہ برچھی نے دل کو توڑا　　رحمت نے سر پہ رکھا دیہیم کامرانی
ساعت وہ نزع کی وہ رعنائیوں کا عالم　　کیا رُوح بھر رہی تھی نیزہ کی جانفشانی
صابر کے لال تھے پر یاد آگئی ہو شاید　　خیمہ سے وقتِ رُخصتِ مادر کی بے زبانی
اٹھارہویں برس ہی یوسف کفن میں آیا　　کنعانِ مصطفیٰؐ کی پُر درد ہے کہانی
لاکھوں سلام تجھ پر اے رُوحِ تشنہ کامی　　پانی کی کیا حقیقت زیرِ قدم تھا پانی
ہم تیرے غم میں نالاں ہیں دُور کربلا ہے　　غمگیں دلوں میں آجا اے نُورِ لا مکانی
میں تجمّ ایک ذرّہ ہوں تیری رہگذر کا　　شاعر ہوں تیرے در کا اے عرشِ آشیانی

علی اکبرؑ

ہوئے پیدا تو صورت دیکھنے ہر شیخ و شاب آیا جوانی ان پہ کیا آئی مدینہ کا شباب آیا
مگر جب کربلا کے دشت میں یہ ماہتاب آیا فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
تجھے تو یاد ہی ہوں گے وہ لہرائے ہوئے گیسو وغا میں ماں کی شفقت یاد دِلواتے ہوئے گیسو
کلیجے میں سناں ابرو پہ بل کھاتے ہوئے گیسو فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
سُنا ہے چاند سے سینہ پہ برچھی جنگ میں کھائی یہ منظر لے گیا شبیرؑ کی آنکھوں سے بینائی
تعجب کیا اگر خیمہ سے شہزادی نکل آئی فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
اُٹھا کر لاش لایا فاطمہؑ کا ماہ رُو کیونکر خدا آگاہ ہے سونگھی گئی زلفوں کی بُو کیونکر
نہ جانے باپ نے چہرہ سے پونچھا تھا لہو کیونکر فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
سنا کس دُشمنِ اسلام کی پہنچی تھی سینے تک نگاہوں میں محمدؐ جی رہے تھے ان کے جینے تک
خبر یہ کربلا کے بن سے پہنچے گی مدینے تک فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
نکل آئے صفوں میں گھر کے قوت آزمائی تھی سوال آب کیسا باپ کو صورت دکھانی تھی
کہ ان پیاسی رگوں میں ہاشمی خوں تھا جوانی تھی فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی
سماتا کیا نگاہوں میں یزیدی فوج کا ریلا لڑا کیا کیا خدا کے دُشمنوں سے موت سے کھیلا
دُلارا خواہرِ شبیرؑ کا بانوؑ کا البیلا فلک قابل منانے کے نہ تھی تصویر اکبرؑ کی
علیؑ کا نام سِن زہراؑ کا اور صورت پیمبرؐ کی

کڑیل جوان

کیا سخت ماجرا ہے کہانی حسینؑ کی   بے وقت کیا مٹی ہے نشانی حسینؑ کی
اکبرؑ کا تھا شباب جوانی حسینؑ کی   اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

سردارِ انبیاؐ کی شباہت جوان تھی   حق کا غرور دین کی غیرت جوان تھی
ایسی جوانیوں سے شریعت جوان تھی   اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

یہ دین سے لگاؤ یہ دنیا سے بے دلی   برچھی وغا میں آ کے کلیجے سے جب ملی
کیا آن بان تھی کہ پلک بھی نہیں ہلی   اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

کیا تین دن کی پیاس میں تیور دکھا گئے   دنیا کے نوجوانوں کی ہمت بڑھا گئے
پھولوں میں تُل رہے تھے سنانوں میں آ گئے   اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

دیکھی یہ موت عالم امکاں نے کس طرح   یہ داغ اُٹھالیا شہِؑ ذیشاں نے کس طرح
دولہا بنا کے بھیج دیا ماں نے کس طرح   اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

رخصت کے وقت بانوئے شبیرؑ چُپ رہیں   بہنیں غریب صورتِ تصویر چُپ رہیں

سب ایک سمت زینبؑ دلگیر چُپ رہیں　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

مانا کہ صبر و شکر کا دل میں وفور تھا　　بچے کا غم نہ ہو یہ محبت سے دور تھا

مادر کو ان کے بیاہ کا ارماں ضرور تھا　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

کیوں زندگی کے لب پہ شکایت نہ آ گئی　　ہنگامِ نزع موت کو غیرت نہ آ گئی

موت آئی تھی جب ان کو قیامت نہ آ گئی　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

یہ شیر تھا امام جوانانِ قوم کا　　کیسا کیا ہے نام جوانانِ قوم کا

کہہ دے ذرا سلام جوانانِ قوم کا　　اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

اسلامی جوان

وہ عشرہ کی سحر اور وہ صدائے دلستاں اکبرؑ
بہت یاد آئی ہوگی عصر کو تیری اذاں اکبرؑ

دن آئے تھے کہ پھل ملتا تجھے باغِ جوانی سے
نہ جانے آگیا برچھی کا پھل کیوں درمیاں اکبرؑ

جواں فرزند جب رخصت طلب ہو جان دینے کو
وہ دکھیاری جو ماں ہے مامتا رکھ دے کہاں اکبرؑ

سلامِ آخری کو آئے تھے بابا کی خدمت میں
زباں سوکھی دکھائی تھی مگر پانی کہاں اکبرؑ

مسلماں بانیٔ اسلام کو کیا منہ دکھائیں گے
پیمبرؐ کی شباہت اور سر زیب سناں اکبرؑ

تیری منزل مدینے کے مسافر کیسی منزل تھی
کہ ماتم ہو رہا ہے کارواں در کارواں اکبرؑ

ترے مرنے پہ سب شبیرؑ کو تنہا سمجھتے تھے
اُٹھا جھولے سے پر انگڑائی لے کر اک جواں اکبرؑ

وہ ششماہہ وہ بچہ جس کو گہوارہ میں چھوڑا تھا
بڑھائیں موت نے مقتل میں اُس کی ہنسلیاں اکبرؑ

خدا ہی جانتا ہے ماں نے کیسے رن کو رخصت دی
سُوئے میداں جب آیا گود میں یہ بے زباں اکبرؑ

سوالِ آب کا یہ حشر دیکھا تھا نہ دنیا نے
وہ پیاسا تین دن کا اور تیر جاں ستاں اکبرؑ

بہت آنکھوں نے دیکھا ہائے وہ نادیدنی منظر
قیامت تھی جو بعدِ اصغرؑ تشنہ وہاں اکبرؑ

سرِ شبیرؑ تھا سجدے میں گردن زیرِ خنجر تھی
مکمل ہوگئی آخر یہ خونی داستاں اکبرؑ

جواں ہیں دَورِ حاضر کے سلامی کے لیے حاضر
سلام اے ملّتِ اسلامیہ کے نوجواں اکبرؑ

کبھی ملّت کو بھی آجائے گا سینہ سپر ہونا
اسی اُمید میں کھائی تھی سینہ پر سناں اکبرؑ

زمینِ کربلا تھی جس نے تیغوں سے ضیافت کی
پرستش تیری کرتا خطۂ ہندوستاں اکبرؑ

خدا ایسا کرے مقبول ہو یہ تجمّل کا نوحہ
پسند آجائے تجھ کو یہ محبت کی زباں اکبرؑ

(26)

حسینؑ سیوا

اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دُشمن موت کی سگری رات رہی   ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سُلجھات رہی
سب دل کی سوبھا ساتھ چلی جب دیس سے یہ پردیس چلے   پردیس سے جب پرلوک گئے سنسار کی سوبھا جات رہی
جی دیکھ یہ سؤر گیاش ہوئے کوفہ کے اَدھرمی ناش ہوئے   شبیرؑ کا بالا بول رہا اسلام کی اونچی بات رہی
سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچ کو کوئی آنچ نہیں   دُشمن ہی کو سب نے دوش دیا اور ان کے لیے صلوٰت رہی
پیاسے ہی لڑے پیاسے ہی مرے اِک بوند نہ پائی پانی کی   ساوت وہیں پر کھیت رہے تیروں کی جہاں برسات رہی
ایشر کی دیا لہرائے گی آکاش کی بانی آئے گی   دُکھ درد کی جتنی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی
قاتل کو پلا کر دودھ گئے ایسے بھی دیا لو ہوتے ہیں   دنیا یہ اُسی کے کنبے کو پانی کے لیے ترسات رہی
اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا جل مانگت بن میں سوئے گئے   دُکھیاری ماتا آشا میں من جھولے سے بہلات رہی
کربل میں علیؑ کی پتری نے یوں رین گزاری دویں کی   کس ٹھاٹ سے لڑکے مرتے ہیں ہر بالک کو سمجھات رہی
اب راجا پرجا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں   جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انہیں کے ہاتھ رہی

جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے تجھی دل بھی کبھی جب اِن کی ہجر پر بات رہی

(27)

ننھا مجاہد

اے معرکۂ قوتِ اسلام کے جوہر   چھ ماہ کی مدت میں قیامت کے برابر
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر
اے عالمِ اصغر میں نہاں عالمِ اکبرؑ   اے غنچۂ سربند میں اِک رُوحِ پیمبرؐ
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

مقصد تھا ولادت کا فقط کارِ شہادت   یہ بات ہوئی اور کسی کو نہ میسّر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

یکتا ہے تیری خون میں ڈوبی ہوئی تصویر   تاریخ دکھاتی نہیں ایسا کوئی منظر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

معلوم ہے کیوں خشک زباں تو نے دکھائی   اے ساقیؑ کوثر کے جگر ساقیؑ کوثر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

بابا کے سب انداز ہیں دادا کے طریقے   نیند آگئی ریتی پہ نہ تکیہ ہے نہ چادر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

بے چین ہیں غربت پہ تیری چاند کی کرنیں   سو جائیں گی لاشہ تیرا آغوش میں لے کر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

الجھے ہوئے بالوں پہ فدا شامِ شبِ غم   ڈوبی ہوئی نبضوں پہ ستاروں کی نچھاور
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

ڈھلکی ہوئی گردن پہ یداللہ کے بوسے   سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تصدق لبِ کوثر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

چتون میں چھپائے ہوئے اکبرؑ کی جوانی   مُٹھی میں دبائے ہوئے سجادؑ کے جوہر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

آنکھوں میں جھلکتا ہوا معصوم تبسم   گردن سے ٹپکتا ہوا خونِ دلِ مادر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

تاحشر بُجھے گی نہ کبھی شمع حقیقت   لو دے گے ایسی تیرے بُجھتے ہوئے تیور
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

تاریخ میں ہے سب تیرا بچپن کا سلیقہ   تو موت کی آغوش میں آیا تھا ہمک کر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

جس وقت ہوئی مہر تیرے زخم گلو کی   پُورا ہُوا شبیرؑ کے ایثار کا دفتر
ننھے سے مجاہد علی اصغر علی اصغر

آرام سے سوا ے شبِ عاشور کے جاگے　　لوری تجھے دیتا ہے تیرا تجم سخنور
ننھے سے مجاہد علیؑ اصغر علیؑ اصغر

(28)

گود کا مسافر

اے غم کے راحتِ جاں اے دردِ دل کے پالے　　انسان تیرے غم میں کس طرح دل سنبھالے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بے دودھ ہی سلایا آغوشِ کربلا نے　　دو دن کی تشنگی میں اے تیر کے نشانے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
اس کم سنی میں ایسی انسانیت پناہی　　کیا کام کرگیا ہے بے تیغ کے سپاہی
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
رَن کی رضا بھی لے لی کیسے تھے یہ اشارے　　ایسے کہیں نہ دیکھے ماں باپ کے دُلارے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بستر ہے کیوں زمیں پر سوچا ہے کیا یہ جی میں　　کیا نیند آ گئی ہے جنگل کی چاندنی میں
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
تو نے بھی مثلِ اکبرؑ منہ زندگی سے پھیرا　　اے چاند اب تو بالکل خیمہ میں ہے اندھیرا
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
تو مسکرا کے رن میں جب خوں اُگل رہا تھا　　کیا ماں کی ماتا کا ارماں نکل رہا تھا
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
یہ تیری بے زبانی اور یہ پیام اصغرؑ　　کرتا ہے عصرِ حاضر تجھ کو سلام اصغرؑ
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے

روتی ہے قوم اب تک وہ کشتۂ ستم ہے ہر گھر میں تیرا جھولا ہر دل میں تیرا غم ہے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
بے شیر تیرے غم میں سب جان کھو رہے ہیں مائیں بھی رو رہی ہیں بچے بھی رو رہے ہیں
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے
یہ تجم تیرا شاعر دردِ نہاں کے صدقے دل کو زباں بنادے سوکھی زباں کے صدقے
اے گود کے مسافر اے چھ مہینے والے

(29)

ننھا سپاہی

غربت کا بیکسی کا بادل سا چھارہا ہے سب کٹ گئے مجاہد خیموں میں کیا رہا ہے
ننھا سا اِک سپاہی گودی میں آرہا ہے
خود داریوں سے لب پر آہیں ٹھہر گئی ہیں رُک رُک گئی ہیں سانسیں نبضیں ٹھہر گئی ہیں
ٹھہرا ہوا وہ جھولا کیا دل ہلا رہا ہے
کیسی لُٹی ہے بستی کیسی مٹی ہیں جانیں کیا شکر کررہی ہیں سوکھی ہوئی زبانیں
کیا صبر بڑھ رہا ہے کیا ضبط چھا رہا ہے
سترّ کی موت دیکھو اور دوپہر کو دیکھو اصغؑر کے سن کو دیکھو اُس کے جگر کو دیکھو
جو دشتِ کربلا میں دولت لٹا رہا ہے
ایسے کہیں سپاہی دیکھے نہیں انیلے ماں کی طرف سے کوئی رُخ کی بلائیں لے لے
پہلے پہل مجاہد میداں کو جارہا ہے
ماتھے پہ ہے پسینہ زلفیں بکھر رہی ہیں سورج کی گرم کرنیں صدقے اُتر رہی ہیں
اللہ گُل سا چہرہ کیا تمتما رہا ہے

نازک طبیعتوں کو بس ہے ذرا سی آہٹ بے چین پھر نہ کردے تیروں کی سنساہٹ
آغوش میں پدر کی تسکین پا رہا ہے

یہ زندگی کی پہلی کروٹ ہے راس آئے شبیرؑ لا رہے ہیں گھر سے گلے لگائے
اور موت کا فرشتہ آنکھیں دکھا رہا ہے

ننھا سا یہ مسافر دیکھو رہِ رضا کا تاریخ اسی کو فاتح لکھے گی کربلا کا
جھولے کو چھوڑ کر جو مقتل کو جا رہا ہے

سارے جہاں سے کہہ دو کون و مکاں سے کہہ دو یہ روحِ کارواں ہے ہر کارواں سے کہہ دو
پیاسا ہے تین دن کا اور تیر کھا رہا ہے

یہ تشنگی یہ پیکاں یہ سن یہ بے زبانی لائے گی رنگ اک دن اسلام کی کہانی
خونِ گلو سے اپنے رنگیں بنا رہا ہے

سجاد کی شباہت اکبرؑ کی شان ہوتا اے موت کاش ایسا بچہ جوان ہوتا
دو دن کی زندگی میں تیور دکھا رہا ہے

مجلس میں ہوش کس کو اے نجم جان و تن کا اُترا ہوا وہ چہرہ ڈھلکا ہوا وہ منکا
اب تک دلوں پہ غم کی بجلی گرا رہا ہے

(30)

عزّتِ اسلام

جنگ میں بچوں کو شاہِ کربلا لے جائیں گے دیکھنا کس شان سے یہ مرنے والے جائیں گے
غل ہے فوجِ شام میں عباسؑ کو پانی نہ دو ان کے تیور کہتے ہیں دریا اُٹھالے جائیں گے
راہِ حق میں اپنا سارا گھر لٹا دیں گے حسینؑ نوجواں جب مر چکیں گے گودوالے جائیں گے
یہ نہ سمجھو ساری دولت نذر مولاؑ کرچکے یہ ابھی اصغرؑ کو جھولے سے اُٹھالے جائیں گے

جنگِ اکبرؑ دیکھ لی اَب صبرِ عابدؑ دیکھنا
پا پیادہ شام تک اہلِ جفا لے جائیں گے

قوّتِ باطل کے آگے سر یہ جھکنے کا نہیں
وہرے وہرے طوق بھی گردن میں ڈالے جائیں گے

خود زمانہ چیخ اُٹھے گا ضبط پر سجّاد کے
یہ سہے جائیں گے ظلم و ربات نالے جائیں گے

یہ کمالِ صبر کی حد سے بھی نکلیں گے بلند
وہ بنائے جور کو تا انتہا لے جائیں گے

برچھیوں پر سر ہیں مظلوموں کے اونٹوں پر حرم
بستی بستی میں یہ ظلمِ کربلا لے جائیں گے

عزّتِ اسلام رکھ دیں گے تہ تختِ یزید
طشت میں شبیرؑ کا سر بے وفا لے جائیں گے

جذبۂ مسلم میں قوّت ہے غمِ شبیرؑ سے
حشر تک یہ سلسلہ ہم برملا لے جائیں گے

خلق میں جب ہوگا ظاہر ورثہ دارِ کربلا
داغِ ماتم نذر کو اہلِ وفا لے جائیں گے

نجم اُڑ اُڑ کر ہماری خاک کے ذرّے ہمیں
یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

(31)

آخری جاں نثار

کعبہ میں جب بلند ہوئی عصر کی اذاں
گھوڑے سے کربلا میں گرے شاہِ اِنس و جاں

تنہا تھا ریگِ گرم پہ زہراؑ کا نازنیں
تلواروں کے ہجوم میں نیزوں کے درمیاں

سجدہ کو جمع کرتا ہوا کربلا کی خاک
ہونٹوں پہ پھیرتا ہُوا سوکھی ہوئی زبان

ہر شے پہ اختیار سے مقصودِ کائنات
زخموں کے اعتبار سے اِک زخمِ خونچکاں

پردہ اُٹھا کے خیمہ کا اِک طفلِ مہ جبین
ناگاہ قتل گاہ کی جانب ہُوا رواں

مظلومیٔ حسینؑ کے عالم کو سوچیے
بچے بھی گھر کے ہوگئے مرنے کو نوجواں

مچلا ہُوا صغیر مجاہد نہ رُک سکا
خیمہ میں روتی رہیں ہر چند بی بیاں

تفصیل کوئی دفترِ تاریخ میں نہیں
شاید کہا ہو ماں نے کہ خالق نگاہ باں

خطروں سے بے نیاز یہ چہرے سے آشکار
نصرت کو بیقرار یہ رفتار سے عیاں

مظلومِ کربلا کی طرف رُخ کیے ہوئے
معصوم دِل کا درد نگاہوں سے نوحہ خواں

زلفیں وہ رُخ پہ ماں کی مرادوں کا سلسلہ
کانوں میں منتوں کی وہ ڈہری نشانیاں

زیرِ قدم تھا خاک کے ذروں کو اضطراب — ہلتے تھے کوشوارے لرزتا تھا آسماں
سولہ پہر کی پیاس میں اللہ رے آب و تاب — ریتی پہ عکسِ رُخ سے چمکتی تھیں بجلیاں
تھا کربلا میں موت کی دعوت پہ گامزن — کوفہ کے میزبانوں کا معصوم میہماں
پہنچا اور ایسے وقت میں پہنچا چچا کے پاس — نزدیک تھی حسینؑ کے اِک تیغ خونچکاں
معصوم نے اُٹھا دیئے گھبرا کے دونوں ہاتھ — کٹ کر گریں زمین پہ نازک کلائیاں
شبّر کا لعل ہائے چچا کہہ کے رہ گیا — سادات میں اِک اور بڑھی غم کی داستاں
شبیرؑ لے کے گود میں سنبھلے نہ تھے ابھی — بچے کو ذبح کر گیا اِک تیر جانستاں
خیمہ سے دیکھتی ہو جو مادر تو کیا عجب — اے وائے ارض کرب و بلا وائے آسماں

(32)

نَو مائیں

ہاتھ آئے تھے کیا کیا گُلِ زہراؑ کو فدائی — کِس کِس نے لٹادی رہِ مولاؑ میں کمائی
نُو ماؤں نے دیکھی درِ خیمہ سے لڑائی — بچوں کو سفرِ خلق سے کرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

اسلام پہ قربان تھی ایک ایک کی مادر — مٹتے ہوئے دیکھا نہ گیا دینِ پیمبرؐ
خود بھیج دیا جنگ کو ہتھیار سجا کر — سینوں سے سنانوں کو گزرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

انصار میں کمسن تھا بہت ابنِ خبادہ[1] — وہ کھیل کے دن اور وہ مرنے کا ارادہ
بیٹے سے بھی تھا ماں کو یہ ارمان زیادہ — دَم اُلفتِ شبیرؑ کا بھرتے ہوئے دیکھا
لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

دلدوز ہے عبداللہ[2] کلبی کا فسانہ — سنتے ہیں بدن میں ابھی جوڑا تھا شہانہ

---

[1] ابن خبادہ ایک نوعمر حسینی سپاہی۔ انصار میں سب سے کمسن مجاہد۔ قوم کی خواتین کے لیے محض نوحہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے ان ماؤں کو ایسے دل بنانے چاہئیں۔ [2] عبداللہ کلبی۔ ان کی شادی کو چند ہی روز ہوئے تھے۔

شبیرؑ نے روکا تھا مگر ماں نے نہ مانا   ملبوسِ شہادت میں سنورتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

مسلم کے دل آرام نے کیا شان دکھائی   بچہ نے لڑی ہے وہ قیامت کی لڑائی
ماں شوقِ زیارت میں درِخیمہ پہ آئی   دریائے شجاعت میں اُبھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

گلزارِ عقیلی کا گل اندام محمد[1]   بیوہ کا پسر شیر جری فخرِ اَب و جد
واللہ مگر ماں کی شجاعت کی نہیں حد   اس پھول سے چہرے کو اُترتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

وہ عونؑ و محمدؑ بنِ عبداللہؑ جعفرؑ   بچے تھے مگر ماں نے کیا فدیہ اکبرؑ
بنتِ اسداللہ کے اللہ رے تیور   زلفوں کو سرِ دوش بکھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

نیزہ وہ سنبھالے ہوئے پہنے ہوئے کُرتہ   نعلین کا اک وہ ٹوٹا ہُوا تسمہ
انداز یہ قاسمؑ کا یہ مادر کا کلیجا   سرتا بقدم خون میں بھرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

کیا زخم تھے کیا پیاس تھی کیا دھوپ کڑی تھی   اور حق کی حمایت میں یہاں جان لڑی تھی
ماں اکبرؑ جرار کی ڈیوڑھی پہ کھڑی تھی   برچھی کو کلیجہ میں اُترتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

وہ اصغر[2] بے شیر حسنؑ[3] کا وہ گلِ تر   جنت کو سدھارے جو لہو منہ سے اُگل کر
اُن ماؤں کا کیا حال ہوا ہوگا پسِ در   بے جنگ کئے جی سے گزرتے ہوئے دیکھا

لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا

---

[1] محمد ابن سعید ابن عقیل ہاشمی نوجواں۔
[2] علی اصغر بے شیر   [3] عبداللہ ابن حسن۔

عالمِ تنہائی

مقتل میں غش ہیں شبیرؑ تنہا   قاتل کھڑے ہیں خاموش یک جا
حیرت میں گردوں سکتہ میں صحرا   ساکت ہیں موجیں ساکن ہے دریا
سورج کا چہرہ اُترا ہُوا ہے

مظلومیت کی اللہ رے ہیبت   سہمے ہوئے ہیں اہلِ شقاوت
چھایا ہوا ہے نفسِ امامت   بپھری ہوئی ہے رُوحِ جلالت
دنیا کا نقشہ بدلا ہوا ہے

خیمہ میں سب کی نظریں ہیں در پر   دَم رُک گئے ہیں سینوں کے اندر
کیا ضبطِ غم ہے اللہ اکبر   چپ رہ گئی ہے اصغرؑ کی مادر
اصغر کا جھولا ٹھہرا ہوا ہے

مظلوم شکلیں غمگیں نگاہیں   امن و اماں کی مسدود راہیں
سوکھے گلے میں بچوں کی باہیں   تھم تھم گئی ہیں ہونٹوں پہ آہیں
جو ہے وہ غم کا مارا ہوا ہے

تر ہے لہو میں سلطانِ عالی   ملّت کا حاکم اُمّت کا والی
دُلدُل کا رَن میں ہے زین خالی   خیمہ کی رونق کس نے اُٹھالی
مسند کا گوشہ اُلٹا ہُوا ہے

لشکر کہاں ہے شاہِ عرب کا   حاضر ہے لاشہ تشنہ لب کا
خاکِ شفا پر بستر ہے سب کا   اِک اِک مجاہد عشرہ کی شب کا
جاگا ہوا تھا سویا ہُوا ہے

تیروں سے زخمی تیغوں سے ٹکڑے   سوئے ہوئے پر جاگے ہوئے سے

چتون کے قربان تیور کے صدقے   اُٹھنے کے جیسے پھر ہیں ارادے
پھر جوشِ نصرت آیا ہُوا ہے
روکو قلم کو تھم سخوز ہے سر بسجدہ جانِ پیمبرؐ
نزدیک ہے اب قاتل کا خنجر   درپر ہے زینبؑ مجبور مضطر
خیمہ کا پردہ اُٹھا ہوا ہے

(34)

بندۂ بے نیاز

زمیں کو زیرِ قدم آسماں بنائے ہوئے   ہزار و نہ صد پنجاہ زخم کھائے ہوئے
حیات وموت کے مالک سے لو لگائے ہوئے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
شجاعِ عصر کو زخمی سمجھ کے گھیرا ہے   یہاں تو آپ ہی منہ زندگی سے پھیرا ہے
خدا کی شان ہے سورج تلے اندھیرا ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
اُٹھا کے آنکھ جو دیکھیں تو دل دہل جائیں   تمام عالمِ فانی کے بَل نکل جائیں
زمیں کا ذکر ہے کیا آسماں بھی ہل جائیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
نگاہ دیکھ کے سکتہ میں رہ گئی گیتی   وہ رعب ہے کہ ہوا سانس تک نہیں لیتی
فضائے کون و مکاں سے بلند ہے ریتی
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

خموش ہے لبِ ساحل زبانِ موج خموش   خموش وسعتِ ہستی فلک کا اَوج خموش
زہے جلال امامت عدو کی فوج خموش
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
نظر میں فوج کا ریلا سما نہیں سکتا   حریف تاب نظر لا نہیں سکتا
چراغ مہر نگاہیں ملا نہیں سکتا
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
ملک حضور میں ہیں دستِ التجا باندھے   سرِ نیاز جھکائے ہوئے پَرا باندھے
کھڑی ہے سامنے دستِ ادب قضا باندھے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
پئے سلام شریکِ رہِ رضا حاضر   بقائے خلقِ الٰہی کو ماسوا حاضر
نگاہ روبرو ارواحِ انبیاؑ حاضر
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
مدد کے واسطے حاضر ہیں آسماں و زمین   تمام قوتِ ارض و سما ہے زیرِ نگیں
حسینؑ ہیں کہ اُدھر مڑ کے دیکھتے ہی نہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
فلک پہ شور ہے ناصر مدد کو حاضر ہے   ہر ایک حامی و ناصر مدد کو حاضر ہے
تمام فوج عناصر مدد کو حاضر ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
طریقِ سطوتِ شاہنشہِ حجازی دیکھ   شکوہ چارہ گری شانِ کارسازی دیکھ
خدا کی راہ میں بندہ کی بے نیازی دیکھ
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے
نہ جانے راز میں کیا کیا پیام آئے ہیں   درود کتنے مسافر کے نام آئے ہیں
فرازِ عرش سے کتنے سلام آئے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

بدن بھی سرد نہ ہوں گے ابھی دلیروں کے   یہ معرکے ہیں بجز اجل کے پھیروں کے
پڑے ہیں سامنے لاشے جوان شیروں کے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

ابھی تو ننھی سی تُربت بنا کے بیٹھے ہیں   ابھی رباب کی دولت لٹا کے بیٹھے ہیں
ابھی صغیر کی میّت اٹھا کے بیٹھے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کچھ اپنی بالی سکینہؑ کی ہے خبر کہ نہیں   وفورِ غم سے چھلکتی ہے چشمِ تر کہ نہیں
خدا کی یاد میں خیمہ پہ ہے نظر کہ نہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

کہاں ہیں ساتھ جو آیا تھا کارواں چونکے   علیؑ کے لال کا کوئی مزاج داں چونکے
تڑپ کے خوابِ اجل سے کوئی جواں چونکے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

ابھی تو چاہنے والے بہت تھے مولاؑ کے   حبیب لے گئے خیمہ میں کیوں نہ سمجھا کے
زہیر کیوں نہیں گرتے قدم پہ آقاؑ کے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

کدھر ہیں مسلمِ مظلوم کے نشاں رَن میں   مہک رہے ہیں گُلِ جعفری کہاں رَن میں
یہ کیا ستم ہے قیامت ہے کیوں عیاں رن میں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

خبر نہیں کہ چچا پر یہ ظلم ہوتا ہے   زمانہ ہاتھ سے دولت نبیؐ کی کھوتا ہے
حسنؑ کا لعل کہاں قتل گہہ میں سوتا ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سَر جھکائے ہوئے

انھیں کی راہ میں دنیا لٹائی جاتی ہے — انہیں کے غم میں دو عالم بھلائے جاتے ہیں
یہ حق کی فتح مبارک شہید کرب و بلا — کہ تیری خاک پہ سجدے کرائے جاتے ہیں
غمِ حسینؑ محبت کی زندگی ہے وہیں — جہاں جہاں تیرے آثار پائے جاتے ہیں
غمِ حسینؑ میں روئیں گے تجمؔ جی بھر کے
کہیں یہ درد دلوں میں چھپائے جاتے ہیں

(36)

حسینیؑ رضا کار

ذبح جب رن میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا — جلوہ زار آب و گِل میں حشر سا برپا ہوا
پیٹ کر سرخاک اُڑائی غیرتِ اسلام نے — چھپ گیا سورج فضائے غم میں تھراتا ہوا
چرخ کانپا عرش کو جنبش ہوئی گیتی ہلی — شورِ ماتم سے دگرگوں دہر کا نقشا ہوا
شہؑ کے گرد و پیش تڑپے کشتۂ راہِ خدا — اضطرابِ زندگی اِک لاش میں پیدا ہوا
دل کی تہ میں خون کے قطروں نے بدلیں کروٹیں — موجِ طوفاں بن گیا سینہ میں دَم رکتا ہوا
موت کو آنکھیں دکھائیں زندگی کے جوش نے — سو قدم پر رہ گیا پیکِ اجل سہما ہوا
زیست کی اِک لہر آئی خوابگاہِ مرگ میں — چونک اُٹھا اِک سونے والا خون میں ڈوبا ہوا
تن پہ بے تعداد زخموں کی زِرہ پہنے ہوئے — جذبۂ نصرت کی بیتابی میں بَل کھاتا ہوا
دستِ رعشہ دار میں مضبوط خنجر کی گرفت — زیر کرتا ضعف کو لغزش کو ٹھکراتا ہوا
تیر سا دل پر لگا آوازۂ قتلِ حسینؑ — دشمنوں پر جا پڑا مثلِ اسد بپھرا ہوا
تجھ پہ صدقے زوجِ ملّت اے سوید[1] ابن مطاع — قوم میں تجھ سا مجاہد پھر کہاں پیدا ہوا

---

[1] سوید ابن مطاع کربلا کا وہ مایۂ ناز شہید ہے جو نصرت حسینؑ میں زخموں سے چور چور ہو کر عصر تک میدان میں بیہوش پڑا رہا۔ شہادت امام حسینؑ کا شور وغل سُن کر ہوش میں آیا۔ اور دوبارہ جنگ کر کے منصب شہادت پر فائز ہوا۔

[2] اس حسینیؑ رضا کار کی قوتِ ارادی عزم و استقلال اور خلوص کی ہمارے قومی رضا کاروں کو ضرورت ہے۔

تیری ہمت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو تھم گئے
ہو گیا پھر سُرخ دشمنِ حق کا منہ اُترا ہُوا

مرحبا دستِ قضا سے لے لیا جامِ حیات
پھر سنے سر سے نثارِ سیّد والا ہوا

کوئی تیرے بعد اہلِ بیتؑ کا حامی نہ تھا
پوچھنے والا نہ تھا اتنا بھی کوئی کیا ہوا

تیری آنکھیں بند تھیں اور سامنے خیمہ کے تھا
فاطمہؑ کے چاند کا برچھی پہ سَر رکھا ہوا

نیزۂ قاتل پہ گیسو خون میں ڈوبے ہوئے
بے کفن لاشہ غبارِ دشت کو سونپا ہوا

غرقِ خوشاب خجالت وہ جبینِ کائنات
آبِ خنجر پی کے پیاسا میہماں سویا ہوا

شام کو اس خیمۂ اقدس سے شعلے تھے بلند
تو نے دیکھا تھا جو دن کو دھوپ میں جلتا ہوا

جسم تھا آزاد تیرا اے رضا کارِ حسینؑ
اور امامِ عصرؑ تھا زنجیر میں جکڑا ہوا

منتظر میدان میں بچے سراسیمہ حرم
پارہ پارہ ہو کے قرآں خاک پر بکھرا ہوا

ہر طرف سے دشمنِ انسانیت گھیرے ہوئے
قافلہ کا قافلہ اِک اِک کا منہ تکتا ہوا

خلق میں ہنگامۂ قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ
وہ لبِ فطرت پہ اِک اعلان تھراتا ہوا

کچھ نہ پوچھو نجم اُس دم برہمی کونین کی
ذبح جب رن میں نبیؐ کی گود کا پالا ہوا

(37)

دُکھ کا ساگر

ڈوبی ہوئی دُکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی
اس چاند کی دس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی

بابا ہی کے دم کے ساتھی تھے اکبرؑ بھی گئے اصغرؑ بھی گئے
تکنے کو رہی ایک ایک کا منہ چھاتی پہ جو سونے والی تھی

یوں جگ میں نہ لاگی آگ کہیں اس ڈھب سے نہ اجڑا باگ کہیں
سوکھی ہوئی پتی پتی تھی ٹوٹی ہوئی ڈالی ڈالی تھی

دو کھیت پرے جل بہتا تھا اور پھول اُوپر کملاتے تھے
دن بیر یہ سوکھے جاتے تھے اور چار طرف ہریالی تھی

حیدرؑ کے گھرانے والے سب مثوونت بھی تھے سادت بھی تھے
بیجے ہی اُٹھالی بندوں نے مالک نے جو بپتا ڈالی تھی

سرورؑ پہ حسنؑ کی بدھوا نے دو چاند کے ٹکڑے وار دیئے
بچے تو جیالے تھے ہی مگر ماتا بھی بڑی دل والی تھی

کیالُٹ کے گئے کربل سے حرم جب آئی ہیں سکھیاں ملنے کو　　جس مانگ کو دیکھا اُجڑی تھی جس گود کو دیکھا خالی تھی
سنسار کا چاہا اس نے بھلا کٹوا دیا کنبے بھر کا گلا　　شبیرؑ کے من کے سانچے میں کرتار نے بھگتی ڈھالی تھی
مارے گئے سَت کی سیوا میں دھبا دیے اپنے بھگتوں کو　　ٹکڑوں پہ لہو کی سُرخی سے بڑھ چڑھ کے خوشی کی لالی تھی
یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے　　کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

نجمی یہ حسینیؑ چوکھٹ ہے یاں آ کے مرادیں ملتی ہیں
اس دوار سے بھکشا لے کے چلے آئے تھے تو جھولی خالی تھی

(38)

اسلام کا سلام

اے رئیسِ دوسَرا تجھ پر سلام اسلام کا　　اے غریبِ نینوا تجھ پر سلام اسلام کا
یہ تیرا عہدِ ضعیفی یہ جواں تیور جہاد　　ورثہ دارِ لافتا تجھ پر سلام اسلام کا
حریت کی روح بھر دی پیکرِ اسلام میں　　مالکِ سیف ولوا تجھ پر سلام اسلام کا
کوئی پھر تجھ سا نہ دیکھا آشنائے دردِ دل　　اے دلِ درد آشنا تجھ پر سلام اسلام کا
کیا اسی دن کے لیے پالا تھا چکی پیس کر　　فاطمہؑ کے دل رُبا تجھ پر سلام اسلام کا
زخم اتنے جسمِ نازک پر اور اتنے داغِ دل　　کشتۂ جور و جفا تجھ پر سلام اسلام کا
نیزہ و خنجر کے مینہ پر وہ تیرا اعلانِ حق　　جانشینِ مرتضیٰ تجھ پر سلام اسلام کا
دشتِ خونیں تیری منزل راہِ آزادی سفر　　کاروانِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا
حاملِ مشکِ سکینہؑ فاتحِ نہرِ فرات　　تشنہ لب جانِ وفا تجھ پر سلام اسلام کا
اے کہ زخموں نے ترے دولھا بنایا تھا تجھے　　قاسمِ گلگوں قبا تجھ پر سلام اسلام کا
تیر کھا کر مسکرایا جو پدر کی گود میں　　بے زبان و بے خطا تجھ پر سلام اسلام کا

اے کہ صبر و ضبط کی آیاتِ محکم تجھ میں تھیں　　فاطمی دولت سرا تجھ پر سلام اسلام کا
آگ دے دی جس میں دنیا نے جسے لوٹا گیا　　چشمۂ عرش انتہا تجھ پر سلام اسلام کا
تیرا غم تیری محبت مجسم کا اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا

(39)

ذُوالجناح

اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
تاریخ میں بہت فسانے رقم تیرے　　گہرے ہیں خاکِ دہر پہ نقشِ قدم تیرے
ہے چشمِ معرفت تری تشنہ لبی کا راز　　انسانیت کو ہے تیری حیوانیت پہ ناز
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
ساتھی شہیدِ ظلم کا راہِ خدا میں تھا　　تو پیش پیش معرکۂ کربلا میں تھا
یوں جان دی حیات کا پیغام بن گیا　　مجملۂ شعارِ اسلام بن گیا
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار
خدماتِ کربلا کے سبب کیا سے کیا ہُوا　　ایسا تو ہو رسولؐ کا تحفہ دیا ہُوا
اصطبل میں حسینؑ کے پلنا ہوا نصیب　　تجھ کو خدا کی راہ پہ چلنا ہُوا نصیب
اے ذو الجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

تو بھی گیا ہر ایک غضنفر کی لاش پر　　قاسم کی لاش پر علی اکبر کی لاش پر
اصغر کو لے کے جانب دشتِ ستم گیا　　راہِ خدا میں بچہ کا گہوارہ بن گیا

اے ذوالجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

زخمی سوار تھم نہ سکا جب کہ زین پر　　آہستگی سے تونے اُتارا زمین پر
پامال کرنے آیا جو لاشے کو تھم گیا　　تُو شیر سا حسینؑ کے قدموں میں جم گیا

اے ذوالجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

کی پہلے تونے مرثیہ خوانی حسینؑ کی　　آیا حرم میں لے کے سُنانی حسینؑ کی
غمخوار اور کون تھا ایسا حسینؑ کا　　تونے دیا غریبوں کو پُرسا حسینؑ کا

اے ذوالجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

انساں کا ننگ ہے جو سبق آدمی نہ لے　　مُردہ ہے قوم تجھ سے اگر زندگی نہ لے
کو مشتِ خاک سے بھی ہے کم کائناتِ تجم　　نقشِ قدم پہ تیرے تصدق حیاتِ تجم

اے ذوالجناح اے شہِ بے کس کے راہوار
تجھ پر ہُوا ہے راکبِ دوشِ نبیؐ سوار

شامِ عاشور

عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہُوا   غم کا وہ کائنات پہ پردہ پڑا ہُوا
سر اِس طرف حسینؑ کا نیزہ پہ جلوہ گر   مغرب میں آفتاب اُدھر ڈوبتا ہُوا
خیموں میں اشقیا کے چراغاں کا اہتمام   رَن میں چراغ قبرِ پیمبرؐ بُجھا ہُوا
ہر شیر دل عروسِ تمنا سے ہمکنار   لاشہ ہر اک شہید کا دولھا بنا ہُوا
تشنہ لبوں کے خون کی ندی چڑھی ہوئی   پانی لبِ فرات سے منہ پھیرتا ہُوا
صبر و رضا و شکر کی منزل میں زلزلے   رستہ میں کاروانِ محبت لُٹا ہُوا
غیرت سے نبض جادۂ ہستی میں اضطراب   تپتی زمیں حسینؑ کا لاشہ پڑا ہُوا
ایماں کی جان خاک پہ بے گور و بے کفن   انسانیت کا شرم سے چہرہ جھکا ہُوا
ٹھکرا کے خوابِ ناز میں سوئے ہُوئے حسینؑ   چشمِ جہاں سے پردۂ غفلت اُٹھا ہُوا
تہذیب لاشِ اصغرؑ ناداں پہ نوحہ گر   اخلاق کی نگاہ سے عالم گرا ہُوا
اُمت کی اہلبیتؑ سے بدلی ہوئی نگاہ   خلقِ عظیم غور سے منہ دیکھتا ہُوا
ریتی پہ سر جھکائے شہیدوں کے سوگوار   مختارِ کائنات کا خیمہ جلا ہُوا
ہمت یہ استوار کہ ہر لب پہ شکرِ حق   چہروں سے آشکار کہ ہر دل دکھا ہُوا

اس شام کے خیال سے دل کانپتا ہے نجم
عاشور کی وہ شام وہ رَن بولتا ہُوا

کربلا سے کوفہ

صبح دم سمٹا جو دامن شب کا پھیلایا ہوا　　قیدیوں کو لے چلا کوفہ سے حکم آیا ہُوا
ذرّہ ذرّہ ہے زمینِ کربلا کا مضطرب　　قافلہ خاموش ہے مقتل سے اُٹھوایا ہُوا
اک فضائے درد پیدا ہے سرِ شبیرؑ سے　　نوکِ نیزہ پر ہے قرآں خوں میں نہلایا ہُوا
بے کجا وہ اونٹ اُس پر بے نقاب اہلِ حرم　　چتونوں پر ہاشمی فطرت کا بَل آیا ہُوا
بستۂ زنجیرِ آہن خلق کا چوتھا امامؑ　　قید میں تکلیفِ درد قید پر چھایا ہُوا
وہ سکینہؑ کا لڑکپن اور وہ کوشش ضبط کی　　فرطِ غم سے چہرۂ معصوم سنولایا ہُوا
داخلہ اس شانِ مجبوری سے اُس کوفہ میں ہے　　جو کبھی اِن کی غلامی پر تھا اِترایا ہُوا
ذہن میں ہوگا ابھی دیکھا ہوا ان کا عروج　　خون میں ہوگا ابھی ان کا نمک کھایا ہُوا
آج ان کے واسطے چشمِ تماشہ بن گئیں　　تھا جن آنکھوں میں غبارِ عاجزی چھایا ہُوا
اے خدائے شرم وغیرت کون سے گوشہ میں ہے　　جذبۂ غیرت مسلمانوں کا ٹھکرایا ہُوا
کوچہ و بازار و بام و در کو آنکھیں مل گئیں　　جیسے انسانوں کا اِک دریا ہو لہرایا ہُوا
نالہ و فریاد کا ذوقِ سماعت منتظر　　مستغیثانہ نگاہوں کا خیال آیا ہُوا
یک بہ یک اُٹھا فضا میں زینبؑ کبریٰ کا ہاتھ　　ہاتھ کا اُٹھنا کہ سناٹا سا تھا چھایا ہُوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے　　اس میں تھراہٹ کہاں مجمع ہے تھرایا ہُوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے　　دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہُوا
منتظر کانوں پہ اک الفاظ کی بجلی گری　　ہوش رخصت ہوگیا ذہنوں سے گھبرایا ہُوا
اس دہن میں تھی زباں گویا لسان اللہ کی　　حرف اِک اِک نقش تھا ارشاد فرمایا ہُوا
آلِ احمدؐ کی اسیری اپنی آزادی کا راز　　یوں سمجھ میں آگیا جیسے ہو سمجھایا ہُوا
چیر کر نفس اُن کا اُن کو اس طرح دکھلا دیا　　اپنی ہستی سے تھا اِک اِک فرد شرمایا ہُوا

گردنیں خم ہوگئیں آنکھوں میں آنسو آ گئے   ہر کلیجہ چاک ہر سینہ تھا برمایا ہُوا
بڑھ گیا وہ کارواں اور رہ گیا یہ قافلہ   جیسے کوئی ذلّت و نکبت کا ٹھکرایا ہُوا

(42)

کھیون ہارا

کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا   ایک اک سیس انی پر چمکے جیسے تارا
سب سے لانبی برچھی پر وہ سیس حسیناً سوامی کا   بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
ہر چڑیا بن کی رووت ہے، اندھیارے بن میں سووت ہے   علیؑ نبیؐ کی گود کا پالا دھرم کا پالن ہارا
راکھلئی پت صاحب کی گھربار لُٹا کر سیوک نے   کیسا اُتّم کام ہے اُس کا نام ہے کیسا پیارا
سب تیر سامنا دوڑ پڑے جب موت پکاری پلٹے سے   نربل بوڑھے کومل بالک کوئی نہ ہمت ہارا
سب سستا سودا سمجھے تھے کیا مہنگی جانیں بیچیں   اک اک بل نے ست کے بل پر سو سو کو للکارا
پریم کی نیّا ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی   اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھیون ہارا
جان گئے ہر دیسی ودیسی جھوٹی ساچی مہما کو   ہارے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
ہنس ہنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اُپدیش دیا   اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حسینا بابا کی   کربل بن میں دیا جلایو سارا جگت اُجیارا
پوجا پاٹ کسو کی ناہیں مپتا یاد دلاوت ہیں   سرورؑ کا تابوت ہے دھری اصغرؑ کا گہوارا

اپنے کو جو چاہے نجمی اُس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ مناکر من ہرلیں ہمارا

دربارِ شام

پُردرد ہے دربارِ یزیدی کا نظارا — دربار جسے ظلم کے ہاتھوں نے سنوارا
آہوں سے اسیروں کے جہاں لطف کا سامان — اشکوں سے یتیموں کے جہاں عیش کا یارا
رسّی میں بندھی سامنے اولادِ پیمبرؐ — اور تختِ حکومت پہ یزیدِ ستم آرا
اُٹھتی ہوئی منظر پہ مسلمانوں کی نظریں — نظریں جنھیں اسلام کی توہین گوارا
پہنے ہوئے زنجیر وہ مطلوب دوعالم — زنجیر بھی لیتی ہوئی قدموں کا سہارا
ہم مرکزِ ایماں ہیں یہ تیور کی گواہی — ہم وارثِ قرآں ہیں یہ چتون کا اشارا
آئینۂ رخسار پہ وہ گردِ یتیمی — چمکا ہوا وہ صبر کے جوہر کا ستارا
نظروں میں وہ پھرتی ہوئی اکبرؑ کی جوانی — سینہ میں وہ چبھتا ہوا اصغرؑ کا اشارا
دل میں وہ کسی لاشۂ بے سر کا تصوّر — آنکھوں سے وہ اک فرقِ مطہّر کا نظارا
دیتی تھی جو منظور اذیت پہ اذیت — حاکم نے کیا ایک مقرر کو اشارا
منبر پہ ہوئی مصحفِ ناطق کی جو تکذیب — لفظوں نے کیا اپنے معانی سے کنارا
کس یاس سے تب سیدِ سجادؑ نے پوچھا — کچھ ہم بھی کہیں تجھ کو جو سننا ہو گوارا
یہ صاحبِ منبر تھے مگر ہائے زمانہ — دیتا تھا اجازت نہ یزیدِ ستم آرا
کچھ بس نہ چلا دیکھ کے دربار کا نقشہ — حضار کا غل تھا کہ اجازت ہو خدارا
حلقہ سے اسیروں کے بڑھا درد کی صورت — زنجیر سنبھالے ہوئے شبیرؑ کا پیارا
بوسہ کیا جبریلؑ نے دامانِ قبا کا — خم ہو کے دیا عرش نے منبر کو سہارا
پیدا ہوئی الفاظ کی اک سیل زباں سے — یا کوثر و تسنیم کا چڑھتا ہوا دھارا
عنوان تھا وہ حمد کا وہ نعت کی ترتیب — وہ لحن کہ جس لحن نے قرآں کو سنوارا
سُن لو! میں علیؑ ابنِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں — بیٹا میں خدیجہؑ کا ہوں زہراؑ کا دُلارا

مکہ کا فرزند ہوں فرزند منیٰ ہوں پیغمبرِ اسلام کے فرزند کا پیارا
جو صاحبِ معراج ہے میں اس کا خلف ہوں جس کے لیے اللہ نے قرآن اُتارا
بیٹا ہوں امام ابنِ امامِ دوجہاں کا اک دشتِ پُرآشوب میں پیاسا جسے مارا
جس کے لیے افلاک پہ روئے ہیں فرشتے سر جس کا شقی نے پسِ گردن سے اتارا
دل ہل گئے سینوں میں اُٹھا شورِ قیامت تقریر سے دربار لرزنے لگا سارا
تقریر کی تاثیر چھپانے کو اذاں میں گھبرا کے جفا جُو نے موذّن کو پکارا
جس وقت موذّن نے لیا نام محمدؐ سجاد مخاطب ہوئے ظالم سے دوبارا
پوچھا کہ بتا کس کو محمدؐ سے ہے رشتہ کہتے ہی بَن آئی کہ یہ نانا تھا تمھارا
تقریر کے قربان مقرر کے تصدق
اے نجم ستمگر کا بھرم کھل گیا سارا

(44)

ہاشمی شجاعت

اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو تختِ اِنّما والو تاجِ ہل اتیٰ والو
شانِ مصطفےٰ والو وضعِ مرتضیٰؑ والو کیا وفا پہ جانیں دیں تم نے اے وفا والو
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
کارزارِ ہستی میں تم نے دیں پناہی کی لاج رہ گئی تم سے تیغ کی سپاہی کی
تم نے آبرو رکھ لی فطرتِ الٰہی کی سر کٹا کے ملّت کی تم نے سربراہی کی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو
حق کی راہ میں کھائے زخمِ دلنشیں تم نے دل بنادیے کتنے دردِ آفریں تم نے
چوم کر سرِ میداں موت کی جبیں تم نے خونِ گرم سے اپنے رنگ دی زمیں تم نے
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

دینِ حق کی بے تابی ہر طرف پکار آئی　　ہاشمی شجاعت ہی پھر بروئے کار آئی
یہ تمھاری ہمت تھی جو چمن سنوار آئی　　اپنے خون سے سینچا تب کہیں بہار آئی

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

کس بلا کے جنگل میں آلِ مصطفیٰؐ ٹھہری　　بے دیار کا مدفن ارضِ کربلا ٹھہری
آئی شام عاشورہ صبح کو وغا ٹھہری　　کیا خبر مدینہ کو شامیوں سے کیا ٹھہری

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

چھوٹے چھوٹے بچوں نے جنگ کی اجازت لی　　بڑھ گئے جواں بن کر کم سنی سے رخصت لی
قوم کی حمایت میں عزتِ شہادت لی　　زندگی کو کیا کہیے موت سے بھی خدمت لی

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

حق پہ مرنے والوں نے جان دی سلیقے سے　　شوق سے تمنا سے عزم سے ارادے سے
زندگی نہ کی پیاری فاطمہؑ کے پیارے سے　　ماں کی گود سے آیا آیا کوئی جھولے سے

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

کوئی تم میں اکبرؑ تھا کوئی تم میں اصغرؑ تھا　　کوئی ثانیِ جعفرؑ کوئی مثلِ حیدرؑ تھا
کوئی قدر و قیمت میں دو جہاں سے برتر تھا　　زیرِ تیغ سنتے ہیں فاطمہؑ کا گھر بھر تھا

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

اس طرح کے عالم میں پھر نہ دل جگر دیکھے　　در پہ آ کے ماؤں نے جنگ کے ہنر دیکھے
اپنے چاند کے ٹکڑے خوں میں تر بہ تر دیکھے　　ریگِ گرم پہ لاشے برچھیوں پہ سر دیکھے

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

سر کہیں تھے نیزوں پر خاک پر کہیں لاشیں　　دم بخود ہوئی دنیا دیکھ کر حسیں لاشیں
خامشی کے عالم میں کام کر گئیں لاشیں　　بیگناہ مارا ہے منہ سے بول اٹھیں لاشیں

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

تم پہ کیا ستم توڑے ہائے بے ادب دنیا　　آج خود ہے دنیا میں کشتۂ تعب دنیا
تشنہ لب کبھی تم تھے اب ہے تشنہ لب دنیا　　اب تمھیں کہاں پائے ڈھونڈتی ہے اب دنیا

ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(45)

زِندانِ شام

بادشاہِ کربلا شام کے زِنداں میں ہے	صبحِ قیامت نما شام کے زنداں میں ہے
سید سجادؑ ہیں طاعتِ معبود میں	چاند سا نکلا ہوا شام کے زِنداں میں ہے
جانِ رسولؐ خدا دشت میں ہے بے کفن	آلِ رسولؐ خدا شام کے زنداں میں ہے
دھوپ میں کٹتا ہے دن اوس میں کٹتی ہے شب	ہر ستم ناروا شام کے زنداں میں ہے
اہلِ وفا اٹھ گئے اہلِ جہاں ہیں خموش	ماتمِ اہلِ وفا شام کے زنداں میں ہے
تیر ہے تلوار ہے تذکرۂ کربلا	روز نئی کربلا شام کے زنداں میں ہے
بالی سکینہؑ چلیں باپ کا غم لے چلا	اور یہ ماتم نیا شام کے زنداں میں ہے
فرقِ شہِؑ کربلا دیکھیے کیونکر ملے	ایک یہی آسرا شام کے زنداں میں ہے
جائے گا یہ سلسلہ تیرھویں معصومؑ تک	آج نئی ابتدا شام کے زنداں میں ہے

(46)

پہلا زائر

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو	مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابرؓ یہ پوچھ لو
قسمت سے ہو حضور میں حاضر یہ پوچھ لو	پہلے ہو تم حسینؑ کے زائر یہ پوچھ لو

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابرؓ یہ پوچھ لو

نوٹ: جابرؓ، سرورِ کائناتؐ کے ایک صحابی اور مرقدِ مطہر سید الشہداؑ کے پہلے زائر تھے۔

پوشیدہ ہیں اس خاک میں قدرت کے خزانے اعجاز دکھائے ہیں بہت خاکِ شفا نے
سننے سے یقیں جس کو نہ ہو دیکھ کے مانے عشرہ کو لہو دیتے ہیں تسبیح کے دانے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

صدیوں سے ہے دنیا میں یونہی معرکہ آرا کوئی تو حقیقت ہے جو ہے دل کو گوارا
رُکتا نہیں اس درد کے طوفان کا دھارا قدرت کا ہے خود اس کی اشاعت میں سہارا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

مرتا ہے جو فرزند کسی کا کوئی خوش خو یاد آتا ہے ماں باپ کو ہر چند وہ گل رو
دو چار برس بعد نکلتے نہیں آنسو شبیرؑ کا غم ہے کہ بدلتا نہیں پہلو

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کے لیے ہے دنیا کو راہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

لو ہم سے محبت کے خزانوں کی مثالیں ایثار و صداقت کے نشانوں کی مثالیں
حق بات پہ لٹتی ہوئی جانوں کی مثالیں بچوں کی ضعیفوں کی جوانوں کی مثالیں

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ دشتِ بلا وہ ستم تشنہ دہانی وہ خشک گلے اور وہ تلوار کا پانی
مٹتی ہوئی ایک ایک پیمبرؐ کی نشانی دیکھیں تو بھلا دے کوئی اکبرؑ کی جوانی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

جنگل میں بہا خون بہتر کے گلے کا　　ساحل پہ علم دار دلاور کے گلے کا
سجدے میں لہو سبطِ پیمبرؐ کے گلے کا　　تیر آج بھی دل دوز ہے اصغرؑ کے گلے کا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پیاسے تھے مگر آئے تھے گھوڑوں کو ڈپٹ کر　　بچے بھی رہے رَن میں جوانوں سے نہ گھٹ کر
آئی جو اجل سر پہ تو دیکھا نہ پلٹ کر　　جاتے ہیں یہ منظر کہیں تاریخ سے ہٹ کر

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

سب چھوڑ گئے وقت پہ عیسیٰؑ کو حواری　　شبیرؑ کے انصار نے کی جان نہ پیاری
تنہائی پہ آقا کی یہ عالم ہوا طاری　　سنتے ہیں کہ تھرائے تھے لاشے کئی باری

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پانی پہ نظر پڑتے ہی یاد آتے ہیں پیاسے　　بچوں کی وہ تکلیف جوانوں کے دلاسے
بیگانہ کوئی لاکھ ہو مجلس کی فضا سے　　دل آپ دہل جاتے ہیں ماتم کی صدا سے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

دنیا جو روا دار نہیں جی نہ کڑھاؤ　　آنکھیں ہیں یہاں فرش کہیں دور نہ جاؤ
اے ہند کے مزدور سپوتو! اِدھر آؤ　　مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں قوم کا جھگڑا ہے نہ مذہب کی لڑائی　　مولاؑ کے عزا دار سب آپس میں ہیں بھائی
کل جس نے غریبوں کے لیے جان گنوائی　　منظور اسے آج بھی ہے عقدہ کشائی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں نام کی ہے شرط نہ قصہ ہے نسب کا   تنہا وہ عجم کا ہے نہ تنہا وہ عرب کا
ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غمخوار ہے سب کا   ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت   تجھی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت
مل بیٹھیں گے پھر سیدِ عالم کی بدولت   احساسِ حیات آئے گا اس غم کی بدولت

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

(89)

حسینیؑ درشن

سنسان تھی بستی یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جلیا تھا   اپنے ہی لہو کے پیاسوں میں وہ پریم سندیسا لایا تھا
مکھڑے پہ کھنچی تلواریں تھیں اور سورج سر پہ آیا تھا   کیا دھرتی رن کی تپتی تھی جب پاؤں کے نیچے سایا تھا
یوں روگ مٹانے دنیا کا یہ کون بردگی آیا تھا   سنسار ہی کو سکھ دیتا تھا سنسار ہی سے دُکھ پایا تھا
جب دونوں جگ کے مالک سے یہ دنیا آنکھیں موندے تھی   شبیرؑ نے گر کر سجدے میں اللہ کو پہنچوایا تھا
تیغوں کی چمکتی بجلی تھی اور شام کی سینا دل بادل   وہ چھایا ہوا تھا بادل پہ وہ بجلی سے ٹکرایا تھا
اُپدیش کے کول شبدوں سے اب تک بھی دلوں میں گرمی ہے   اس چاند نے اپنی کرنوں کو سورج کی طرح پھیلایا تھا
سب گود کے پالے وار دیے سب چاہنے والے وار دیے   جینے سے نظر یوں پھیری تھی اور موت کو یوں اپنایا تھا
جب کھائی تھی برچھی اکبرؑ نے جب تیر لگا تھا اصغرؑ کے   آنکھوں پہ کسی کا بس ہی نہیں من کون طرح سمجھایا تھا
کیا بانکے ترچھے تیور تھے ان پیاسے مرنے والوں کے   کیا دھوپ کڑی تھی جنگل کی کیا مکھڑوں پہ روپ آیا تھا
پردے سے دھواں سا اٹھتا ہے کیا آگ لگی ہے پانی میں   مہمان کو کوفہ والوں نے پانی کے لیے ترسایا تھا
سب جانے ہی جانے والے تھے میداں سے آتا کون ادھر   اکبرؑ کی سنائی آتی تھی اصغرؑ کا بلاوا آیا تھا
اس دیس کی آنکھیں بھی تجھی پیاسی تھیں حسینیؑ درشن کی   بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

راہِ خدا

ملّت کا شیدا حق کا شناسا پیارے نبیؐ کا پیارا نواسا
دریا کنارے دو دن کا پیاسا
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

یہ کربلا کی مہمان نوازی یہ کوفیوں کی ہنگامہ سازی
کیسا مجاہد کیسا نمازی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

کرب و بلا میں یثرب سے آکے بھٹکے ہوؤں کو رستہ بتا کے
انسانیت کا پیغام سُنا کے
مارا گیا ہے راہِ خدامیں

اک اک وفا کے پیکر کو لے کر اکبرؑ کو لے کر اصغرؑ کو لے کر
ہمراہ اپنے گھر بھر کو لے کر
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

وہ بنتِ اتا کے گھر کا اجالا وہ لافتا کی گودی کا پالا
تقدیس والا تطہیر والا
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

چہرے پہ کیسی تابندگی ہے مظلومیت کی پائندگی ہے
لاشے سے پیدا کیا زندگی ہے
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

دلِ حرم کے دل ہیں نرالے بیٹھے ہوئے ہیں کیا غم سنبھالے
چُپ رہ گئے ہیں سب رونے والے
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

بستی سے کہہ دو صحرا سے کہہ دو خشکی سے کہہ دو دریا سے کہہ دو
مظلوم ہے وہ دنیا سے کہہ دو
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

ہونا ہے اس کے جادہ پہ راہی بیدار ہوجا اے کج کلاہی
فوجِ خدا کا نامی سپاہی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

اے نجم دیکھو یہ حق نمائی اللہ اس کے غم کی رسائی
دردِ آشنا ہے ساری خدائی
مارا گیا ہے راہِ خدا میں

(91)

حسینؑ کی دولت

یثرب کی نینوا کے ستم پر نظر نہیں گھر کس کا لُٹ رہا ہے کسی کو خبر نہیں
آئی اگر تو ایسی قیامت نہ آئے گی عشرہ کی صبح صبح قیامت اگر نہیں
کیسا خزاں نے لوٹ لیا اس بہار کو وہ کونسا جواں ہے جو رشکِ قمر نہیں
پیشِ نظر حسینؑ کے ہیں دوجہاں مگر اللہ پر نظر ہے کسی پر نظر نہیں
انصار ہیں حسینؑ کے دونوں سے بے نیاز جینے کی آرزو نہیں مرنے کا ڈر نہیں
سوتے ہیں جلوہ گاہِ مودّت میں سرفروش دل اُن کے پہلوؤں میں ہیں شانوں پر سر نہیں

جانیں نثار کر کے بچایا ہے دینِ حق — پھر کیا ہے یہ حسینؑ کی دولت اگر نہیں
یوں آگ دے رہے ہیں مسلماں خیام میں — جیسے یہ گھر نبیؐ کے نواسے کا گھر نہیں
ماتم کل اُس کے سارے زمانے میں دیکھنا — لاشے پہ جس کے آج کوئی نوحہ گر نہیں
غم ہے وہاں حسینؑ کا انساں ہیں جس جگہ — عالم میں یہ شہید کہاں جلوہ گر نہیں

اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا
دنیا میں تجم چشم حقیقت مگر نہیں

(92)

حسینؑ کارواں

حسینؑ ابنِ علیؑ اسلام کا دردِ نہاں سمجھے — خدا کی راہ میں یہ موت کو آرام جاں سمجھے
سلام انسان کا تا حشر انصارِ حسینؑ پر — جنھیں اہلِ نظر انسانیت کا پاسباں سمجھے
کہاں دنیا میں ایسے مرنے والے باوفا ایسے — اجل کا جب پیام آیا نویدِ ناگہاں سمجھے
لبوں پر جان تھی جس وقت سر تھا پائے مولاؑ پر — جری اس ایک لمحہ کو حیاتِ جاوداں سمجھے
سنا جائے نہ قصہ کربلا کے تشنہ کاموں کا — جو کوئی سننے والا موجِ دریا کی زباں سمجھے
وہ سمجھانا بزرگوں کا وہ صبر و ضبط بچوں کا — خدا آگاہ ہے کس طرح یہ تشنہ دہاں سمجھے
اجازت رن کی لے آئے کہ دل میں دردِ ملت تھا — مگر جو ماں کے دل کا درد تھا اکبرؑ کہاں سمجھے
نہ تڑپائے اُسے کیونکر نمازِ عصر عاشورہ — جسے لطفِ نماز آئے جو پیغامِ اذاں سمجھے
ہم اُس آوازِ ہل من ناصر پر کیوں نہ قرباں ہوں — جسے جھولے میں اک بے شیر سمجھے بے زباں سمجھے
تصدق میں شہیدانِ وفا کے وہ بھی دن آئیں — حسینؑ کارواں کا رُخ یہ قومی کارواں سمجھے
شہیدِ کربلا سے سیکھ لے جینا بھی مرنا بھی — جو اپنی زندگی کو قوم کی روحِ رواں سمجھے
رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولاؑ سے — وہ لمحے زندگی کے تجم ہم نے رائیگاں سمجھے

غم کا منظر

ڈھلا عاشور کا دن فاطمہؑ کا لال تنہا ہے
چراغِ قبرِ پیغمبرؐ کے بجھتے ہی اندھیرا ہے

اُداسی ہی اُداسی ہے تمام آیاتِ قدرت پر
کہ جیسے عالمِ انوار بھی دو دن کا پیاسا ہے

چلا جاتا ہے سورج سر جھکائے جانبِ مغرب
وفورِ درد سے اُترا ہوا دنیا کا چہرا ہے

یہ دشت و در یہ بحر و بر یہ خشک و تر ارے توبہ
زمیں شعلے اُگلتی ہے لہو کا مینہ برستا ہے

لبِ فطرت کی ہے فریاد یا خیموں کی آوازیں
ہوا کی تیز لہروں میں صدائے واحسیناؑ ہے

رسالت کا قمر اوڑھے ہوئے ہے خون کی چادر
لہو میں تر نشانِ لشکرِ حق کا پھریرا ہے

جو زخموں پر نظر پڑتی ہے اس تنہا مجاہد پر
ابھی تک ہاتھ میں تلوار ہے میداں پہ قبضہ ہے

نظر میں ہیں اِدھر انصار کے لاشے اُدھر خیمے
اکیلا غم کے منظر میں پیمبرؐ کا نواسا ہے

وہاں ذرّے تڑپتے ہیں جہاں ہے لاشۂ اکبرؑ
جہاں ہے قبرِ اصغرؑ کی زمیں کا دل دھڑکتا ہے

یہ جیتی جاگتی دنیا یہ لاشیں دل کے ٹکڑوں کی
جدھر دیکھو خموشی ہے جسے دیکھو وہ سوتا ہے

وہ چاہے تو زمیں ہے آسماں ہے چاند سورج ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کے جاں نثاروں کی کمی کیا ہے

کچھ ایسا پاسِ غیرت ہے کچھ ایسا دردِ بے تابی
درِ دولت کا پردہ گاہ گرتا گاہ اٹھتا ہے

اِدھر پیاسے ہیں بچے اِس طرف ہیں تر لبِ ساحل
اُدھر خالی ہیں کوزے اُس طرف بھرپور دریا ہے

مسلسل تیر آتے ہیں قریب آتے نہیں ظالم
کہ ایسی بیکسی میں بھی جلالت کارفرما ہے

بہت کس بل ابھی ہے ہاتھ میں پر کیا کرے غازی
نمازِ عصر کا وقت آ گیا سجدے میں جانا ہے

قیامت ہے جبینِ خنجر ہے سر بھی اور سجدہ بھی
دکھا دو سرگزاروں کو یہ سر ہے اور یہ سجدہ ہے

شہِؑ دیں کا تصرّف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ
میں جس عالم میں ہوں اے نجمؔ دنیا کو خبر کیا ہے

نازشِ اسلام

کربلا میں کس کا سر نیزہ پہ اے اسلام تھا ۔۔۔ سوکھے ہونٹوں پر رسولؐ اللہ کا پیغام تھا
کس کی خوں گشتہ جبیں سے تھی ضیا پھیلی ہوئی ۔۔۔ آسماں کا چاند دھندلا سا چراغِ شام تھا
خون میں تر ہی سہی نیزوں سے ٹکڑے ہی سہی ۔۔۔ لشکرِ جانِ پیمبرؐ نازشِ اسلام تھا
پیاری صورت تھی وہی سینے پہ برچھی کھا کے بھی ۔۔۔ ان کا حُسن اللہ اکبر جن کا اکبرؑ نام تھا
تیر کھایا چھ مہینے کے علیؑ اصغر نے بھی ۔۔۔ کیا رسولؐ اللہ کے بچوں کا قتلِ عام تھا
نیزہ و خنجر سے پیچھے ہٹ نہ سکتے تھے قدم ۔۔۔ یہ حسینیؑ عزم تھا یہ ہاشمی اقدام تھا
ان کے سجدے تھے نمازِ صبح یثرب کی بہار ۔۔۔ جن سروں کے نور سے روشن سوادِ شام تھا
روزِ عاشورِ محرم عصر تک میدان میں ۔۔۔ ایک بندہ تھا خدا کا اور خدا کا نام تھا
کربلا کی خاک اور آلِ پیمبرؐ کا لہو ۔۔۔ اس زمیں کا ذرّہ ذرّہ کیسا خون آشام تھا
عزّتِ انساں پہ یورش دیکھتے کیونکر حسینؑ ۔۔۔ ذبح کر کے بھی عدوئے دینِ حق ناکام تھا
کامیاب و کامراں تھے ذبح ہو کر بھی حسینؑ ۔۔۔ جان دے دینا یہاں انسانیت کا کام تھا
آج اس کا بول بالا مشرق و مغرب میں ہے ۔۔۔ کل دیارِ نینوا میں جو تہہِ صمصام تھا
خطبۂ سجادؑ ہو یا ہو رجزِ شبیرؑ کا ۔۔۔ ان کا ایک اک حرف شرحِ عزّتِ اسلام تھا

بجھ گیا تھا نجم جب قبرِ پیمبرؐ کا چراغ
کیا یونہی تاروں سے روشن چرخِ نیلی فام تھا

موت کا تعاقب

پُر درد ہے نہایت اسلام کا فسانہ   گھر لُٹ گیا نبیؐ کا دیکھا کیا زمانا
وہ دین کی حمایت دُنیا کی چھاؤنی میں   یثرب کے من چلوں کا تیغوں کے منہ پہ آنا
عزت کی رہ گذر میں وہ موت کا تعاقب   وہ اپنی زندگی کی لذّت کو بھول جانا
وہ لشکرِ ستم پر تحقیر کی نگاہیں   وہ پیاس میں تبسم وہ بجلیاں گرانا
باطل کی تیرگی میں وہ جلوۂ حقیقت   وہ کفر کی فضا میں ایمان کا گھرانا
نصرت کا دینِ حق کی وہ دلگداز منظر   اِک طفل بے زباں کا جھولے سے اٹھ کے آنا
وہ جانستاں نیابت ہر ایک تشنہ لب کی   ننھے سے ایلچی کا سوکھی زباں دکھانا
میداں میں سنسناہٹ اک تیرِ بے خطا کی   فطرت کا آہ کرنا بچے کا مسکرانا
زخمی جبیں کا سجدہ اسلام کی بلندی   شبیرؑ کا خدا کی طاعت میں سر جھکانا
خیمے کے در پہ لرزاں مشتاق دید نظریں   مظلومِ کربلا کا نیزے پہ منہ دکھانا
ڈوبے ہوئے لہو میں اسلام کے خوزادے   شعلوں میں دوجہاں کے مولاؑ کا آستانا

حالت ہی نجم کب تھی نوحہ گری کے قابل
ہم چپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

پیغامِ کربلا

جہاں نواز جو پیغامِ کربلا نہ رہے
کہاں دلوں میں زبانوں پہ بھی خدا نہ رہے

صراطِ حق نہ رہے مسلکِ وفا نہ رہے
غمِ حسینؑ جو دنیا کا رہنما نہ رہے

جو مصطفےٰؐ کا مدینہ جہاں میں کہلائے
وہاں یہ ظلم کہ فرزندِ مصطفاؐ نہ رہے

یہ کیا غضب ہے صف آرا ہو شام کا لشکر
لبِ فرات پیمبرؐ کا لاڈلا نہ رہے

نبیؐ کی آل ہی کیا اس ستم کے قابل تھی
کہ میہماں کہیں بے آب و بے غذا نہ رہے

کرم کی رسم زمانے سے اٹھ گئی شاید
یہ اہتمام ہے کوئی ستم اٹھا نہ رہے

حرم کی گود کے بچے بھی لے چلی ہے اجل
کہ ان غریبوں کا اتنا بھی آسرا نہ رہے

عدو کو ضد ہے کہ یوں گھر حسینؑ کا اُجڑے
کوئی صغیر بھی جھولے پر جھولتا نہ رہے

فلک کو دیکھ کے اکثر یہ سوچتا ہوں میں
رہے یہ چاند اور اکبرؑ سا مہ لقا نہ رہے

نہ تھے حسینؑ کی جرأت کو دیکھنے والے
کھنچی ہے تیغ جب انصار باوفا نہ رہے

دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسینؑ اے انجم
محال ہے کہ یہاں غمِ حسینؑ کا نہ رہے

شہزادۂ انوار

عشرہ کا وہ دن وہ شہِ ابرار کا عالم — وہ مرضیِ خالق کے خریدار کا عالم
لپٹی ہوئی قدموں سے زمیں کرب و بلا کی — ہر ذرۂ بے حس میں دلِ زار کا عالم
نہوڑائے ہوئے سرشبِ عاشور کی رخصت — وہ غم کی روش درد کی رفتار کا عالم
وہ آخری تسلیم کو جھکتے ہوئے تارے — سجدوں کی فضا صبح کے آثار کا عالم
مشرق کی سپیدی میں جھلکتی ہوئی سرخی — خوں نابۂ دل دیدۂ خونبار کا عالم
کونین کا اُترا ہوا منہ فرطِ الم سے — روکارِ فلک چہرۂ بیمار کا عالم
وہ عالمِ ایثار حسینؑ ابنِ علیؑ کا — گھیرے ہوئے وہ رحمتِ غفار کا عالم
تن میں وہ رسالتؐ کی قبا سر پہ عمامہ — سر تا بقدم احمدِؐ مختار کا عالم
وہ شام کی فوجوں میں پیمبرؐ کا نواسا — ظلمت میں وہ شہزادۂ انوار کا عالم
تکبیر بہ لب احمدِؐ مختار کے تیور — شمشیر بکف حیدرؑ کرّار کا عالم
بیتاب وہ جذبات وہ بے چین ارادے — مرنے کی تمنا میں وہ انصار کا عالم
بے قصد عیاں نصرتِ شبیرؑ کی نازش — معصوم نگاہوں میں وہ پندار کا عالم
سرکردۂ اربابِ مودّت کی نظر میں — ایک ایک محبت کے گرفتار کا عالم
آقا کی حفاظت میں وہ جاگی ہوئی آنکھیں — منظورِ نظر دیدۂ بیدار کا عالم
کاندھے پہ بھری مشک لبِ پاک پہ خشکی — دریا پہ وہ پانی کے طلب گار کا عالم
ملت کے جوانوں کی بڑھاتا ہوا ہمت — نیزوں پہ وہ بانوؑ کے طرحدار کا عالم
ڈوبے ہوئے بھرپور جوانی کے لہو میں — اے صلِّ علیٰ گیسوئے خمدار کا عالم
تیغوں کی کشاکش میں اُمنگوں کی فضا میں — وہ سیّدِ معصوم کے دلدار کا عالم
بکھری ہوئی وہ عونؑ و محمدؑ کی نگاہیں — وہ چھینٹ بہ جبیں جعفرؑ طیار کا عالم

مسلمؑ کے جواں بخت و جواں سال دُلارے　　چہروں سے عیاں باپ کے ایثار کا عالم
وہ صبح کو دربارِ گہر بار کی رونق　　وہ شام کو لوٹی ہوئی سرکار کا عالم
شبیرؑ کا اصغرؑ کو وہ میدان میں لانا　　کرّار کی آغوش میں جرّار کا عالم
واللہ وہ سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تبسم　　عالم پہ برستے ہوئے انوار کا عالم
سینے سے لگائے ہوئے ننھا سا وہ ہدیہ　　آنکھوں میں محبت کی نظر پیار کا عالم
ہلکی سی وہ جنبش علی اصغر کے لبوں کی　　وہ خشک گلے پر لبِ سوفار کا عالم
نیزوں کی مدارات میں شبیرؑ کا سینہ　　زخموں کی عنایات سے گلزار کا عالم
الحمد کی تمہید مجاہد کے لبوں پر　　تائید میں تلوار کی جھنکار کا عالم
خنجر کے تلے رحمتِ معبود سے باتیں　　وہ رمز و کنایات وہ اسرار کا عالم
وہ درد کا منظر جو دو عالم کو ہلادے　　نیزے کی انی گیسوئے خمدار کا عالم

نجمؔ آتے ہیں وہ آہ بہ لب دست بہ سینہ
دیکھے تو کوئی شاعرِ سرکار کا عالم

(98)

پریم کہانی

کربل کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے　　شبیر کا گھائل تن من ہے دھرتی کی دھڑکتی چھاتی ہے
یوں جگ کے بھلے کو مرتے ہیں یوں اپنے لہو میں بھرتے ہیں　　یوں دھرم کی سیوا کرتے ہیں یہ من کی لگن کہلاتی ہے
ڈوبا ہے لہو میں ناؤ مگر من سوچ میں ڈانواں ڈول نہیں　　سینے پہ ہیں کتنے گھاؤ مگر آنکھوں میں دیا لہراتی ہے
کیا سیدھے سچے ساتھی تھے کیا پریم کہانی چھوڑ گئے　　کربل کی زمیں تھرائے بچی ہروے کی زمیں تھراتی ہے
بھوکے بھی لڑے پیاسے بھی لڑے لاکھوں میں بہتّر کود پڑے　　بلونت سہی ساونت سہی کہنے میں مگر بات آتی ہے
سکھ آج ہے برچھی کھانے میں آنند ہے آپ مر جانے میں　　اکبرؑ کا بھی ہے وشواش یہی ماتا بھی یہی سمجھاتی ہے
یہ اجڑ چکی بھومی لوٹ چکی بھرپور جوانی پھولوں کی　　اب گود میں اپنے مالی کے منہ بند کلی مرجھاتی ہے

یہ تیر گلے پر کھائیں گے منسار کا جی دہلائیں گے　　چھوٹے سے بڑے ہو جائیں گے اصغرؑ کی سواری آتی ہے
دن لڑتے لڑتے بیت گیا سنتوش پر یکی جیت گیا　　سنتوش کی جے رہ جائے گی چِتا کہیں رہنے پاتی ہے
مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے　　یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے
نجمی وہ بڑے دل والے تھے دل نام سے دھک دھک کرتے ہیں　　یا دان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھمک بن جاتی ہے

(99)

تیرہ سو برس

غمِ شبیرؑ و چشمِ تر کو تیرہ سو برس گزرے　　عزائے جانِ پیمبرؐ کو تیرہ سو برس گزرے
ابھی تک خون ہو جاتی ہے مٹی قبرِ سرورؑ کی　　سلوکِ گردن و خنجر کو تیرہ سو برس گزرے
ابھی تک سینۂ اسلام کا یہ زخم تازہ ہے　　سناں کھائے ہوئے اکبرؑ کو تیرہ سو برس گزرے
ابھی تک ان کا جھولا منتظر ہے ان کے آنے کا　　لحد کی گود میں اصغرؑ کو تیرہ سو برس گزرے
ہلا دیتی ہے دل عباسؑ کی شانِ جلال اب بھی　　صفیں الٹے ہوئے صفدرؑ کو تیرہ سو برس گزرے
نظر آتے ہیں خوں میں تر بتر مشک و علم اب تک　　لہو دیتے ہوئے منظر کو تیرہ سو برس گزرے
ابھی تک صفحۂ تاریخ پر یہ چاند روشن ہے　　جمالِ قاسمِ مضطر کو تیرہ سو برس گزرے
جناں میں تشنگانِ کربلا کی تشنہ کامی پر　　تڑپتے موجۂ کوثر کو تیرہ سو برس گزرے
حسینؑ ابنِ علیؑ کے در سے پایا درسِ آزادی　　دعا دیتے ہوئے اس در کو تیرہ سو برس گزرے
ابھی بڑھتا نہیں دل پائے نافرماں نہیں اٹھتے　　نشاں کھینچے ہوئے رہبر کو تیرہ سو برس گزرے

ہماری روح بھی نجمی عزادارِ حسینؑ تھی
کھٹکتے دل میں اس نشتر کو تیرہ سو برس گزرے

صبرِ فاطمیؑ

خدارا سامنے سے ہر غمِ دنیا ہٹا دینا
حسینؑ آتے ہیں اے کاشانۂ دل راستا دینا

یہ حق تیرا ہی تھا یوں سر کٹانا گھر لٹا دینا
مبارک اے مجاہد قوم کی بگڑی بنا دینا

یہ تیرا ہی کلیجہ تھا جہاں پانی نہ ملتا ہو
وہاں اشکوں کے بدلے اپنا خونِ دل بہا دینا

جزاک اللہ تو نے جان دے کر دل ہلا ڈالے
بہت آسان تھا کوفہ کی بنیادیں ہلا دینا

یہ صبرِ فاطمیؑ تھا معجزہ تھا دل کی قوت کا
علی اکبرؑ سے لختِ دل کو مرنے کی رضا دینا

علیؑ اصغر کو بھی ایثار کا احساس تھا ورنہ
یہ کس نے کہہ دیا تھا تیر کھا کر مسکرا دینا

اُتر جانا وہ چہرے قاتلوں کے فتنہ سازوں کے
وہ تیرے سر کا نیزے پر دو عالم جگمگا دینا

یہ مہمانی تھی کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی
مدینہ سے بلانا اور جنگل میں سُلا دینا

یہ ماتم کیا رُکے گا اس کی تنہائی کا ماتم ہے
قیامت خیز تھا وہ استغاثہ کی صدا دینا

اسی کے دل سے پوچھو جس کا آقا ذبح ہو جائے
کہاں ممکن غلاموں سے یہ قربانی بھلا دینا

حسینؑ اے مردِ میداں اپنے ماتم کی کرامت سے
سکونِ بے حسی کو روحِ بے تابی بنا دینا

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو
فضائے کربلا میں تجمل کا نوحہ سنا دینا

مظلوم کا سہارا

تیر سے بے زباں کو مارا ہے — خون میں ڈوبا ہُوا ستارا ہے
پارہ پارہ کیا ہے دل جس کا — یہ پیمبرؐ کا ماہ پارا ہے
ہائے یہ اُس کے گھر کی بربادی — جس نے اسلام کو سنوارا ہے
مرحبا صبر و ضبطِ شبیری — ہر طرف دل شکن نظارا ہے
خون میں غرق روئے روشن سے — شانِ تطہیر آشکارا ہے
جارہا ہے یہ شیر جس رُخ پر — یہی حق کی رضا کا دھارا ہے
اُس پہ واجب ہے نصرتِ اسلام — روحِ اسلام نے پکارا ہے
کیا قیامت گزر گئی ہوگی — اُس نے عشرہ کا دن گزارا ہے
وہ نہ تھا تیغ و تیر کے بس کا — اُس کو عہدِ وفا نے مارا ہے
اُس مکاں سے بلند ہیں شعلے — حق نے تارا جہاں اُتارا ہے
تجھ سے مظلوم اے حسینؑ کہاں — غیر قوموں کو غم گوارا ہے
کربلا کو بنا گیا کعبہ — کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے
جی رہی ہے جو روحِ آزادی — اسی مظلوم کا سہارا ہے

اب غلاموں میں وہ گنے نہ گئے
نجمؔ آقا یہی ہمارا ہے

غم کی خلش

جان ڈالی پیکرِ اسلام میں شبیرؑ نے ۔۔۔ دردِ دل کی روح بھر دی کشتۂ شمشیر نے
آیۂ اجرِ رسالتؐ کو نمایاں کردیا ۔۔۔ صفحۂ گیتی پہ اُس کے خون کی تحریر نے
سر بکف انصار کا شوقِ شہادت دیکھنا ۔۔۔ زندگی دشوار کردی موت کی تاخیر نے
صبحِ عاشورہ نہ جانے کتنے دل تڑپا دیے ۔۔۔ لحنِ اکبرؑ نے فضا نے وقت نے تکبیر نے
کربلا میں ثانیِ کرّار کے شانے کٹے ۔۔۔ برچھیاں کھائیں رسولؐ اللہ کی تصویر نے
اس بھرے دریا کا اک چُلّو نہ ہونٹوں تک گیا ۔۔۔ علقمہ سے مشک بھر لی بازوئے شبیرؑ نے
ساری دنیا کی نگاہیں اپنی جانب پھیرلیں ۔۔۔ جنگ کے میداں میں آکر اصغرؑ بے شیر نے
آج تک غم کی خلش ہے سینۂ اسلام میں ۔۔۔ کتنے دل زخمی کیے ہیں حرملہ کے تیر نے
ہوگئی تکبیر بسمل پہ جسارت دیکھ کر ۔۔۔ جب کہا اللہ اکبر قاتلِ شبیرؑ نے
وارِ قسمت اپنے دو بیٹے تصدق کرکے بھی ۔۔۔ زیرِ خنجر شہؑ کو دیکھا خواہرِ شبیرؑ نے
پاؤں عابدؑ کے کہاں زنجیر کی ایذا کہاں ۔۔۔ کربلائے شام تک نالے کیے زنجیر نے
لہر دوڑا دی جہاں میں انقلابِ عام کی ۔۔۔ شام کے دربار سے بیمار کی تقریر نے

نجمؔ نوحوں کو صداقت کا مرقع کردیا
کربلا کے غم نے غم کی دائمی تصویر نے

راہِ کربلا

پڑا جو وقت تو اسلام کو بچا نہ گیا
بجز حسینؑ کوئی زیرِ تیغ آ نہ گیا

خدا پرست تھا مقتل کی راہ لی اُس نے
درِ یزید پہ وہ بندۂ خدا نہ گیا

بہت سی منزلیں تھیں راہِ کربلا میں مگر
حسینؑ اپنے مددگار ڈھونڈتا نہ گیا

کنارِ نہر گیا لاشۂ برادر پر
تلاشِ آب میں زہراؑ کا لاڈلا نہ گیا

ہزار ضعف سہی ورثہ دارِ حیدرؑ تھا
علیؑ کے لعل کا اندازِ لافتا نہ گیا

نبیؐ کے عہد میں کوئی نہ تھا شبیہہ نبیؐ
کسی جہاد میں اکبرؑ سا مہ لقا نہ گیا

حسینیوں کے تھے سینے وفا کے گنجینے
وہ کون تھا جو سنانوں میں جھومتا نہ گیا

لبِ فرات پہ عباسؑ کی وفا دیکھو
کہ تشنگی بھی تھی پانی بھی تھا پیا نہ گیا

حسینؑ جس کے ہوں پروانے اُس کو ڈر کیا ہے
چراغِ دینِ محمدؐ کوئی بجھا نہ گیا

سنا ہے شام کے لشکر میں سب مسلماں تھے
نبیؐ کی آل کو پانی کوئی پلا نہ گیا

کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے
کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

ہمیں دیارِ مدینہ سے یہ شکایت ہے
کہ یہ حسینؑ کے ہمراہ کربلا نہ گیا

جہاں میں نجم یہ کرب و بلا کا افسانہ
کہا گیا مگر اِس شان سے کہا نہ گیا

شانِ وفا

خدا کی راہ میں گردن کٹائی جاتی ہے　　غریب قوم کی بگڑی بنائی جاتی ہے
تمام حشر کے آثار چونک اٹھے ہیں　　یہ زیرِ تیغ کسے نیند آئی جاتی ہے
تمام کود کے پالوں کی دے کے قربانی　　خدا کے دین کی دولت بچائی جاتی ہے
نبیؐ کی آل بھی مشکلؑ کشا کے لال بھی ہیں　　کہیں یہ فطرتِ مشکل کشائی جاتی ہے
شباب اکبرؑ مہ رو کہاں کہاں برچھی　　یہ چوٹ کس کے کلیجے پہ کھائی جاتی ہے
حسینؑ ہنسلیوں والے کو لے کے آئے ہیں　　یہ قتل گاہ میں منّت بڑھائی جاتی ہے
یہ کیا غضب ہے کہ سر رکھ دیا تہِ خنجر　　اٹھو حسینؑ زمیں تھر تھرائی جاتی ہے
لہو بھرے ہوئے چہرے کا نور کیا کہنا　　فضائے کرب و بلا جگمگائی جاتی ہے
یہ معرکہ نہ ہوا آج تک نہ پھر ہوگا　　وفا بہ شانِ وفا آزمائی جاتی ہے
یہ داستانِ ہدایت کی روشنی بن کر　　تمام منظرِ عالم پہ چھائی جاتی ہے
ضرور درد سے آنکھوں میں آئیں گے آنسو　　دلوں میں اس کی محبت سمائی جاتی ہے

حضور نجمؔ کو اب کربلا میں بلوالیں
اجل غریب کی نزدیک آئی جاتی ہے

شانِ شہادت

سوئے جنت سدھارے جانِ زہراؑ کربلا ہوکر بہت کم دن جئے نانا کی تربت سے جدا ہوکر
جوانا مرگ تھے عباسؑ بھی اکبرؑ بھی قاسمؑ بھی وفاداروں میں آئی تھی جوانی بے وفا ہوکر
کسے معلوم تھا تشنہ لبی ہے ان کے حصے میں یہ پیاسے بھی رہیں گے ورثہ دارِ ملِ اتا ہوکر
گلے کٹوائے ہیں اسلام پر ان دردمندوں نے یہ آڑے گر نہ آجاتے تو رہ جاتا فنا ہوکر
شہید تشنہ لب عباسؑ کی شانِ شہادت پر زباں سے آہ نکلی نعرۂ صلِ علیٰ ہوکر
علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر پدر کے تیر کھانا تھا یہ اپنی جان دیں گے عرش پر جلوہ نما ہوکر
قضائے شکرِ حق میں کون اتنا کہنے والا تھا کہاں جاتے ہو ماں کی گود سے اصغرؑ جدا ہوکر
یہ کیسا شکر کا کلمہ تھا مولاؑ قتلِ اصغرؑ پر رہے گا حشر تک ہر لفظ جس کا مرثیا ہوکر
زمینِ کربلا تھی تنگ جس بیکس مسافر پر دو عالم لے لیے اُس نے شہید کربلا ہوکر
تصدق دونوں عالم کی عبادت اس کے سجدہ پر سرِ پُرنور سجدہ سے اٹھا تن سے جدا ہوکر

کوئی اے نجمؔ کہہ دیتا یہ ملّت کے خداؤں سے
بچا لیتے ہیں یوں کشتیِ ملت ناخدا ہوکر

جانوں کی قیمت

وہ ڈوبے ہوئے خوں میں دریا کنارے　　سپہر وفا کے درخشاں ستارے
وہ سینوں پہ نیزے وہ نیزوں پہ سینے　　وہ زخموں کی رنگیں قبائیں سنوارے
امامِ زمانہ کے ساتھی مسافر　　رفاقت کی منزل میں ہمت نہ ہارے
وہ شبیرؑ کی بیکسی کا تخیل　　کہ تنہا نہ رہ جائیں آقا ہمارے
وہ بچوں کی تشنہ لبی کا تصور　　نگاہوں میں معصومیت کے اشارے
وہ خدمت کا احساس جانوں کی قیمت　　وہ جانوں کو آقا کے قدموں پہ وارے
اندھیرے میں باطل کے حق کی تجلی　　خدائی میں دینِ خدا کے سہارے
حسینؑ اور بچوں کی لاشوں کا منظر　　کرم کی نگاہیں ستم کے نظارے
وہ فرزندِ مسلم وہ دل بندِ زینبؑ　　یہ چھوٹے بڑوں سے بھی پہلے سدھارے
یہ ملّت یہ صدقے اُتارے گئے ہیں　　نبیؐ کے چہیتے علیؑ کے دُلارے

زمینِ سخن آسماں بن گئی ہے
وہ گردوں سے اے نجم تارے اُتارے

مَن چلے

خون کی ندیوں سے بھی اہلِ وفا گزر گئے راہِ خدا کے من چلے ڈوب کے پار اُتر گئے
جن میں ہوں سب حق آشنا ان کا وہاں لحاظ کیا کتنے صغیر چل بسے کتنے جوان مر گئے
جنگ کی پائی تھی رضا اکبرؑ خوش کلام نے اصغرؑ ابھی تھے بے زباں جھولے سے یہ کدھر گئے
ان کو لحد کی گود میں نیند تو آ گئی مگر مادرِ غم نصیب کی نیند حرام کر گئے
سبطِ نبیؐ کے جان و دل اور زمینِ کربلا اُس گلِ تر سے پوچھیے جس کے ورق بکھر گئے
شیرِؑ خدا کے لعل کو عیشِ رضائے حق ملا اہلِ ستم کو کیا ملا ہاتھ لہو میں بھر گئے
گھر میں خدا کا نام ہے سر ہیں دیارِ شام میں راہِ خدا میں گھر لٹا رہِ خدا میں سر گئے
بچے ہیں انتظار میں کوئی انھیں بتائے کیا مشک جو لے گئے تھے وہ نہر پہ کیوں ٹھہر گئے
اہلِ حرم کے دل سے یہ داغ کبھی نہ مٹ سکا رہ گیا غم حسینؑ کا قید کے دن گزر گئے
آلِ رسولؐ مرحبا قید ہو قتل گاہ ہو اپنے اصول پر رہے اپنے اُصول پر گئے
پیکرِ شاعری میں مجسم نورِ حیات آ گیا
راحتِ اہلِ بیتؑ سے جذبۂ دل سنور گئے

نقشِ وفا

خلق میں افسانہ کرب و بلا رہ گیا — بچ گئی انسانیت دینِ خدا رہ گیا
شام ابھی دور ہے اہلِ حرم لٹ چکے — ہوگئے رخصت حسینؑ خیمہ میں کیا رہ گیا
سجدہ میں سر کاٹ کر اہلِ ستم لے گئے — ایک تنِ بے کفن رو بہ رضا رہ گیا
فرشِ زمیں کی خبر عرشِ بریں تک گئی — خاک پہ زہراؑ کا لال رن میں پڑا رہ گیا
نعشِ علمدار اٹھی دامنِ ساحل سے جب — خون سے لکھا ہوا نقشِ وفا رہ گیا
یاد ہے بے شیر کی تشنہ لبی اے فرات — ننھے مسافر کو بھی تجھ سے گلہ رہ گیا
بالی سکینہؑ غریب ماں سے نہ پوچھ لے کہیں — راہ میں اصغرؑ کہاں سوتا ہوا رہ گیا
حال پہ مظلوم کے لاکھ بہے اشکِ غم — سینۂ کونین میں درد بھرا رہ گیا
ضبطِ فغاں کر گئے دیکھنے والے مگر — ماتمِ شبیر کا دل میں مزا رہ گیا

منزلِ شبیر تک تجمؔ نہ پہنچیں گے ہم
آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

نقشِ وفا

خلق میں افسانہ کرب و بلا رہ گیا | بچ گئی انسانیت دینِ خدا رہ گیا
شام ابھی دور ہے اہلِ حرم لٹ چکے | ہو گئے رخصت حسینؑ خیمہ میں کیا رہ گیا
سجدہ میں سر کاٹ کر اہلِ ستم لے گئے | ایک تنِ بے کفن رو بہ رضا رہ گیا
فرشِ زمیں کی خبر عرشِ بریں تک گئی | خاک پہ زہراؑ کا لال رن میں پڑا رہ گیا
نعشِ علم دار اٹھی دامنِ ساحل سے جب | خون سے لکھا ہوا نقشِ وفا رہ گیا
یاد ہے بے شیر کی تشنہ لبی اے فرات | ننھے مسافر کو بھی تجھ سے گلہ رہ گیا
بالی سکینہؑ غریب ماں سے نہ پوچھ لے کہیں | راہ میں اصغرؑ کہاں سوتا ہوا رہ گیا
حال پہ مظلوم کے لاکھ بہے اشکِ غم | سینۂ کونین میں درد بھرا رہ گیا
ضبطِ فغاں کر گئے دیکھنے والے مگر | ماتمِ شبیر کا دل میں مزا رہ گیا

منزلِ شبیر تک تجم نہ پہنچیں گے ہم
آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

اجرِ رسالت

کیا مستقل حسینؑ کی بیگانگی رہی — قدموں میں ہاتھ باندھ کے دنیا کھڑی رہی
جس روز سے حسینؑ کو رہنے نہیں دیا — اُس روز سے مدینہ میں افسردگی رہی
تعمیل حکم اجرِ رسالت نہ پوچھیے — آلِ رسولِ پاک پہ بیداد ہی رہی
مہماں کو مرتے وقت بھی پانی نہیں ملا — دنیا میں یادگار یہ تشنہ لبی رہی
کیا سخت مرحلہ ہے سکینہؑ کی پیاس کا — بچی کے اضطراب کو ماں دیکھتی رہی
اصغرؑ زمینِ گرم پہ جنگل میں سوگئے — ڈیوڑھی پہ انتظار میں مادر کھڑی رہی
سینچا جو اپنے خون سے آلِ رسولؐ نے — اسلام کے اصول کی کھیتی ہری رہی
عباسؑ کی بلند نگاہی پہ دل نثار — بعدِ فنا بھی روح کی بالیدگی رہی
یہ موت یہ حیات ہے کس کے نصیب میں — آنے کو آئی موت مگر زندگی رہی
یوں ہوگئی شہیدوں کی لاشوں پہ روشنی — تاروں کے کچھ چراغ جلے چاندنی رہی
تنہا تھی اس کی لاش یہ مقتل سے پوچھیے — ماتم رہا حسینؑ کا یا خامشی رہی

دنیا میں وقت نجمؔ کا اچھا گزر گیا
مولاؑ کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی

صراطِ شہادت

ملت پہ اے حسینؑ ہیں احسان آپ کے
اسلام آپ کا ہے مسلمان آپ کے

قربانیوں سے قوم کو اپنا بنالیا
سب گھر نثار کردیا قربان آپ کے

سب کربلا کے دشت میں تکمیل پا گئے
نانا سے تھے جو عہد جو پیمان آپ کے

کیسا عدو کی فوج کو سیراب کردیا
جیسے یہ خوں کے پیاسے تھے مہمان آپ کے

اصغرؑ کو بھی صراطِ شہادت پہ لے گئے
کیا کیا تھے حق کی راہ میں ارمان آپ کے

کچھ ایک دو نہیں ہیں بہتر شہید ہیں
دل سے گنے نہ جائیں گے احسان آپ کے

بچوں نے بھی لٹائی ہیں جانیں خوشی خوشی
فرمانِ کردگار تھے فرمان آپ کے

خیمے جلا دیے جو لعینوں نے کیا ہُوا
خیمے جہاں تھے بن گئے ایوان آپ کے

ملتی نہیں مثال کوئی کائنات میں
کیا کام کرگئے ہیں میں قربان آپ کے

اصحاب سوگوار عزا دار انبیاءؑ
سلمان آپ کے ہیں سلیمانؑ آپ کے

انسانیت کی جان ہے ایثار آپ کا
ممنونِ زندگی ہیں سب انسان آپ کے

مرجائے تجمّ مدح سرائی میں آپ کی
حسرت ہے کام آئے مری جان آپ کے

اشکوں کی جزا

جس کو غمِ شبیرؑ کی توفیق خدا دے　　وہ غم ہے جو انسان کو انسان بنادے
شبیرؑ نے کی دین کی تاریخ مکمل　　کچھ دفترِ ایثار کے اوراق تھے سادے
مارے گئے توحید کے اعلان کی خاطر　　اسلام کے فرزند دو عالم کے خو زادے
سر نیزوں پہ آتے ہی ہوا ظلم کی گھڑی　　پورے ہوئے کس شان سے شیروں کے ارادے
ایسا تو ہو مظلوم کوئی جس کا فسانہ　　انسان کا سویا ہوا احساس جگا دے
اکبرؑ سا پسر ہو تو کلیجے میں چھپالیں　　کس کا یہ کلیجہ ہے کہ مرنے کی رضا دے
دیکھیں تو رہِ حق میں کوئی چاند کا ٹکڑا　　جھولے سے اٹھا لائے تہِ خاک سُلادے
وہ صبر کا رستہ ہو کہ تلوار کی منزل　　سب ہیں مرے مولاؑ کے بتائے ہوئے جادے
مظلوم کے ایثار کی قوت کو نہ پوچھو　　ماتم میں یہ قوت ہے کہ دنیا کو ہلا دے
انصارِ حسینیؑ کی تاسی ہو میسر　　اللہ عزا دار کو اشکوں کی جزا دے

قدرت ہے اگر نجم تو نوحہ کی زباں میں
ہر قوم کو شبیرؑ کا پیغام سنا دے

زندہ کارنامے

بَلا اسلام پر آتے ہی سوئے نینوا آئے　　پیمبرؑ کی نیابت میں شہیدؑ کربلا آئے
جزاک اللہ یہ حسرت تھی انصارِ حسینؑ کو　　ہماری خاکِ خوں آلود سے بوئے وفا آئے
ابھی بچے ہی تھے پر جان دینے کس متانت سے　　پسر مسلم کے آئے جعفری تیغ آزما آئے
تلاطم ہو نہ کیوں کر بانیٔ اسلام کے گھر میں　　علم اسلام کا جب خون میں ڈوبا ہوا آئے
قیامت ہے کہ لب تشنہ تلاشِ آب کے بدلے　　برادر نہر پر نعشِ برادر ڈھونڈتا آئے
حسینؑ صبر کی معراج دیکھیں دیکھنے والے　　اجازت جنگ کی لینے شبیہِ مصطفاؐ آئے
یہ زندہ کارنامے دیدنی ہیں مرنے والوں کے　　نوشتہ باپ کا لے کر حسنؑ کا لاڈلا آئے
سنا ہے ثانیٔ زہراؑ کے خیمہ سے سلام آیا　　پئے نصرت جو کوفہ سے حبیبِ باوفا آئے
بچائیں کس طرح شبیرؑ گردن تیغِ قاتل سے　　خدا کی یاد میں کیونکر خیالِ ماسوا آئے
نہیں ہے رونے والا بھی کوئی بیکس کے لاشہ پر　　مدینہ سے عجب کیا واحسیناؑ کی صدا آئے

ہوئے کامل سخنور مدحتِ آلِ پیمبرؐ سے
ہمیں اے نجمؔ سب کچھ آگیا اب اور کیا آئے

نفسِ مطمئن

سر دیدیے کربلا میں جو اسلام آگیا　　کنبہ رسولؐ پاک کا سب کام آگیا
اپنا لہو بہانے کو اسلام کے لیے　　خود گل عذار بانیِ اسلام آگیا
اصغرؑ کو اور قوم کی خدمت کو دیکھیے　　بچہ یہ چھ مہینے کا بھی کام آگیا
گودوں میں بیقرار تھا جھولے میں مضطرب　　جلتی ہوئی زمین پہ آرام آگیا
پورے جوان بھی علیؑ اکبر ہوئے نہ تھے　　کیا جلد ان کو موت کا پیغام آگیا
دل میں متاعِ فخر بڑھا دردِ دل کے ساتھ　　عباسؑ کا زبان پہ جب نام آگیا
ہے ہے امامِ عصرؑ نے تنہا پڑھی نماز　　عاشور کو جو عصر کا ہنگام آگیا
پیاسے حسینؑ ذبح ہوئے تیرے سامنے　　تجھ پر بھی اے فرات یہ الزام آگیا
قرآن میں خدا نے کہا نفسِ مطمئن　　قربانیوں سے پہلے ہی انعام آگیا
وابستگی دلوں کی مبارک ہو اے حسینؑ　　دل مل گئے جو لب پہ تیرا نام آگیا

انجمی کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا
کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آگیا

(116)

تنہا

میدان میں شبیرؑ جو تنہا نظر آئے   کو آنے کے قابل نہ تھے اصغرؑ مگر آئے
رخصت ہوئے بابا سے یہ اک تیر جو کھا کر   تلواریں سنبھالے ہوئے بیداد گر آئے
اب سر کے سوا کوئی نہ ہدیہ ہے نہ تحفہ   آغوش میں اصغرؑ تھے انھیں دفن کر آئے
کونین ان آنکھوں کے تحمل پہ تصدق   چاروں طرف انصار کے لاشے نظر آئے
جلتی ہوئی ریتی پہ جو سر سجدہ میں رکھا   نزدیک تھا خود عرش زمیں پر اتر آئے
اللہ یہ اس شوق سے آئے تہِ خنجر   اک عمر کی جیسے کوئی امید بر آئے
آنکھوں میں نہ اشک آئے نہ تیور پہ بل آیا   کیا شکر یہ اب صبر کی حد سے گزر آئے
بندے یہ خدا کے ہیں یہ طاعت ہے خدا کی   جنبش نہ ہو ابرو کو قیامت اگر آئے
شبیرؑ سا مظلوم زمانے میں نہ ہوگا   صدیوں سے جسے روتے ہیں سب اپنے پرائے
نام آتے ہی بیکس کا نکل آتے ہیں آنسو   کیا کیجیے برچھی سی جو سینے میں در آئے

ہمراہ ہوں اے نجم یہ نوحے یہ قصیدے
جب ملکِ عدم کے لیے حکم سفر آئے

(117)

پیمبری

قسمتِ ذوالفقار میں یہ بھی تھا کارِ آخری   ہائے وہ قبر بے زباں ہائے وہ تیغ حیدری
یہ بھی کسے امید ہے صبرِ حسینؑ دیکھ کر   خاکِ لحد پہ ہو نہ ہو اشکِ حسینؑ کی تری
ساقیِ روزِ حشر کی آل عطش سے جاں بہ لب   یہ بھی ستم عجیب ہے تشنہ لبی و کوثری
بھول گئے وہ بے رخی ہائے حسینؑ کا کرم   حُر کو جناں میں لے گئی ایک نگاہِ دلبری

خلق کو زیرِ تیغ بھی اُس نے پیامِ حق دیا　　صلِّ علیٰ حسینؑ کا حوصلۂ پیمبریؐ
خاکِ زمینِ کربلا آج بھی دیتی ہے لہو　　آج بھی ہے زمین میں خونِ حسینؑ کی تری
کون کہے گا یہ بھلا جنگ تھا اُس کا مدعا　　اصغرؑ شیر خوار بھی جس کا ہو ایک لشکری
اُٹھ نہ سکا زمین سے لاشۂ قاسمِ حسنؑ　　ہائے وہ جسمِ خونچکاں ہائے وہ روحِ دلبری
فوجِ عدو میں لے گیا شکلِ و شبابِ مصطفےٰؐ　　ہائے وہ اکبرؑ جواں ہائے جواں پیمبری
ہاتھ کٹا دیے مگر نہر فرات چھین لی　　ہائے علیؑ کے لال کا ولولۂ غضنفری
جون کی لاش پر گیا جانِ حبیبِ کبریا　　نازشِ ہر غلام ہے اس کی یہ بندہ پروری
ہائے وہ خاکِ نینوا ہائے وہ سبطِ مصطفےٰؐ　　فرش پہ عرش کی طرح اس کی وہ جلوہ گستری
تیغ بکف تھا جب حسینؑ پاس کوئی نہ آ سکا　　ذبح ہوا نماز میں وارثِ شانِ حیدری

نجمؔ اسی کے فیض سے شاعرِ اہلِ بیتؑ ہوں
دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرّہ پروری

(118)

سجادۂ طاعت

اب عصر کا ہنگام ہے اور یادِ خدا ہے　　مولاؑ مرے خاموش ہیں رن بول رہا ہے
اکبرؑ کی اذاں اور یہ آوازِ اقامت　　پہلو میں فقط دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
وہ عالمِ تنہائی وہ انصار کے لاشے　　پوچھے کوئی ایوبؑ سے یہ صبر کی جا ہے
ہر درد کو بھولے ہوئے ہیں ذکرِ خدا میں　　لاشہ علیؑ اصغر کا ابھی دفن کیا ہے
اللہ یہ مقتل ہے کہ سجادۂ طاعت　　کس شان سے فرزندِ نبیؐ جلوہ نما ہے
یہ قتل کا ساماں کہاں اُس کی نظر میں　　کہہ دے کوئی نیزوں سے کہ وہ رو بہ رضا ہے
کیا فرش سے تا عرش ہے اک نور کا پیغام　　واللہ یہ سجدہ شرفِ ارض و سما ہے

ڈوبا ہوا ہے خون میں ہزار نمازی
تاثیر میں ڈوبی ہوئی میداں کی فضا ہے

تھراتے ہیں انسان لرزتے ہیں فرشتے
یہ عالمِ ایثار دوعالم سے جدا ہے

کیا قہر ہے رنگیں ہو نواسے کے لہو سے
بنتے ہیں تنِ پاک میں نانا کی عبا ہے

ہنگامہ ہے اب قتل کا اے نجم دل افگار
مولا مرے خاموش ہیں رَن بول رہا ہے

(119)

اعلانِ حق

زندہ ہے کربلا میں گردن کٹانے والا
ایمان کی تجلی اسلام کا اُجالا

جس نے حیات پائی آغوشِ مرتضیٰؑ میں
اپنی زباں چُسا کر جس کو نبیؐ نے پالا

مظلومیت میں ایسی دیکھی نہیں شجاعت
تاریخ کی نظر نے دنیا کو دیکھ ڈالا

اس تشنہ لب نے جب سے اعلانِ حق کیا ہے
اسلام کا ہے اب تک دنیا میں بول بالا

صدیوں سے رو رہا ہے اب تک جسے زمانہ
پھر زندگی نے ایسا دیکھا نہ مرنے والا

شل ہوگئے وہ بازو مرجھا گئے وہ تیور
سینہ پہ کھا کے نیزے دشمن کا بل نکالا

اکبرؑ کی لاش اُس پر یہ صبر کا قرینہ
مادر نے اشک رو کے بابا نے دل سنبھالا

قاسمؑ کو موت رن میں دولھا بنا کے لائی
اس ہاشمی جواں کا انداز تھا نرالا

پوچھو نہ اے جوانو عباسؑ کی جوانی
کیسا جواں سپاہی کیسا بلند و بالا

پیاسا گیا جہاں سے پر چھین لی ترائی
اس شان سے جری نے دریا پہ ہاتھ ڈالا

صدقے ہماری جانیں چوتھے امامؑ تجھ پر
زنجیر بھی سنبھالی جس دن سے گھر سنبھالا

اے نجم کچھ نہ پوچھو اُس وقت کی جلالت
تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِ والا

جوہرِ صبر

کس طرح خزاں ہوا دینِ خدا سنوار کے　　قبر پہ کس غریب کے پھول کھلے بہار کے
جس کی نظر کے روبرو سارے عزیز کٹ گئے　　ذبح ہوا جو سامنے خواہرِ دلفگار کے
کتنی اٹھائیں ذلتیں طفل و جوان و پیر کی　　ہائے وہ سخت مرحلے عصر تک انتظار کے
ہائے لہو میں تر بتر آلِ رسولؐ پاک کی　　ہائے ورق وہ خاک پر مصحفِ کردگار کے
اصغرؑ بے زباں کا بھی داغ اٹھا کے اُف نہ کی　　جوہرِ صبر دیکھنا وارثِ ذوالفقار کے
راہِ رضا پہ لے گیا گود میں شیر خوار کو　　اور قریب ہوگیا مرضیِ کردگار کے
صبر میں دیدنی ہے یہ اس کے پسر کا حوصلہ　　جس نے کہ رُخ بدل دیے عرصۂ کارزار کے
لاش اٹھاتے ہی حسینؑ خود بھی شہید ہوگئے　　سوگ میں کے گھڑی رہے اکبرؑ گلعذار کے
خون میں ڈوب ڈوب کے رونقِ کربلا ہوئے　　پھول جو منتخب تھے سب گلشنِ روزگار کے
اُس نے قبول کر ہی لی تشنہ لبی و بیکسی　　جبر یہ اپنے پہ تھے صاحبِ اختیار کے
اُس کے اصول زیست میں فرق کوئی نہ آسکا　　سجدۂ شکرِ حق کیا اُس نے یہ دل گزار کے
اُس کی محبت اُس کا غم آج ہے ہر دیار میں　　سارے دیار ہوگئے سیّدِ بے دیار کے

سوئے دیارِ کربلا جب کوئی قافلہ گیا
نجم وہ بد نصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے

ورثہ داری

اے وہ لہو ہے جس کی خاک لحد سے جاری
صدقے تیرے قدم پر شاہی و شہر یاری

زغہ وہ دشمنوں کا وہ تیری شب گزاری
دل پھول سے بھی ہلکا عشرہ کی رات بھاری

اے نفسِ مطمئنہ تیرا ہی حوصلہ تھا
یہ موت بے کسی کی اور زیست اختیاری

نانا کی پیروی میں ہر دکھ پہ صبر کرنا
سجدہ میں زخم کھانا بابا کی ورثہ داری

آرام کلفتوں میں راحت جراحتوں میں
نیزوں میں کامیابی تیغوں میں کامگاری

شایاں نہ تھے وہ تیور ادنیٰ مصیبتوں کے
خود داریوں پہ صدقے ہر زخم دل تھا کاری

اکبرؑ ہوں یا ہوں قاسمؑ دونوں کا سن ہی کیا تھا
کس نے سکھا دیے تھے اندازِ جاں نثاری

نوری سہی وہ پیکر تھا دل بشر کا آخر
بچوں کی تشنگی پر شاید ہو بے قراری

اللہ آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ علقمہ کو
لہریں نہ لینے پایا نظروں میں آب جاری

مدفن کی جستجو تھی مقتل کی تھی ضرورت
تو نے زمیں خریدی اللہ رے وضعداری

دوشِ نبیؐ کے راکب نیزہ پہ آج سر ہے
عالم فدائے راہی اے جانِ شہسواری

دشوار راہ اپنی ملت کو سہل کر دی
ممکن ہے سینہ کوبی آساں ہے اشکباری

ردتِ عزا پہن کر اے نجم گھر سے نکلو
ہندوستان میں آئی سرکار کی سواری

قافلہ سالار

کیوں باز رہے دیدۂ خونبار ہمارا
مقتول ہو جب سیّد و سردار ہمارا

بے دینوں نے تصویرِ پیمبرؐ بھی مٹادی
بے جان ہُوا آئینۂ رخسار ہمارا

کیا ظلم تھا پیاسوں کے لیے مشک جو بھرلی
مارا گیا دریا پہ علم دار ہمارا

بے شیر پہ جو پیاس میں گزری ہے وہ سُن لو
کہہ دے گا فسانہ لبِ سوفار ہمارا

کونین لرزتے تھے شجاعت بھی تھی ایسی
مظلوم بھی تھا قافلہ سالار ہمارا

رُکتا رہِ خالق میں وہ کیا فوجِ ستم سے
کرّار کا فرزند ہے جرّار ہمارا

جب تا بہ گلو آیا ہے آبِ دم خنجر
سجدہ میں تھا جب سیّدِ ابرار ہمارا

زنداں میں گیا ظلم کی بنیاد ہلاکر
زنجیر میں جکڑا ہوا بیمار ہمارا

جس نور سے تاریخ کے صفحات ہیں روشن
وہ ذکر ہمارا ہے وہ ایثار ہمارا

اس شان سے تلوار کے جادہ پہ گئے ہیں
دنیا کو ہے اندازۂ رفتار ہمارا

پیشانیِ حق پر وہ مسرت کی تجلّی
باطل کی اطاعت سے وہ انکار ہمارا

آفاق پہ چھا جائیں گے کرتے ہوئے ماتم
عباسؑ ہمارا ہے علم دار ہمارا

شاید یہی دربار میں مقبول ہو نجمی
نوحہ تو نہیں قابلِ سرکار ہمارا

اکبرؑ کا تصوّر

سحر آئی شبِ غم کی ستارے جھلملاتے ہیں
اذاں کا وقت ہے مادر کو اکبرؑ یاد آتے ہیں

شجاعت کا تقاضا ہے یہی آگے خدا جانے
تصور میں بھی ایسے مرنے والے مسکراتے ہیں

عجب کیا چاہنے والوں کو گر ایسے خیال آئیں
چھپے ہیں اس لیے شاید محبت آزماتے ہیں

ہر آہٹ پر نظر اٹھ اٹھ کے دروازہ پہ جاتی ہے
کبھی احساس ہوتا ہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں

کبھی پیشِ نظر ہو جاتی ہیں گلیاں مدینہ کی
یہ کون آتا ہے شیدائے نبیؐ آنکھیں بچھاتے ہیں

کبھی ہیں طالبِ رخصت پھوپھی سے باپ سے ماں سے
کبھی ہتھیار اپنے جسمِ نازک پر سجاتے ہیں

کبھی اک خون کی چادر چھپا لیتی ہے شکل ان کی
ستارے کی طرح دن کی فضا میں ڈوبے جاتے ہیں

کبھی آتے ہیں میداں سے مگر بابا کے کاندھے پر
جگر پر ہاتھ ہے کیا زخم برچھی کا چھپاتے ہیں

کلیجے دشمنوں کے جن سے کانپ اٹھے تھے وہ تیور
لب ایسے ہو گئے ہیں دوستوں کے دل دکھاتے ہیں

شبِ عاشور جن پر مامتا تھی ٹکٹکی باندھے
وہ عارض یاد آتے ہیں وہ گیسو یاد آتے ہیں

سنا ہو اور دیکھا ہو کبھی اہلِ تولّا نے
ہمیشہ نجم اس انداز کا نوحہ سناتے ہیں

(124)

کربل کی آہ

فاطمہؑ کے گلبدن جانِ رسولِ زمن　　ہائے امامِ حسنؑ ہائے امامِ حسنؑ
زہرِ وفا کے شہید راہِ رضا کے شہید　　شاہِ زمین و زمن ہائے امامِ حسنؑ
کس کو تھی اس کی خبر ٹکڑے ہوگا دل جگر　　سبز ہوا تن بدن ہائے امامِ حسنؑ
وار یہ ایسا چلا گھر ہی بنا کربلا　　ہائے شہیدِ وطن ہائے امامِ حسنؑ
تیرے جنازہ پہ بھی تیروں کی بارش ہوئی　　اف یہ ستم کا چلن ہائے امامِ حسنؑ
تو نے بہت غم سہا صبر کیا چُپ رہا　　فاطمہؑ کے کم سخن ہائے امامِ حسنؑ
زینبؑ ماتم نصیب روئے گی کب تک غریب　　جان نہ دیدے بہن ہائے امامِ حسنؑ

(125)

زینب آئی

جینے سے گھبرائی ہے زینبؑ　　غم کی سُنانی لائی ہے زینبؑ
ٹھوکریں کھاکر آئی ہے زینبؑ　　جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی
ہونٹوں پر آہیں ٹھیری ہوئی ہیں　　دل کی صدائیں ڈوب چکی ہیں
تم کو نگاہیں ڈھونڈ رہی ہیں　　جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی
بپتا سنانے آئی ہوں میں　　نیل دکھانے آئی ہوں میں
تم کو جگانے آئی ہوں میں　　جاگو میرے پردیسی بھائی

قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

میں نہ تمہاری لاش پہ روتی قبر میں کتنے چین سے سوتی
کاش اگر میں مر گئی ہوتی جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

بچوں کے گیسو دُکھتے ہیں عابد کے پہلو دُکھتے ہیں
اب بھی میرے بازو دکھتے ہیں جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

قبر میں ماں جایا سوتا ہے بھائی نہیں خواہر زندہ ہے
یوں بھی زمانے میں ہوتا ہے جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

قاسم و اکبرؑ بھی نہیں اُٹھتے چھوٹے برادر بھی نہیں اُٹھتے
ہم شکلِ پیمبرؐ بھی نہیں اُٹھتے جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

مظلوموں کا دل نہ دُکھاؤ اُٹھو بیرن سامنے آؤ
دیکھو کہنا مان بھی جاؤ جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینب آئی

تم کو کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں اب میں وطن کس منہ سے جاؤں
صغراؑ کو کیسے سمجھاؤں جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

صدموں سے رنجور ہے زینبؑ بے بس ہے مجبور ہے زینبؑ
تم سے کتنی دور ہے زینبؑ جاگو میرے پردیسی بھائی
قید سے چھٹ کر زینبؑ آئی

اللہ چار دن میں زمانہ بدل گیا جیسے کہ مصطفیٰؐ کا گھرانا بدل گیا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آرام کچھ رسولؐ کے جانی نہیں ملا سولہ پہر کی پیاس میں پانی نہیں ملا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

میداں رہا یہ کون سے جنگ آزما کے ہاتھ کاٹے گئے تھے نہر پہ کس باوفا کے ہاتھ

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آتا سوال آپ پہ اکبرؑ سے کیا کہا شرما کے ہم شبیہہ پیمبرؐ سے کیا کہا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

اکبرؑ کی لاش جس نے اٹھائی وہ کون تھا اصغرؑ کی قبر جس نے بنائی وہ کون تھا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

میدانِ کربلا میں علیؑ کی طرح لڑے یا رحم کھا کے قوم پہ گھوڑے سے گر پڑے

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

سرکار وقتِ عصر تھا سر کس کی گود میں مسلم کی گود میں تھا کہ عابس کی گود میں

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

آنکھوں میں تھا نجف کہ مدینہ نظر میں تھا ہنگامِ ذبح روئے سکینہؑ نظر میں تھا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

دیکھی تھی قتل گاہ میں جب لاش باپ کی　　تسکین کس نے دی تھی سکینہؑ کو آپ کی

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

اُمت کا یہ سلوک یہ احسان کب ہوا　　دفن و کفن کا آپ کے سامان کب ہوا

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

غم خوار اہل بیتؑ ہو ایسا بھی تھا کوئی　　حضرت کے بعد پوچھنے والا بھی تھا کوئی

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

دُنیا کو خوں رلائے گی یہ داستاں بہت　　نوحے کہیں گے نجم سے شیریں زباں بہت

اے دشتِ کربلا کے مسافر یہ پوچھ لو
مولاؑ پہ کیا گزر گئی جابر یہ پوچھ لو

(47)

طالبِ دیدار

زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

کوفہ کو فتح کر کے عزا دار آئے ہیں　　قیدی بلا کے شام کا دربار آئے ہیں

اشکوں کی نذر لے کے دل افگار آئے ہیں　　زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
ماتم زدوں کے قافلہ سالار آئے ہیں

قربانیوں کو صبر سے محکم بنا دیا　　سب کو تمھارے درد سے محرم بنا دیا

ہر اہلِ دل کو صاحبِ ماتم بنا دیا   ماتم زدوں کے قافلہ سالار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
صورت دکھاؤ طالبِ دیدار آئے ہیں
جس جس نے دل پہ داغ لیا تھا وہ ساتھ ہے   اکبرؑ کو صبر جس نے کیا تھا وہ ساتھ ہے
اصغرؑ کو نذر جس نے دیا تھا وہ ساتھ ہے   صورت دکھاؤ طالبِ دیدار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
کھو کر اسے یہ بیکس و ناچار آئے ہیں
تھے جس کے منتظر وہ خزینہ کہیں نہیں   وہ غم نصیب شاہِ مدینہ کہیں نہیں
سب ہیں تمھاری بالی سکینہؑ کہیں نہیں   کھو کر اُسے یہ بیکس و ناچار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
لے کر خبر یہ آپ کے غم خوار آئے ہیں
ساحل پہ کوئی روکنے والا نہیں رہا   کیا قافلہ حضورؑ کا پیاسا نہیں رہا
اب گھاٹ پر فرات کے پہرا نہیں رہا   لے کر خبر یہ آپ کے غم خوار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
مجلس کریں گے دھوم سے زوّار آئے ہیں
فریاد و اشک و آہ کی رخصت بھی مل گئی   ہاتھوں کو قید و بند سے فرصت بھی مل گئی
ماتم کی غم زدوں کو اجازت بھی مل گئی   مجلس کریں گے دھوم سے زوّار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
یثرب کی سمت جانے کو تیار آئے ہیں
ارمانِ دل نبیؐ کے دل آرام ہے کوئی   اہلِ وطن سے جانِ وطن کام ہے کوئی
نانا کی قبر کے لیے پیغام ہے کوئی   یثرب کی سمت جانے کو تیار آئے ہیں
اُٹھو حسینؑ عابدؑ بیمار آئے ہیں
زنداں سے چھٹ کے صاحبِ آزار آئے ہیں

رُخصتی سلام

ایک قائم ہیں مرے احساسِ غم سے مشرقین　　اے حسینؑ کربلا اے سارے عالم کے حسینؑ
جان تو نے راہِ حق میں ہاشمی جانباز دی　　تو نے ہی اسلام کی آواز پر آواز دی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

ساری دنیا دیکھتی تھی جب تماشا دین کا　　کفر کے ہاتھوں سے چھینا تو نے لاشا دین کا
دیکھ کر افسردگی توحید کے پیغام میں　　تو نے اپنی روح بھر دی پیکرِ اسلام میں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کیسے کیسے غنچہ لب نازوں کے پالے لے گیا　　تو مدینے سے بہتر مرنے والے لے گیا
موت کو اک اک حسین کی زندگانی سونپ دی　　قاسمؑ و عباسؑ و اکبرؑ کی جوانی سونپ دی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

خندہ لب گزرا غم و آلام کے انبوہ سے　　جنگلوں سے وادیوں سے دشت و در سے کوہ سے
خون کے پیاسوں کو آبِ سرد پلواتا ہوا　　رحمتہ اللعالمیں کا نام پہنچاتا ہوا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جی نہ چھوڑا ظلم و بدعت کی کہانی سن کے بھی　　منہ نہ پھیرا تو نے مسلم کی سُنائی سن کے بھی
زخم کھائے جس قدر سینہ پہ دل بڑھتا رہا　　زیرِ خنجر بھی محبت کا رجز پڑھتا رہا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

صلح کی نیت سے آیا تھا کہ عزمِ قہر سے — تو نے ثابت کر دیا خیمے اُٹھا کر نہر سے
پھول سب تیرے چمن کے دھوپ میں سنولا گئے — دم تیرے دامن میں توڑا گود میں مرجھا گئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تیرے صبر و ضبط کی ہر آرزو بر آ گئی — بیکسی کا جی بھر آیا تشنگی شرما گئی
عشق کی بنیاد رکھی نینوا کی خاک پر — ابرِ رحمت بن کے برسا کربلا کی خاک پر

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اک اشارے پر گرے یوں مرنے والے ٹوٹ کر — لے گیا پیکِ اجل ساری کمائی لوٹ کر
ظالموں نے زخمِ دل زخمِ جگر کیا کیا دیے — تو نہ تڑپا خلق کے سینوں میں دل تڑپا دیے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

یوں سرِ میداں نہ لایا ہر قریب و دور کو — ساتھیوں کے تو نے دل پرکھے شبِ عاشور کو
اک نگاہِ خاص تیرے التفاتِ عام کی — زندگی تھی موت کی تلوار کی اسلام کی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

مصلحِ اعظم تیرا احساں ہے کل اقوام پر — تو نے اپنا سر دیا انسانیت کے نام پر
آج ہے اقطاعِ عالم پر جہانبانی تیری — اب پرستش کر رہی ہے نوعِ انسانی تیری

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

خون کی دھاروں سے ایوانِ حکومت ڈھا دیے   حق کی قرباں گاہ پر کتنے گلے کٹوا دیے
جرم کہلانے کو سرمایہ پرستی رہ گئی   مٹ گئی قاتل کی ہستی تیری ہستی رہ گئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تھم گئی سیلِ جفا طوفانِ بدعت رک گئے   تیرے سر کے سامنے اشرار کے سر جھک گئے
بندگانِ ظلم کو حکمِ زباں بندی دیا   نوکِ نیزہ سے بھی فرمانِ خداوندی دیا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اے سوارِ دوشِ احمدؐ نینوا کا قصد ہے   پھر اسی ہنگامۂ کرب و بلا کا قصد ہے
ہجر میں فریاد کی ہے خوابگاہِ ناز نے   خاک سے اُٹھ کر پکارا ہے کسی جانباز نے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بجھ گئے دل امتیازِ مرگ و ہستی لے چلا   جانے والے تو ہمارے گھر کی بستی لے چلا
کیا خفا کچھ ہو گئے بندوں سے آقا کیوں گئے   ننھے بچے روز پوچھیں گے کہ مولاؑ کیوں گئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تعزیے جب گھر سے باہر لے چلے ہم نوحہ گر   سب کنیزیں سیّدہ کی رہ گئیں منہ دیکھ کر
جس کی دولت لٹ رہی ہو اس کو کیونکر کل پڑے   رات بھر روئی ہوئی آنکھوں سے آنسو ڈھل پڑے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جی بھر آتا تھا عشرہ کی سحر کے نام سے   بال کھولے ہیں بلائیں لینے والی شام سے

آئے ہیں گھر بھر کو باحالِ پریشاں چھوڑ کر   تیرے اجڑے تعزیہ خانوں میں گریاں چھوڑ کر

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام

السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

صبح سے ہے اک اُداسی کا زوال آیا ہوا   ایک سناٹا فضائے درد پر چھایا ہوا

دیدۂ خوں بار جیسے آبلے بیٹھے ہوئے   خشک لب جلتے ہوئے آنسو گلے بیٹھے ہوئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام

السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بے زبانوں کو بھی احساسِ الم گھیرے ہوئے   گود کے بچے بھی خواب و خور سے منہ پھیرے ہوئے

ناسمجھ آنکھوں سے بھی آنسو رواں تیرے لیے   ادھ کٹے لفظوں سے بچے نوحہ خواں تیرے لیے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام

السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کھیل کی جانب دماغ و دل پلٹتے ہی نہیں   ہاتھ ماتم چھوڑ کر سینوں سے ہٹتے ہی نہیں

غم نما آثار اِدھر اُترے ہوئے چہروں کے ہیں   پھول اُدھر مسند پہ مرجھائے ہوئے سہروں کے ہیں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام

السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

دل کے تڑپانے کو خوشبو عود کی پھیلی ہوئی   شہ نشیں پر ملگجی سی چاندنی پھیلی ہوئی

تہ بہ تہ پلکوں میں اشک چشم نم لپٹے ہوئے   تخت کے گوشہ پہ چادر میں علم لپٹے ہوئے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام

السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

چرخ کے روشن ستارے متصل بجھتے ہوئے　　ادھ جلی شمعوں کی خاموشی سے دل بجھتے ہوئے
گوشۂ مشرق میں دھندلی روشنی سہمی ہوئی　　موت کی غمگیں فضا میں زندگی سہمی ہوئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

کیا پسند آئی ہے اے خلوت نشینِ کربلا　　جس نے پیاسا تجھ کو مارا وہ زمینِ کربلا
وہ زمیں جو آسمانِ ظلم بن کر چھا گئی　　جس پہ وقتِ عصر سجدے میں تجھے نیند آگئی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

وہ زمیں اکبرؑ سا جس پہ ماہ لقا مارا گیا　　جس پہ تیرا قافلے کا قافلہ مارا گیا
گُلیاں کیں خون کی تشنہ دہن بے شیر نے　　دودھ اصغرؑ کا بڑھایا جس زمیں پہ تیر نے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں نے تین دن طوفاں اٹھائے پیاس کے　　خون برسا نہر پر شانے کٹے عباسؑ کے
جس نے مسلم کے یتیموں کی جوانی لوٹ لی　　دولتِ ہمشیر بھائی کی نشانی لوٹ لی

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

جس زمیں پر آبِ خنجر تا گلو بہتا رہا　　شام کو خیمے جلے دن بھر لہو بہتا رہا
جس پر سر کاٹے گئے ایمان کی تعزیر میں　　جس پہ آلِ مصطفیٰؐ جکڑی گئی زنجیر میں

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

بے حسوں میں زندگی پھیلانے والے مرحبا   ہند میں تُربت سے اٹھ کر آنے والے مرحبا
ہو مبارک تحفۂ اشکِ عزا لینا تجھے   ہے ابھی ملّت کے دل کا جائزا لینا تجھے

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

ماتمی لاکھوں ہیں نفس بے ریا کس کس میں ہے   دیکھنا ہے تیرے اُسوہ کی ادا کس کس میں ہے
کس قدر قومی جلالت کا عَلَم اونچا ہوا   پوچھتا جا میری محنت کا نتیجہ کیا ہوا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

الوداع اے خون میں رنگیں ستارے الوداع   الوداع اے بے سہاروں کے سہارے الوداع
منتظر ہے تیرے قدموں کی جبینِ کربلا   آرہا ہے تیرا کشتہ اے زمینِ کربلا

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

اے مسافر تجھ پہ تیرے میزبانوں کا سلام   ہند کے بوڑھوں کا بچوں کا جوانوں کا سلام
دردِ قومی جن کو ہے اُن خستہ حالوں کا سلام   ملک اور ملت کی خاطر مرنے والوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

پیاس کے مارے ہوئے دریا کا نہروں کا سلام   تا لبِ گنگ و جمن کی اٹھتی لہروں کا سلام
جانے والے صف بصف کھیتوں کا باغوں کا سلام   اے مسافر ماتمی سینوں کے داغوں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

تجھ پہ اے مظلوم بھارت کے سپوتوں کا سلام   ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام
زندگی کی دوڑ میں ہم سست گاموں کا سلام   تاجدارِ حریت تجھ پر غلاموں کا سلام

السلام اے جادۂ ایماں کے سالک السلام
السلام اسلام کی ہستی کے مالک السلام

سواری

رخصت ہے قتیلِ ستم و غم کی سواری　　ہے رو بہ سفر صبرِ مجسّم کی سواری
اے قوم چلی مصلحِ اعظم کی سواری　　جاتی ہے شہنشاہِ دو عالم کی سواری

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اس شان کا مرنا کہیں دیکھو گے نہ جینا　　ڈوبا ہوا اک خون کے دریا میں سفینا
اسلام کا مفہوم ہے اس گھر کا قرینا　　اس در پہ مہ و مہر کو آتا ہے پسینا

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

مظلوم کے آثارِ جلالت ہیں ہوا میں　　ہر سانس ہے ڈوبی ہوئی احساس بکا میں
فطرت ہمہ تن درد ہے یادِ شہدا میں　　کیا جانئے کیا رنگ ہے اس وقت فضا میں

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

تاحدِ نظر بھیڑ ہے آشفتہ سروں کی　　یا چاک گریبانوں کی یا نوحہ گروں کی
آمد ہے سرِ عرش سے پیغامبروں کی　　آواز سی آئی ہے فرشتوں کے پروں کی

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اغلب ہے جلو میں ہوں سب اعوان سب انصار　　سر اپنے کٹائے ہوئے حاضر ہوں رضا کار
اکبرؑ ہوں اُسی شان سے تو لے ہوئے تلوار　　پرچم ابھی کھولے ہوئے ہو روحِ علمدارؑ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

کچھ دُور نہیں جانِ دو عالم ہو جلو میں　　غیبت کے حجابات کا محرم ہو جلو میں
وارث غمِ سروڑ کا بصد غم ہو جلو میں　　خود محبتِ حق صاحبِ ماتم ہو جلو میں

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ہمراہ ہوں تھامے ہوئے دل شافعِ محشر　　ہوں خاک بسر تیغ بکف حیدرِ صفدر
کہتے ہوئے آتے ہوں حسنؑ ہائے برادر　　محمل میں ہو کھولے ہوئے سر جانِ پیمبرؐ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

طے کر کے وہ آیا ہے غم و درد کا جادا　　رستہ میں اٹھائے ہیں ستم حد سے زیادہ
راحت میں مجاہد کی خلل آئے مبادا　　تابوت میں سوتا ہے دو عالم کا نُوزادہ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

سینہ سے شہادت کا لگائے ہوئے محضر　　وہ خاتمہ کی مہر میں داغِ علی اصغرؑ
کس شان سے زخموں کی وہ اوڑھے ہوئے چادر　　عاشور سے ہے خواب میں سوتوں کو جگا کر

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

تابوت پہ ہے سایہ کناں دامنِ رحمت　　لہراتا ہے بالیں پہ عَلَم نورِ صداقت
فرمانِ ادب دیتا ہے آئینِ شجاعت　　مظلوم کو روتی ہوئی آتی ہے محبت

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

آنکھوں میں بھرے اشک غریب الوطنی ہے　　سر اپنا جھکائے ہوئے تشنہ دہنی ہے
ماتم کا یہ عالم ہے کہ جانوں پہ بنی ہے　　اور کیف شہادت میں وہ جرأت کا دھنی ہے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ملت کا دُلارا ہے سواری ہے یہ جس کی　　اسلام کا پیارا ہے سواری ہے یہ جس کی
مطلوب ہمارا ہے سواری ہے یہ جس کی　　پیاسا اسے مارا ہے سواری ہے یہ جس کی

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

اسلام پہ دنیا میں بُرا وقت جو آیا　　ہاتھوں پہ تڑپتا ہوا دل رکھ کے دکھایا
چھ ماہ کے بچہ کو بھی میدان میں لایا　　نانا کی ریاضت کو نواسے نے بچایا

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

غمخوار ہے سب کا کوئی مانے کہ نہ مانے　　کربل میں لٹا کر جگر و دل کے خزانے
اب ہند میں آیا ہے وہ پیغام سنانے　　نوحے کی زباں میں ہیں محبت کے ترانے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

یہ درد کا عالم ہے کہ دل رہ نہیں سکتے　　آنسو بھی بہ اندازۂ غم بہہ نہیں سکتے
مہماں کی جدائی کا الم سہہ نہیں سکتے　　رونق لیے جاتا ہے یہ کچھ کہہ نہیں سکتے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

چپ ہیں بہ ادب ارض و سما کوئی کہے کیا　　وہ رعب ہے جز صل علا کوئی کہے کیا
جاتا ہے وہ پابند وفا کوئی کہے کیا　　یاد آگئی پھر کرب و بلا کوئی کہے کیا

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

خون اپنے کلیجہ کا بہایا ہے اسی نے　　مقتل کو محبت کے سجایا ہے اسی نے
سرمایہ پرستی کو مٹایا ہے اسی نے　　انسان کی عزت کو بچایا ہے اسی نے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

ہر صاحبِ دل بندۂ بے دام ہے اس کا مظلوم کا حامی کرم عام ہے اس کا
تیرہ سو برس سے یہی پیغام ہے اس کا سُن لو کہ حسینؑ ابن علیؑ نام ہے اس کا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے
آئینِ ادب مسلکِ دربار نہ بھولو کس کے ہو محبّ کس کے عزادار نہ بھولو
کیا جوش تولّا کا ہے معیار نہ بھولو یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینہ سے ادب سے

(50)

سَت کی سیوا

جب جھوٹ کی ندی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہے اٹھلاتی ہے یہ چلتی پھرتی مایا جب کایا کا لہو پی جاتی ہے
اک وقت نظر میں پھرتا ہے اک بات مجھے یاد آتی ہے سکھ کھونا یاد آتا ہے دکھ پانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب تن کی مورت ہنستی ہے اور من کی دیوی روتی ہے یہ دنیا زخم بچھونے پر جب آنکھیں کھولے سوتی ہے
سَت دھرم پہ مرنے والوں کی اس جگ میں کمی جب ہوتی ہے میدان میں ننھے بچے کا لے آنا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب پل پل گرمی بڑھتی ہے اور دھوپ تڑپ دکھلاتی ہے دنیا میں کوئی پھلواری جب بے نیر کہیں مرجھاتی ہے
کچھ سوکھے سوکھے ہونٹوں کی ہر پیاس میں یاد آ جاتی ہے اصغرؑ کے گلابی مکھڑے کا کملانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے
جب سچوں کو ٹھکراتے ہیں اور جھوٹوں کو اپناتے ہیں جب اچھے اچھے دھرم پجاری پاپ کی ٹھوکر کھاتے ہیں

جب مایا جال بچھاتی ہے دل پھندے میں پھنس جاتے ہیں   سنسار کی جھوٹی مایا کو ٹھکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی رکھشا کرنے والے من کا انس مٹاتے ہیں   درد کے جب سیوک بن کر گھر کی لاج گنواتے ہیں

جب سکھ کے بندے سکھ کے کارن جگ جگ سیس نواتے ہیں   دکھ درد کے اونچے پربت سے ٹکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب مرداد ھک دھک کرتا ہے گھمسان میں رن کی بانی سے   جب تیور بجھ بجھ جاتے ہیں دو چرکوں میں آسانی سے

جب کائر جان بچاتے ہیں تلوار کے گہرے پانی سے   ان خون میں ڈوبی زلفوں کا بل کھانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

اس جگمگ جگمگ دنیا میں جب ہٹ پر بالک آتے ہیں   جب آنکھیں نیر بہاتی ہیں دل پانی ہو ہو جاتے ہیں

جب جھوٹی سچی آشا دے کر بات پتا سمجھاتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر بھی من کا گرد دھوتے ہیں   جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں

عشرہ کو ہوا کی لہروں میں جب سبز پھریرے ہوتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

نعرۂ عمل

کیا صفِ ماتم پہ بیٹھے ہو عزادارو اٹھو   درد سے دنیا کو بھردو درد کے مارے اٹھو
حریت کی روحِ اعظم کے پرستارو اٹھو   فاطمہؑ کے لاڈلے پر جان و دل وارو اٹھو

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

ذرّہ ذرّہ کو سنادو داستانِ کربلا   کس طرح لوٹا گیا تھا کاروانِ کربلا
کرگئے کیا کارنامے میہمانِ کربلا   بے زباں کے غم میں بن جاؤ زبانِ کربلا

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

سرفروشانِ اجل کی وہ حسیں قربانیاں   وہ کڑا سودا مگر جانوں کی وہ ارزانیاں
بے وضو سجدوں سے ظاہر بے سرو سامانیاں   یاد ہوں گی خون میں ڈوبی ہوئی پیشانیاں

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

خلق سے کہہ دو کہ یہ شانِ شہادت دیکھ لے   تین دن کے بھوکے پیاسوں کی شجاعت دیکھ لے
دل پہن رکھے ہیں زرہوں پر جلالت دیکھ لے   ایک سے بڑھ کر ہےاک معصوم صورت دیکھ لے

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

حق کی قرباں گاہ پر شبیرؑ کا لاشہ بھی ہے   یادگارِ شاہِ خیبر گیر کا لاشہ بھی ہے
اک رسولؐ اللہ کی تصویر کا لاشہ بھی ہے   گود میں شبیرؑ کے بے شیر کا لاشہ بھی ہے

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

رہ گیا باقی ابد تک نام کہتے ہیں اسے　　جی اٹھی ملّت خدائی کام کہتے ہیں اسے
کٹ گئے کتنے گلے پیغام کہتے ہیں اسے　　اے مسلماں دیکھ لے اسلام کہتے ہیں اسے

چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

دوش پر فوجِ حسینؑ کا عَلم لے کر چلو　　یاد میں عباسؑ کی باچشمِ نم لے کر چلو
پاؤں تھک جائیں تو ہمت کے قدم لے کر چلو　　تجّم آؤ بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو

چہرۂ روشن دکھاکر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

(52)

جانِ تولّا

بے چین بہت دل والے ہیں اے جانِ تولّا تیرے لیے　　اے سوز کے مالک تیرے لئے اے درد کے آقا تیرے لئے
گو آٹھ پہر کی پیاس بھی تھی سینہ پہ لگی تھی برچھی بھی　　ممکن ہے اجل کی گود میں ہو اکبرؑ کا تڑپنا تیرے لئے
تبدیل نظامِ قدرت ہو تو نے ہی گوارا خود نہ کیا　　ٹھنتے ہیں بدلنے والا تھا کونین کا نقشہ تیرے لئے
سو زخم ہیں جسمِ نازک پر آرام سے سو کروٹ بھی نہ لے　　عاشور کی غمگین راتوں میں بیدار ہے دنیا تیرے لئے
بچہ تھا مگر کس گود کا تھا بے شیر کی فطرت کہتی ہے　　پانی کی طلب میں فوج سے تھا اصغرؑ کا اشارا تیرے لئے
تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے　　اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لئے
خنجر کے تلے سمجھانا تھا اللہ کو منوانا تھا　　اس پیاس میں جلتی ریتی پر مخصوص تھا سجدہ تیرے لئے
وہ حمد کی شب ہے نظروں میں وہ شکر کا دن ہے ذہنوں میں　　پیغامِ شہادت لایا تھا جب صبح کا تارا تیرے لئے
وہ حوصلۂ جاں کا طالب اللہ وہ عزمِ راہِ طلب　　سر کی ہوئی دنیا تیرے لئے اٹھا ہوا پردہ تیرے لئے

قدموں میں جو دریا آ نہ سکا سنتے ہیں بہت بیتاب رہا دریا نے کہاں سے دیکھا تھا کوثر کا چھلکنا تیرے لئے
اشک آنکھ میں ہیں کاندھے پہ علم اور پاؤں رہِ آزادی میں اب ہوش حقیقت آیا ہے اب حشر بپا ہے تیرے لئے
اب کام کی تیری باتیں ہیں اب نام کی تیرے پوجا ہے تو نے جو نہ چاہا اپنے لئے اللہ نے چاہا تیرے لئے
آہوں سے کلیجے پھٹتے ہیں دن رات تڑپتے کٹتے ہیں روٹھے ہوئے صاحب تیرے لئے بچھڑے ہوئے مولاؑ تیرے لئے

نجم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی
دربار میں شامل ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ تیرا تیرے لئے

(53)

حیاتِ نو

شبیرؑ کو سر دے کر اسلام بچانا ہے کونین ہیں قدموں میں ریتی پہ ٹھکانا ہے
اکبرؑ پہ نظر ڈالو قاسمؑ کی طرف دیکھو مرنے کے ارادے ہیں جینے کا زمانا ہے
یہ خون بھرے چہرے یہ کفر شکن نظریں حیدرؑ کا گھرانا بھی شیروں کا گھرانا ہے
شبیرؑ کے ہاتھوں کا بوسہ تو کوئی لے لے ننھے سے مجاہد کو میدان میں لانا ہے
دیکھا ہی ابھی کیا ہے دنیا کی نگاہوں نے رکھ کر ابھی ہاتھوں پر دل اپنا دکھانا ہے
کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی سوئی ہوئی ملّت کی غیرت کو جگانا ہے
امّت کی محبت میں بچوں کو فدا کر کے دنیائے محبت کا قانون بنانا ہے
یہ کس نے جھکایا ہے سر طاعتِ خالق میں کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھانا ہے
احمدؐ کا نواسہ ہے معراج بھی پائے گا نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے
لفظوں سے حکومت کی بنیاد ہلانی ہے سجادؑ کو ظالم کے دربار میں جانا ہے

اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو — کیا تو نے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے
کس خون سے لکھا ہے مٹنے کا نہیں ہرگز — اے صفحۂ گیتی یہ بیکس کا فسانہ ہے
اب اپنے غلاموں سے شبیرؑ کا پُرسا لے — اے صاحبِ عصر آ جا اِک دن تجھے آنا ہے

ہے تجم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے
کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

(54)

ہمارا کارواں

وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا — لوٹا تھا کربلا میں جب کارواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
دریا پہ منتظر تھے جب آگ دینے والے — خشکی میں جب تھا خیمہ عرش آستاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
بچوں کی موت جس دن ماؤں کی آرزو تھی — دولھا بنا ہُوا تھا ہر نوجواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
روکا تھا رحم کھا کر جب رحمتِ خدا نے — بپھرا ہوا تھا اِک اِک شیرِ ژیاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
ایماں کی زندگی تھی جب تشنگی ہماری — دشمن کی زندگی تھا آبِ رواں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
جب اُٹھ رہی تھیں اپنے خونِ جگر کی موجیں — جب درس دے رہا تھا تشنہ وہاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

خونباب ہوگئی تھیں جب علقمہ کی لہریں　　ڈوبا تھا خون میں جب قومی نشاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
اک آہ کی صدا بھی گونجی تیری فضا میں　　جب لے گئی کلیجہ نوکِ سناں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
تسلیم کا رضا کا نغمہ سُنا تھا تو نے　　جب خوں اُگل رہا تھا اِک بے زباں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
سُنتے ہیں سیّدہؑ کی تُربت لرزگئی تھی　　جب زیرِ تیغ آیا آرام جاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
یثرب میں بے مجاور تھی قبر مصطفیٰؐ کی　　زندانِ شام میں تھا جب آشیاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
مظلومِ کربلا کی عترت کا صبر دیکھے　　کیا دیکھتی ہے گریہ چشمِ جہاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا
وہ شانِ صاحبی تھی یہ دَورِ بندگی ہے　　وہ وقت صبر کا یہ عہدِ فغاں ہمارا
وہ وقت یاد ہے کچھ اے آسماں ہمارا

پروردگارِ درد

شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا — حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا
وہ خشک لب وہ گریباں رنگے ہوئے خوں میں — تیرے چمن کے گلوں کی بہار کیا کہنا
زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ — نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا
وہ سر وہ طرۂ خیرالبشرؐ وہ پیکرِ نور — گلے کی زیب وہ زخموں کے ہار کیا کہنا
بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشاں نہ رہے — تڑپ کے روک لیا دل پہ وار کیا کہنا
وہ تیرے صبر کی آغوش وہ لاشۂ اصغرؑ — یہ دل یہ دل پہ تیرا اختیار کیا کہنا
بھلا دیا وہ تبسم بھی دردِ ملّت نے — رہا نہ یاد سکینہؑ کا پیار کیا کہنا
یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا — یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا
جناں کا قصد لہو کرکے شیرِ زہراؑ کو — پسند آگئی خنجر کی دھار کیا کہنا
وہ نانا جان کی اُمت سے کی وفا تو نے — تیری وفا پہ دو عالم نثار کیا کہنا
یہ زیرِ خنجرِ قاتل خدا سے راز و نیاز — نگاہِ شوق ہے بروئے کار کیا کہنا
ہر آنکھ سے ہیں رواں تیرے درد کے آنسو — یہ تیرا درد ہے آج اشکبار کیا کہنا
شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا — ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

یہ دل میں دردِ محبت یہ تجمّم جوشِ سخن
یہ تیرا خامۂ ماتم نگار کیا کہنا

ملّتِ ناکام

جلوہ گرِ کربلا تیرا ہی یہ کام ہے
آج بھی انسانیت آج بھی اسلام ہے

کل کی تیری بیکسی آج ہوئی بارور
خاصۂ ربِّ عُلا تیری ولا عام ہے

ہند میں دس روز کو آکے یہ منظر تو دیکھ
صبح تیری صبح ہے شام تیری شام ہے

پیاس کے مارے ہوئے خون میں ڈوبے ہوئے
دل میں تیری آرزو لب پہ تیرا نام ہے

اشکِ عزادار ہیں مرہمِ زخمِ جگر
بانکے سپاہی بتا اب تو کچھ آرام ہے

قبرِ پیمبرؐ سے دور کس نے سُلایا تجھے
اس کو نہ آئے گی نیند جس کا گل اندام ہے

خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں
آج وہ روحِ عمل مقصدِ اقوام ہے

عالمِ امکاں میں ہے آج وہ ملت بلند
دل سے لگائے ہوئے جو تیرا پیغام ہے

چین نہ دیں گی تجھے قوم کی ناکامیاں
مصلحِ اعظم کے لال تجھ سے ابھی کام ہے

تیری نظر کے نثار ایک نظر دیکھ لے
رُو بہ زوال آج پھر ملّتِ ناکام ہے

شیعہ و سُنّی میں ہے آج نیا افتراق
آج تباہی میں پھر کشتیِ اسلام ہے

پیارا نواسہ ہے تو خلد میں نانا سے پوچھ
دین کے آغاز کا کیا یہی انجام ہے

در پہ تیرے صف بہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی
نجم کی خاطر فقط گردشِ ایّام ہے

یثرب سے آنے والے

اے دشتِ کربلا میں یثرب سے آنے والے | جنگل میں بیکسوں کی بستی بسانے والے
نزدیک آرہی ہے تشنہ لبی کی منزل | رستہ میں دشمنوں کو پانی پلانے والے
تیرا ہی تھا یہ منصب اے ورثہ دارِ حیدرؑ | سجدوں کی عافیت میں تلواریں کھانے والے
سوکھے ہوئے لبوں پہ سَو علقمہ تصدّق | اے سیل اشکِ غم کو کوثر بنانے والے
کیا سر کیا ہے تونے میدان کربلا کا | اکبرؑ کی لاش اٹھاکر اصغرؑ کو لانے والے
گہوارۂ لحد میں بے شیر سو نہ جائے | خیمہ میں منتظر ہیں جھولا جھلانے والے
تیرا ہی تھا کلیجہ اتنوں کے داغ اٹھائے | دنیا میں داغِ دل کا سکّہ چلانے والے
کیونکر زمیں نے تیرے سجدہ کا بار اُٹھایا | دربارِ ایزدی میں سردے کے جانے والے
راز و نیاز ہوں گے کیا کیا نہ زیرِ خنجر | اے مرضیِ خدا کو اپنا بنانے والے
نیزہ پہ یہ سواری کس سمت جارہی ہے | اے دوشِ مصطفےٰؐ پر جلوہ دکھانے والے
کوثر پہ ہوکے جانا خدمت میں سیّدہ کی | آغوشِ سیّدہ میں اے مسکرانے والے
ہاں ناروا ہے تیرے ماتم میں صبر کرنا | اے صبر کرنے والے اے غم اُٹھانے والے

یہ نجم نوحہ گر کا نوحہ قبول کرلے
اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

درود و سلام

اب سحر آئے اور نہ شام آئے کربلا میں حسینؑ کام آئے
آہ نکلی لبِ فرات سے آہ جب مدینہ کے لالہ فام آئے
نوجوان و جوان مُسن کمسن مرنے والے باہتمام آئے
دیکھ دیکھ اے زمینِ مقتل دیکھ مسکراتے ہوئے امامؑ آئے
موت کی سمت قید کی جانب اُن کو مجرا جو تیز گام آئے
عرش سے فرش پر شہیدوں کا صبح سے شام تک سلام آئے
ہائے عباسؑ کی وفاداری نہر پر جاکے تشنہ کام آئے
کوئی مظلوم ہو تو ایسا ہو اشک آنکھوں میں لب پہ نام آئے
جانِ زہراؑ یہ بیکسی تیری چھ مہینے کی جان کام آئے
کیوں شہیدوں نے کروٹیں بدلیں کس کی سوکھی زباں پہ نام آئے
زیرِ خنجر حسینؑ تھے جب تک سَو درود آئے سَو سلام آئے
آؤ پُرسا امامِ عصرؑ کو دو اُٹھو ماتم کرو امامؑ آئے

نجم آئے تو اہلِ دل نے کہا
درد یکسر غمِ تمام آئے

نہرِ علقمہ

پیاسا رہا جانِ نبیؐ اے وائے نہرِ علقمہ
اُٹھتی رہیں موجیں تیری اے وائے نہرِ علقمہ

وہ خشک لب سوکھا گلا شیرِ خدا کی آل کا
وہ تیرے ہونٹوں پر تری اے وائے نہرِ علقمہ

طوفاں اٹھانا تھا تجھے یا سوکھ جانا تھا تجھے
کچھ تو نے خدمت ہی نہ کی اے وائے نہرِ علقمہ

اِک مشک پانی کے لیے عباسؑ کے شانے کٹے
ندی لہو کی بہہ گئی اے وائے نہرِ علقمہ

ڈوبے لہو میں یک قلم کیا کیا غزالانِ حرم
دیکھی یہ کشتی ڈوبتی اے وائے نہرِ علقمہ

اِک چادرِ آبِ رواں اوڑھے ہوئے تو نوحہ خواں
زینبؑ کی یہ بے چادری اے وائے نہرِ علقمہ

قبضہ میں تیرے آب ہو اور پیاس سے بے تاب ہو
شہؑ کے چمن کی ہر کلی اے وائے نہرِ علقمہ

خیمہ رہے شبیرؑ کا یوں دھوپ میں جلتا ہُوا
ساحل پہ ہو فوجِ شقی اے وائے نہرِ علقمہ

اشکِ سکینہؑ بہہ گئے منہ دیکھتے سب رہ گئے
تُو اور تیری دریا دِلی اے وائے نہرِ علقمہ

یہ کون سا دستور تھا مہمان کتنی دور تھا
کیا پاؤں میں زنجیر تھی اے وائے نہرِ علقمہ

حسرت کی اِک تفسیر تھی خود تیرے دل پر تیر تھی
جو موج اُٹھی ایسی اُٹھی اے وائے نہرِ علقمہ

آتا ہے اُس کو یاد جب وہ کاروانِ تشنہ لب
ہے تجمؔ کا نوحہ یہی اے وائے نہرِ علقمہ

جانِ کربلا

جانِ کربلا تو نے راہِ حق دکھا دی ہے
موت کے اندھیرے میں شمع سی جلا دی ہے

رحم کھا کر دشمن پر ہاتھ روکنے والے
ہائے کس قیامت کی قوتِ ارادی ہے

شام دُور ہی کیا ہے اور دو قدم بڑھ جا
کربلا سے کوفہ تک جب زمیں ہلا دی ہے

اب حسینؑ اصغرؑ کو رن میں لے کے آئے ہیں
کیا انہیں بھی مادر نے جنگ کی رضا دی ہے

اور کردیا روشن ظالموں نے ظلم اپنا
بیکسوں کے خیمہ میں آگ بھی لگا دی ہے

دیدنی ہے زنداں میں ضبطِ غم سکینہؑ کا
گو ابھی بہت کم سِن غم کی شاہزادی ہے

حق کہاں نظر آتا اے حسینؑ دنیا میں
تو نے زندگی دے کر زندگی بڑھا دی ہے

کیوں حسینؑ کے غم سے روکتے ہو دنیا کو
تم نے کیا زمانہ سے رسمِ غم اٹھا دی ہے

اُس سے ایک دو آنسو کیا عزیز کرتے ہو
زیرِ تیغ بھی جس نے قوم کو دعا دی ہے

اس کے در پہ سجدے کر اے غرورِ انسانی
جس نے آدمیت کی آبرو بچا دی ہے

عازمِ زیارت ہے تجمؔ ایک مدّت سے
کس کو اب صدا تو نے ارضِ کربلا دی ہے

تصوّرات

دنیا دکھائی دیتی ہے ماتم سرا مجھے کرنا ہے کس غریب کا ماتم بپا مجھے
اللہ اللہ ذرّہ سے آتی ہے بوئے خوں کچھ اپنا ماجرا تو سُنا کربلا مجھے
ہر آنکھ ہے کسی کی مصیبت میں اشکبار ہر دل دکھائی دیتا ہے ٹوٹا ہُوا مجھے
یہ کس خدا پرست مسافر کا ہے مزار ہے جس کی خاکِ پاک پہ سجدہ روا مجھے
یہ کس کے چھ مہینے کے بچے کی قبر ہے سینہ سے دل نکال کے رکھنا پڑا مجھے
نالہ یہ کس کا گونج رہا ہے لبِ فرات ہوں تشنہ لب پلایئے پانی چچا مجھے
لبیک کہہ کے رُوح نکلنے کو ہے مری آتی ہے قتل گاہ سے کیسی صدا مجھے
تسبیح ہے کہ خون کے قطرے کسی کے ہیں اے کربلا کی خاک یہ کیا دے دیا مجھے
تو مشہدِ حسینؑ ہے اے عرش بر زمین اپنے میں جذب کرلے برائے خدا مجھے
وہ ظالموں کے ظلم یہ رونق یہ زندگی دشوار ہوگیا تیرا پہچانا مجھے
کیا کیا ہوئی تھیں تیرے مٹانے کی کوششیں بھولے نہیں ہیں وہ ستمِ ناروا مجھے
شاعر ہوں اہلبیتؑ کا میں نجم دلفگار
پہچانتے ہیں کشتۂ راہِ خدا مجھے

پیارا سجدہ

راج دُلارا زہراؑ کا زخمی ہے اور پیاسا ہے　　　بوند نہیں ہے پانی کی خون کا دریا بہتا ہے
گیتی اونچی ہوتی ہے گرنے نہ دے گی گھوڑے سے　　　اپنی گود میں لے لیگی کس کی گود کا پالا ہے
راہِ خدا میں جلدی کی آگے جانے والوں نے　　　صبح کے ساتھی چھوڑ گئے شام ہوئی اندھیارا ہے
اکبرؑ قاسمؑ کوئی نہیں آس بندھے تو کس سے بندھے　　　دریا چھیننے والا بھی دریا چھین کے سوتا ہے
خون کی ندی ایسی چڑھی صبح سے لے کر شام تلک　　　چاند نبیؐ کے ڈوب گئے سورج ڈوبنے والا ہے
حلق پہ تیغِ قاتل ہے جانِ پیمبرؐ سجدہ میں　　　دونوں عالم صدقے ہیں کیسا پیارا سجدہ ہے
کل جو نبیؐ کے دوش پہ تھا آج وہ سر ہے نیزہ پر　　　ایک زمانہ ایسا تھا ایک زمانہ ایسا ہے
بُجھ گئی شمعِ قبرِ نبیؐ دشتِ بلا کیا روشن ہو　　　بیچ میں خیمے جلتے ہیں چار طرف اندھیارا ہے
موت یہ تیری کیسی تھی مرنے والے تیرے لیے　　　مجلس بستی بستی ہے ماتم صحرا صحرا ہے
چار پہر کی منزل تھی آٹھ پہر اب تھک چکے ہیں　　　کام کی گھڑیاں بیت گئیں نام کا ڈنکا بجتا ہے

نجم غرورِ ملّت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا
ایسا مجاہد عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

پہلی مجلس

بھر دیا جوشِ عمل اسلام کی تلوار میں
یا حسینؑ ابن علیؑ کا شور ہے جھنکار میں

فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو
سو رہا ہے کربلا کی منزلِ بیدار میں

صبحِ عاشورِ محرم سر جو سجدوں سے اٹھے
ہنس دیئے اہلِ وفا منہ دیکھ کر تلوار میں

کب ہوا تھا نہر پر ٹھنڈا پیمبرؐ کا نشان
اب تک اُٹھتے ہیں علم یادِ علمبردار میں

مُسکرائے زیرِ تیغ اپنی حکومت دیکھ کر
دونوں عالم تھے نگاہِ سیّدِ ابرار میں

درد تھا اُمت کا جو زنجیرِ آہن بن گیا
تھی یہی زنجیر پائے عابدِ بیمار میں

کیا خبر تھی جن کے سجدوں نے ہلا دی ہے زمیں
اُن کے سرتشہیر ہوں گے کوچہ و بازار میں

جب سرِ شبیرؑ آیا جھک گئی چشمِ یزید
کُفر نے سجدے کیے ایمان کی سرکار میں

خون کی چادر سے اُس کا حسن چھپ سکتا نہیں
جس کا حصہ ہو جمالِ احمدؐ مختار میں

دشمنوں کو بھی رُلایا خود بھی روئے اہلبیتؑ
پہلی مجلس کی اسیرِ شام کے دربار میں

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی
اِک حقیقت اک تڑپ ہے تجمل کے اشعار میں

سینہ زنی

آج تک اسلام کی جلوہ گری رہ گئی ۔۔۔ تیری بدولت حسینؑ بات بنی رہ گئی
پھیر کے سقہ نے منہ مشک بھری نہر سے ۔۔۔ سیل بڑھی تھم گئی موج اُٹھی رہ گئی
اہلِ وفا پر درود عہدِ وفا جی گیا ۔۔۔ تشنہ لبوں پر سلام تشنہ لبی رہ گئی
گلشنِ زہراؑ کے گل پیاس سے مُرجھا گئے ۔۔۔ تیرے لبوں پر فرات کیسے تری رہ گئی
خیمہ سے لانے کو ہیں تحفۂ آخر حسینؑ ۔۔۔ نذر کے سامان میں کوئی کمی رہ گئی
رن کو وہ اصغرؑ چلے گود میں شبیرؑ کی ۔۔۔ لے کے بلائیں رباب در پہ کھڑی رہ گئی
زیست کے آثار سب تیرِ اجل لے گیا ۔۔۔ اصغرؑ بے شیر کے لب پہ ہنسی رہ گئی
جنگ کو اکبرؑ گئے کرکے وداعی سلام ۔۔۔ اُن کی جوانی انہیں دیکھتی ہی رہ گئی
رُخصتِ شبیرؑ پر ضبط کا عالم یہ تھا ۔۔۔ منہ کو سکینہؑ غریب تکتی ہوئی رہ گئی
اور یہ دھبہ لگا دامنِ اسلام پر ۔۔۔ خاک پہ شبیرؑ کی لاش پڑی رہ گئی

نجمؔ غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی
یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

شبیرؑ کا پیغام

تا ابد زندہ ہے اور تا ابد اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے

مرحبا اے سر فروشانِ حسینؑ مرحبا
یوں تلاشِ موت جیسے موت سے کچھ کام ہے

مصطفیٰؐ کی آل پر یوں بند پانی کردیا
جیسے پانی بند کردینا رواجِ عام ہے

اب وہ پہلی سی نہیں اصغرؑ کو تکلیفِ عطش
سو گئے ہیں باپ کی گودی میں کچھ آرام ہے

قاصدِ صغراؑ ذرا لاشوں میں جاکر دیکھ لے
چاند سی صورت ہے جن کی ان کا اکبرؑ نام ہے

ہے غل و زنجیر میں جکڑا ہوا پیغامبر
خون میں ڈوبا ہوا شبیرؑ کا پیغام ہے

کرچکے تسخیر کوفہ سوگوارانِ حسینؑ
اب اسیرانِ بلا کا قصد سوئے شام ہے

آج بھی عاشور کے دن کی اُداسی دیکھ لو
کیسی بے رونق سحر کیسی بھیانک شام ہے

کب حضوری میں بلاتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ
دیکھتا ہوں تجمّل کب تک گردشِ ایام ہے

صبرِ عالم اُن کے قدموں پر نثار

رن میں اصغرؑ تیر کھا کر رہ گئے مثلِ غنچہ مُسکرا کر رہ گئے
دشتِ ویراں میں حسینؑ ابنِ علیؑ درد کی بستی بسا کر رہ گئے
استغاثہ پر شہِؑ مظلوم کے دشت و در سب تھر تھرا کر رہ گئے
ہل گئی بنیادِ ہستی جب حسینؑ زیرِ خنجر لب ہلا کر رہ گئے
سر جو نیزہ پر چڑھا شبیرؑ کا دونوں عالم سَر جھکا کر رہ گئے
منتظر بچے ہیں اے جانِ علیؑ تم کہاں دریا پہ جاکر رہ گئے
صبرِ عالم اُن کے قدموں پر نثار جو درِ خیمہ تک آکر رہ گئے
روشنی مقتل میں لاشوں پر کہاں چار تارے جھلملا کر رہ گئے
کربلا پہنچے ہزاروں قافلے
مجتجم ہم آنسو بہاکر رہ گئے

شہیدِ ظلم

شہیدِ ظلم کلیجے ہلادیے تُو نے
حسینؑ درد کے دریا بہادیے تُو نے

جراحتوں میں نمک بھردیا تشکّر کا
اذیتوں میں تبسم گُھلا دیے تُو نے

یہ سرفروشیِ عباسؑ و قاسمؑ و اکبرؑ
دل و جگر کے خزانے لُٹا دیے تُو نے

زمینِ کرب و بلا پر خلیلِؑ کرب و بلا
ہزار کعبۂ معنی بنا دیے تُو نے

دلوں کو حوصلۂ غم کی تازگی دے کر
نشاطِ کفر کے تنور بجھا دیے تُو نے

وفا میں کھائے ہیں ہنس ہنس کے تیر پیاسوں نے
یہ کیسے جامِ تولّا پلا دیے تُو نے

تمام ناز کے پالے تمام کشتۂ غم
زمینِ گرم پہ لاکر سُلا دیے تُو نے

زہے کمالِ سیاست کہ زیرِ تیغ آکر
نگاہِ خلق سے پردے ہٹا دیے تُو نے

ہوائے ظلم کی موجوں میں سوکے میٹھی نیند
تفکّرات کے جذبے جگادیے تُو نے

پہاڑ بن گیا ملّت کو تیرا استقلال
اُبھر چلے تھے جو فتنے دبا دیے تُو نے

ہر ایک ذرۂ بے حس میں اک تڑپ بھردی
دماغ وضع کیے دل بنا دیے تُو نے

تڑپ رہی ہے سنہ اکسٹھ سے آج تک دنیا
وہ صبر و ضبط کے جوہر دکھا دیے تُو نے

سُرورِ عشق کی قربانیاں معاذ اللہ
فضائے درد میں طوفاں اُٹھا دیے تُو نے

مزا ملا ہے وہ دل کو تیری ولا کے نثار
حیاتِ جمجم کے لمحے بڑھا دیے تُو نے

مظلوم کا حق

مظلوم کا حق ہے عالم پر ہیں دونوں جہاں غمخواروں میں
شبیرؑ کا ماتم چاند میں ہے شبیرؑ کا ماتم تاروں میں
کیا کُفرِ یزیدی فوج میں ہے کیا دینِ خدا کے پیاروں میں
سجدوں میں وہاں تلواریں ہیں سجدے ہیں یہاں تلواروں میں
سرلائے ہیں ظالم نیزے پر آغوشِ نبیؐ کے پالے کا
قرآن کے دشمن پھرتے ہیں قرآن لیے بازاروں میں
آج اُس سے عبادت باقی ہے آج اُس سے نمازیں قائم ہیں
کل ایک مصلاّ بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں
مولاؑ کی نمازِ خوف نہ تھی کونین پہ لرزہ طاری تھا
تکبیر کا نعرہ جاری تھا تلواروں کی جھنکاروں میں
جس شان کا تھا کاندھے پہ علَم عباسؑ کی ویسی موت بھی تھی
شہرت ہے جوانا مرگوں میں ہیبت ہے علمبرداروں میں
سب راہِ خدا کے سالک تھے یا قتل ہوئے یا قید ہوئے
یہ رسم گئی ہے دور تلک شبیرؑ کے ورثہ داروں میں
یہ شیر نہ دیتے جان اگر اسلام کی بنتی قبر کہیں
یا شام کے ناحق کوشوں میں یا کوفہ کے غداروں میں
کیا جنگ کی کڑیاں جھیلے ہیں یہ موت سے کیا کیا کھیلے ہیں
کیا رنگ شجاعت مکھڑوں پر نکھرا ہے لہو کی دھاروں میں
لِلّٰہ زمینِ کرب و بلا اصغرؑ کو لگالے چھاتی سے
اِک خون میں ڈوبا تارا بھی ہے یثرب کے شہہ پاروں میں
یہ کس کے قدم کی آہٹ سے ہنگامۂ عشرت کانپ گیا
زنجیر میں جکڑا کون گیا یہ محلوں میں درباروں میں
جنت کی سند بن جائے گی اے نجم ثنائے آلِ نبیؐ
نظمیں یہ ہماری پہنچیں گی جب ان کی سخی سرکاروں میں

مجبوریاں

امت ہوئی ہے درپے آزار کیا کریں
نازک ہے وقت سیّدِ ابرار کیا کریں

لے جائے کون مشک خیامِ حسین تک
دریا پہ گھر گئے ہیں علمدار کیا کریں

راہِ جہادِ حق کی مشیت نے روک لی
خیمہ میں رہ کے عابدِ بیمار کیا کریں

اطفال مضطرب ہیں وداعِ حسین ہے
منہ دیکھتے ہیں آئینہ رخسار کیا کریں

شبیرؑ کی صدا سے ہے لاشوں کو اضطراب
مجبور ہیں وفا کے پرستار کیا کریں

چُپ رہ گئے ہیں وحشتِ زنداں کو دیکھ کر
اہلِ حرم ہیں نقش بہ دیوار کیا کریں

آیا ہے سرِ حسین کا زندانِ شام میں
غش ہوگئے ہیں طالبِ دیدار کیا کریں

نقشہ یہاں بنا کے تصدّق نہ ہوں اگر
ہیں کربلا سے دور عزا دار کیا کریں

سرکارِ اہلبیت کا شاعر بنا دیا
اَب اور نجم طالعِ بیدار کیا کریں

(70)

نوحہ

سرد ے کے کربلا میں شۂ انس و جاں رہے — جس کو جگہ نہ ہو وہ مسافر کہاں رہے

جنگل کو جس نے گورِ غریباں بنادیا — جنگل میں لُٹ کے یوں نہ کوئی کارواں رہے

کیوں سُوئے نہر دیکھتے مہمانِ کربلا — سوکھے لبوں پہ شکر رہا تر زباں رہے

چھپ جائیں چاند فاطمہ زہراؑ کے خاک میں — منہ دیکھتی زمین رہے آسماں رہے

کیا چیز تھی جوانیِ اکبرؑ نہ پوچھئے — ان کا شباب دیکھنے والے جواں رہے

اصغرؑ کا خوں تو چہرہ پہ حضرت نے مل لیا — مادر کے دل کا خونِ تمنا کہاں رہے

قربان اے حسینؑ یہ تعلیمِ معرفت — سجدہ کے ساتھ حلق پہ خنجر رواں رہے

اے چرخ جس کے ہاتھ میں ہو نظمِ کائنات — وہ کربلا سے شام تلک ساربان رہے

مرکزِ غمِ حسینؑ کا ہندوستاں ہے نجم
آباد پُر بہار یہ ہندوستاں رہے

(71)

نوحہ

کشتۂ کرب و بلا یادِ خدا کر گئے — اب وہ عبادت کہاں سجدے گئے سر گئے

ہائے ولائے حسینؑ اُف رفقائے حسینؑ — جنگ ہزاروں سے کی آہ نہ کی مر گئے

ہائے وہ جانِ علیؑ اُف وہ نشانِ علیؑ — خون میں ڈوبے ہوئے حُسن کے منظر گئے

جانِ دو عالم نثار درد فدا غم نثار — غم کی نگاہیں گئیں درد کے تیور گئے

فوجوں میں دھنستے ہوئے تیغوں میں ہنستے ہوئے — عونؑ و محمدؑ گئے قاسمؑ و اکبرؑ گئے
کرب و بلا کانپ اُٹھی راہِ خدا کانپ اُٹھی — خیمہ سے رونق گئی جھولے سے اصغرؑ گئے
جیسے تہ تیغ تھے رُوح و دلِ کائنات — مالک صبرو رضا جب تہ خنجر گئے
غیظ میں کچھ سوچ کر رہ گیا بیمارِ غم — کوفہ کے در سے خیال تا درِ خیبر گئے
اُن کے تصدق سے نجم قوم ہے سب اہلِ دل
درد ملا اس قدر دامنِ دل بھر گئے

(72)

امتحان

امتحان کچھ اور باقی ہے تو ایسا بھی سہی — جنگ کے میدان میں اصغرؑ کا جھولا بھی سہی
نوجوانانِ حسینؑ کی تو ہمت دیکھ لی — شامیو! لو دودھ پیتا ایک بچہ بھی سہی
مرنے والوں کے لیے کیا کیا نئے سامان ہیں — تشنہ کامی بھی گوارا قربِ دریا بھی سہی
یاد آجائیں پیمبرؐ جس کی صورت دیکھ کر — مرنے والوں میں اک ایسا مرنے والا بھی سہی
زندگی میں ناز اٹھائے ہوں گے کتنے آج تک — دوش پر شبیرؑ کے اکبرؑ کا لاشا بھی سہی
یاد رہ جائے گی غربت کو بھی غربت کی موت — زیرِ خنجر فاطمہؑ کا لال تنہا بھی سہی
کوئی پہلو رہ نہ جائے آرزوئے ظلم کا — بے کفن لاشے بھی جنگل بھی اندھیرا بھی سہی
تاقیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں — ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعیِ بے جا بھی سہی
کربلا جانے کا کچھ ساماں نظر آتا نہیں
نجم دل پر ایک یہ داغِ تمنا بھی سہی

(73)

قربانیاں

یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ دیا
وہ چراغ قبرِ نبیؐ کا تھا جسے کربلا میں بُجھا دیا

یہ حسینؑ تیرا ہی کام تھا کہ سب اپنے لعل فدا کیے
تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا

تیری سرفروشی کی شان تھی جو حیاتِ دینِ خدا بنی
نہ ملا کسی کو حیات میں تجھے موت نے جو مزا دیا

کہو دل کہاں سے لائیں گے جو حسینؑ خیمہ میں جائیں گے
جسے ماں کی گود سے لائے تھے اُسے زیرِ خاک سُلا دیا

یہ علیؑ کے لال کی ہمتیں یہ سناں و تیر کی دعوتیں
کبھی نوجواں کا جگر دیا کبھی بے زباں کا گلا دیا

نہ حسینؑ گھوڑے پہ تھم سکے کہ صداؤں کی بلند تھی
وہ نمازِ عصر کا وقت تھا جو زمیں پہ خود کو گرا دیا

وہ جہادِ سبطِ نبیؐ کا تھا کہ ابھی زمانے کو یاد ہے
جو اُٹھے تو قلبِ زمیں ہلا جو گرے تو عرش ہلا دیا

چمن آپ اپنا مٹا گئے کہ بہارِ دینِ خدا رہے
نہ جما جو رنگ بہار سے تو لہو بھی اپنا ملا دیا

مجھے نجم کوئی کہا کرے میں بلند اوجِ فلک سے ہوں
مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مہ و مہر سے بھی بڑھا دیا

(74)

اعجازِ کرم

باقی نہ رہا جب کہ حکومت کا سہارا
بے چین ہُوا ابنِ نُمیرِ ستم آرا

دشمن تھے شقی کے در و دیوارِ مدینہ
بستی میں نہ تھا دخل نہ جنگل میں گذارا

تدبیر سے قسمت کے وہ بدلے ہوئے تیور
اُترا ہوا وہ قصرِ مذلت میں ستارا

نظروں میں لپکتے ہوئے کردار کے شعلے
سینہ میں دہکتا ہُوا دوزخ کا شرارا

ہر سمت اِک اعمال کی تصویرِ بھیانک
ہر چار طرف موت کا اُنگلی سے اشارا

مظلومیِ شبیرؑ تو یاد آئی نہ ہوگی　　بے جرم و خطا کرب و بلا میں جسے مارا
ہر وارد و صادر کی بچاتے ہوئے نظریں　　اک رات مدینہ سے کیا اُس نے کنارا
ہمراہ نہ کچھ زادِ سفر تھا نہ سواری　　ہمت تھی ٹھہرنے کی نہ تھا کوچ کا یارا
کیا پیاس سے بے چین تھا کیا بھوک سے بیتاب　　سامان تھا کھانے کا نہ پانی کا سہارا
کیا تشنۂ لب کرب و بلا یاد نہ آئے　　بچوں کی وہ فریاد وہ دریا کا کنارا
رستہ میں ہوا طالبِ امداد کسی سے　　اِک سمت کیا اُس کے مخاطب نے اشارا
اک گاؤں میں آشوبِ مدینہ سے نکل کر　　ٹھہرے ہوئے تھے سیّد سجادؑ قضارا
مولاؑ کا پتہ دے کے مسافر ہوا راہی　　مجبور اُسی سمت بڑھا یہ ستم آرا
اُس گھر پہ گیا آگ تھی جس گھر میں لگائی　　منہ جس سے پھرایا تھا اُسی در پہ پُکارا
ظالم نے اسی ہاتھ سے زنجیر ہلائی　　جس ہاتھ سے نیِزہ علی اکبرؑ کو تھا مارا
آج اُن سے یہ امید کہ دوزخ کو بُجھا دیں　　کل پیاس بُجھانی نہ ہوئی جن کی گوارا
جس وقت ملا بھائی کے قاتل کا یہ پیغام　　مظلوموں کے ماتم میں تھا مظلوم کا پیارا
اُترا نہ ابھی سوگ نہ ٹھہرے ابھی آنسو　　اور در پہ ہے قاتل کو حمایت کا سہارا
اب تک ہے وَرم پاؤں پہ کوفے کے سفر کا　　دل شام کے غم سے ہے ابھی معرکہ آرا
اغلب ہے کہ مولاؑ نے جگر تھام لیا ہو　　کس قہر کا نشتر یہ رگِ دل میں اُتارا
دم توڑتے شاید نظر آئے ہوں پھر اکبرؑ　　آنکھوں میں سمٹ آیا ہو مقتل کا نظارا
پھر لاش پہ گرتے ہوئے دیکھا ہو پدر کو　　میدان میں زینبؑ نکل آئی ہوں دوبارا
نظروں میں مچلتی ہوئی آئی ہو سکینہؑ　　گودی میں اُٹھایا ہو تڑپتا ہوا تارا
جھولے سے ہمکتا ہُوا بے شیر گرا ہو　　پھر غش سے یہ چونکے ہوں کہ بابا نے پکارا
واللہ یہ کیا نفس ہے کیا نفس کی قوت　　اللہ یہ کیا ضبط ہے کیا ضبط کا یارا
سائل کو سواری بھی ملی زادِ سفر بھی　　بس ایک حضوری نہ ہوئی اُس کی گوارا
اس گھر ہی میں اس طرح کی ملتی ہیں مثالیں　　اے نجم یہ اعجازِ کرم دیکھ خدارا

یہ نوحۂ غم شرق سے تا غرب سُنا کر
دنیا کو دکھادے کہ یہ آقا ہے ہمارا

تبلیغِ محبت

مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو	نوحہ میں پیامِ لبِ معصوم سُنا دو
کہہ دو کہ اشاعت ہے ہمیں درد کی مطلوب	مامور ہیں تبلیغِ محبت پہ بتا دو
سمجھاؤ یہ فریاد کی لئے غور طلب ہے	دل رکھتے ہو رونے کو ہنسی میں نہ اُڑا دو
کچھ بھولے ہوئے سے نظر آتے ہیں مسلماں	پھر اُسوۂ شبیرؑ ذرا یاد دِلا دو
مدّت ہوئی کرتے ہوئے اقرارِ غلامی	اَب شان بھی کچھ اُس کے غلاموں کی دکھا دو
کیا سوچ میں ہو جادۂ تسلیم بنا کر	بھٹکے ہوئے انسان کو رستہ پہ لگا دو
کیا جاگ رہے ہو شبِ عاشور اکیلے	ہم کہتے ہیں سوئی ہوئی دنیا کو جگا دو
شبیرؑ کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کا تصدق	پیاسا ہے زمانہ کی ذرا پیاس بُجھا دو
بات آئی ہے اشکوں پہ تو ہر آنکھ سے ٹپکیں	اس غم کو جگاؤ غمِ ہستی کو سُلا دو
دل پہلے اگر اپنے ہی پہلو میں ٹٹولو	ٹھنڈا ہو جہاں خونِ عمل آگ لگا دو
یہ دل کا تڑپنا ہے کہ بیمار کی کروٹ	کونین بھی تڑپیں جو تڑپنے کی رضا دو
انصارِ حسینیؑ کی تاسّی کا ہے دعویٰ	ملّت کے پسینے پہ لہو اپنا گرا دو
یہ کوئی نہ کہدے وہ جھلک ان میں نہیں ہے	کچھ اپنی روش سے خبرِ کرب و بلا دو
ہر سال تمہیں یاد دلاتا ہے محرم	کھوئے ہوئے ہو جس میں وہ ماحول بھلا دو
ایمان کو ایمان کی صورت میں دکھاؤ	اسلام کو اسلام کا مصداق بنا دو

کچھ غور کرو نجم کے مفہومِ سخن پر
دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

عَلَم بدوش

حسینؑ سے ہے دینِ حق حسینؑ دیں پناہ ہے   حسینؑ کا ہر اِک نفس نوائے لااِلٰہ ہے
ہر ایک بوند خون کی بذکرِ حق گواہ ہے   جدھر ہوں اُس کے نقشِ پا وہی خدا کی راہ ہے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

حسینؑ اپنی بات پر جو سر کٹا کے سو گیا   شجاعت اور صبر کے اُصول کو سمو گیا
عرب کی ریگِ گرم میں وفا کا بیج بو گیا   حیاتِ جاوداں ملی جو اُس کے ساتھ ہوگیا
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

نہ صرف اشک و آہ کے ہی کارواں کو ساتھ لو   ضعیف تم سہی مگر دلِ جواں کو ساتھ لو
حسینؑ کا ہے مدعا کہ دوجہاں کو ساتھ لو   زمیں کو ساتھ لے چلے تو آسماں کو ساتھ لو
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

اُگاؤ آشتی کے پھول زندگی کی راہ میں   امانِ بے اماں بنو ستم کی جلوہ گاہ میں
صدائے یا حسینؑ دو فضائے کوہ و کاہ میں   تمام بحر و بر کو لو حسینؑ کی پناہ میں
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

ملازمت کا ہے شرف اگر نبیؐ کی آل سے   اگر ہیں اشک آنکھ میں حسینؑ کے خیال سے
ملا ہے کچھ زہیر کی حبیب کی مثال سے   اُنہیں کے ربط ضبط سے اُنہیں کی چال ڈھال سے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

وہی اگر اُصول ہے وہی اگر شعار ہے   جو پاؤں رو براہ ہیں جو دل بروئے کار ہے
تو خود تمہاری آرزو میں کوئی بے قرار ہے   بہت قریب آچکا ہے جس کا انتظار ہے
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

محبت اُس کی ذات سے ہر اک کا نصب عین ہو   اسی کا مطمعِ نظر شعارِ مشرقین ہو
عمل میں اس کا ساتھ دو کہ اُس کے دل کو چین ہو   زمین سے آسماں تلک حسینؑ ہی حسینؑ ہو
حسینؑ کے فدائیو! عَلَم بدوش بڑھ چلو

بزورِ عشق موت کو وہ زندگی بنا چکا　　صداقتِ اصول پر وہ خونِ دل بہا چکا
سب اپنے پارۂ جگر وہ خاک میں ملا چکا　　تمہیں ٹھٹک کے رہ گئے وہ اپنی راہ جاچکا

حسینؑ کے فدائیو! علَم بدوش بڑھ چلو

نہ عیشِ تخت چاہیے نہ لطفِ تاج چاہیے　　بلند تخت و تاج سے مگر مزاج چاہیے
اسی شہیدِ ظلم کا دلوں میں راج چاہیے　　حسینؑ کا علَم ہے یہ علَم کی لاج چاہیے

حسینؑ کے فدائیو! علَم بدوش بڑھ چلو

(77)

اسلام رہے گا

ہر عالمِ نو میں کرمِ عام رہے گا　　ہر دُکھ میں دوائے دلِ ناکام رہے گا
دنیائے دگر کے لیے پیغام رہے گا　　دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا

شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

مانا کہ زمانے کا رہے گا نہ یہ عالم　　ترتیب تمدن کی یہ ہوجائے گی برہم
پھر اور کسی رنگ میں ہوگا تیرا ماتم　　دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا

شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

ذرّوں کی زباں پر ہے تیری تشنہ دہانی　　تاروں کی ہے دیکھی ہوئی اکبرؑ کی جوانی
بھولے گی نہ فطرت علی اصغرؑ کی کہانی　　دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا

شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

سو بار بدل جائیں زمانہ کی فضائیں　　پورب سے چلیں گی یونہیں پچھم کو ہوائیں
دہرائیں گی لوٹے ہوئے خیموں کی صدائیں　　دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا

شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

آنکھوں سے اگر خون کی ندی نہ بہے گی — دل روئیں گے یوں رُوحِ وفا کرب سہے گی
تو عین محبت ہے محبت تو رہے گی — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گی
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

دیکھا جو زبانوں کی خموشی کا قرینہ — تاریخ کے اوراق کا پھٹ جائے گا سینہ
سو طرح رُلائے گا محرم کا مہینہ — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

انساں نہ کریں گے جو تیرے حق میں تکلّم — ماتم کی صدا دے گا پرندوں کا ترنّم
آہوں سے بدل جائے گا غنچوں کا تبسم — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

پانی کی جگہ ابر سے برسیں گے شرارے — تڑپیں گے مہ و مہر فلک درد کے مارے
پُرسا تیرا دیں گے تیرے نانا کو ستارے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

منہ غم سے نکل آئے گا دریا کا ذراسا — پانی یہ کہے گا کوئی مارا گیا پیاسا
ساحل یہ پکارے گا محمدؐ کا نواسا — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اُٹھ جائے گی ماتم کی اگر رسم زمیں سے — ہوگی نہ کمی غم کی حقیقت میں کہیں سے
چھوٹے گا نہ خوں مادرِ گیتی کی جبیں سے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اغلب ہے کہ تُربت میں تڑپ جائے گی مادر — کرّار کے مدفن میں بدل جائیں گے تیور
پھر قبر سے شاید نکل آئیں گے پیمبرؐ — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اے نجم الٹ جائے گا یہ پردۂ غیبت — نکلے گا ادھر تیغ بکف مرکزِ حجت
کرتی ہوئی ماتم ادھر آئے گی قیامت — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیرؑ بہر حال تیرا نام رہے گا

اَلوِدَاع

موسمِ غم ختم ہے اے گلعذارو الوداع — الوداع اے فاطمۂ زہرا کے پیارو الوداع

زیرِ خنجر تم نے جلتی ریت پر سجدے کیے — راہِ حق کے سرفرو شو سرگزارو الوداع

پھر ہمارے جیتے جی آنا دیارِ ہند میں — اے ہمارے مرنے جینے کے سہارو الوداع

ہے تمہاری یاد میں بے چین ارضِ کربلا — حفظِ خالق میں دیا جاؤ سدھارو الوداع

تم نے باطل کو مٹایا تم نے حق چمکا دیا — آسمانِ حریّت کے ماہ پارو الوداع

اپنی جانیں دے کے تم نے روحِ تازہ پھونک دی — ملّتِ اسلامیہ کے جاں نثارو الوداع

حشر میں آنا یونہی خونیں کفن پہنے ہوئے — دودمانِ مصطفیٰؐ کے وضعدارو الوداع

رخصت اے گہوارۂ بے شیر و تابوت وضریح — الوداع اے درود غم کی یادگارو الوداع

اشک ماتم کے سوا کچھ نذر کے قابل نہیں — دردِ دل کی سلطنت کے تاجدارو الوداع

جان و دل قرباں ذرا کہدو لبِ اعجاز سے — اے شہیدِ کربلا کے سوگوارو الوداع

نجم کو بھی یاد رکھنا دارو گیرِ حشر میں
اے زمینِ کربلا کے چاند تارو الوداع

درشن کا اُجالا

درشن کا اُجالا لے کے چلے آنکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے
اکبرؑ کو کہاں کی جلدی تھی بابا کو اکیلا چھوڑ گئے

تیرہ سو برس سے تڑپے ہیں ان جیوٹ مرنے والوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

اصغرؑ کو تھی رن کی دُھن میں کہاں ماتا کے دھڑکتے دل کی خبر
ننھے سے سپاہی خیمے میں ٹھہرا ہُوا جھولا چھوڑ گئے

تلوار وہ روکی پیاسوں نے دریا کو لہو سے پاٹ دیا
پیاسے تو گئے دریا سے مگر اِک خون کا دریا چھوڑ گئے

عباسؑ نے دریا چھین کے بھی بچوں ہی کی خاطر مشک بھری
پیاسے تھے مگر پیاسے ہی پھرے دریا کو چھلکتا چھوڑ گئے

سب اپنی کمائی لے کے گئے کس ڈھب کے یہ جانے والے تھے
کچھ کوکھ جلی رانڈوں کے لیے اِک موت کی آشا چھوڑ گئے

قیدی تو بہت سے دیکھے ہیں پوچھے کوئی اُن کے جی سے مگر
جو گود کے پالے بچوں کو میدان میں سوتا چھوڑ گئے

سنتا ہے جو دھرتی روتا ہے ہردیس میں ماتم ہوتا ہے
کچھ کام وہ ایسا کرکے گئے کچھ نام وہ ایسا چھوڑ گئے

سرکاٹ کے کوفے والوں نے یہ اور نیا اپرادھ کیا
میدان کی جلتی ریتی پر شبیرؑ کا لاشا چھوڑ گئے

کربل کی انوکھی دھرتی ہے نردوش مسافر یثرب کا
سانچی تھی جو مہما لے کے اُٹھے جھوٹی تھی جو مایا چھوڑ گئے

اب سوگ ہے رہتی دنیا تک سنسار نے ایسا جوگ لیا
جیون میں رچے ہردے میں بسے ٹھکرا کے جو دنیا چھوڑ گئے

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں
تجمّی یہی مایا لائے تھے تجمّی یہی مایا چھوڑ گئے

اللہ والے

وہ جنگل میں یثرب کی گودی کے پالے — قیامت ہے تیغِ جفا کے حوالے
وہ عونؑ و محمدؑ وہ اکبرؑ وہ قاسمؑ — نگاہیں اجل کی نگاہوں میں ڈالے
وہ جینے کے دن سن وہ مرنے کی جلدی — مُسافر انوکھے ارادے نرالے
وہ بچوں کے تیور وہ ماؤں کی ہمت — وہ گودوں کی دولت خدا کے حوالے
وہ پیاسوں کی امید تیروں کی زد پر — وہ عباسؑ مشکِ سکینہؑ سنبھالے
وہ مسلک وفا کا محبت کا مقتل — جوانوں میں شامل وہ بوڑھے وہ بالے
وہ قرآں کی تبلیغ پیاسی رگوں سے — لبوں پر تلاوت زبانوں پہ چھالے
وہ تیغوں پہ سجدے وہ سجدوں پر تیغیں — وہ خنجر گلوں پر وہ سینوں پہ بھالے
وہ زخموں کی کثرت وہ بارش لہو کی — وہ فوجوں کے بادل میں دھنس جانے والے
عزیز ان کے قلبوں کو حق کی حمایت — حقیر ان کی نظروں میں شامی رسالے
وہ تیغوں سے ٹکڑے وہ تیروں سے چھلنی — وہ بندوں کے مولا وہ اللہ والے
کلیجوں میں نیزے لبوں پر تبسم — اذیت کو راحت کے سانچے میں ڈھالے
رضائے خدا پر جو سب کچھ لٹادیں — رضائے خدا جن کو اپنا بنالے

اسی دُھن میں نالے کئے جاؤ نجمی
یہ نوحے ہیں دل کو ہلا دینے والے

صبر و رضا

ظلم کی دنیا سے بیعت کے پیام آتے رہے
مالکِ صبر و رضا شبیرؑ ٹھکراتے رہے

وہ جوانانِ حسینیؑ کے ارادوں کا شباب
جب تلک آئے اجل تیور پہ بل آتے رہے

صبح سے اتنے وفا کیشوں نے کٹوائے گلے
شام تک اہلِ ستم کے حوصلے جاتے رہے

ہل گیا دشتِ بلا قدموں نے جنبش بھی نہ کی
تین دن کی پیاس میں تیرِ ستم کھاتے رہے

جن کو چلنا بھی نہ آتا تھا وہ آئے گود میں
اپنے قدموں آنے والے عصر تک آتے رہے

ظلم کی بھی انتہا تھی صبر کی بھی انتہا
کٹ گئیں سوکھی رگیں کونین تھراتے رہے

مُسکرا کر ایڑیاں رگڑیں زمیں کے فرش پر
موت کی آغوش میں جز ار اٹھلاتے رہے

پاس کتنا تھا شہیدِ کربلا کو قوم کا
زیرِ خنجر بھی دعا سے یاد فرماتے رہے

پھول سے بچوں نے کیونکر قید کی ایذا سہی
کس طرح اہلِ حرم بچوں کو بہلاتے رہے

کربلا کے ظلم کی تفسیر تھے کمسن اسیر
راستہ بھر دیکھنے والوں کو تڑپاتے رہے

خون میں ڈوبے ہوئے سرنینوا سے شام تک
انقلابِ عام کے احکام پہنچاتے رہے

حشر میں انجام کیا ہوتا ہے نجمی دیکھئے
پوچھتے ہیں وہ بھی شاعر جن کے کہلاتے رہے

کارِ نمایاں

خدا کی راہ میں کارِ نمایاں ایسے ہوتے ہیں — تہِ خنجر کیے سجدے مسلماں ایسے ہوتے ہیں
وہ پیاری پیاری شکلیں دیکھ کر آلِ پیمبرؐ کی — ستاروں نے کہا اے چاند انساں ایسے ہوتے ہیں
حسینؑ قافلہ اے کربلا پیاسا گزرتا ہے — عطش پر صبر کر لیتے ہیں مہماں ایسے ہوتے ہیں
جوانی رَن سے کہتی آ رہی ہے لاشِ قاسمؑ پر — کہ اسلامی جوانمردوں کے ارماں ایسے ہوتے ہیں
مُسافر کا تن بے سر ہے اور شب کا اندھیرا ہے — کسی کی لاش پر گیسو پریشاں ایسے ہوتے ہیں
قدم پر شہؑ کے دم نکلا حبیب ابنِ مظاہر کا — محبت کے وفا کے عہد و پیماں ایسے ہوتے ہیں
ہزاروں سے ترائی چھین لی جب ایک پیاسے نے — لبِ ساحل پکارے مردِ میداں ایسے ہوتے ہیں
یہ مرنا تجھ کو ابن عوسجہ کے لال زیبا تھا — وفاداروں کے لختِ دل مری جاں ایسے ہوتے ہیں
نوائے شکر سجادِؑ حزیں اور شام کی منزل — سکون و صبر کے مہرِ درخشاں ایسے ہوتے ہیں
سَلاسل اور اک بیمار قیدی ہی سہی لیکن — کوئی دیکھے تو قیدی پا بجولاں ایسے ہوتے ہیں
خراج اشکِ حسرت لے لیا دربارِ قاتل سے — مقرّر بزمِ دشمن میں درخشاں ایسے ہوتے ہیں
خدا ہی جانے دل سے کیا ہوگا نگاہوں نے — سکینہؑ کو خبر کیا تھی کہ زنداں ایسے ہوتے ہیں

سُنا کر نجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا
مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

(83)

جگت گرو

اب حسینؑ اکیلے ہیں لُٹ چکی جو مایا تھی
کربلا کی دھرتی پر تھک کے سوگئے ساتھی

تیر ایسے آتے تھے جیسے مینہ برستا ہو
تین دن کے پیاسوں پر کیا لہو کی برکھا تھی

روم جھوم دنیا ہے آج اُن کی سیوا میں
کیا انوپ سیوک تھے کیا انوپ سیوا تھی

سورما جو ریتی پر سر کٹائے سوتے تھے
اُن کے پاس چرنوں میں سر جھکائے دنیا تھی

دُکھ بھری کہانی ہے چھ مہینے والے کی
لاڈلے تھے ماتا کی میں آسرے میں ماتا تھی

خاک پر نبیؐ زادہ گھر لٹائے بیٹھا ہے
سب اُسی کو دے ڈالی جس دھنی کی مایا تھی

اُس کی تیغ کا چم خم رن کی جگمگاہٹ تھا
گرم ریت پر سجدے زندگی کی شوبھا تھی

اس کے دشمنوں کو بھی سکھ ملا نہ دُکھ دے کر
آنکھ میں نہ ہوں آنسو ہر دِلوں میں دُبدھا تھی

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو تجّی
آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

(84)

اے حسینؑ

صبر اور تلوار کی حامی ہے دنیا اے حسینؑ
اب تیرا طرزِ عمل ہے کارفرما اے حسینؑ

اے تعالیٰ اللہ تیور کی جلالت بڑھ گئی
رہ گیا جس وقت تو میداں میں تنہا اے حسینؑ

تین دن کی پیاس نے مارا تیرے انصار کو
لاکھ پر بھاری تھا اِک اِک مرنے والا اے حسینؑ

منتظر تھے اِک اشارے کے زمین و آسمان
کیا تیرے قدموں میں آجاتا نہ دریا اے حسینؑ

سارے آلام و مصائب پست ہوکر رہ گئے　　مستقل تھا کس قدر تیرا ارادہ اے حسینؑ
عالمِ انسانیت کو آخری تنبیہہ تھی　　استغاثہ جس کو سمجھا تھا زمانہ اے حسینؑ
آخری جیسے گرج ہوتی ہے زخمی شیر کی　　آج تک ہے جس کے سناٹے میں دنیا اے حسینؑ
زخم تن پر داغ دل پر نعشِ اصغرؑ گود میں　　کس قیامت کا ہے یہ تیرا سراپا اے حسینؑ
تیغ گردن پر جگر میں آگ دریا سامنے　　یوں کوئی مارا گیا ہوگا نہ پیاسا اے حسینؑ
خونِ دل خاک تمنا ریگ گرم کربلا　　یہ زمین اور یہ جبینِ سجدہ فرما اے حسینؑ
اب ہیں اکبرؑ کی بلائیں لینے والے سینکڑوں　　آج شق ہوتا ہے ہر ماں کا کلیجہ اے حسینؑ
تیرے اصغرؑ کے پرستاروں کی اب گنتی نہیں　　کتنی گودوں میں ہے وہ ننھا سا بچہ اے حسینؑ
ضبط پر بالی سکینہؑ کے تڑپ جاتے ہیں دل　　کیا ذرا سی جان کو سمجھا دیا تھا اے حسینؑ
خون میں ڈوبے ہوئے مکھڑے پہ صدقے کائنات　　اے نبیؐ کے لاڈلے اے ماہِ زہراؑ اے حسینؑ
تہنیتہ مجلس کا تیری کارواں در کارواں　　تیرے ماتم کی دھمک صحرا بہ صحرا اے حسینؑ
اے محبت کے ستارے دل اُلٹنے ہی کو ہیں　　خون رونے ہی کو ہے چشمِ تماشا اے حسینؑ

نجم کے دل سے نہ آئیں لب پہ نالے یہ اگر
کیا عجب ہے منہ کو آجائے کلیجہ اے حسینؑ

(85)

سَت جگ کا ستارہ

پربھو نامے گلا کٹایو گھر بھر دیو لٹائے　　سَت کی رکھشا ایس کری کلجگ سیس نوائے
تُمسا ایک نہ تمسا کوؤ گزرے بہت حسین　　ایسی لیلا رچ گئے کہ تم بن جگ بے چین
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
جگ کو دُکھ میں پائے کے چھوڑا آپن گاؤں　　بن میں ڈیرے ڈال دیے دیکھی دھوپ نہ چھاؤں

کیسو رَن کے جاتری ساتھ لیو پروار   سارے گھر کی لاڈلی چھوڑ گیو بیار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

کیا کیا بالک گود کے کیا کیا تنت جوان   دتا ہر کے نام پر خوب دیا بلدان
جھولے کا اک جھولن ہارا ایک اٹھارہ سال   اکبرؑ جیسا لاڈلا اصغرؑ جیسا لال
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

ایسا کِس سردار کو ملا علم بردار   ہاتھ کٹے جب شانوں سے تب چھوٹی تلوار
ہاتھن آگے بڑھ گیا دانتن مشک دبائے   جیسے شیر شکار کو منہ میں دابے جائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سگری باڑی دھوپ میں سوکھ گئی دِن نیر   کھیتی پیاسی نیر کی تِس پر برسے تیر
ہنس ہنس ایسا پُن کیا پھوٹ کے رویا پاپ   سارا باگ لٹائے کے کھیت رہے پھر آپ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

تم بھوکے پیاسے خیمے سے جب نکسے شیر سمان   بڑے بڑے بلونت سپاہی چھوڑ گئے میدان
گھائل دیکھی گھام عرب کی تین دنا کی پیاس   کربل بن کے لڑنے والے کس بدھ رہے حواس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

تِس تِس مکھڑا کھلت رہا جس جس باڑھی دھوپ   پیاس بڑھی سنتوش بڑھا دُونا چمکا روپ
من میں ایسی شانتی کوؤ کہاں سے لائے   لاکھن کشٹ اٹھائے کے ایک نہ نکسی ہائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

پاپی جگ کے پاپ کا کوئی نہ سوجھا توڑ   کیسے کیسے دھرم پجاری بیٹھ گئے جی چھوڑ
آپس لہو بہائے کے تم نے بدلا رنگ   نام آ گیا آکاش تک دھرتی رہ گئی دنگ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

آنن تھا حال گریب کا جیسے جیتی لاش   دھن دولت کے زور نے دھرم کیا تھا ناش
ایسی کرنی کر گئے نشچے بھیا سماج   جھوٹا کھیل بگاڑ کے رکھ لی ست کی لاج
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

بستی بستی جنگل جنگل آج تمھارے میت اُبھری شکتی پریم کی بھٹی ہار کی جیت
ہندو مسلم راجا پرجا جن دیکھو گن گائے من کو ہیرا پائے کے سبھی لیو اپنائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

آنسو نکسے نین سے من سے نکسی کھوٹ سائیں تمہرے نام کی پڑی کراری چوٹ
بجلی چمکی پریم کی جیو بھیا اوجیار بادل گرجے ماتمی چیخ پڑا سنسار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سوامی کتنے دور تے لگا پریم بان اُٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان
بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس آنسو تمہرے سوگ اور گنگا جمنی دیس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سب ہی کشٹ اٹھائے کے گئے علی کے لال بھارت سیوک بھوک کی آج کریں ہڑتال
ان سے جب ان بن بھئی من سے نکسے بین تجمی ست کی ٹیک پر پیاسے لڑے حسینؑ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

(86)

عازمِ نجف

جاتے ہو کہاں دوش پہ زلفوں کو سنبھالے مقتول کی مظلوم کی آغوش کے پالے
نازک ہیں بہت پاؤں میں پڑجائیں گے چھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

یہ قصۂ غم سیّد والا سے کہو گے لوٹا ہے مسلمانوں نے دادا سے کہو گے
اسلام کہیں شرم سے گردن نہ جھکالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

تم جادۂ تسلیم کے ہو رہبر و راہی کیا بن گئی دل پر خلفِ شیر الٰہی

نکلے ہو بڑے غیظ میں بل ماتھے پہ ڈالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
غصّے میں نہ آنا کہیں للّٰلہ خو زادے　　معلوم نہیں تم کو لعینوں کے ارادے
اللہ تمھیں تیغ سے قاتل کی بچالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
تم جانِ شجاعت ہو یہ کہنا نہیں بے جا　　جرار ہو رکھ دوگے سنانوں پہ کلیجا
کیا چیز ہیں نظروں میں چمکتے ہوئے بھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
گھبرا کے اس آفت سے کہیں دور نہ جانا　　اولادِ پیمبرؐ کا مخالف ہے زمانا
رستوں کو ہیں روکے ہوئے کوفے کے رسالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
کس طرح مدینے کا چمن یاد نہ آئے　　کیوں شامِ غریباں میں وطن یاد نہ آئے
پردیس میں آتے ہی پڑے جان کے لالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
یہ عالمِ اسلام میں کیا آگ لگی ہے　　خیموں میں قیامت ہے بپا آگ لگی ہے
ماں ڈھونڈتی آئے گی کلیجے کو سنبھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے
چھایا ہوا ہے خوابِ اجل کھوئے ہوئے ہیں　　جو چاہنے والے تھے وہ سب سوئے ہوئے ہیں
ہے کون جو آ کر تمھیں گودی میں اُٹھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

مقتل میں ذرا گورِ غریباں تو بنادو   لاشے تو شہیدوں کے تہِ خاک چھپا دو

کشتے یہ غریبوں کے کیے کس کے حوالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

گذری ہے جو غربت میں وہ دنیا کو سنادو   کوفے کو چلو شام کی بنیاد ہلادو

تاکہ نہ زمانے سے کوئی ظلم چھپالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

تاریخ میں رہ جائے گی یہ چاند کی صورت   اس عہد سے چمکوگے یونہی تا بہ قیامت

باطل کے اندھیرے حقیقت کے اُجالے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

(87)

حُسینیتؑ

سب کچھ لٹاکے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

گھر بھر نے اپنی جان کی بازی لگائی ہے   یہ قومیت کا درد یہ مشکل کشائی ہے
سب کچھ لٹاکے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

چھینٹے دیے ہیں خون کے اور اپنے خون کے   جب کربلا میں آنچ صداقت پہ آئی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

عاشور کا وہ دن وہ ضعیفی کا معجزہ کیسے جوان شیر کی میت اٹھائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
میدان میں حسین کی آنکھوں کے سامنے اصغر کی پیاس تیرِ ستم سے بجھائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
کیسا گلوئے خشک سے دریا اُبل پڑا کیسی لہو میں چاندسی صورت نہائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
اُس دستِ حق پرست پہ دونوں جہاں نثار بچے کی اپنے ہاتھ سے تربت بنائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
بچوں کی تشنگی کوئی سقہ سے پوچھتا دریا پہ جس نے خون کی ندی بہائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
برچھی اٹھی تھی جو دلِ اسلام کے لیے بانو کے لاڈلے نے کلیجے پہ کھائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے
ہر یادگارِ سیدۂ کائنات نے مردانہ وار گود کی دولت لٹائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

بھیجا ہے قتل گاہ میں گیسو سنوار کر　　چہروں کی تابشوں سے زمیں جگمگائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

آئے ہیں جان دینے کو دولھا بنے ہوئے　　اک اک حسیں نے موت سے شادی رچائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ہر لاش پر گرے ہیں محبت کے اشکِ غم　　بالیں پہ ہر جری کے وفا مسکرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

سر رکھ دیا ہے جب تہہِ خنجر حسینؑ نے　　کانپا ہے آسمان زمین تھرتھرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

چہرے اُتر گئے ہیں غریبوں کے وقتِ عصر　　خیمے کی خامشی میں اک آواز آئی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ڈنکے بجا دیے ہیں صداقت کے خلق میں　　شبیرؑ کا ہے نام خدا کی خدائی میں

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

آبادیوں کے عالمِ حیوانیت سے دور   انسانیت کے نام کی بستی بسائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

یہ حریت کا نور مساوات کی جھلک   سب کربلا کے چاند کی جلوہ نمائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

ٹھکرا دیا ہے آپ ہی اس کج کلاہ نے   کچھ بات یہ نہیں ہے کہ دُنیا پرائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

تجھی حسینیت کی طرف جھک رہے ہیں دل   مصروفِ غور و فکر میں ساری خدائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

تیرہ سو برس بعد

اے صاحبِ دل واقفِ اسرارِ زمانہ　　اے حکمت و تدبیر و سیاست میں یگانہ
تاریخ کا سب ہے تیری نظروں میں خزانہ　　سُن ہم سے یہ اعجازِ حسینؑ کا فسانہ
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ درد ہے دل جس کو بھلا ہی نہیں سکتا　　وقت اس کی حدود کو کہیں پا ہی نہیں سکتا
ہاتھ اس کو زمانے کا مٹا ہی نہیں سکتا　　پانی کبھی یہ آگ بجھا ہی نہیں سکتا
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اے دوست زمانے کی ہر اک چیز ہے فانی　　تا حشر رہے گی مگر اس غم کی جوانی
سو رنگ سے آفاق میں ہے مرثیہ خوانی　　ہر درد میں اس درد کی ہے یاد دہانی
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ غمِ دلِ انساں میں ہے فطرت کی امانت　　اس غم نے سکھائی ہے صداقت کی حمایت
اس غم کے سہارے سے ابھرتی ہے شجاعت　　بیکس کی یہ تلوار ہے مظلوم کی طاقت
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

کچھ خون ہے پھیلے تو دو عالم کو ڈبو دے　　کچھ خاک ہے انفاس کی لہروں کو جو دھو دے
جذباتِ محبت کو شجاعت میں سمو دے　　انسان نظر ڈال کے بُو سونگھ کے رو دے
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

نوحہ

اے فاطمہؑ زہرا کے غم و درد کی تصویر　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
پردیس میں تھی شانِ مظلومی شبیرؑ　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
نا فہم نہ سمجھیں گے تری شانِ جلالی　　یہ منصب عالی
شبیرؑ نے بھی تجھ سے ہی میداں کی رضا لی　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
تو شاہِ شہیداں سے بھی مظلوم ہوا ہے　　وہ رنج سہا ہے
بے مقنع و چادر تجھے تشہیر کیا ہے　　مظلوم کی ہمیشرائے زینبؑ دلگیر
بچوں کی محافظ رہی مقتل کی فضا میں　　زنداں کی بلائیں
دم بھر کو بھی آئی نہ کمی یادِ خدا میں　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
شبیرؑ کے ماتم میں ہوئی تیری شہادت　　اللہ رے محبت
بھولے گی نہ دنیا وہ ترا عالمِ غربت　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
اک دن سرِ شبیرؑ کی تھی جلوہ نمائی　　یاد آگئے بھائی
سایہ میں اسی نخل کے جاں اپنی گنوائی　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
بابا کی طرح زخم سرِ پاک پہ کھایا　　کیا ظلم اٹھایا
جز شکر زباں پر تری اک لفظ نہ آیا　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
تیرے لیے بیتاب ہیں ملت کی خواتین　　ہوتی نہیں تسکین
سب تیری کنیزیں ہیں تری یاد میں غمگین　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر
دنیا سے گئی خلد کو سو رنج اٹھا کر　　لاکھ اشک بہا کر
تو سوگئی خود مجلس و ماتم کو جگا کر　　مظلوم کی ہمشیرائے زینبؑ دلگیر

نوحہ

جاتی ہیں زینبؑ وطن بالی سکینہؑ بغیر
کس کو خبر تھی غریب قید میں بندھ جائے گی

ملّتِ اہلِ عزا حشر کے میدان میں
درد بہ دل جائے گی خاک مر جائے گی

نہر پہ عباسؑ کے ہاتھ کٹے بھی تو کیا
نبضِ شجاعت یہاں اور اُبھر جائے گی

آگیا عشرہ کا دن آج شبیہ نبیؐ
خاک میں بھر جائے گی خون میں بھر جائے گی

غم کی شبِ تار میں قید رہیں گے حرم
ایک سحر آئے گی ایک سحر جائے گی

خون کے دریا سے بھی الفتِ شبیرؑ میں
صبح گذر جائے گی شام گذر جائے گی

اشک سلامت رہیں ماتمِ شبیرؑ کے
اب یہ تیری آبرو دیدۂ تر جائے گی

دشمنِ اربابِ غم ہم کو جلا کر بھی تو دیکھ
خاکِ شفا ہے جدھر خاک اُدھر جائے گی

نجمؔ ہمیں نزع میں صرفِ عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی

مسافر کہاں ہے

جو رہا تین دن بھوکا پیاسا وہ محمدؐ کا پیارا نواسا
موت دیتی تھی جس کو دلاسا دشمنوں پر بھی جو مہرباں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

سونی سونی ہیں یثرب کی گلیاں وہ مدینہ کے پھول اور کلیاں
ہوگئیں خون کی رنگ رلیاں خاک میں مل گیا گلستاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

چاند تارے ہیں روئے ہوئے سے کچھ مسافر ہیں کھوئے ہوئے سے
کتنے پردیسی سوئے ہوئے سے راہ میں لٹ گیا کارواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

جان دی جس نے راہِ خدا پر بھوکا پیاسا گیا زیرِ خنجر
جس کو روتے ہیں محراب و منبر سوگ میں جس کے سارا جہاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

گرم ذرّوں کے سینہ میں ہل چل اور گہرا جفاؤں کا بادل
کتنا پُرہول سنسان مقتل ریت ہے رن ہے آبِ رواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

مُسکراتی ہوئی بے گناہی سر جھکائے ہوئے بادشاہی
اک مجاہد نمازی سپاہی خاک اور خوں کے درمیاں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

سہمے سہمے ہوئے سے دُھندلکے رک گئی سانس سورج کی چل کے
رہ گئے چند خیمے بھی جل کے آگ ہے راکھ ہے اور دھواں ہے
کربلا وہ مسافر کہاں ہے

کاروانِ ماتم

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

ذوق کی کمی سہی نقصِ رہبری سہی　　صرف ماتمی سہی ہے براہِ راستی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وقفِ شورو شین ہے ہر قدم پہ بین ہے　　لب پہ یا حسینؑ ہے نام ہے یہ زندگی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

تھم گیا ہے بارہا پھر بڑھا ہے بارہا　　لٹ چکا ہے بارہا پھر ہے کارواں وہی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

کل کچھ اور شان تھی زندگی تھی جان تھی　　قوم سب جوان تھی چوٹیں تھیں ہاشمی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

جب حسینؑ ساتھ تھے دل کے چین ساتھ تھے　　مشرقین ساتھ تھے کربلا کی راہ تھی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وہ حسینؑ اب کہاں نازشِ عرب کہاں　　شیر تشنہ لب کہاں اس پہ چل گئی چھری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

دُکھ اٹھا کے سو گیا سر کٹا کے سو گیا　　مُسکرا کے سو گیا راہِ حق میں جان دی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وہ سفر ہی اور تھا دشت ہی دُور دُور تھا　　راہبر ہی اور تھا اب کہاں وہ رہبری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

اکبرؑ حسیں نہیں قاسمؑ حزیں نہیں　　وہ فضا کہیں نہیں وہ قضا نے لوٹ لی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

خون بہا گلے کٹے گھر لٹا گلے کٹے　　ہائے کیا گلے کٹے حیدری و فاطمی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

جوہرِ حیات ہے نازشِ صفات ہے   اِن کی ایک بات ہے زندگی سے بے رُخی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

پیاس کے ستم سہے لاڈلوں کے غم سہے   داغ دم بہ دم سہے تازگی وہی رہی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

غم پہ فتح پاگئے ہنس کے دُکھ اٹھا گئے   موت تک جب آگئے موت زندگی بنی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

ہائے دیں پناہیاں اُف رے کج کلاہیاں   تیوروں میں شاہیاں آنکھ میں غضنفری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

ہائے شاہِ کم سپاہ ہائے فاطمہؑ کے ماہ   سجدہ گاہ و قتل گاہ یہ نمازِ آخری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

دردِ کربلا رہا طوق میں گلا رہا   دل میں ولولہ رہا مرحبا یہ رہروی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

اب بھی اُٹھتے ہیں قدم تعزیہ ہے اور علَم   یا حسینؑ اور ہم لَو اسی سے ہے لگی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

اسلام کا غرور

میدان سے لاشیں آئی ہیں چہرے بحال ہیں	مرنے پہ بھی یہ حُسن ہے کیا خوش جمال ہیں
دونوں شریکِ حال شہِؑ خوشخصال ہیں	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
کس قدر تشنہ کام تھے دریا کو یاد ہے	کیسی بلا کی دھوپ تھی صحرا کو یاد ہے
کیا کیا لڑے ہیں پیاس میں دنیا کو یاد ہے	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
بابا نے حالِ بے سرو ساماں میں جان دی	دو بھائیوں نے کوفہ کے زنداں میں جان دی
خود کاروانِ سیدِ ذیشاں میں جان دی	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
مقتل کا ذکر خنجر و گردن کی بات ہے	پورے جواں نہ تھے یہ لڑکپن کی بات ہے
یہ گود کا شعور ہے دامن کی بات ہے	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
آقا کے در پہ ناصیہ سائی بھی دیکھ لی	تیغوں میں شانِ جلوہ نمائی بھی دیکھ لی
خیمہ کے در سے ماں نے لڑائی بھی دیکھ لی	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں
شکلیں تصورات میں ہیں خونچکاں ابھی	مادر کا صبرو ضبط ہے قومی نشاں ابھی
بھولی نہیں زمانہ کو جانبازیاں ابھی	یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

نیزے بھی کھائے تیروں کے صدمے بھی سہہ گئے　　رُخ بھی کیا نہ خیمہ کا میداں میں رہ گئے
یوں حق پہ جان دیتے ہیں دنیا سے کہہ گئے　　یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

بچپن میں زندگی کے تماشوں کو تج دیا　　ارمان و آرزو کے تقاضوں کو تج دیا
مادر نے منتوں کو مرادوں کو تج دیا　　یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

جنت بنائی دامنِ صحرا کو چھوڑ کے　　یثرب کی دل گداز تمنا کو چھوڑ کے
کیا مطمئن چلے گئے دنیا کو چھوڑ کے　　یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

اِن کی وفا پہ عقل کو عرفاں کو ناز ہے　　حُسنِ عمل کو قوتِ ایماں کو ناز ہے
صلِ علیٰ شرافتِ انساں کو ناز ہے　　یہ نوجوان آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

صدیوں سے اہلِ دل میں کہانی انہیں کی ہے　　جس کا وفا ہے نام نشانی انہیں کی ہے
روتے ہیں جس کو سب وہ جوانی انہیں کی ہے　　یہ نوجواں آپ ہی اپنی مثال ہیں
اسلام کا غرور ہیں مسلم کے لال ہیں

جعفری نونہال

بُستانِ جعفری کے نہالوں کو دیکھنا نو خیز نوجوان ہلالوں کو دیکھنا
دشمن کے پیدلوں کو رسالوں کو دیکھنا کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

اذنِ جہاد لے کے شہِؑ حق شناس سے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
فوجِ عدو سے دھوپ سے گرمی سے پیاس سے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

کرارؑ کے جلال کا نقشہ بنے ہوئے طیارؑ کا جمال سراپا بنے ہوئے
زخموں کے ہار پھول سے دولہا بنے ہوئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

کم سن سپاہیوں میں شہِؑ کم سپاہ کے ہمدم بہادرانِ فلک بارگاہ کے
شاگردِ کج کلاہ علمدارؑ شاہ کے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

یوں موت کی روش پہ بہادر اڑے نہیں تلوار کے دھنی کبھی ایسے لڑے نہیں
پھر ایسے معرکے ہی جہاں میں پڑے نہیں کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

پیاسوں نے علقمہ کی طرف راہ بھی نہ کی جینے کی ایک کوشش دلخواہ بھی نہ کی
زخموں پہ زخم کھائے مگر آہ بھی نہ کی کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

کیا جادۂ وفا کو سجاتے ہوئے گئے جنت کی سمت پھول کھلاتے ہوئے گئے
کوثر تلک لہو میں نہاتے ہوئے گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
ڈیوڑھی پہ جنگ دیکھنے مادر بھی آ گئی شبیرؑ سے شجاع کی خواہر بھی آ گئی
آنکھوں کے سُکھ کو زینبؑ مضطر بھی آ گئی کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
اسلام کے اصولِ خدا داد کے لیے قرآن کی ہدایت و ارشاد کے لیے
دنیا میں امن وصلح کی بنیاد کے لیے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
دو طفل دس ہزار جوانوں سے لڑ گئے تیروں سے خنجروں سے سنانوں سے لڑ گئے
دو پھول جیسے قلب چٹانوں سے لڑ گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا
کیا معرکے قدم کے تلے ہیں دکھا گئے کس کے چراغ رَن میں جلے ہیں دِکھا گئے
کِس ماں کا دودھ پی کے پلے ہیں دکھا گئے کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
بنتِ علیؑ کی گود کے پالوں کو دیکھنا

آمدِ شباب

جنگل کی تیرگی کا اُجالا بنے ہوئے بگڑی ہوئی اُمید کا نقشہ بنے ہوئے
مادر کے دل کا خونِ تمنا بنے ہوئے زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
کیا کردگارِ حُسن نے صورت بنائی ہے کیا خون کے نقاب میں جلوہ نمائی ہے
اِک اِک لہو کی دھار قدم لینے آئی ہے زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
کیا شان مقتضائے طبیعت بھی تھی یہی کیا آمدِ شباب کی دعوت بھی تھی یہی
کیا مادرِ غریب کی حسرت بھی تھی یہی زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
آقا پہ جان دے کے خوش اقبال ہوگئے مرنے کو کم سِنی میں جواں سال ہوگئے
تعمیرِ قوم کے لیے پامال ہوگئے زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
تیغوں کے وار جسم پہ بے حصر وحد لیے میداں سے کامیاب وغا کی سند لیے
قبضہ میں سر نوشتِ حیاتِ اَبد لیے زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
بالیں پہ آکے کوئی نویدِ ظفر تو دے اللہ غم کی شام کو رنگِ سحر تو دے
بیٹے کے حال کی کوئی ماں کو خبر تو دے زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسم ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

جانباز مرگ و زیست کی تسخیر دیکھ لیں   اکبرؑ جمالِ صاحبِ شمشیر دیکھ لیں
شبیرؑ آ کے بھائی کی تصویر دیکھ لیں   زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
تیغیں سحر سے تھے جو سنبھالے نہیں رہے   سیدانیوں کی گود کے پالے نہیں رہے
دولہا کا روپ دیکھنے والے نہیں رہے   زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
چشمِ فلک ہے دیدۂ حیرت بنی ہوئی   دھبہ لہو کا چاند کی رنگت بنی ہوئی
خیمہ کی خامشی ہے قیامت بنی ہوئی   زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے
نجمؔ اس مہِ کمال کے ہالے ہیں قید میں   سب کائناتِ صبر سنبھالے ہیں قید میں
ان کی بہار دیکھنے والے ہیں قید میں   زخموں سے لالہ زار سراپا بنے ہوئے
قاسمؑ ہیں قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

(134)

فرات پر

تو کاروانِ درد سراپا نہ بن گیا   صحرا میں داغ سینۂ صحرا نہ بن گیا
تشنہ لبوں کی پیاس کا نقشا نہ بن گیا   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا
جب فرض سینہ چاک وفا تھی برہنہ سر   جس وقت دو جہاں میں تھا ماتم اِدھر اُدھر
مہر سپہر تمام دو عالم تھے نوحہ گر   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

اصغرؑ نے جب کیا تھا اشارہ ترے لیے   جب مضطرب تھی بالی سکینہؑ ترے لیے
بی بی کا تھا چچا سے تقاضا ترے لیے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

مارا گیا ترائی میں شیرِ خداؑ کا لال   کیسا لہو میں ڈوب گیا لافتیٰ کا لال
رویا تھا جس کے واسطے خیرالنساءؑ کا لال   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

کس کس نے دکھ اٹھائے تو کس کس نے غم سہا   پیاسوں کا آسرا کوئی باقی نہیں رہا
اِک مشکِ آب کے لیے کتنا لہو بہا   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

دنیا کو اس کی طرزِ وفا یاد رہ گئی   یہ اہلِ دل میں وضعِ خدا داد رہ گئی
بچوں پہ انتظار کی بیداد رہ گئی   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

وہ فرض صبر و ضبط سے مجبور ہی رہا   پاسِ ادب حسینؑ کا منظور ہی رہا
دریا پہ ہاتھ ڈال کے بھی دور ہی رہا   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

یہ ظلم وجور کون و مکاں دیکھتے رہے   بازو کٹے زمین و زماں دیکھتے رہے
خیمہ کے در سے تشنہ وہاں دیکھتے رہے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

عشرہ کے دن پہ ماہِ محرم پہ خون ہے   پنجہ لہو میں غرق ہے پرچم پہ خون ہے
کس نوجواں کا گردنِ عالم پہ خون ہے   ساحل پہ تیرے بن گئی سقہ کی جان پر
تو اے فرات خون کا دریا نہ بن گیا

پیاس

کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں
سیّد مشرقین پیاسے ہیں

قوم کا آفتاب پیاسا ہے۔ ماہِ انجم رکاب پیاسا ہے۔ ہائے جانِ رباب پیاسا ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہے چمن کی کلی کلی پیاسی۔ کیوں فضا ہو نہ دل جلی پیاسی۔سیّدہ کی ہے لاڈلی پیاسی
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

پیاس اسلام کی بہار کو ہے۔ دین فطرت کے برگ وبار کو ہے۔ پیاس اکبرؑ سے گلعذار کو ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

موت ہے آس پاس ہائے غضب۔گھر کا گھر ہے اُداس ہائے غضب۔جھولے والے کی پیاس ہائے غضب
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہر طرف ظلم کا قرینہ ہے۔کس تلاطم میں یہ سفینہ ہے۔ پیاس کا دُکھ ہے اور سکینہؑ ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

لاش اِک خوں میں تر ہے منزل پر۔زخم پیکاں لیے ہوئے دل پر۔مشک خالی پڑی ہے ساحل پر
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

جسم پر ہے لہو کی گلکاری۔اب رگوں میں ہے تشنگی جاری۔ اور کچھ بڑھ گئی ہے خودداری
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

مقصدِ کائنات ہے پیاسا۔مصدرِ شش جہات ہے پیاسا۔ رازدارِ حیات ہے پیاسا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ہائے وہ پیاس کربلا والی۔ہائے وہ پیاس علقمہ والی۔تشنہ کاموں کا ہے خدا والی
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

بنت زہرا کے لال پیاسے ہیں۔جانِ مسلم کمال پیاسے ہیں۔حسنی نو نہال پیاسے ہیں
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

ننھے بچوں کو پیاس نے مارا۔ صدمۂ بے قیاس نے مارا۔ پانی ملنے کی آس نے مارا
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں۔سیّد مشرقین پیاسے ہیں

تشنگی کا بھی غم عجب غم ہے۔وہی جانے جو اس کا محرم ہے۔ ایک ہی دن کی پیاس کیا کم ہے
کربلا میں حسینؑ پیاسے ہیں
سیّد مشرقین پیاسے ہیں

(136)

کربلا نہ بھولیں گے

ظلم جو مسافر پر ہوگیا نہ بھولیں گے — اس کی تشنہ کامی کا ماجرا نہ بھولیں گے
ابتدا نہ بھولیں گے انتہا نہ بھولیں گے — فاطمہؑ کے پیاروں کا مرثیا نہ بھولیں گے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

کیا وہ غم کا افسانہ بھولنے کے قابل ہے — کیا وہ قافلہ پیاسا بھولنے کے قابل ہے
کیا فرات کا پہرا بھولنے کے قابل ہے — قتلِ عام عترت کا بھولنے کے قابل ہے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

جس زمیں پہ دم توڑا وارثِ پیمبرؐ نے — ہر قدم پہ تڑپایا شامیوں کے لشکر نے
آخری اذان دی تھی جس فضا میں اکبرؑ نے — لی جہاں اِک انگڑائی تیر کھا کے اصغرؑ نے
جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

سوگوار آنکھوں سے اشکِ غم ڈھلے کتنے   پھوٹ پھوٹ کر روئے دل کے آبلے کتنے
تا بہ شام آئے ہیں سخت مرحلے کتنے   عصر تک ہونے تک کٹ گئے گلے کتنے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

کس غضب کے تیور تھے زخم کھانے والوں کے   عشق کے مصلّے پر سر کٹانے والوں کے
رن کو جانے والوں کے مر کے آنے والوں کے   آج تک لرزتے ہیں دل زمانے والوں کے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

جس کے لال کی میّت خیمہ گاہ تک آئی   جذبۂ تفاخر سے ماں نے گود پھیلائی
بڑھ گئی تحمّل کی اور کچھ توانائی   موت نے سلامی دی غم نے کی جبیں سائی

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

رنگ لائی بے ربطی جس جگہ خلافت کی   کج روی ہوئی ثابت کاروانِ ملت کی
لٹ گئی جہاں رونق مسندِ رسالتؐ کی   خون ہو گئی آیت جس جگہ مودت کی

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

اس کی یاد میں اِک دن کل جہان روئے گا   ہر ضعیف روئے گا ہر جوان روئے گا
یہ زمین روئے گی آسمان روئے گا   اس کا ہر تولائی دے کے جان روئے گا

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

اپنے مرنے والوں کو تجم ہم بھلا دیں گے   اس کا غم ابھاریں گے سارے غم دبا دیں گے
اس کی یاد خلقت کا مدعا بنا دیں گے   جی کے بھی دکھا دیں گے مر کے بھی دکھا دیں گے

جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

میرِ کارواں اصغرؑ

زندگی کی راہوں میں نورِ جاوداں اصغرؑ   آسمانِ غربت کے نجم ضو فشاں اصغرؑ
کربلا پہنچتے ہی ہوگئے جواں اصغرؑ   تو نے ہی مکمل کی غم کی داستاں اصغرؑ
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ
رن میں لائے ہیں بابا جب لگا کے سینے سے   ہاتھ خود اٹھائے تھے بچپنے میں جینے سے
انتظار اسی دن کا تھا جو چھ مہینے سے   نذر کی ہے جان اپنی کس نئے قرینے سے
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ
تشنگی کی شدت میں جب زباں دکھائی تھی   موت کا تقاضا تھا جان لب پہ آئی تھی
ظلم کے اندھیرے میں شمع جھلملائی تھی   علقمہ کی موج اُٹھ کر غم سے تھرتھرائی تھی
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ
آس کیا کرے کوئی اس جہانِ فانی سے   کس کے دل پہ چوٹ آئی دردِ بے زبانی سے
سابقہ ہوا کس کو ایسی میہمانی سے   کچھ کمی نہ آجاتی ایک گھونٹ پانی سے
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ
کیا یہ رازِ قربانی تم پہ آشکارا تھا   سب تھے چاہنے والے یہ کسے گوارا تھا
کیا یہ ماں کی حسرت تھی باپ کا اشارا تھا   کیا تمہیں بھی میداں سے وقت نے پکارا تھا
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ
خوں بھری ہوئی شہؑ نے اپنی آستیں دیکھی   موت کا پسینہ اور چاند سی جبیں دیکھی
آسمان تھراتا کانپتی زمیں دیکھی   ایسی موت دنیا نے پھر کبھی نہیں دیکھی
ہائے نونہالوں کے میر کارواں اصغرؑ

حسینؑ کا چہلم

چہلم کرو حسینؑ کا آؤ حسینیو آقا کے غم میں اشک بہاؤ حسینیو
ماتم کے داغ نذر کو لاؤ حسینیو سوئی ہے کائنات جگاؤ حسینیو
مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

نیزوں نے بھی اسیروں کو بھیجا ہے لوٹ کے آنکھوں کے آبلے ہیں کہ روتے ہیں پھوٹ کے
کہتے ہیں صبر و ضبط سر و سینہ کوٹ کے دل رہ گئے ہیں قبرِ سکینہؑ پہ چھوٹ کے
مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

بابا کی قبر عابدؑ مضطر بنائیں گے نانا خود اپنے شیر کا لاشہ اٹھائیں گے
شیرِ خداؑ نجف سے زیارت کو آئیں گے یہ سوئے قبر کود میں مادر کی جائیں گے
مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

فطرت ہے سوگوار شہِؑ مشرقین کی آواز لا رہی ہے صبا شور و شین کی
ہے آج کربلا میں جو مجلس حسینؑ کی ممکن ہے یہ صدا ہو سکینہؑ کے بین کی
مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

لاشہ لحد میں ماں نے اُتارا حسینؑ کا   لو چھپ گیا وہ چہرۂ زیبا حسینؑ کا
رکھا ہے خوں بھرا ہوا کُرتا حسینؑ کا   روتا ہے دیکھ دیکھ کے کنبہ حسینؑ کا

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

اِک بیکس و غریب کا اللہ رے وقار   تاحشر آنکھیں روئیں گی دل ہوں گے بیقرار
ماتم کو ہاتھ اُٹھائیں گے بےعزم و اختیار   مظلومیت رہے گی یہ اے نجم یادگار

مٹی عزیز کرتی ہے اک خستہ تن کو آج
تربت نصیب ہوتی ہے اک بے کفن کو آج

(139)

رگِ جاں

انصارِ حسینؑ میں نمایاں علی اصغرؑ   روشن کیہ صدِ عالمِ امکاں علی اصغرؑ
چھ ماہ کے آفاق میں مہماں علی اصغرؑ   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

اللہ رے احساسِ حمایت کا قرینہ   طوفان میں آیا جو پیمبرؐ کا سفینہ
دَم بھر میں لہو بن گیا ماتھے کا پسینہ   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

گہوارہ میں دن ختم کئے عمر گذاری   آئی جو مدینہ سے تو مقتل میں سواری
تاریخ کے اوراق نے تصویر اُتاری   اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ

اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

تاریخ یہ انداز کرم دیکھ رہی تھی خشکیٔ لب دیدۂ نم دیکھ رہی تھی
بے ربطیٔ پیکانِ ستم دیکھ رہی تھی اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

پھر عالمِ فانی میں یہ محشر نہیں دیکھا پھر دیدۂ عبرت نے یہ منظر نہیں دیکھا
بے شیر کوئی تیر کی زد پر نہیں دیکھا اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

یوں موت سے بچہ کوئی ٹکرا نہ سکے گا یوں پیاس میں تیروں کی ہوا کھا نہ سکے گا
اب جھولے سے میداں میں کوئی آ نہ سکے گا اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

قیمت میں ہر اک سانس دو عالم سے گراں تھی خوشبو لبِ کوثر کی پسینہ میں نہاں تھی
کم سن تھے مگر خوبیٔ تقدیر جواں تھی اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

ملت تجھے ہمنامِ علیؑ یاد کرے گی اِس باغ کی ایک ایک کلی یاد کرے گی
جیتی ہے تو ماں کوکھ جلی یاد کرے گی اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

یاد آئیں گی کس کس کو نہ بچپن کی ادائیں وہ صبحِ تبسم وہ بھرے گھر کی دعائیں
چلتے ہوئے ماں بہنوں نے لی ہوں گی بلائیں اے قافلۂ حق کے رگِ جاں علی اصغرؑ
اسلام ہے اِک بندۂ احساں علی اصغرؑ

ہائے کربلا والو

(۱)

اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو
تختِ اِنّما والو تاج ھل اتیٰ والو
شانِ مصطفےٰؐ والو وضعِ مرتضیٰؑ والو
کیا وفا پہ جانیں دیں تم نے اے وفا والو
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۲)

چھوٹے چھوٹے بچوں نے جنگ کی اجازت لی
بڑھ گئے جواں بن کر کم سنی سے رخصت لی
قوم کی حمایت میں عزتِ شہادت لی
زندگی کو کیا کہیے موت سے بھی خدمت لی
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۳)

کس بلا کے جنگل میں آلِ مصطفیٰ ٹھیری
بے دیاروں کا مدفن ارضِ کربلا ٹھیری
آئی شامِ عاشورہ صبح کو وغا ٹھیری
کیا خبر مدینہ کو شامیوں سے کیا ٹھیری
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۴)

حق پہ مرنے والوں نے جان دی سلیقے سے
شوق سے تمنا سے عزم سے ارادے سے
زندگی نہ کی پیاری فاطمہؑ کے پیارے سے
ماں کی گود سے آیا کوئی کوئی جھولے سے
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۵)

کوئی تم میں اکبرؑ تھا کوئی تم میں اصغرؑ تھا
کوئی ثانیِ جعفرؑ کوئی مثلِ حیدرؑ تھا
کوئی قدر و قیمت میں دو جہاں سے برتر تھا
زیرِ تیغ کربل میں فاطمہؑ کا گھر بھر تھا
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

(۶)

اس طرح کے عالم میں پھر نہ دل جگر دیکھے
در پہ آ کے ماؤں نے جنگ کے ہُنر دیکھے
اپنے چاند کے ٹکڑے خون میں تر بہ تر دیکھے
ریگِ گرم پر لاشے، برچھیوں پہ سر دیکھے
ہائے کربلا والو، ہائے کربلا والو

پروانۂ شبیرؑ

(۱)

سینوں میں بھی دل ہیں عزا خانۂ شبیرؑ
سر ہیں بھی سنگِ درِ کاشانۂ شبیرؑ
پہنچائیں گے دنیا میں ہم افسانۂ شبیرؑ
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۲)

سر جس کا اُتارا گیا سجدے میں خدا کے
نیند آئی جسے سارے زمانے کو جگا کے
جو سو گیا آندھی میں چراغ اپنا جلا کے
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۳)

ہم اُس کے فدائی ہیں جو دو دن کا تھا پیاسا
پانی نہ ملا جس کو دمِ ذبح ذرا سا
زہراؑ کا جگر بند محمدؐ کا نواسا
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۴)

دیکھا نہ سُنا یوں کسی سلطان کا ماتم
ایسا نہ ہوا ناشرِ قرآن کا ماتم
تیرہ سو برس سے ہے عجب شان کا ماتم
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

(۵)

مقبول یہ کوشش ہو کہاں ایسا مقدر
شاید اسی تدبیر سے بخشش ہو میسر
تم بھی کہو اے نجم یہ پروانوں میں مل کر
اے صلِ علیٰ جلوۂ جانانۂ شبیرؑ
ہم عاشقِ شبیرؑ ہیں پروانۂ شبیرؑ

نوحہ

تو فرش پہ ہے عرش کی تنویر سکینہؑ
تو زینبؑ و زہراؑ کی ہے تصویر سکینہؑ

جاری ہے غریبوں میں ترے صبر کا قانون
ہر قوم ہے شہزادیٔ ملت تری ممنون

غداروں کی کوشش تھی کہ مٹ جائے یہ تعمیر
زندہ ترے ایثار سے ہے مقصدِ شبیرؑ

کیا جان تھی کیا شان تھی ایک ایک نفس میں
صدیوں کا سرانجام کیا چار برس میں

اسلام کی تبلیغ تکلم کا طریقہ
تاریخ کی عزت ترے بچپن کا سلیقہ

ہر ذرۂ بے مایہ ہوا نور سے روشن
زنداں ترے قدموں سے بنا وادیٔ ایمن

گستاخ ترے حق میں جو اک تنگ بشر تھا
دوزخ میں ملا اس کو ٹھکانہ کہ شرر تھا

حاصل جنہیں معراج ہوئی اہلِ سخن میں
وہ سب ترے مدّاح ہیں جنت کے چمن میں

کیا لفظ سکینہؑ میں ہے تسکین کا ساماں
صدقے تری ہمت کے ترے نام کے قرباں

دنیا کی سمجھ میں یہ مقام آئے گا کیوں کر
زہراؑ کے دُلارے کا ہے سینہ ترا بستر

کس بزم کی تو شمع تھی کس گھر کا اُجالا
معصوم تھی معصوم کی آغوش نے پالا
چاہت تھی تری بانیِ اسلام کے گھر میں
معصوم ہے تو عصمتِ مطلق کی نظر میں

(143)

چہلم

چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

لو مومنین مجلس و ماتم کے دن چلے
تم ہو غمِ حسینؑ کی آغوش کے پلے
یہ ہاتھ استوار سلامت یہ ولولے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

جی چاہتا ہے نوحہ کناں سال بھر رہیں
ماتم میں جھولے والے کے با چشمِ تر رہیں
سر پھوڑ کر ضریح سے ہم خود بھی مر رہیں
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

کیا کیا حسیں ہیں قاسمؑ و اکبرؑ کو دیکھنا
ڈوبے ہوئے لہو میں ہیں اصغرؑ کو دیکھنا
اس غم میں قوتِ غمِ سرورؑ کو دیکھنا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

مسلمؑ کے لال ہوگئے بے سر یہ کیا ہوا
زینبؑ کے لاڈلے پہ ہے خنجر یہ کیا ہوا
ساحل پہ لاشِ ثانیِ حیدرؑ یہ کیا ہوا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

جو قوم کی نجات کا سامان کرگیا
مشکل کو موت زیست کی آسان کرگیا
ایک ایک اپنے لال کو قربان کرگیا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

یوں خون میں نہاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
یوں راہِ حق دکھاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
دنیا کو یوں جگاتے ہیں دنیا یہ دیکھ لے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورِعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

مجلس کو درس گاہِ محبت بنا دیا
ایک عام اتحاد کی دعوت بنا دیا
یوں جان دی کہ درد کو راحت بنا دیا
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

آقا شہیدِ ظلم ہو جس کا وہ کیا کرے
کیونکر نہ اس کی یاد میں آہ و بکا کرے
جلتے رہیں حسینؑ کے دشمن خدا کرے
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

اس غم پہ زندگی کے سہارے نثار ہیں
جو دل کے چین ہیں وہ نظارے نثار ہیں
اے نجم اپنی آنکھوں کے تارے نثار ہیں
چہلم ہے آج فاطمہؑ کے نورعین کا
کرنا ہے جان توڑ کے ماتم حسینؑ کا

پَردیسی

شبیرؑ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں
یہ چڑھتے ہوئے سورج کی طرح گھر گھر میں اُجالا کرتے ہیں

مظلوم کو سب جگ روتا ہے مظلوم تو سب کا ہوتا ہے
دُکھ درد سے جن کا میل نہیں وہ اپنا پَرایا کرتے ہیں

ہر سال عرب کی بستی سے آتا ہے جو بھارت نگری میں
مُسلم ہی کا وہ مہمان نہیں ہندو بھی تو سیوا کرتے ہیں

کیا دھرم تھا کوفہ والوں کا مہمان کو پیاسا مار دیا
پانی پہ بھی جھگڑا ہوتا ہے پانی پہ بھی جھگڑا کرتے ہیں

سر کٹتا ہے اِک دھرمی کا ظالم کے ادھرمی ہاتھوں سے
کربل میں بُجھا کر ست کا دیا دُنیا میں اندھیرا کرتے ہیں

لاکھوں پہ بہتّر بھاری ہیں کیا بات حُسینی پُرشوں کی
وہ شیر نہ ہاری مانیں گے جو موت کو ٹوکا کرتے ہیں

یہ بات اُنہیں کے ہات رہی سر اُن کے گئے پر بات رہی
دو جگ میں بڑی ہے بات اُن کی جو بات کی رکھشا کرتے ہیں

اشنان لہو سے ہوتا ہے ساونتوں کا رن ویروں کا
یہ آگ لگا کر مایا کو جیون میں اُجالا کرتے ہیں

آنچ آنے لگی اسلام پہ جب اصغرؑ نے بھی جیون وار دیا
اس گل کے بڑے بھی چھوٹے بھی بگڑی کو بنایا کرتے ہیں

کیوں پیار نہ اُن پر آئے گا جو رن کو گئے تھے جھولے سے
رُلتے ہیں دلوں کے جھولے میں وہ آج بھی جھولا کرتے ہیں

ماتم ہے نبیؐ کے پیاروں کا ماتم میں نبیؐ کے سنگ نہیں
ایسے بھی خُدا کے بندے ہیں پتا میں پریکھا کرتے ہیں

سنسار کے بھولے بسروں کو اپدیش نیا مل جاتا ہے
ہر سال جو تجھی پیاسوں کا ہم سوگ منایا کرتے ہیں

O

باب چہارم

تاثراتِ زیارات

.1	زیارتی سفرنامہ	تجمل آفندی
.2	عرض داشت	(9) اشعار
.3	بصرہ سے نجف تک	(15) اشعار
.4	در نجف ہر	(11) اشعار
.5	خلوص فکر	(19) اشعار
.6	حضوری میں	(11) اشعار
.7	بارگاہ کج کلاہ قمر بنی ہاشم میں	(11) اشعار
.8	بارگاہِ نیرین	(6) اشعار
.9	جلوہ گاہِ سامرہ	(5) اشعار
.10	سرداب میں ایک سجدۂ فکریہ	(9) اشعار
.11	متفرق قطعات (15) عدد	(30) اشعار

نجم آفندی

پیش لفظ

میں نے ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جس میں چار پشت سے مدح اہل بیتؑ کا سلسلہ قائم تھا۔ میرے جد اعلیٰ مرزا فصیح مرحوم سے شیعی دنیا بہت اچھی طرح واقف ہے۔ خلیق، ضمیر، دلگیر کے ہم عصر تھے اور ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اس دور کے غالباً یہی ایک ایسے شاعر ہیں، جن کا کلام آج بھی مجالس میں پڑھا جاتا ہے:

سلامی کربلا میں جب بنا ابن حسن دولھا

سلام لکھتا ہوں میں حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے

جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے

ان قصیدوں اور مرثیہ کی آوازیں آج بھی بلند ہوتی سنائی دیتی ہیں۔ میرے باپ دادا، اور پردادا سب کا مقصد حیات ہی مدح اہل بیتؑ تھا۔ شاید یہ انہی بزرگوں کا فیض تھا اور انھیں کے خلوصِ فکر کا نتیجہ ہے، جس نے مجھے قوم سے ''شاعرِ اہل بیتؑ'' کا خطاب دلوایا۔

میری شاعری کی ابتدا ہی مدح اہل بیتؑ سے ہوئی۔ میں نے شیعہ کانفرنس کے قومی پلیٹ فارم پر نظمیں پڑھیں۔ الہ آباد میں یتیم خانہ کے لیے قوم کی جیب سے چار ہزار روپیہ نکلوایا۔ قصیدہ کی دنیا میں بھی میں نے جو تبدیلی کی ہے اور منقبت میں جو روح پیدا کی ہے، اس سے اربابِ نظر آشنا ہیں۔ نوحے کی صنف میں جو انقلاب پیدا کیا ہے اس سے قوم کا ہر فرد واقف ہے۔ ''محاذِ حسینیؑ'' کی نظمیں بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ معاشرت، تمدن، تہذیب کے ساتھ ادب کی قدریں بھی بدلتی ہیں۔ خیالات میں انقلاب آتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے مرثیہ خوانی کا قصہ ختم ہو کر، اس کی جگہ

حدیث وتقریر نے لے لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے پیش روشعراء نے مدح اہل بیتؑ اور واقعہ کربلا کے نشر میں جو خدمت کی ہے، وہ خلوصِ دل کے ساتھ اور اس زمانے کے مذاق کے مطابق تھی۔ عصرِ حاضر بڑی تحقیق وتدقیق کا زمانہ ہے۔ نظریں شاعری سے بہت زیادہ حقائق کی تلاش کرتی ہیں۔ مافوق الفطرت حالات اور معجزات کے بجائے مدوحین کے اسوۂ حسنہ واقعات کے سبق آموز پہلوؤں اور فلسفیانہ نتائج کا مطالعہ مدنظر ہوتا ہے۔ ان تمام اصنافِ سخن سے جن کا تعلق مدح اہل بیتؑ یا عزائے سید الشہداء سے ہے، اردو زبان کو بہت کچھ فائدہ پہنچا۔ مرثیہ نے اردو میں رزمیہ شاعری کا اضافہ کیا۔ قصائد نے شوکتِ الفاظ، بلند پردازی اور ندرتِ خیال سے خزانہ بھر دیا۔ لیکن واقعہ کربلا کے اصلی خدوخال اور اہل بیتؑ کے اسوۂ حسنہ پر وہ روشنی نہیں ڈالی جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ساقی نامے، مرثیہ کے باغ و بہار، گھوڑے اور تلوار نے قصیدہ کے لفظی زور وشورتر کیبوں، تشبیہوں، استعاروں نے، ذہنوں کو ظاہری چمک دمک میں الجھا کر حقائق تک پہنچنے سے روک رکھا تھا۔ میں نے اسے شدت سے محسوس کیا اور اپنی زندگی کو اس کمی کے دور کرنے کے لیے وقف کردیا۔ واقعات کربلا میں نوحے سے ابتدا کی جو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول اور رائج ہے۔ الحمد للہ میری کوشش کامیاب ہوئی۔ پورے معاشرے میں ان کو پسند کیا گیا۔ موجودہ شعراء نے میری پیروی شروع کردی۔ نوحوں کے بعد میں نے ایک مرثیہ کا نمونہ بھی ''فتح مبین'' کے نام سے پیش کردیا۔ جب یوم حسینؑ منائے جانے لگے اور اس کا عام رواج ہوا، اس وقت اس قسم کی نظمیں معرضِ کلام میں آچکی تھیں، جن کی ضرورت تھی۔

حاصل کلام یہ کہ میری رگ رگ میں محبت اہل بیتؑ اور میری زبان پر انہی نقوش قدسیہ کی منقبت کا نغمہ رہتے ہوئے، میرے لیے کربلا کی زیارت کا کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا۔ جس کی آرزو مجھے بے چین کیے ہوئے تھی، کیونکہ میری مالی حالت کبھی اچھی نہیں رہی۔ میں نے فضائل کی بے تعداد محفلیں پڑھیں لیکن کبھی کوئی معاوضہ لینا گوارا نہیں کیا۔ نہ سوائے اہل بیتؑ کے کسی کی تعریف میں ایک مصرع کہا۔ غالباً ۱۹۴۹ء کا یا ۱۹۵۰ء کا ذکر ہے کہ میرے دوست نواب شہید یار جنگ بہ قصد زیارت عراق جارہے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں ایک نظم ''عرض داشت''

کے عنوان سے لکھ کر نا میلی اسٹیشن پر بھجوادی، جو اس مجموعہ کی پہلی نظم ہے۔ اس کے بعد غالباً چند ماہ گزرے ہوں گے کہ میرے دوست سید معز حسین صاحب عابدی نوگانوی نے قصدِ زیارت کیا۔ میں نے ان کو ذیل کا مطلع لکھ کر بھجوایا کہ اس کو ضریحِ مبارک سید الشہدا علیہ السلام میں رکھ دیا جائے:

ذوقِ طاعت چاہتا ہے ایک سجدہ اے حسین
میں کہاں ڈھونڈوں ترا نقشِ کفِ پا اے حسین

معز حسین صاحب عابدی نے میری گزارش کے مطابق عمل کیا۔ جلد جلی کا حکم نامہ آ گیا۔ میں تا دم آخر شہزادۂ والا شان نواب معظم جاہ بہادر کا شکر گزار اور ان کے خاندان کا دعا گو رہوں گا کہ ان کی بدولت شرف زیارت حاصل ہوا۔

شہزادۂ والا شان کی روانگی سے ایک ہفتہ پیشتر ۲۹ راگست ممبئی سے شام کے چھ بجے بذریعہ ہوائی جہاز عراق روانہ ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ شوق کے پر لگا کر اُڑ رہا تھا، وہی حیثیت اس وقت میری بھی تھی۔ میں اگر پورے واقعات اور جذبات لکھوں تو ایک دفتر ہو جائے۔ مختصر یہ کہ جس جس مقام پر حاضری دی، میرے جذبات اشعار کی صورت میں ڈھلتے گئے اور اس وقت آپ کی نظروں کے سامنے ہیں۔

O

عرض داشت

شکستہ پا کی دعا تیزگام لیتا جا
مرا سلام حضورِ امام لیتا جا

تمام ہوں گے یہیں زندگی کے دِن شاید
یہ میرا ولوۂ نا تمام لیتا جا

حدیں میں توڑنے والا ہوں قیدِ ہستی کی
تعیّنات کے یہ صبح و شام لیتا جا

میں دو قدم بھی ترے ساتھ چل نہیں سکتا
مرا خیال ہی دو ایک گام لیتا جا

بہت طویل ہے فہرست نامرادوں کی
انھی کے ذیل میں میرا بھی نام لیتا جا

مرا نیاز، مری بندگی، مرے سجدے
خدائے دردِ محبت کے نام لیتا جا

غریب قوم کے ارمانِ جاں بلب کی قسم
تڑپ رہا ہے جو دل میں پیام لیتا جا

چراغِ طور ہے گُل شمعِ کربلا روشن
کلیمِ عرشِ سخن کا کلام لیتا جا

یہ نازِ فکر و غرورِ جریدۂ عالم
مرے سخن کا یہ نقشِ دوام لیتا جا

○

بصرہ سے نجف تک

بصرہ سے تا نجف وہ قیامت کی رات تھی
پایانِ اشتیاق زیارت کی رات تھی

کتنی مرے خیال سے تھی دور کائنات
یہ ساری کائنات سے فرصت کی رات تھی

آنکھوں میں سرخ سرخ وہ بیداریوں کا رنگ
نبضوں میں تیز تیز حرارت کی رات تھی

دل صَرفِ اضطراب نظر کانپتی ہوئی
تقریبِ جلوہ گاہِ جلالت کی رات تھی

ہر سانس میں درود تھا ہر سانس میں سلام
تسبیحِ بندگانِ مودّت کی رات تھی

جیسے مئے غدیر کا دریا چڑھا ہوا
طوفانِ انتظار و ارادت کی رات تھی

رہتا مزاجِ شوق اگر اعتدال پر
ہمراہیوں سے حرف و حکایت کی رات تھی

کیا ذکر ہے ہزار کا، لاکھوں میں ایک رات
مل ہی گئی مجھے مری قسمت کی رات تھی

عرفاں کے گاہوارہ میں جاگا ہوا تھا دل
سویا ہوا مجاز، حقیقت کی رات تھی

تطہیر دل کی ساعتِ زرّیں کا وقت تھا
تہذیب سرفروش محبت کی رات تھی

دیکھی ہیں میں نے سینکڑوں راتیں گزار کر
یہ شامِ فکر و صبحِ بصیرت کی رات تھی

ایک لمحہ سخت و صعب تھا اک سہل و سہیل تر
کیا منتخب خزانۂ قدرت کی رات تھی

جیتا رہا تلاطمِ امید و بیم میں
ہمت سے میں نے کاٹ دی ہمت کی رات تھی

اتنا ہی ست گام مسافر تھا وقت کا
جتنی مرے خیال میں عجلت کی رات تھی

کچھ خوف سا بھی تجمِ خوشی کے جلو میں تھا
یہ یک ادب شعار مودّت کی رات تھی

○

درِ نجف پر

نجف میں شاعرِ گردوں حصیر حاضر ہے
درِ امیر سلامت ، فقیر حاضر ہے

نشانِ میکدۂ اعتبار لایا ہوں
سرورِ بادۂ خُمِ غدیر حاضر ہے

سند ہے ماتمِ شبیرؑ کی خدا رکھے
پڑی ہے دل پہ جو غم سے لکیر حاضر ہے

شعورِ مدح کے دو شاہدین عادل ہیں
زبان و دل کی قلم کی صریر حاضر ہے

ثناگری کا ذخیرہ ہے چار پشتوں سے
متاعِ عمرِ صغیر و کبیر حاضر ہے

نماز و روزہ نہ زعمِ ریاضت و تقویٰ
ریاضِ مدحِ عدیم النظیر حاضر ہے

کھڑا ہے در پہ گناہ کی بیڑیاں پہنے
توقعاتِ کرم کا اسیر حاضر ہے

قبول نارِ جہنم بھی ہے محبت میں
دلِ غریب محبت پذیر حاضر ہے

تیقنات کا احساس بخشنے والے
توہمات کی یہ دار و گیر حاضر ہے

شعاعِ نور کے نشتر سے چھیڑ دے کوئی
یہ میرا نفس، یہ دل ، یہ ضمیر حاضر ہے

امیر ہے کوئی ایسا نہ کوئی مجھ سا غریب
غریب مجسم حضورِ امیر حاضر ہے

○

خلوصِ فکر

دیارِ ہند سے دل داغدار لایا ہوں
امید یک نگہہ شہریار لایا ہوں

تمام نکہت و نزہت تمام غنچہ و گل
میں اپنے باغِ سخن کی بہار لایا ہوں

سبھی ہیں آپ کے شاعر فصیح تا بہ سہیل
ثناء کا سلسلۂ استوار لایا ہوں

پھرا کے روئے تمنا زر و جواہر سے
ہر ایک شعر جواہر نگار لایا ہوں

جو مدح کی ہو کبھی غیر کی زبان بل جائے
خلوصِ فکر کے پھولوں کا ہار لایا ہوں

کسی سے ربط نہیں رشتۂ عقیدت کو
میں اپنا دامنِ دل تار تار لایا ہوں

نہ آرزوئے جناں ہے نہ حسرتِ کوثر
عجب طبیعتِ مدحت شعار لایا ہوں

خدا کا گھر ہے مگر نام آپ کا لے کر
فرازِ عرش سے تارے اُتار لایا ہوں

بڑی جسارتِ بیجا ہے حاضری میری
میں اپنے سر پہ گناہوں کا بار لایا ہوں

سزا قبول مجھے جرأتِ حضوری کی
میں اپنے دل پہ بہت اختیار لایا ہوں

مجال سجدہ نہیں اضطرارِ سجدہ ہے
یہ ایک جذبہ دیوانہ وار لایا ہوں

حضور داد طلب صبر و ضبطِ ملّت ہے
یہ منتظر کا غمِ انتظار لایا ہوں

○

علم بدوش بہت خانماں بدوش ہیں اب
عجب حکایتِ ناخوشگوار لایا ہوں

تمام قوم ہے احساسِ کمتری کی اسیر
شکایتِ ستمِ انکسار لایا ہوں

کسی میں اسوۂ انصار کی جھلک نہ ملی
متاعِ گریۂ لیل و نہار لایا ہوں

نمائشیں ہیں عزا میں، کمی خلوص کی ہے
یہ درد درد کے پروردگار لایا ہوں

غرورِ اہل دوَل افتراق علم و عمل
تمام رازِ نہاں آشکار لایا ہوں

رئیس علم بھی ہیں صید اقتدار بہت
غریب ہوں ، گلۂ اقتدار لایا ہوں

میں ہوں وہ نجم درخشاں سپہر مدحت کا
بغل میں خاکِ دلِ بے قرار لایا ہوں

○

حضوری میں

السلام اے جلوہ آرائے زمینِ کربلا
اے سراپا حُسن، اے حسن آفرینِ کربلا

اللہ اللہ میری نظریں اور یہ ایوانِ بلند
اللہ اللہ میرے بوسے اور جبینِ کربلا

تو نجف کی جان ہے تو گنبدِ خضرا کا دل
روضۂ اطہر کے گنبد اے حسینِ کربلا

ذکر جنت کا سُنا ہے اس سے آگے کیا کہوں
اے مری دیکھی ہوئی جنت ، زمین کربلا

موت کا مجھ کو یقین تھا ، نار و جنت کا یقیں
ہر یقیں ہے آج رخصت ، اے یقینِ کربلا

ساتھ ہیں کس کس کے معروضے دعائیں حسرتیں
اب ہیں سب تیرے حوالے اے امینِ کربلا

انقلابِ حشر تک تو جگمگائے گا یونہی
خاتمِ کون و مکاں پر اے نگینِ کربلا

اُٹھ گئے اور اٹھ رہے ہیں تختِ شاہی اے حسین
تو رہے گا تا ابد مسند نشینِ کربلا

اذن اک سجدہ کا مل جائے تو آنکھیں دیکھ لیں
خونِ پیشانی سے رنگیں آستینِ کربلا

چار آنسو ہیں مری نذرِ عقیدت چار شعر
اک نظر لِللہ چشمِ دُور بینِ کربلا

نجم کو حکمِ طلب مل ہی گیا یہ دیکھ کر
جان وقفِ کربلا ہے دل رہینِ کربلا

○

بارگاہ کج کلاہ قمرِؑ بنی ہاشم میں

اسلام کے مجاہد شبیرؑ کے سپاہی
بیجان ہے تیری ملت اے جانِ کج کلاہی

جانِ جہاں تصدق ، کون ومکاں تصدق
زیبا علم بدوشی برحق وفا پناہی

کیسی برس رہی ہے بالیں سے بے نیازی
کیسی لپٹ رہی ہے قدموں سے بادشاہی

تجھ سے ہے جن کو نسبت وہ اہلِ دل نہ بدلے
دنیا بدل رہی ہے از ماہ تا بہ ماہی

اچھے ہیں یا بُرے ہیں کہلا رہے ہیں تیرے
کس کے لیے ہے آخر اندازِ خوش نگاہی

آقا غریب ملت محتاجِ مرحمت ہے
غیروں کے مسئلہ میں ہو معدلت پناہی

حسنِ عمل فقط ہے تیرا غمِ محبت
اس منزلت پہ لے لے کونین سے گواہی

کتنا قریب ہو کر کتنا ہوں دور تجھ سے
اے جلوہ گہِ مبارک یہ عرش بارگاہی

بخشش کا منتظر ہے اے مرکزِ تجلی
میں لے کے آیا ہوں اعمال کی سیاہی

شاید کہ جی اٹھے پھر میرا دلِ فسردہ
ہلکی سی ایک ٹھوکر اے تیزگام راہی

اے نجم کاش مجھ سے اتنا ہی کوئی کہہ دے
کس دل سے یہ جسارت کس منہ سے عذر خواہی

O

بارگاہِ نیرین

السلام اے منزلِ جلوہ نمائے نیّرین
فکرِ اہلِ دل تصدق اے فضائے کاظمین

موسیٰ کاظمؑ کے مشہد، مدفنِ پاکِ تقیؑ
خم ہیں جن کے آستاں پر مشرقین و مغربین

میں فدا اے سونے والو قبۂ ہائے نور میں
اے شہیدانِ محبت ، سوگوارانِ حسینؑ

اے خلف اُس شیرِ حق کے ٹھوکروں میں جس کی تھے
خیبر و خندق کے میداں عرصۂ بدر و حنین

اے علم دارانِ آزادی اسیرانِ ستم
آج کچھ سمجھی ہے دنیا یہ انوکھا نصبِ عین

اپنے نانا سے خدارا کچھ سفارش کیجیے
آپ دردِ قوم کے ہیں شاہدین عادلین

○

جلوہ گاہ سامرہ

السلام اے صورت و معنائے ایماں پروری
منزلِ پاک نقیؑ و خواب گاہِ عسکریؑ

اے علیؑ چارمیں اے وارثِ حسنِ حسنؑ
تم نے جانیں دے کے دی انسانیت کو برتری

درد وغم کو ہے تمھارے آستانے سے شرف
تم نے کی آفاق میں ایثار کی صورت گری

حلم نے پانی کیے ہیں کیسے کیسے سخت دل
عِلم نے توڑے ہیں کیا کیا غرۂ دانشوری

پردۂ غیبت سے باہر آنے والے کی قسم
دیکھنے قابل ہے اب دنیا و دیں کی ابتری

سرداب میں ایک سجدۂ فکریہ

سامرہ کے مہرِ عالم تاب کو میرا سلام
نورِ حق کی رہ گزر سرداب کو میرا سلام

اس زمیں پہ پاؤں رکھتے کانپتا ہو جس کا دل
اس مسلماں واقفِ آداب کو میرا سلام

جو مچلتا ہے تڑپتا ہے، پھڑکتا ہے یہاں
اس دلِ بے صبر کو بیتاب کو میرا سلام

دردِ فطرت تشنۂ دیدار کو میرا نیاز
اشک پرور دیدۂ پُر آب کو میرا سلام

جاگتے میں میری آنکھوں نے جو دیکھا اس جگہ
زندگی کے اس سنہرے خواب کو میرا سلام

آرزو برحق ہے جس کی عشق واجب جس کا ہے
حُسن کے اس جلوۂ نایاب کو میرا سلام

بے تکلف ڈوب جاؤں جس کا دامن تھام کر
اُس فراتِ شوق کے گرداب کو میرا سلام

مل گیا جس دن مالک عالمِ اسباب کا
عالمِ اسباب کے اسباب کو میرا سلام

سر مرا حاضر ہے میں خود بھی گنہگاروں میں ہوں
شعلۂ شمشیرِ جوہر تاب کو میرا سلام

○

خیمہ گاہ

تا خیمہ گاہ بیٹھتے اُٹھتے جو آگئے
خالی تھے خیمے پاؤں مگر تھرتھرا گئے
دل کا یہ مشورہ تھا کہ پیچھے قدم ہٹیں
آقا نے اس زمین پہ بدلی ہیں کروٹیں

○

قتل گاہ

آئی تھی قتل گاہ محبت کی راہ میں
دم بھر بھی ہم ٹھہر نہ سکے قتل گاہ میں

○

فرات

وہ کاروانِ درد وہ سالارِ کارواں
دیکھی رضائے دوست تو پیاسے ہی چل پڑے
کیسی بپھر کے آئی ہے تشنہ لبوں کی یاد
گزرا جو میں فرات سے آنسو نکل پڑے

○

مسیّبؑ

دیارِ کربلا سے کس قدر نزدیک تر دیکھا
سر افگندہ زمیں پر صورتِ داغِ جگر دیکھا
اُدھر سے میں جو گزرا ہوں نہ پوچھو دل پہ کیا گزری
مسیّب کو بڑی حسرت سے میں نے اک نظر دیکھا

○

حبیبؑ ابنِ مظاہر سید الشہداء

آئینۂ حیرت ہیں زمانی و مکانی
وہ زورِ مودّت وہ مودّت کی نشانی
دیکھی نگہِ خلق نے تاریخ نے کبھی
پیری میں حبیب ابنِ مظاہر کی جوانی

○

گنجِ شہیداں

یہ روحِ غم کی بیتابی، خلوصِ دل کے ہنگامے
سنے میں نے کسی سے اور نہ دیکھے بزمِ امکاں میں
جو قدرت ہو تو کردوں رونقِ کون و مکاں صدقے
نظر آئی مجھے وہ زندگی گنجِ شہیداں میں

○

طواف

تجسّم سا ہے معرفت اور حاضری دربار کی
اللہ اللہ یہ بلندی طالعِ بیدار کی

اے زہے قسمت اگر ہوجاؤں پامالِ طواف
ٹھوکریں کس کو میسر ہیں ترے زوّار کی

○

حُرِ جانباز کی نذر

مرحبا، دامن چھڑا کر گردشِ ایام سے
صبحِ روشن کی طرف آیا سوادِ شام سے

اللہ اللہ حُر ہے تو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی
حریت کو کس قدر نسبت ہے تیرے نام سے

○

ہانیِ جاں نثار

ناشناسِ درد کیا سمجھیں گے ہانی کا شرف
جرأت خلاق و تطہیر لسانی کا شرف

جان تک دے دی نہ لیکن ہاتھ سے جانے دیا
قاصدِ سبطِ نبی کی میزبانی کا شرف

○

حضرتِ مسلم کی بارگاہ میں

مسلمؑ تری شجاعت و ہمت ہے یادگار
تو شیرِ خانوادۂ شیرِؑ خدا کا ہے
صلِ علیٰ سفارتِ شبیرؑ کا شرف
پہلا شہید سلسلۂ کربلا کا ہے

○

ایوانِ طلا

مشتاقِ نظر چشمِ حقیقت سے ذرا دیکھ
قصرِ نجف و منزلِ شاہِؑ شہداء دیکھ
لپٹا ہوا روضوں سے ہے ٹھکرایا تھا جس کو
یہ گنبدِ زر دیکھ یہ ایوانِ طلا دیکھ

○

دولت سرائے امیر المومنینؑ

مرا منہ اور بیتِ حیدرِؑ کرار کا بوسہ
لیا ہے ڈرتے ڈرتے ہر در و دیوار کا بوسہ
کہاں ایسی مری تقدیر کیوں میری طرف آئے
زہے قسمت جو اس در سے صدائے لاتخف آئے
متاعِ ہر نفس قرباں نجف کے ذرّے ذرّے پر
گرا پڑتا ہے دل بیتِ شرف کے ذرّے ذرّے پر

مسجد حنّانہ

مولودِ حرم رجعتِ خورشید کے مالک
تو چاہے تو رفتار مہ و سال کی رک جائے
کیا دور ہے قدموں پہ جو گر جائیں دو عالم
اللہ کا گھر جب تری تعظیم کو جھک جائے

○

نذرِ مختار

برق بن کر گر پڑا جمیعت اشرار پر
رشک آتا ہے مجھے اس قسمتِ بیدار پر
کیا جہادِ تیغ کے آگے جہادِ بالقلم
میری ساری فکر صدقے جذبۂ مختار پر

○

مسجد سہلہ

نگاہِ بندۂ مومن کی قوت آزماتے ہیں
نکل کر جلوہ گاہِ غیب سے صورت دکھاتے ہیں
مری آنکھوں پہ جو پردے پڑے ہیں کیسے اٹھیں گے
وہ بے پردہ سنا ہے مسجدِ سہلہ میں آتے ہیں

○

باب پنجم

هندی کلام

1.	کربل نگری	(115) اشعار
2.	اسلام پوتھی	(158) اشعار
3.	جگت گرو	(9) اشعار
4.	کھیون ہارا	(12) اشعار
5.	دکھ کا ساگر	(11) اشعار
6.	پریم پنچھی	(11) اشعار
7.	دھرم پربت	(14) اشعار
8.	حسینئی سیوا	(11) اشعار
9.	پریم کہانی	(11) اشعار
10.	ست کی سیوا	(16) اشعار
11.	ست جگ کا ستارہ	(26) اشعار
12.	درشن کا اُجالا	(12) اشعار
13.	قیدی کا راگ	(6) اشعار
14.	کوچ کا ڈنکا باجت ہے	(7) اشعار
15.	آؤ سہیلی جیل چلیں	(8) اشعار
16.	پنتھ نارا کے دن	(7) اشعار
17.	حسینئی درشن	(12) اشعار
18.	پردیسی	(12) اشعار

کربل نگری

سن ساٹھ تھا سنسار میں ڈالے ہوئے ڈیرا
چھایا ہوا تھا پاپ کے بادل کا اندھیرا

بھولا ہوا تھا پالنے والے کو زمانہ
دھرتی پہ غریبوں کا نہ تھا کوئی ٹھکانہ

اسلام تھا اِک خون میں ڈوبا ہوا لاشہ
روزوں کی ہنسی تھی تو نمازوں کا تماشہ

شیطان کے بندوں نے مٹا رکھا تھا اسلام
تلوار کی شکتی کو بنا رکھا تھا اسلام

سُکھ روگ کی اگنی میں تھیں دہکی ہوئی نظریں
مایا کے چمتکار سے بہکی ہوئی نظریں

ہر بات بناوٹ تھی تو ہر کام میں تھا کھوٹ
سونے کی ملاوٹ سے تھا جیون میں نرا کھوٹ

اَنیائے کا تھا راج تو اپرادھ کی جے تھی
قرآن کے اُپدیش کی بدلی ہوئی لے تھی

چھوڑے ہوئے سَت دھرم کی چاہت کو یزیدی
سنگوائے ہوئے بیٹھے تھے دولت کو یزیدی

عزت کا غریبوں کے لیے کال پڑا تھا
مایا کا جو مالک تھا وہی سب میں بڑا تھا

دنیا کے مزے ظالِم شامی کے لیے تھے
کمزور، امیروں کی غلامی کے لیے تھے

ہاتھوں میں نہ کَس بل تھا نہ تھی خون میں گرمی
دس بیس جو دھرمی تھے ہزاروں تھے ادھرمی

کہلاتی تھی اچھی وہی، جو بات بُری تھی
اچھائی کی گردن میں حکومت کی چھری تھی

بے رحم نگاہیں یہ مزے لوٹ رہی تھیں
مزدور کے سینے کی رگیں ٹوٹ رہی تھیں

لائی تھیں مہا پاپ کی برسات شرابیں
پانی کی طرح اُڑتی تھیں دن رات شرابیں

سنسار نظر آیا جو اُپدیش کا پیاسا
کوفہ کو چلا گھر سے محمدؐ کا نواسا

اِچھا تھی کہ گرتی ہوئی دیوار سنبھالے
اللہ کے بندوں کو بُرائی سے بچالے

تلوار نہ رستہ میں اُٹھائی تھی کسی پر
لڑنے کا نہ ساماں نہ چڑھائی تھی کسی پر

لپٹے تھے وہ چرنوں سے جو تھے چاہنے والے
کچھ ساتھ کے کھیلے ہوئے، کچھ گود کے پالے

ساتھی بھی وہ پائے جو رِشی اور مُنی تھے
بچے بھی تو اس گھر کے گیانی تھے گُنی تھے

بھارت کے بَسیّا نہ اُنہیں ہاتھ سے کھوتے
کہلاتے وہ اوتار جو اس دیش میں ہوتے

شبیرؑ کے قبضہ میں تھا لشکر نہ ریاست
سچائی کی پونجی تھی اور اولاد کی دولت

کرتار کی مایا تھی نہ اپنی نہ پرائی
بیٹا تھا برابر کا برابر کا تھا بھائی

مائی کی کمائی تھی بہن کے تھے دُلارے
دھرتی میں چمکتے ہوئے آکاش کے تارے

سب چھوٹے بڑے مل کے تھے گنتی میں بہتر
اتنے ابھی کم سِن تھے کہ جھولے میں تھے اصغرؑ

اٹھارہ برس والے تھے نانا کی نشانی
تھی روپ میں اکبرؑ کے پیمبرؐ کی جوانی

سب کہتے تھے ماں باپ کے سائے میں بڑھیں گے
کنبہ کو یہ آشا تھی کہ پروان چڑھیں گے

پردہ میں تھیں کچھ بی بیاں چہروں کو چھپائے
سہمے ہوئے بچوں کو کلیجہ سے لگائے

یثرب سے نکل کر کہیں آرام نہ پایا
رستہ وہ کٹھن جس میں نہ پانی تھا نہ سایا

وہ دھوپ کڑی اور وہ گرمی کا مہینہ
بہتا ہوا وہ چاند سے ماتھوں سے پسینہ

مُرجھائے ہوئے دھوپ میں تھے، پھول سے چہرے
سنولائے ہوئے روپ میں تھے، پھول سے چہرے

کوفہ بھی نہ پہنچے تھے ابھی سید والا
رستہ میں ملا شام کے حاکم کا رسالہ

تھی شہر میں شبیرؑ کے جانے کی مناہی
ناکہ پہ تھے ایک ہزار ایک سپاہی

آپے میں مگر کوئی نہ چھوٹا نہ بڑا تھا
اک ایک جواں موت کے چکر میں پڑا تھا

جنگل میں پڑے پھرتے تھے سب پیاس کے مارے
تپتا تھی کڑی دن کو نظر آتے تھے تارے

جانے کو تھیں پانی کے لیے ہاتھ سے جانیں
گھبرا کے نکل آئی تھیں ہونٹوں پہ زبانیں

سردار بھی، لشکر بھی تھا جینے سے نراسا
رحم آگیا سیدؑ کو انہیں دیکھ کے پیاسا

پُن کرکے بھی شرمائے جو داتا ہو تو ایسا
دشمن پہ ترس کھائے جو داتا ہو تو ایسا

ہونٹ اس کے ہلے کھل گئے مشکوں کے دہانے
اِک آن میں سب لُٹ گئے پانی کے خزانے

برکھا کی جھڑی بن کے برستا رہا پانی
سوکھے ہوئے جنگل کی زمیں ہوگئی دھانی

کیا دل تھا کہ اپنے لیے قطرہ نہ بچایا
سب پی چکے جب گھوڑوں کو اونٹوں کو پلایا

جب پیاس بجھی بھول گئے موت کا آنا
گن ایک نے بھی جان بچانے کا نہ مانا

جان آگئی دیہی میں یہ دو گھونٹ جو پی کے
پہنچا دیا مقتل میں نواسۂ کو نبیؐ کے

پردیس میں دھوکے سے بُلا کر اُسے مارا
احسان کا یوں بھی کوئی کرتا ہے اُتارا

جلتی ہوئی ریتی پہ بسے پیاس کے مارے
خیمے بھی نہ رہنے دیے ندی کے کنارے

سب گھاٹ کو روکے ہوئے بےشرم کھڑے تھے
تپتے ہوئے میدان میں مہمان پڑے تھے

پھر فوج پہ فوج آنے لگی شام نگر سے
بصرہ سے کبھی اور کبھی کوفے کی ڈگر سے

ایسی ہوئی جنگل میں ستم گاروں کی بھرتی
تلواروں کی جھنکار سے ہلنے لگی دھرتی

بھر مارتھی کوفہ سے یہ کربل کی زمیں تک
چالیس ہزار آئے محرم کی نویں تک

بھر پور تھے اَن جَل سے اُدھر دشمنِ جانی
یاں ساتویں تاریخ سے کھانا تھا نہ پانی

حاکم کا سندیسہ تھا کہ مرنے کی نہ ٹھانو
جان اپنی ہے پیاری تو حکومت مری مانو

سو طرح کی تکلیف تھی سو پھیر پڑے تھے
پر بات پر اپنی یہ جواں مرد اڑے تھے

ساونتوں نے کس ٹھاٹھ سے یہ رات گزاری
سب موت کی سیوا میں رہے ست کے پُجاری

ایک ایک کو تھی فکر کہ ہتھیار سنواریں
دیکھی گئیں پرکھی گئیں تلواروں کی دھاریں

سب کرتے تھے ست دھرم پہ مرنے کی دعائیں
بچوں کو اُدھر خیمہ میں سمجھاتی تھیں مائیں

دیکھو کہیں میدان میں عزت نہ گنوانا
دو جگ کو رہے یاد وہ تلوار چلانا

دسویں کی ہوئی صبح تو دلہا سا بنا کر
بھیجا انہیں ماں بہنوں نے ہتھیار سجا کر

کیا دیکھنے کا ذکر ہے سُننے میں نہ آئی
چالیس ہزار اور بہتر کی لڑائی

مولا کا سپاہی نہ بڑھا تھا کوئی صف سے
تیر آئے پہل ہوگئی دشمن کی طرف سے

شبیرؑ نے پھر بڑھ کے یہ اُپدیش سُنایا
تم نے مجھے خط لکھ کے ہے مہمان بُلایا

گردن پہ نہ لو خون یہ سودا نہیں سستا
میں ہند چلا جاؤں گا دیدو مجھے رستا

اُس فوج کے افسر نے سُنی جب کہ یہ بانی
رستہ میں جسے آپ نے پلوایا تھا پانی

شرما گیا کرنی پہ کہ ہر دے میں دَیا تھی
مرنے کے لیے ہوگیا شبیرؑ کا ساتھی

اک بیٹا تھا، اک بھائی تھا اور ایک تھا چاکر
سب ساتھ ہوئے پریم ڈگر سامنے پا کر

اُس فوج سے اللہ کے پیارے نکل آئے
بادل کو ہٹا کر یہ ستارے نکل آئے

سو روک پہ بے کام کئے رہ نہیں سکتی
سنسار سے کہہ دو کہ یہی ست کی ہے شکتی

سونے کی طرح ست کی کسوٹی پہ کھرے تھے
پہلے یہی رن ویر جواں لڑ کے مرے تھے

جب ٹھن گئی ایک ایک بھی دو دو بھی سدھارے
ایک ایک نے سو سو کو کیا گور کنارے

کم سن تھے جو بچے وہ بہت رن میں اڑے ہیں
دن کھیلنے کے جن کے تھے کیا کیا وہ لڑے ہیں

جس ماں کا گیا لال وہ دروازے پر آئی
لکھا ہے کہ خود پردے سے دیکھی ہے لڑائی

سنتے چلے آئے ہیں کہ ایسا بھی تھا کوئی
شبیرؑ کے انصار میں دولہا بھی تھا کوئی

اس عمر میں یوں موت بھلا کس نے ہے چاہی
سو سال کے بوڑھے بھی تھے آقا کے سپاہی

وقت آتے ہی ہونے لگیں بپتا میں نمازیں
پڑھنے لگے سب تیروں کی برکھا میں نمازیں

سینوں کو سپر کردیا ہر تیر کے آگے
دو ویر کھڑے ہوگئے شبیرؑ کے آگے

اِک مرگیا اُن میں کا مگر منہ کو نہ موڑا
دم توڑ دیا پریم کے بندھن کو نہ توڑا

عباسؑ سا اب ایک بھی شیدائی نہ ہوگا
سوتیلا تھا ایسا کہ سگا بھائی نہ ہوگا

کانپی ہے زمیں نہر کی رن ایسا پڑا ہے
جب گھاٹ پہ مشک اور علم لے کے لڑا ہے

سرکائے تو اِس ڈھب سے کوئی فوج کا ریلا
دریا کوئی چھینے تو ہزاروں سے اکیلا

دریا پہ جو پیاسا کوئی رہ جائے تو مانیں
پانی نہ پئے پیاس میں دو دن کی تو جانیں

پانی کو وفادار نے منہ بھی نہ لگایا
بچوں کے لیے مشک بھری اور پلٹ آیا

پھر فوج سمٹ آئی علم دار کو گھیرا
تیر اتنے چلے چھا گیا جنگل میں اندھیرا

آس اُس نے نہ دی ہاتھ سے ہاتھوں کو کٹا کر
ساونت بڑھا مشک کو دانتوں میں دبا کر

نکلا ہے کبھی اور کبھی فوجوں میں گھرا ہے
جب تیر پڑا مشک پہ گھوڑے سے گرا ہے

اکبرؑ کا وہ روپ اور وہ مر جانے کا ارماں
خیمہ سے نکل آیا تھا جنگل میں چندر ماں

کس شوق سے ماں باپ نے دیکھی ہے لڑائی
بابا نے جواں بیٹے کی خود لاش اٹھائی

کیا دُکھ سے بھری ہے علی اصغرؑ کی کہانی
دو دن سے ملا تھا نہ جسے دودھ نہ پانی

شبیرؑ نے خیمہ سے اُسے گود میں لاکر — سب فوج کو دکھلا دیا ہاتھوں پہ اُٹھا کر
کارن تھا کہ شاید کوئی جان اس کی بچا دے — دو بوند سسکتے ہوئے بچے کو پلا دے
سب نے کیے مرجھائے ہوئے پھول کے درشن — سنتے ہیں کہ منہ پھیر کے رونے لگے دشمن
پانی کی دیا ایک کے دل میں بھی نہ آئی — اک تیر سے بچے کی ہوئی دودھ بڑھائی
دم توڑ دیا باپ کے ہاتھوں پہ اُچھل کر — سنسار سے پیاسا ہی گیا خون اُگل کر
ایسا کبھی اپرادھ نہ دنیا میں ہوا تھا — دیکھا تھا نہ آنکھوں نے نہ کانوں نے سنا تھا
بچہ کی یہ سج دھج تھی یہ سُمرن تھی پتا کی — اتنا ہی کہا منہ سے جو مرضی ہو خدا کی
اب لڑنے کے قابل کوئی چھوٹا نہ بڑا تھا — اک چاند تھا بیمار جو خیمہ میں پڑا تھا
زردوش کو ناچار کو پایا جو اکیلا — کھینچے ہوئے تلواریں بڑھا فوج کا ریلا
اب شیر نے انگڑائی لی اور باگ سنبھالی — بجلی سی چمکتی ہوئی تلوار نکالی
سر سینکڑوں ہر وار میں تلوار نے رولے — برکھا ہوئی لوہو کی برسنے لگے اولے
زخمی نے مسافر نے زمیں رن کی ہلادی — پیاسے نے بڑی دور تلک فوج بھگادی
وقت آیا شہادت کا تو بے خوف ٹھہر کر — سجدے میں جُھکا خاک پہ گھوڑے سے اتر کر
بادل کی طرح چھا گئے بھاگے ہوئے مکار — بیکس پہ برسنے لگی تلوار پہ تلوار
مجبور اُسے دیکھ کے بے بس اُسے پاکے — سر کاٹ لیا شمر نے سجدہ میں خدا کے
پھر لوٹ پڑی آگ لگائی گئی گھر میں — آکاش تلے یوں نہ لُٹا کوئی سفر میں
کچھ بی بیاں، بچے کئی نازوں کے پلے تھے — سب ایک ہی رسی میں غریبوں کے گلے تھے
باندھا گیا اک اونٹ پہ بستر سے اٹھاکر — بیمار کو بھی لے گئے زنجیر پنہا کر
غم ہے اُسی مظلوم کا ماتم ہے اُسی کا — تیرہ سو برس سے یہ محرم ہے اُسی کا
شبیرؑ نے اس دیس کو جب یاد کیا تھا — اسلام کا بھارت میں پتہ تھا نہ سرا تھا
کوئی تو ہے اس دیس سے مظلوم کا بندھن — کیوں ورنِ حسینی ہے یہ دت قوم کا بامن
کچھ بھید ہے جو سوگ میں جوگی سے بنے ہیں — ہندو اسی دھرتی پہ عزادار گھنے ہیں
اب تک جو ہیں انجان کچھ ایسے بھی ہیں بھائی — ہو جاتی ہے مظلوم کے ماتم پہ لڑائی

بھول اپنی ہے ہردے میں جو یہ گردجی ہے
دوش ان کا نہیں اپنی ہی کوشش میں کمی ہے

جو حال سنانا تھا سنایا نہیں ان کو
مہماں کا جنازہ ہے بتایا نہیں ان کو

بھارت کے اچھوتو اور اچھوتو اِدھر آؤ
مہمان کے تابوت کو سب مل کے اُٹھاؤ

خود اس نے کیا تھا اِدھر آنے کا اشارا
مہماں جو ہمارا ہے وہ پہلے ہے تمہارا

ہر سال وہ آتا ہے محبت کو بڑھانے
آپس میں گلے ہندو و مسلم کو ملانے

مہمان کا یوں کرتے ہیں آدر یہ دکھاؤ
شبیرؑ کی جے بول کے دنیا کو ہلا دو

پھر خون مسلماں کا نہ ہندو کا بہے گا
شبیرؑ کے صدقے میں سدا میل رہے گا

اسلام پوتھی

اللہ بنادے اِسے آکاش کی بانی
کہنی مجھے بھاشا میں ہے اسلام کہانی

لکھی نہ گئی کوئی جو اِس طرح کی پُستک
اسلام کو سمجھے نہیں اِس دیش کے سیوک

چرچے ہیں کہ پھیلا ہے یہ تلوار کے بل پر
استھان ہے بے نیو کی دیوار کے بل پر

سب ڈھونڈھ رہے ہیں اُسے شمشیر کے نگر میں
شاہی کے سماچار ہیں دنیا کی نظر میں

اس روپ میں ست دھرم کا پیغام نہیں ہے
مایا کے چمتکار میں اسلام نہیں ہے

سچائی کی شکتی کا مہا کاج ہے اسلام
سمجھے جو کوئی تو جگتا راج ہے اسلام

اِس دھرم کا دنیا میں سندیسا تھا جب آیا
قابو میں غریبوں کی نہ مایا تھی نہ کایا

کمزور کو آرام نہ باہر تھا نہ گھر میں
اندھیر ہی اندھیر تھا سنسار نگر میں

وہ دن تھے کہ ڈھونڈے نہیں ملتی تھی بھلائی
چھائی ہوئی تھی سارے زمانے میں بُرائی

سچائی کا پرچار نہ آدر تھا نہ دکھن
بگڑے ہوئے مدت سے تھے انسان کے لچھن

چمکا جو عرب دیش کی قسمت کا ستارا
کرتار نے آکاش سے اِک نور اُتارا

مکہ میں رسالت کی بچھائی گئی مسند
پیدا ہوئے ہاشم کے گھرانے میں محمدؐ

اِس طرح دُلہن بھی کوئی دیکھی نہ سنورتی
مکھڑے کی پڑی چھوٹ تو جگمگ ہوئی دھرتی

کیا جانیے کس بھیس میں کس روپ میں آیا
سنتے ہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں سایا

چھ سال میں ماں باپ جو پرلوک سدھارے
بچپن سے لڑکپن ہوا دادا کے سہارے

جب سر سے اُٹھا آپ کے دادا کا بھی سایا
اِک اور پریمی نے کلیجے سے لگایا

بچوں سے زیادہ یہ بھتیجے پہ فدا تھا
پالا ابو طالبؑ نے جو حضرت کے چچا تھے

چھوٹے ہی سے سِن میں تھیں سمجھ بوجھ کی باتیں
کٹتے تھے بڑے سوچ میں دن ہوں کہ ہوں راتیں

دلیا کی طرح سب کی نگاہوں میں بھلا تھا
یہ چار برس گھر میں حلیمہ کی پلا تھا

سُندر تھا جو ہر کام تو ہر بات تھی بالا
دایہ کو یہ اچرج تھا کہ بچہ ہے نرالا

بے وقت نہ کھایا کبھی، بے وقت نہ سویا
مچلا نہ کبھی دودھ کے کارن نہ وہ رویا

اِس چاند میں آنکھوں نے کوئی کھوٹ نہ پائی
جو من کی صفائی تھی، وہی تن کی صفائی

بھولے سے کبھی اپنی بڑائی نہ جتائی
بیٹوں کو حلیمہ کے سمجھتا رہا بھائی

باتیں نہ گھمنڈی کبھی ہردے میں سمائیں
یوں ساتھ دیا اُن کا کہ بھیڑیں بھی چرائیں

بچوں کی طرح اُس نے کوئی کھیل نہ کھیلا
اُس کے لیے دنیا میں تماشہ تھا نہ میلا

گاہک تھا وہ ہر آن غریبوں کی خوشی کا
سنسار میں دُکھ دیکھ نہ سکتا تھا کسی کا

بیتا وہ لڑکپن کا سمے آئی جوانی
انسان کے جیون کی گھڑی سب سے سُہانی

نردوش تھی جو پھول کی چمن کی طرح سے
جو پاک رہی صبح کے دامن کی طرح سے

ستونت تھا ایسا جسے دُشمن نے بھی مانا
صادق اُسے بچپن سے ہی کہتا تھا زمانا

نیکی نے بچایا تھا جوانوں کے چکروں سے
وہ دور ہی رہتا تھا بُرائی سے بُروں سے

نربل کو بھی سکھ ہو، اِسی اُلجھن میں پڑا تھا
ودھوا سے کیا بیاہ کہ پُن اِس میں بڑا تھا

سرپنچ بنا قوم کا جھگڑا بھی چکایا
دھرتی کو بڑی سخت لڑائی سے بچایا

ان جل کے لیے کرنا ہی پڑتا ہے یہ کنتھا
بیوپار بزرگوں کی طرح اُس کا چلن تھا

اُبھری ہوئی تھی ہاتھ میں ایمان کی ریکھا
بیوپار میں ایسا کوئی دھرمی نہیں دیکھا

کچھ دن میں نئی پیار کی صورت نظر آئی　　پیدا ہوا اِک سب سے بڑا اُس کا فِدائی
اِک تاروں بھری رات نے آنچل جو سمیٹا　　چوتھا ابو طالبؑ کو ملا چاند سا بیٹا
کعبہ میں ہُوا جس کا جنم یہ وہ بلی ہے　　اللہ کے گھر میں ہُوا پیدا کہ علیؑ ہے
گھر اُس کا چلن اُس کا وہی ذات وہی ہے　　جو بات محمدؐ کی ہے ہر بات وہی ہے
جنتا کی بھلائی میں بہت رنج سہے ہیں　　ہر کام میں اُن دونوں کے دل ایک رہے ہیں
جن باتوں میں تھی کھوٹ بہت اُن سے پرے تھے　　بھولے سے نہ کی مورتی پوجا وہ کھرے تھے
دِل جس سے ملے ایسا نہ تھا میل کسی سے　　لاکھوں میں محمدؐ کو محبت تھی علیؑ سے
جی لگتا تھا بستی سے الگ شہر سے باہر　　استھان بنا رکھا تھا اِک غار کے اندر
جو قوم تھی وہ پاپ کے چکر میں پڑی تھی　　انساں ہے گرتے پہ یہ فکر اس کو بڑی تھی
کیا کشٹھ کی بھرمار ہے اپرادھ کا ریلا　　بیٹھا وہ یہی سوچتا رہتا تھا اکیلا
کرتا ہے ہر اک اپنے قبیلے کی بڑائی　　بے بات بھی ہو جاتی تھی آپس میں لڑائی
بدلہ کا لگا روگ تو کم ہی نہیں ہوتا　　دادا کی جگہ لڑنے کو تیار ہے پوتا
آنند یہودی ہے جو مہہ سود کا برسے　　عیسائی ہیں بھٹکے ہوئے عیسیٰؑ کی ڈگر سے
کچھ لوگ اسے اپنی سمجھتے ہیں جو بیٹی　　دھرتی میں دبا دیتے ہیں پیدا ہو جو بیٹی
انسان نے انساں کا بنایا ہے یہ کیا حال　　ہے جانوروں سے بھی غلاموں کا بُرا حال
کس اُور ہے سنسار کا بہتا ہوا دھارا　　نیکی سے ہو سمبندھ تو مشکل ہے گزارا
کرتے ہی نہیں فرق بُرے اور بھلے میں　　اوقات گزرتی ہے شراب اور جوئے میں
کب تک یہی دُنیائے کا بیوپار رہے گا　　کب تک یہ اَدھا دُھند سا چار رہے گا
دن رات غریبی ہے امیری کا نوالا　　آنکھیں ہیں مگر کوئی نہیں دیکھنے والا
اِک روز اِسی دھیان میں اوڑھے ہوئے چادر　　چُپ چاپ وہ لیٹا ہوا تھا غار کے اندر
دنیا کو بدلنے کا چلن سوچ رہا تھا　　انسان کی مکتی کے جتن سوچ رہا تھا
جیسے کبھی گرمی میں بڑی پیاس لگی ہو　　سامان نہ ہو کوئی، مگر آس لگی ہو
دُہرا ہی رہا تھا یہ کہانی ابھی مَن میں　　پیدا ہوا اک بھاؤ نیا من کی لگن میں

جیسے کوئی جاگے ہوئے کو اور جگادے ــ لو جیسے کوئی پیار کے دیپک کی بڑھا دے

اس آن میں جبریلؑ فرشتے کی زبانی ــ دھرتی پہ سُنی اُس نے یہ آکاش کی بانی

اے کملی میں لپٹے ہوئے اُٹھ ذکرِ خدا کر ــ دُنیا کو جگا دین کا پیغام سُنا کر

سب اُس کے سنگھاسن ہیں وہ پربت ہو کہ رائی ــ بندوں کو بتا پالنے والے کی بڑائی

گھر اپنے چلا سُن کے یہ کام کی آواز ــ ہر اُور سے پیدا ہوئی پرنام کی آواز

اِک ایک نے ترلوک دھنی کہہ کے پکارا ــ جنگل نے پہاڑوں نے نبیؐ کہہ کے پکارا

بوجھ اتنا بڑا کیسے اکیلا کوئی سہہ لے ــ ساتھی جو تھی جیون کی بتایا اُسے پہلے

پھر اس نے کہی بھید کی یہ بات علیؑ سے ــ بیٹھے ہوئے یہ بول اُسے مصری کی ڈلی سے

بیوی بھی ہوئی بھائی بھی اسلام کے ساتھی ــ دونوں یہ محمدؐ کو ملے کام کے ساتھی

اب زید کا نمبر تھا ابوبکر کی باری ــ چُپ چاپ یہ پرچار، یہ سیوا بھی ہے نیاری

دو ایک کے من ہونے لگے روز اُجاگر ــ بوندیں جو تڑپنے لگیں بننے لگا ساگر

پھر من میں نیا حکم یہ اللہ کا چمکا ــ اپنوں ہی میں پرچار کرو پہلے دھرم کا

کنبہ کو اکٹھا کیا کھانے پہ بُلا کے ــ سب اُٹھ گئے کھا پی کے ہنسی اُس کی اُڑا کے

مشکل ہے کہ چھوڑے کوئی دھرم اپنا پرانا ــ سچا بھی سمجھ کے یہ بچن اُس کا نہ مانا

پھر دوسرے دن بھی انہیں گھر اپنے بلایا ــ اللہ کی کرپا کا سماچار سُنایا

جو ساتھ مرا دے گا یہ بات اُس نے بتائی ــ وہ میری جگہ لے گا وہ ہوگا مرا بھائی

اقرار کیا اتنوں میں بس ایک علیؑ نے ــ میں آپ کا ساتھی ہوں کہا اُٹھ کے علیؑ نے

یہ سُن کے پھر اُن لوگوں سے کہنے لگے حضرتؐ ــ دیکھو مرے بھائی کو، کرو اِس کی اطاعت

ان شبدوں میں شکتی نہ کسی کو نظر آئی ــ پہلے کی طرح سب نے ہنسی اُس کی اُڑائی

کنبہ میں کسی اور کا دیکھا نہ سہارا ــ وشواس تھا اللہ کا، ہمت نہیں ہارا

اس دین کا پرچار امیروں کو نہ بھایا ــ پہلے یہ غریبوں کے ہی ہردے میں سمایا

کس پریم کا اُپدیش تھا، کیا شبد منوہر ــ مکہ میں مسلماں نظر آنے لگے گھر گھر

سب ہوگئے آخر کو مسلمانوں کے دشمن ــ بے جوڑ ہزاروں میں تھا دس بیس کا جیون

باب ششم

متفرقات

نظمیں اور غزلیں

1. سرمایہ داری کے خلاف پہلی آواز — ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
2. منتخب اشعار — (45) عدد
3. متفرق نظمیں اور غزلیں (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) — (83) عدد

فہرست

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادِ شعر	درحالِ	صفحہ
1	مناجات	اے دل میں دردِ دل کی دنیا بسانے والے	(15)	دعا	1503
2	دردِ دل	کجا شعر و سخن جینا بھی ہے مشکل ضعیفی میں	(14)	یتیموں	1504
3	مودّت	غرور اگر چہ کسی بات پر نہیں جائز	(6)	غرورِ تولّی	1505
4	عصرِ ناصر	تاریخ ہے گواہ کہ ہر ایک دور میں	(8)	اتحاد	1505
5	حسینی پیغام	بہت کچھ فطرتِ ماموں نے کی عالم آرائی	(5)	حسینیت	1506
6	مستقبل	زمانہ فتنہ پرور دور سے آنکھیں دکھاتا ہے	(13)	آیندہ	1506
7	سَن اکسٹھ	سَن اکسٹھ ہو کہ باسٹھ ہو ہمیں تو دیکھنا یہ ہے	(7)	پیامِ کربلا	1507
8	پیام	مزاجِ شعلہ سے پیدا ہو برگ و یاسمن اب بھی	(9)	پیامِ محبت	1508
9	نشانِ اسلام	حُسنِ صورت ہی سے اسلام کا ملتا ہے پیام	(25)	نشان	1509
10	ارے	لگی جو راہ میں سرمایہ دار کو ٹھوکر	(6)	سرمایہ دار	1510
11	بانیٔ مجلس	بانیٔ مجلس خدا تجھ کو جزائے خیر دے	(7)	مجلس	1511
12	آہ تسنیم	وہ دن بھی عجب دن تھے جب گھر میں یہ دولت تھی	(8)	وفاتِ دختر	1511
13	غرورِ کربلا	کچھ خبر ہے تجھ کو اے پروانۂ بے بال و پر	(7)	قومی خطاب	1512
14	اعلانِ اتحاد	ملت میں تفرقہ کا نہ سامان کیجیے	(13)	اتحاد	1513
15	مزدوری	گرد کا ہے اور نہ بادل کا نشاں	(13)	مزدور	1514

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	در حالِ	صفحہ
16	خلوصِ فکر	دیارِ ہند سے دل داغ دار لایا ہوں	(19)	اظہار	1515
17	روحانی گورنمنٹ	فقیر خوار ہے اک عجم کی حقیقت کیا	(11)	قومی درد	1516
18	دل کے ٹکڑے	ہم سا بھی نہ بدقسمت عالم میں ہوگا	(26)	قومی درد	1517
19	دردِ دل	کون سنتا ہے کسے کوئی سنائے دردِ دل	(18)	شیعہ کالج	1518
20	درِ یتیم	مائل حسرت بیانی ہے دلِ حسرت نواز	(75)	یتیم خانہ	1520
21	نقدِ دل	اے چمن زارِ جہاں اے لکھنؤ کی سرزمیں	(60)	شیعہ کالج	1525
22	ہماری عید	عید کو کیا کہیے ہرجائی ہے عید	(21)	عید	1529
23	ترانۂ عید	جن و بشر ہیں شادماں کون و مکاں میں عید ہے	(8)	عید	1530
24	تمنا	قضا کا کیا ٹھکانہ زندگی کا کیا بھروسہ ہے	(17)	شیعہ کالج	1531
25	ارمغان اتحاد	کیوں نہ دل میں گھر کرے لطفِ بیانِ اتحاد	(9)	اتحاد	1532
26	ترانۂ اتحاد	دلِ عالم تو تھا ہی معترف حُسنِ معانی کا	(17)	شیعہ کالج	1533
27	تمہید ستانِ قسمت	نہ بڑھ حد سے زیادہ گرمیٔ جوشِ وفا دم لے	(9)	تاریخ اسلام	1534
28	ترقی کا راز	ایسے نازک وقت میں اللہ یہ کس کی ہے بزم	(9)	اِتفاق آرا	1535
29	گھبرائیں کیا	ایک دن ایک دوست سے میں نے کہا	(11)	مشیت الٰہی	1536
30	اسلامی فرقے	ہرج ہے کچھ جو رکھیں دل کے عقائد دل میں	(5)	رواداری	1537
31	نالۂ عجم	ہم بھی تھے کبھی قابل تعظیم جہاں میں	(43)	تاریخ اسلاف	1537
32	میزبانو میہمان	عبدالضحیٰ سچ بتا وہ بھی زمانا یاد ہے	(14)	رفتگان	1540
33	پراگ راگ	یاد ہے مجھ کو الہ آباد وہ لطفِ چمن	(27)	گنگا جمنا	1541

شمارہ	عنوان	مطلع	تعدادشعر	درحال	صفحہ
34	کسان	ہے حیاتِ نوعِ انسانی تری ہستی کا راز	(15)	کسان	1543
35	دارالادب اکبرآباد	اے دیارِ آگرہ اے ہند کے دارالادب	(27)	آگرہ	1544
36	وصفِ واصف	دنیا ہے رنج وغم کی منزل	(21)	آگرہ کے شاعر	1546
37	صبح وشام	سچ ہیں قول وقرار صبح وشام	(9)	روزگار	1547
38	بچہ کی دعا	چھوٹا سا ہوں میں بچہ بیٹھا ہوں سر جھکائے	(5)	دعا	1548
39	آج کا حیدرآباد	دیدنی ہے اے نگاہِ روزگار	(11)	حیدرآباد	1548
40	باغ عام	خاص چیزوں میں ہے اس کا نام بھی	(12)	باغ عامہ	1549
41	آرائش بلدہ	کیا خوب ہے آرائش بلدہ کا ارادہ	(7)	بلدہ	1550
42	موٹربس	یہ دورِ حاضرہ کا فیض جاری	(8)	موٹربس	1550
43	جنگی نمائش	بڑی دلچسپ ہے جنگی نمائش	(17)	نمائش	1551
44	گولکنڈہ	گولکنڈہ نازشِ ملکِ دکن	(14)	قلعہ گولکنڈہ	1552
45	چارمینا	نظر یہ دور سے آتا ہے کس کا قامتِ بالا	(11)	چارمینار	1553
46	ہندوستاں	کیسے ہیں اچھے اچھے کیسے ہیں پیارے پیارے	(8)	ہندوستان	1554
47	کسان کی فریاد	شہر کے رہنے سہنے والو	(11)	کسان	1554
48	مزدور کی آواز	مجھ سے نفرت کیوں ہے تجھ کو میں اگر مزدور ہوں	(11)	مزدور	1555
49	سب ایک	ہندو مسلم سکھ عیسائی	(5)	اتحاد	1555
50	ہندوستاں کا معصوم بچہ	مجھے ہر رنگ میں حاصل محبت کی ہے شادابی	(9)	ہندوستانی	1556
51	کڑکا	رن میں سن لو میرا کڑکا	(11)	ہندی لڑکا	1557
52	ہندوستان کی لڑکی	حیا کا دل وفا کی جان ہندوستان کی لڑکی	(5)	ہندی لڑکی	1558

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	درحال	صفحہ
53	آغوشِ مادر	ننھے سے پیارے بچے آئے ہو تم کہاں سے	(7)	گودی	1558
54	لوری	سو جا سو جا میرے چاند	(5)	لوری	1559
55	سہیلی	خدا نے دی ہے مجھ کو اک سہیلی	(12)	سہیلی	1559
56	کھیل کود	بچے کُھلی ہوا میں چکر لگا رہے ہیں	(4)	کھیل	1560
57	سوتی جاگتی گڑیا	میری گڑیا بڑی دُلاری ہے	(10)	گڑیا	1561
58	کھلونوں کا اسپتال	چڑیوں میں تھا بہار کی آمد کا شور و غل	(6)	کھلونے	1562
59	تتلی	خوشبو کی متوالی تتلی	(9)	تتلی	1562
60	مکاں در مکاں	گرمیوں کی اک سہانی شام کو	(10)	معما	1563
61	رین مسافر	رین مسافر جگ اجیالے	(8)	چاند	1564
62	پردار موتی	مشرق میں صبح اک دن جب مسکرا رہی تھی	(7)	شبنم	1564
63	گھڑی	مجھے دیکھو بڑی صابر گھڑی ہوں	(5)	گھڑی	1565
64	ہوائی جہاز	ہمیں یاد ہیں کھیلنے کے جو ڈھنگ	(11)	ہوائی جہاز	1566
65	سنیما گھر	نیا حکمت نے اک جلوہ دکھایا	(13)	سینما	1567
66	عجیب صندوق	صندوق ہے ایک میرے گھر میں	(9)	ریڈیو	1568
67	ڈاکیہ	وہ آیا ہے آتا ہے چٹھی رساں	(8)	ڈاکیہ	1568
68	نیا سال	ہوا سال کا آخری دن تمام	(8)	نیا سال	1569
69	بڑے آدمی	بڑے آدمی تھے بڑے کام	(11)	مشاہیر	1569
70	دعا	اے خدا اے دردمندوں کے خدا	(14)	دعا	1570
71	جستجو	یہ اہلِ جستجو کچھ سعی کا حاصل نہ پائیں گے	(11)	جستجو	1571

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد شعر	درحال	صفحہ
72	یادگار	جو دور ہیں نگاہ سے ان کا بھی پاس ہے	(5)	زندۂ جاوید	1572
73	شاہزادۂ اکرم	تیرے غم میں ہے پریشاں زلفِ لیلائے اودھ	(16)	شاہِ اودھ	1573
74	ڈنکا باجت ہے	جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے	(6)	جیل چلیں	1574
75	آؤ سکھی جیل چلیں	ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سکھی جیل چلیں	(7)	جیل چلیں	1575
76	قافلے سے بچھڑے	عذاب سجدۂ ناحق ہوا جبیں کے لیے	(6)	وطن کی یاد	1576
77	جیل میں خیر مقدم	ادب سے ہوگئیں خاموش زنجیروں کی جھنکاریں	(9)	جیل جانا	1577
78	زندگی کا گیت	موت سو بار آئے خاطر میں نہ لانا چاہیے	(6)	زمانۂ جنگ	1578
79	دورِ حاضر	چلے گی تا کجا بادِ مخالف دورِ دوراں میں	(7)	دورِ حاضر	1578
80	قومی شعراء سے	ذرا اے ہم صفیرو دل کی دنیا دیکھنے آؤ	(6)	جیل کی اوقات	1579
81	جیل جاتے ہوئے	تڑپ اے روح بن جا شمعِ آزادی کا پروانہ	(5)	جیل جاتے وقت	1579
82	پچھتارا کے دن کا	کس کی مایا سدا رہی ہے ریت گھروندا کے دن کا	(7)	اتحاد	1580
83	قیدی کا راگ	سن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر	(6)	نغمہ قیدی کا	1581

منتخب اشعار

شعر(45)

جو مدح کی ہو کبھی غیر کی زباں جل جائے　　　خلوصِ فکر کے پھولوں کا ہار لایا ہوں
نہ آرزوے جناں ہے نہ حسرتِ کوثر　　　عجب طبیعتِ مدحت شعار لایا ہوں
نمائش ہیں عزا میں کمی خلوص کی ہے　　　یہ درد درد کے پروردگار لایا ہوں

ہم چشم زمانہ میں کھٹکا کیے مدت تک　　　ہم سے رہی برگشتہ دنیا کی نظر برسوں
اشعار نہ کہہ دینا ٹکڑے ہیں مرے دل کے　　　بے درد تو جائے گا دل سے نہ اثر برسوں

کس لئے اغیار کو ہنسنے کا موقع دیجئے　　　بات جب منہ سے نکالی ہے تو پوری کیجئے

خالی کبھی جانے کا نہیں تجم کا نالہ　　　رکھتا ہے اثر صورِ قیامت کے برابر
دیکھے ہیں انھیں آنکھوں نے اَسرار فلک کے　　　جاتا نہیں اب مرغ نظر چھت کے برابر

دونوں دریا تیرے پہلو میں ہیں دو دریائے نور　　　ہیں یہ دو معشوق الڑھ دو حسیں ہیں پُرغرور
دو شرابی مست ہیں کھوئے ہوئے عقل وشعور　　　سچ اگر پوچھو تو دو مصراع موزوں ہیں ضرور

تیسرا دریا نہیں یہ ہے اشارہ صاد کا ۔۔۔ تیرا سنگم ہے کہ مطلع ہے کسی استاد کا

دو نمازی منہمک ہیں سجدۂ معبود میں ۔۔۔ دو مسافر ہیں تلاشِ منزلِ مقصود میں

دیکھنے والوں کی آنکھیں ہوں حقیقت میں اگر ۔۔۔ ہیں کہیں محلوں سے بالا تر ترے کچے مکاں
تو نہیں واقف کہ کہتے ہیں کسے مکر وفریب ۔۔۔ تجھ پہ ہوتا ہے مجھے اکثر فرشتے کا گماں
تجھ کو الفت ہے مویشی سے بھی بچوں کی طرح ۔۔۔ دہر میں قائم ہے تیری ذات سے امن واماں
اپنی محنت کے ثمر وقفِ تمنائے جہاں ۔۔۔ مرحبا اے مردِ میداں صاحبِ ہمت کساں

جوشِ وحشت میں نکل جاؤں کدھر ۔۔۔ مجھ گھیرے ہیں حصارِ صبح و شام

بھید یہ کیا ہے صاف بتادوں ۔۔۔ دنیا کا انصاف بتادوں

محنت کا یہ پھل ہے نیارا ۔۔۔ بھوسہ میرا ناج تمھارا

جس طرح چاہیں زمانہ کو بدل دیں اہلِ دل ۔۔۔ پست ہمت ہیں جنھیں اگلا زمانا چاہیے

کیوں آج شاد ہوں نہ عدوِ اہلِ بیت کے ۔۔۔ آپس میں لڑ رہے ہیں ثنا خوانِ اہلِ بیت
ایثار کی تپش میں گزاریں وہ زندگی ۔۔۔ جن کو ہے فکر سایۂ دامانِ اہلِ بیت

نہ پایا اہلِ عالم نے کسی قلبِ طپیدہ سے　　دیا شبیرؑ نے پیغام جو حلقِ بریدہ سے
کوئی آسان ہے زنجیر چھونا بابِ مقصد کی　　مسافر راستہ بھر موت سے زور آزماتا ہے
زمانہ ٹوکتا رہتا ہے بڑھ جاتے ہیں دل والے　　صبا منہ زوریاں کرتی ہے غنچہ کھل کھلاتا ہے
ارادی قوتیں نقشہ بدل دیتی ہیں دنیا کا　　ثباتِ عزم پر ایک ایک لمحہ سر جھکاتا ہے
سمجھتے ہیں مگر مردِ عمل یہ رازِ مستقبل　　ہمارا ہر عمل ہر قول مستقبل بناتا ہے

کیا حقیقت مرے اشعار کی کیا مقام　　عرشِ خالق سے جہاں آئے درود اور سلام

دردِ ملت بھی رہے شاملِ متاعِ ہوش میں　　پرورش پا کر غمِ شبیرؑ کی آغوش میں

پست ہو دنیا میں ایسا اس کا آئینِ حیات　　ہائے جس ملت کے سر میں ہو غرورِ کربلا
تیری ہی آواز ہوتی وسعتِ کونین میں　　تو سمجھ لیتا جو منشائے ظہورِ کربلا
تیرا ذوقِ آگہی اب تک اسی منزل میں ہے　　چار آنسو تک نہ رہ پائے شعورِ کربلا

ملت میں تفرقہ کا نہ سامان کیجئے　　قرآن کے ورق نہ پریشان کیجئے
جاں دی تھی اتحاد کی خاطر حسینؑ نے　　پورا شہیدِ ظلم کا ارمان کیجئے
کچھ درد سے حسینؑ کے لے کر گدازِ دل　　للہ اپنے دل کو مسلمان کیجئے
سرکارِ دوجہاںؐ کی محبت کے نام پر　　آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے
مرکز بنا کے آج حسینی نشان کو　　دنیا میں اتحاد کا اعلان کیجئے

اب شریفوں کو ہے مزدوری سے عار　　کیا علی سے بڑھ کے ہیں یہ ذی وقار

نجم اسلام حقیقی کبھی مٹنے کا نہیں　　حسین سبز قبا سے ہے نشانِ اسلام

اب اس فضا میں رہنے کو دل چاہتا نہیں　　اب نجم ترک ہند کا سامان کیجئے

میں ہوں وہ نجم درخشاں سپہر مدحت کا　　بغل میں خاکِ دلِ بے قرار لایا ہوں

جو نجم کو کہنا تھا لحوں میں وہ کہہ گزرا　　اب آگے مقدر ہے سمجھو نہ اگر برسوں

شافعِ مطلق ہے تو اور یہ دوائے دردِ دل　　نجم جلد آنکھوں سے یارب شیعہ کالج دیکھ لے

بے سکونِ دل کا عالم بے دلی سے کم نہیں　　نجم بیٹھے کیا ہو کچھ طوفاں اٹھانا چاہیے

اس سے بہتر نجم دنیا میں کوئی تحفہ نہیں　　دوست بھیجیں دوستوں کو ارمغانِ اتحاد

○

(1)

مناجات

اے دل میں دردِ دل کی دنیا بسانے والے　　تطہیرِ غم سے غم کو نعمت بنانے والے
تخئیل کا مصفّٰی دریا بہانے والے　　جذبات کا مسلسل طوفاں اٹھانے والے
اے بات کرنے والے فطرت کی خامشی میں　　شاعر کے آنسوؤں میں اے مسکرانے والے
اے سوزِ دل کے خواہاں دودِ جگر کے گاہک　　آنکھوں میں بیکسوں کی دُھونی رمانے والے
اے طور کے اُجالے بگڑی مری بنا دے　　ایمن کی وادیوں میں باتیں بنانے والے
پندارِ عاشقی کو دے اذنِ باریابی　　خاکسترِ زمیں پر سجدے کرانے والے
میں جی رہا ہوں میری ہمت پہ بھی نظر کر　　بسمل سے زیرِ خنجر آنکھیں لڑانے والے
توفیقِ اشکِ غم سے دامن کو گلکدہ کر　　دامانِ یوسفی کی کلیاں کھلانے والے
ہر موج حسنِ کا رُخ اس دل کی سمت کر دے　　کلیوں میں نکہتوں کے دریا بہانے والے
تکلیف کرنے والے آغازِ عاشقی میں　　تکمیلِ بیخودی میں تشریف لانے والے
آدل کی سادگی میں کچھ اور کر اضافہ　　اے عشق کو وفا کی پٹی پڑھانے والے
موجیں مجھے چھپالیں خونابۂ جگر کی　　اے بادلوں کی تہہ میں بجلی چھپانے والے
کونین طے کرادے ہلکا سا پینگ دیکر　　امید کی فضا میں جھولا جھلانے والے
آ خاکِ آرزو کے ذرّوں میں مسکرا دے　　آغازِ آرزو میں اے مسکرانے والے
اُس در کی رہبری کر ہیں جس کے خادموں میں　　جبرئیل سے فرشتے پیغام لانے والے

دردِ دل

کجا شعر و سخن جینا بھی ہے مشکل ضعیفی میں
کہاں تک ساتھ دیں گے یہ دماغ و دل ضعیفی میں

تقاضا وقت کا تھا اب نہ طولِ داستاں کرتے
زمانہ ہوگیا قومی اداروں میں فغاں کرتے

بہت چاہا ملیں دنیا سے گردِ کارواں ہوکر
ٹھہرنا ہی پڑا کچھ دن یتیموں کی زباں ہوکر

ضرورت ہے کہ ملت ان کو دادِ بے زبانی دے
ذرا سا اپنے حصے کا سرورِ زندگانی دے

اٹھو راحت پسندو ختم دورِ بیخودی کردو
کبھی تو اپنے سامانِ تعیش میں کمی کردو

بھٹک سکتے نہیں منزل سے آیاتِ جلی والے
یتیموں سے بہت کچھ ربط رکھتے ہیں علیؑ والے

پیمبرؐ کی روش عترت کا اندازِ کرم سمجھو
شریعت چاہتی ہے ان کے غم کو اپنا غم سمجھو

صلوٰۃ و صوم بھی برحق ہیں ان حق کا اگر جانا
کہیں زعمِ عبادت میں نہ بے پروا گزر جانا

ہر اک اہلِ عزا جب ان کے غم کا چارہ گر ہوگا
غمِ شبیرؑ میں رونا جبھی کچھ بارور ہوگا

کبھی تقلید اہلِ بیتؑ کو بھی دل مچلتا ہے
کہیں صلوات کے نعروں سے خالی کام چلتا ہے

جنہیں دولت خدا نے دی ہے اس میں ان کی شرکت ہے
غلط مصرف خداوندی امانت میں خیانت ہے

ہم اہلِ بیتؑ کے پیرو ہیں یہ دنیا کو دکھلاؤ
معیشت کی فضا میں ان کو اپنی سطح پر لاؤ

ہماری قوم کا ہر فرد کہلاتا ہے دل والا
یتیموں کو یتیموں کی طرح پالا تو کیا پالا

خبر کیا ہے کسی کو ہے اہم کتنا سوال ان کا
امامِ عصرؑ کے پیشِ نظر رہتا ہے حال ان کا

(3)

مودّت

غرور اگرچہ کسی بات پر نہیں جائز
مگر میں ان کی محبت پہ ہوں ذرا مغرور

وہ خستہ حالِ محبت نہیں میں اے واعظ
کہ جیسے بوجھ اٹھائے ہوئے کوئی مزدور

بہشت بھی نہیں درکار غیر کے ہاتھوں
خوشی ہو ان کی تو دوزخ بھی ہے مجھے منظور

قصوروار ہوں در سے نہ جاؤں گا لیکن
کروں گا مدح سرائی بہ اعترافِ قصور

خدا نصیب کرے میرے ہمصفیروں کو
یہ اعتبارِ محبت یہ امتیازِ غرور

میں خوش ہوں دار پہ بھی کھینچ دے اگر کوئی
مثالِ میثمِ تمار و صورتِ منصور

(4)

عصرِ حاضر

تاریخ ہے گواہ کہ ہر ایک دور میں
کیا متحد رہے ہیں غلامانِ اہلِ بیتؑ

کیوں آج شاد ہوں نہ عدو اہلِ بیتؑ کے
آپس میں لڑ رہے ہیں ثنا خوانِ اہلِ بیتؑ

قربان کر رہے ہیں وہ اغراض پر اصول
کل تک تھے جان و دل سے جو قربانِ اہلِ بیتؑ

ان کا اگر یہ طرزِ عمل ہو تو ہے بجا
حاصل نہیں ہوا جنہیں عرفانِ اہلِ بیتؑ

غیرت نہ آئے گی جو کسی نے کیا سوال
ہوتے ہیں ایسے تابعِ فرمانِ اہلِ بیتؑ

دربارِ اہلِ بیتؑ میں جانا ہوا اگر
کس منہ سے ہوسکیں گے یہ مہمانِ اہلِ بیتؑ

خدمت ہو پُرخلوص محبت ہو پُر خلوص
وہ نذر چاہیے جو ہو شایانِ اہلِ بیتؑ

ایثار کی تپش میں گزاریں وہ زندگی
جن کو ہے فکر سایۂ دامانِ اہلِ بیتؑ

(5)

حسینؑ پیغام

بہت کچھ فطرتِ مامور نے کی عالم آرائی　　یہ اندازِ کلیمی اور یہ اعجازِ مسیحائی
سیاست نے بہت دنیا پہ شمشیر جفا تولی　　ہزاروں دلنشین لہجوں میں حکمت نے زبان کھولی
تمدن نے سنائے زندگی کے بارہا نغمے　　بہت گونجے فضا میں بانسری کے دلربا نغمے
بجاتے اپنا ڈنکا فلسفہ کے مسئلے آئے　　کتابِ عقل و دانش لیکے لاکھوں منچلے آئے

نہ پایا اہلِ عالم نے کسی قلبِ طپیدہ سے
دیا شبیرؑ نے پیغام جو حلقِ بریدہ سے

(6)

مستقبل

زمانہ فتنہ پرور دور سے آنکھیں دکھاتا ہے　　دلِ ہمت نشیمن دیکھتا ہے مسکراتا ہے
نظر آتے ہیں خوں آشام جب آثار منزل کے　　جری انگڑائیاں لیتا ہے بزدل تھرتھراتا ہے
کوئی آسان ہے زنجیر چھونا بابِ مقصد کی　　مسافر راستہ بھر موت سے زور آزماتا ہے
زمانہ ٹوکتا رہتا ہے بڑھ جاتے ہیں دل والے　　صبا منہ زوریاں کرتی ہے غنچہ کھل کھلاتا ہے
سمجھتا ہے اُسے اپنا مقدر صاحبِ ہمّت　　جبینِ آسماں پر جو ستارہ جگمگاتا ہے
ارادی قوتیں نقشہ بدل دیتی ہیں دنیا کا　　ثباتِ عزم پر ایک ایک لمحہ سر جھکاتا ہے

لرزجاتی ہے دورِ جبر و استبداد کی قوت حقارت کے تبسم کی جہاں بجلی گراتا ہے
نکل جاتے ہیں خود رہِ طلب کے پیچ وخم یکسر وہ سیدھی رہ کہلاتی ہے جس رستہ سے جاتا ہے
گزر جاتے ہیں کتنے راہزن طوفان کترا کر تلاطم دم بخود رہتا ہے فتنہ جی چراتا ہے
فلک قدموں پہ گرجاتا ہے جب تیور بدلتے ہیں زمیں دولت اگل دیتی ہے جب ٹھوکر لگاتا ہے
سیاہی خود الٹتا ہے ورق تاریخِ عالم کا لگاکر مہر اپنے خون کی خود مسکراتا ہے
حسابِ وقت کیسا انتظار وقتِ کیا معنی خود اپنا دستِ قدرت وقت کا پردہ اٹھاتا ہے
سمجھتے ہیں مگر مردِ عمل یہ رازِ مستقبل
ہمارا ہر عمل ہر قول مستقبل بناتا ہے

(7)

سن اکسٹھ

سن اکسٹھ ہو کہ باسٹھ ہو ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہاں تک ہے طبیعت میں حقیقت کی پذیرائی
اثر کتنا لیا کتنی بنائی زندگی اپنی بہت تقریر کی اب تک بہت تحریر چھپوائی
بہت آہیں بھریں سُن کر وفا عباسؑ غازی کی بہت روئے تڑپ کر زیرِ منبر سب تولائی
کہا ایک ایک نے مڑ مڑ کے اپنے ہم نشینوں سے ہمیں واللہ مولانا نے کیا تقریر سنوائی
گرے دو چار آنسو ہوگئی کچھ معرفت حاصل خدا شاہد ہے یہ مجلس ہمیں بے حد پسند آئی
مقرّر کی طرف گھبرا کے آنسو پونچھتے پہنچے لپک کر دست بوسی کی زراہِ قدر افزائی
چلے جب اٹھ کے مجلس سے تو دل میں یہ تصوّر تھا
کہ زک اس مسئلے میں کس طرح بھائی کو دے بھائی

پیام

مزاج شعلہ سے پیدا ہو برگ و یاسمن اب بھی ۔۔۔ جوانوں کی نوا میں ہے وہ اعجازِ چمن اب بھی
مٹا دے جو غرورِ خسروی کو اے خدا والے ۔۔۔ ترے بازو میں ہے وہ قوتِ خیبر شکن اب بھی
زمینِ کربلا میں جس خدا والے کا گھر لوٹا ۔۔۔ اُسی سے رزم آرا ہیں خدایانِ وطن اب بھی
شہیدانِ وفا نے خوں بہایا اس طرح حق پر ۔۔۔ کہ سرسبز و نشاط انگیز ہے دیں کا چمن اب بھی
اُٹھ اور اُٹھ کر جہادِ حیدرؑ کی یاد تازہ کر ۔۔۔ کہ تیری راہ میں ہیں سومناتانِ وطن اب بھی
مزاجِ کبر و نخوت کے پرستار و خبر بھی ہے ۔۔۔ جوانوں کے دلوں میں بجلیاں ہیں موجزن اب بھی
یہ کس مردِ خدا نے طاقتِ طاغوت کو توڑا ۔۔۔ ہے مرعوبِ وقارِ نوعِ انساں اہرمن اب بھی
خلوص و عزم و استقلال سے چلنا اگر سیکھیں ۔۔۔ جواں مردوں کے ہاتھوں میں ہے تقدیرِ زمن اب بھی

جہاں شبیرؑ نے مکیاولی طاقت کو توڑا تھا
پیامِ امن دیتا ہے زمانے کو وہ بن اب بھی

نشانِ اسلام

حُسنِ صورت ہی سے اسلام کا ملتا ہے پیام — اس کے دل اس کی زباں اس کی نظر سے اسلام
کوئی آگاہ نہیں علمِ الٰہی کے سوا — کس کی ہمت ہے معیّن جو کرے اس کا مقام
کیا حقیقت مرے اشعار کی کیا میرا مقام — عرشِ خالق سے جہاں آئے درود اور سلام
حسنِ سبز قبا نازشِ دینِ اسلام — دین اسلام ترے صبر و تحمّل کا ہے نام
کام بھی فطرتِ انساں میں ہے آرام بھی ہے — تیرے صدقے میں سحر ترے تصدق میں ہے شام
آج دنیا میں بہت شور مساوات کا ہے — یہ مساوات ہے تیرے ہی عمل کا پیغام
کیا دلِ بانیِ اسلام کا عالم ہوگا — کب سے جھگڑوں میں ہے آپس کے یہ مذہب بدنام
سب کو منظور ہیں صدیوں سے جو ہیں رسم و رواج — کیوں نیا فتنہ اٹھائے کوئی شہرت کا غلام
متحد ہیں تو فقط ایک ہی خوش فہمی ہے — اپنی دانست میں ہر فرقہ ہے فردوس مقام
ذکر اوروں کا ہے کیا تفرقے اپنوں میں بھی ہیں — لغزشِ فکر سے افراد ہیں کتنے تہہ دام
اپنے حلقہ سے ہے باہر جو ادیب و شاعر — فرد کامل ہے مگر اس کے سخن میں ہے کلام
علما میں بھی ہیں کچھ طالبِ شہرت ایسے — قوم کے نفع سے مطلب نہ ہے نقصان سے کام
کیا اسی دن کے لیے تھا یہ خدائی پیغام — ایک اسلام کے ہو جائیں بہتر اسلام
اختلافات یقینی ہیں یہ صورت ہو جہاں — پھر تعصب کے بخارات کا بھی ہے سرسام
دل میں کیوں آتا ہے آخر یہ عقیدہ کا سوال — یعنی دنیا کے مسائل میں ہے کیا اس کا مقام
ٹوٹتی جاتی ہے قوت یہ خبر ہے لیکن — سب گوارا ہے نکلتا ہو جو اپنا کوئی کام

کچھ حکومت میں ہو اعزاز کی امید کہیں ذبح کردیں گے اگر بیچ میں آئے اسلام
اس سے بڑھ کر جو دل آویز ہو صورت کوئی تو نمازوں کے فریضہ کو بھی بندہ کا سلام
حاشیہ جو بھی بنادے انہیں خوش ہیں ایسے ان خطابوں کو سمجھتے ہیں خدا کا پیغام
اہل ہیں جو کسی منصب کے انہیں فکر نہیں وہ خطابوں سے گراں بار بناتے نہیں نام
اللہ اللہ حق آلِ پیمبرؐ کے لیے جزوِ ایماں ہو جہاں مجلس و ماتم کا قیام
اپنے مطلب میں نہ رکھیں حق و باطل کا خیال دوسروں کے لیے ہے صرف یہ مہلک الزام
مسئلہ ہی نہیں کوئی حق و ناحق کے سوا اسی بنیاد پہ ہے مذہب حقہ کا نظام
قوم مٹ جائے گی آپس ہی میں لڑتے مرتے ہے مگر آل محمدؐ کی حکومت کو دوام

نجم اسلام حقیقی کبھی مٹنے کا نہیں
حسنِ سبز قبا سے ہے نشانِ اسلام

(10)

ارے...........

لگی جو راہ میں سرمایہ دار کو ٹھوکر وسیع ہوگئی ہمدردیوں کی راہ گذر
کسی نے ہیٹ اٹھایا کسی نے پاکٹ بک ہر ایک سمت سے جیسے اُبل پڑے نوکر
بہت خفیف سی چہرہ پہ آگئی جو خراش تو شاہراہ سے تا اسپتال تھا محشر
بندھا وہ بنگلہ پہ تانتا مزاج پرسی کا کہ زندگی اُسے دو روز ہوگئی دوبھر
اُسی سڑک پہ تھا اک دن رواں دواں مزدور کچل گئی اسے سرمایہ دار کی موٹر

پولس نے لاش اٹھائی سڑک کو صاف کیا
خموش ہوگئی دنیا فقط ''ارے'' کہہ کر

(11)

بانیِ مجلس

بانیِ مجلس خدا تجھ کو جزائے خیر دے
خیر کی توفیق بے حد یہ بنائے خیر دے

ہو ترا ذوقِ عمل تقلیدِ انصارِ حسینؑ
دل قوی جذبہ سلامت اے عزادارِ حسینؑ

نبض کی رفتار میں حُر کے ارادہ کی روش
خون میں عزم حبیب ابن مظاہر کی روش

اُسوۂ شبیرؑ کے سایہ میں دم لینا نصیب
دوش پر ملت کی عظمت کا علَم لینا نصیب

پھول سے ہلکا رہے زحمتِ گرانبارِ حیات
کھول دے رازِ شہادت تجھ پہ اسرارِ حیات

مسلمؑ ابنِ عوسجہ کا حوصلہ ہو راہبر
باندھ لے شالِ عزا سے اپنی ہمت کی کمر

دردِ ملت بھی رہے شاملِ متاعِ ہوش میں
پرورش پا کر غمِ شبیرؑ کی آغوش میں

(12)

آہ تسنیم

وہ دن بھی عجب دن تھے جب گھر میں یہ دولت تھی
تسنیم مری بچی سرمایۂ راحت تھی

کیا اس کو خبر کتنی بابا کو محبت تھی
وہ سب سے تھی بے پروا وہ اک گلِ جنت تھی

کس دل سے غریبوں پر یہ ظلم کیا تو نے
کس پھول کو توڑا ہے اے دستِ قضا تو نے

ماں باپ تصور میں بے جان سے بیٹھے ہیں
باتوں کے کلیجہ میں نشتر ہیں کہ چبھتے ہیں

اس غم کو وہ سمجھیں گے جو درد کے مارے ہیں
بستر ہے کہیں رکھا کپڑے کہیں رکھے ہیں

یوں کنجِ لحد اُس کو آغوش میں جا دینا
آغوش کا مادر کی انداز دکھا دینا

ننھا سا مسافر ہے آرام ذرا دینا
سونے سے اگر چونکے بہلا کے سلا دینا

میں تجھ پہ تصدق اے تسنیم کے گہوارے
سب دور ہیں کون اس پر اب جان و جگر وارے

نوٹ: یہ نظم تجمل آفندی نے اپنی بیٹی کے انتقال پر کہی تھی۔

غرورِ کربلا

کچھ خبر ہے تجھ کو اے پروانہ بے بال و پر　　روشنی دیتی ہے کب سے شمع طورِ کربلا
ذہنیت میں آج تک باقی ہے کیوں یہ تیرگی　　جلوہ گر ہے جب دماغ و دل میں نورِ کربلا
ہوگیا بیدار دس دن کو اگر جذبہ تو کیا　　طے نہ ہوگی اس طرح سے راہِ دورِ کربلا
بر بنائے ہوش ہوگا کب ترا جوشِ عمل　　کربلا پھر چاہتا ہے کیا حضورِ کربلا
تیری ہی آواز ہوتی وسعتِ کونین میں　　تو سمجھ لیتا جو منشائے ظہورِ کربلا
تیرا ذوق آگہی اب تک اسی منزل میں ہے　　چار آنسو تک نہ رہ پائے شعورِ کربلا

پست ہو دنیا میں ایسا اس کا آئینِ حیات
ہائے جس **ملت** کے سر میں ہو غرورِ کربلا

اعلانِ اتّحاد

ملّت میں تفرہ کا نہ سامان کیجئے　　قرآن کے ورق نہ پریشان کیجئے
جان دی تھی اتحاد کی خاطر حسینؑ نے　　پُورا شہید ظلم کا ارمان کیجئے
یوں محنتیں کسی کی ملاتے ہیں خاک میں　　اس طرح اُس کے غم کو نہ مہمان کیجئے
حل کی ہیں جس غریب نے سر دے کے مشکلیں　　مشکل اب اُس پہ آئی ہے آسان کیجئے
سُنیے صدائے خونِ شہیدانِ کربلا　　آراستہ نہ جنگ کا میدان کیجئے
لُوٹے ہوئے ریاضِ پیمبرؐ کا واسطہ　　اسلام کے چمن کو نہ ویران کیجئے
ظلم اُس پہ دشمنوں کے کوئی کم نہیں ہوئے　　پیدا نہ آپ ظلم کا عنوان کیجئے
اصغرؑ کے سن کو دیکھئے اور اُس کی موت کو　　اِک بے زباں کی رُوح پہ احسان کیجئے
کچھ درد سے حسینؑ کے لے کر گدازِ دل　　للہ اپنے دل کو مسلمان کیجئے
سرکارِ دو جہاں کی محبت کے نام پر　　آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے
دشمن بہت ہیں ملتِ بیضا کے دہر میں　　مٹنے کا آپ اپنے نہ سامان کیجئے
مرکز بنا کے آج حسینیؑ نشان کو　　دنیا میں اتحاد کا اعلان کیجئے

اب اس فضا میں رہنے کو دل چاہتا نہیں
اب نجمؔ ترکِ ہند کا سامان کیجئے

مزدوری اور اس کا مصرف

گرد کا ہے اور نہ بادل کا نشاں صاف سُتھرا ہے عرب کا آسماں
دوپہر کا وقت گرمی کا شباب ضو فشاں وسطِ سما میں آفتاب
دور سے ظاہر حجازی شان ہے سامنے خرموں کا نخلستان ہے
تازگی ہے پتہ پتہ سے عیاں آب پاشی کررہا ہے اک جواں
آستیں کُہنی تلک تانے ہوئے دامنوں کو اپنے گردانے ہوئے
رنج غربت کی نہیں ہے چھاؤں تک سر سے بہتا ہے پسینہ پاؤں تک
نام وہ جس کی دو عالم میں نمود صورت ایسی بھیجئے جس پر درود
کوئی فکرِ تاج فغفوری میں ہے اور یہ خوش اپنی مزدوری میں ہے
دل میں ہوگے تم یہی سمجھے ہوئے ہے یہ محنت اپنے بچوں کے لیے
آرہا ہے دیکھ لو وہ حق شناس کچھ فقیرانِ عرب ہیں آس پاس
ان کی خاطر تھی مشقت سر بسر بانٹتا ہے اپنی محنت کے ثمر
تا درِ دولت یہ مجمع ساتھ تھا گھر میں جب پہنچا تو خالی ہاتھ تھا

اب شریفوں کو ہے مزدوری سے عار
کیا علیؑ سے بڑھ کے ہیں یہ ذی وقار

خلوصِ فکر

دیارِ ہند سے دل داغدار لایا ہوں　　امیدِ یک نگہہ شہریار لایا ہوں
تمام نکہت و نُزہت تمام غنچہ و گل　　میں اپنے باغِ سخن کی بہار لایا ہوں
سبھی ہیں آپ کے شاعر فصیح تا بہ سہیل　　ثنا کا سلسلۂ اُستوار لایا ہوں
پھرا کے رُوئے تمنّا زر و جواہر سے　　ہر ایک شعر جواہر نثار لایا ہوں
جو مدح کی ہو کبھی غیر کی زباں جل جائے　　خلوصِ فکر کے پھولوں کا ہار لایا ہوں
کسی سے ربط نہیں رشتۂ عقیدت کو　　میں اپنا دامنِ دل تار تار لایا ہوں
نہ آرزوئے جناں ہے نہ حسرتِ کوثر　　عجب طبیعتِ مدحت شعار لایا ہوں
خدا کا گھر ہے مگر نام آپ کا لے کر　　فرازِ عرش سے تارے اُتارے لایا ہوں
بڑی جسارت بیجا ہے حاضری میری　　کہ اپنے سر پہ گناہوں کا بار لایا ہوں
سزا قبول مجھے جرأتِ حضوری کی　　میں اپنے دل پہ بہت اختیار لایا ہوں
مجالِ سجدہ نہیں اضطرارِ سجدہ ہے　　یہ ایک جذبۂ دیوانہ وار لایا ہوں
حضورِ داد طلب صبر و ضبط ملّت ہے　　کہ منتظر کا غمِ انتظار لایا ہوں
علم بدوش بہت خانماں بدوش ہیں اب　　عجب حکایتِ ناخوشگوار لایا ہوں
تمام قوم ہے احساسِ کمتری کی اسیر　　شکایتِ ستمِ انکسار لایا ہوں
کسی میں اسوۂ انصار کی جھلک نہ ملی　　متاعِ گریۂ لیل و نہار لایا ہوں
نمائشیں ہیں عزا میں کمی خلوص کی ہے　　یہ درد درد کے پروردگار لایا ہوں
غرورِ اہلِ دول افتراقِ علم و عمل　　تمام رازِ نہاں آشکارا لایا ہوں
رئیسِ علم بھی ہیں صیدِ اقتدار بہت　　غریب ہوں گلۂ اقتدار لایا ہوں
میں ہوں وہ نجم درخشاں سپہر مدحت کا　　بغل میں خاکِ دلِ بیقرار لایا ہوں

روحانی گورنمنٹ سے اپیل

فقیر خوار ہے اک تجھم کی حقیقت کیا
کہ دم بخود ترے آگے ہیں ظلِ سبحانی

خطا معاف مگر اب نہیں ہے ضبط کی تاب
کہ اپنی حد سے بھی کچھ بڑھ گئی پریشانی

ضدیں اُٹھاتا ہے تو آپ اپنے بندوں کی
پھر اس پہ ناز کریں کیوں نہ انسی و جانی

تجھے خبر ہے گزرتی ہے جو غریبوں پر
چھپا ہُوا نہیں کچھ تجھ سے دردِ پنہانی

نہ اب ہیں قحط کے لائق نہ جنگ کے قابل
بہت ہوئی ترے بندوں کی خانہ ویرانی

اُٹھا ان آنکھوں سے طوفان اشکِ حسرت کا
نہ آئی کیوں ترے بحرِ کرم میں طغیانی

جسے بھی دیکھئے رنج و الم کی ہے تصویر
ہوئے ہیں دہر سے معدوم خندہ پیشانی

مصیبتیں جو ہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے
بنے ہیں بندۂ آزاد شکلِ زندانی

اُٹھے ہوئے ہیں دعاؤں کو سوکھے سوکھے ہاتھ
دکھاوے قحط میں لطف و کرم کی ارزانی

زیادہ حدِ ادب رُک گئے زبان و قلم
مخاطب اپنا نہیں کوئی گوشِ انسانی

چہ حاجت است بہ پیشِ تو حالِ دل گفتن
کہ حالِ خستہ دلاں را تو خوب می دانی

دل کے ٹکڑے

ہم سا بھی نہ بدقسمت عالم میں کوئی ہوگا　　فریاد رہی اپنی محتاجِ اثر برسوں
ہو داد طلب کس سے حسرت زدگی دل کی　　ترسا کیا درماں کو کیا دردِ جگر برسوں
ہم چشمِ زمانہ میں کھٹکا کیے مدت تک　　ہم سے رہی برگشتہ دنیا کی نظر برسوں
ہم ہیں کہ زمانے کی مشقِ ستم ہم پر　　ہم ہیں جو رہے وقفِ شمشیر و تبر برسوں
بربادی نے مدت تک کی اپنی ہوا خواہی　　آباد کیا ہم نے ویرانی کا گھر برسوں
گیتی کی بلائیں تھیں گردوں کی جفائیں تھیں　　دونوں نے کیا مل کر کیا زیر و زبر برسوں
دیواروں میں چنوایا زندہ کبھی جلوایا　　بیداد رہی ہم پہ یہ آٹھ پہر برسوں
زندانِ بلا اپنے منّت کشِ ہستی ہیں　　خالی نہ رہے ہم سے اک دن بھی یہ گھر برسوں
ہم دفترِ ہستی میں اوراقِ پریشاں تھے　　ملتی تھی نہ بھائی کو بھائی کو خبر برسوں
آرام سے کب گزری آرام سے کب بیٹھے　　پھرتے رہے دنیا میں ہم خاک بسر برسوں
مشہور ہے عالم میں بے بال و پری اپنی　　آزادی پہ ڈالی ہے حسرت سے نظر برسوں
اب اپنے ہی ہاتھوں سے ہوتا ہے ستم ہم پر　　ممنون رہے پہلے غیروں کے اگر برسوں
اس عہد میں بیٹھے تھے دو چار ذرا مل کر　　مانگی تھی دعا دل سے جب شام و سحر برسوں
اللہ کی قدرت سے دیکھا تھا یہ دن ہم نے　　جس کا نہ گماں بھی تھا یاں پیشِ نظر برسوں
ہے قہر کہ ان میں بھی یوں تفرقہ پڑ جائے　　مل بیٹھنے کو ترسیں جو آٹھ پہر برسوں
کچھ دن کی ریاضت تھی جس پر کہ ستم ٹوٹا　　یہ داغ نہ جائے گا سینہ سے مگر برسوں
یہ صدر کا جھگڑا کیا سب صدر ہی ہیں ہم میں　　ایسے جو اُٹھے فتنے کم ہوگا نہ شر برسوں
کچھ تجم بھی کہتا ہے کچھ تجم کی بھی سُن لو　　تازہ ہے ابھی قصہ پیٹو گے سر برسوں
تم خونِ جگر سے بھی سینچو گے اگر اس کو　　یہ نخل نہ لائے گا اس طرح ثمر برسوں

کرنا ہے جو کچھ تم کو مل جاؤ پھر آپس میں   بس آج کہ کل پرسوں گزریں نہ مگر برسوں
خود مطلبیاں چھوڑو خود غرضی سے منہ موڑو   حالت نہیں ہونے کی پھر نوع دگر برسوں
مل جُل کے زمانے میں جو چاہو گے کرلو گے   یوں کچھ بھی نہیں ہوگا چاہا کرو کر برسوں
برٹش کی حکومت میں پائی ہے یہ آزادی   واجب ہے کریں اُس کا ہم شکر اگر برسوں
اشعار نہ کہہ دینا ٹکڑے ہیں مرے دل کے   ہے درد تو جائے گا دل سے نہ اثر برسوں
جو تجھ کو کہنا تھا لحموں میں وہ کہہ گزرا   اب آگے مقدر ہے سمجھو نہ اگر برسوں

ہے کانفرنس اپنی امیدوں کا سر چشمہ
اللہ رکھے قائم اس کو بارہ برسوں

(19)

دردِ دل

کون سنتا ہے کسے کوئی سنائے دردِ دل   ہے عجب پُر درد قصہ ماجرائے دردِ دل
بھا گئی ہے اس قدر دل کو ادائے دردِ دل   مدتوں سے دل اُٹھاتا ہے جفائے دردِ دل
خونِ دل برسوں سے ہے ہمدم غذائے دردِ دل

ایسی شدت تھی نہ پہلے اس بلا کا درد تھا   کرب تھا اتنا نہ بےچینی نہ ایسا درد تھا
ہوک سی اُٹھتی تھی کچھ کچھ تھوڑا تھوڑا درد تھا   ہلکی ہلکی سی چمک تھی میٹھا میٹھا درد تھا
یاد ہے مجھ کو جو کچھ تھی ابتدائے دردِ دل

تیز ناخن بن گئی اب مجھ کو ہستی درد کی   چین ہی لینے نہیں دیتی ہے شوخی درد کی
اک زمانہ سے کہی میں نے کہانی درد کی   میں نے کس کس کو دکھائی سینہ کاوی درد کی
میں نے کس کس کو سُنایا ماجرائے دردِ دل

درد کی شدت ہو جب ہمدرد ملتا ہے کہاں   آہ و نالہ نے دکھائیں کیسی کیسی گرمیاں
تھک گیا اپنا اثر دکھلا کے جب سوزِ نہاں   لے ہی آیا واہ واہ اے قاصد اشکِ رواں
ڈھونڈھ کر پنجاب سے اک آشنائے دردِ دل

مٹ گئی باتوں پہ دنیا اس بلا کا سحر تھا   کچھ حسینوں کی نظر سے ملتا جُلتا سحر تھا
میں یہ کہتا ہوں کوئی اعجاز تھا یا سحر تھا   اُس کی باتوں میں خدا ہی جانے کیسا سحر تھا
چل گئی سارے زمانہ میں ہوائے دردِ دل

سر ہتھیلی پر لیے جاتے ہیں ساماں ڈھونڈ نے   شمع ہاتھوں میں لیے نکلے شبستاں ڈھونڈ نے
داغِ دل لے کر چلے جائے چراغاں ڈھونڈ نے   درد پیدا کر کے نکلی قوم درماں ڈھونڈ نے
اہلِ دل جو تھا وہی تھا مبتلائے دردِ دل

بے خبر جب تھا تو یہ ہمدردیاں تھیں نا گوار   درد کو بے درد بن کر کوستا تھا بار بار
کیا خبر تھی یہ خزاں کے بھیس میں ہوگی بہار   دردِ دل کے میں تصدق دردِ دل کے میں نثار
شیعہ کالج کی بِنا نکلی بنائے دردِ دل

علم کے پھولوں سے بھر جائے گا داماں ایک دن   داغِ دل بن جائیں گے اپنے گلستاں ایک دن
ہوگا ان ہاتھوں ہی سے کالج کا ساماں ایک دن   درد بڑھتے بڑھتے بن جائے گا درماں ایک دن
عید ہوگی جب کہ ہوگی انتہائے دردِ دل

کام آئے قوم کے ہر دل میں ایسا درد دے   قوم کی خدمت کو اُس کا بچہ بچہ چل پڑے
تو اگر چاہے تو دم میں آرزو پوری کرے   نجم جلد آنکھوں سے یارب شیعہ کالج دیکھ لے
شافیٔ مطلق ہے تو اور یہ دوائے دردِ دل

درِّ یتیم

(یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہشتم منعقدہ الہ آباد میں حشر برپا کر رہا تھا اور جس پر عالیجناب راجہ سید ابو جعفر صاحب مدظلہ العالی تعلقہ دار پیر پور (اودھ) نے ساڑھے چار ہزار روپیہ نچھاور کر دیا)

مائلِ حسرت بیانی ہے دلِ حسرت نواز چین سے رہنے نہیں دیتا ہے یہ سوز و گداز
تم سے کہنا ہے مجھے اک بے مزہ ہستی کا راز یہ سمجھ لینا نہ لیکن ہے زباں اس کی دراز
دردِ دل کی وجہ سے کچھ درد ہے آواز میں
ہاں خلل میں ڈالنے آیا ہوں خوابِ ناز میں

یوں تو برسوں ہو گئے اس طرح سے جیتے ہوئے سال بھر گزرا ہے لیکن خونِ دل پیتے ہوئے
ناولوں پر تو بہت کچھ آپ ہیں گیتے ہوئے یہ بھی سُن لیں غور سے قصے جو ہیں بیتے ہوئے
شاعری نازک خیالی خوش بیانی یہ نہیں
غم زدوں کا قصۂ غم ہے کہانی یہ نہیں

سچ کہو تم کو بھی ہے کچھ اس حقیقت پر نظر کس کی فریادوں میں ہے صورِ قیامت کا اثر
کس کی آہوں سے لرزتا ہے فرشتوں کا جگر کس کی آنکھوں میں ہیں آنسو صبحِ محشر کی خبر
رنج اور غم ہم نوالے ہم پیالے کس کے ہیں
عرشِ خالق جو ہلا دیتے ہیں نالے کس کے ہیں

کس کا دل ہے وہ کہ جس میں اٹھتی ہی رہتی ہے ہوک رحم کے قابل ہے کس کے ساتھ قسمت کا سلوک
آسماں کرتا نہیں کس کے مٹا دینے میں چوک کس مپرسی میں بسر کرتی ہے کس کی پیاس بھوک
داغِ غم قلب و جگر میں دوہرے تہرے کن کے ہیں
جو سدا اترے ہوئے رہتے ہیں چہرے کن کے ہیں

کون ہے کوئی نہیں جس نے لڑکپن کی بہار　　کون ہے دیکھی نہیں جس نے کبھی ماں کی کنار
کون ہے جس نے بزرگوں کا نہ جانا لاڈ پیار　　کس کو گھر پیدا نہیں ہے زیرِ چرخِ کج مدار

رات کے سونے کو فرشِ بوریا ملتا نہیں
لاڈلے بچوں میں کس کو کھیلنا ملتا نہیں

اپنے ہی دل کو چھری ہے کس کے ماتھے کی شکن　　شامِ غربت سے بھی بدتر کس کی ہے صبحِ وطن
عید کے کپڑے ہیں کس کے جیسے مفلس کا کفن　　کس کی خاطر ہیں جہاں میں سیکڑوں خاطر شکن

اس بھری دنیا میں کس پر مہرباں کوئی نہیں
اُن کو کیا کہتے ہیں جن کے باپ ماں کوئی نہیں

غور سے کرنا ذرا دارالیتامیٰ پر نظر　　کس قدر تم سے ہی وابستہ ہیں ایسے نوحہ گر
یہ خدا جانے کہ پھرتے ہوں گے کتنے دربدر　　تم سا خوش قسمت نہ ہوگا کوئی قصہ مختصر

مل گئی جنت جو ان کی سرپرستی مل گئی
خوش نصیبی کے ولی کیا جنس سستی مل گئی

مائل لطف و کرم تیور جو پائے آپ کے　　اپنی امیدیں لیے دامن میں آئے آپ کے
کون ہے مظلوم بچوں کا سوائے آپ کے　　پالنے کو غیر آئیں گے بجائے آپ کے

ان کو ہاتھوں سے نہ کھونا یہ گہر انمول ہیں
مختصر یہ ہے کہ فردوسِ بریں کا مول ہیں

صورتِ تصویر ہیں بچوں کی صورت دیکھئے　　سر سے پا تک ہیں مجسم شکلِ حسرت دیکھئے
منہ سے کچھ بھی کہہ نہیں سکتے ہیں غربت دیکھئے　　دیکھ کر ان کو پھر اپنی دل کی حالت دیکھئے

ڈھونڈتے ہیں ماں کا زانو دستِ شفقت باپ کا
ان کی آنکھیں غور سے منہ دیکھتی ہیں آپ کا

پوچھتے ماں باپ سے ان کے تم ان کی حسرتیں　　زندگی میں ان کی ہوتیں ان کی کیا کیا چاہتیں
ان کی راحت پر تصدق کرتے اپنی راحتیں　　سینکڑوں دن بھر میں ان کی مانی جاتیں منتیں

مرنے والوں پر یہی سب ناز کرتے سینکڑوں
ان کے سر سے روز شب صدقے اُترتے سینکڑوں

کون اب ان کے بناؤ کا کرے ارمان وشوق   کس کو اتنی چاہ ہوگی کس کو ہوگا اتنا ذوق
لاڈلے بچوں پہ یہ کمبخت کیا لیجائیں فوق   ہیکلیں ہیں ان کے سینہ پہ نہ گردن میں ہیں طوق
ہوگئیں ان کے لیے قصہ کہانی منتیں
ان کے جینے کی کسی نے بھی نہ مانی منتیں

ہوگئی ہے قحط سے تعداد بچوں کی دو چند   سال بھر سے قوم کا دستِ سخاوت بھی ہے بند
بامِ مقصد سے بہت نیچی ہے ہمت کی کمند   شرم آتی ہے کہ رہتے ہیں یہ بیکس دردمند
آپ کے گھر ان کو ہے آرام یا تکلیف ہے
نام ہے سب آپ ہی کا آپ کی تعریف ہے

بیکسی پر ان کی روئیں کیوں نہ آنکھیں مثلِ ابر   ان کے رہنے کے مکاں سے ہے خجل تنگیِ قبر
چین جاڑے میں کسی کو اور نہ گرمی میں ہے صبر   آپ ہی فرمایئے کب تک اُٹھائیں دل پہ جبر
کیا غضب ہے بن نہیں چکتا کہاں بننے کو ہے
مدتوں سے سنتے آتے ہیں مکاں بننے کو ہے

موسمِ گرما نہیں اب آگئے جاڑوں کے دن   مخمل و کمخواب میں اہلِ دول ہیں مطمئن
آپ ہی بتلائیں ان کے سردی کھانے کے ہیں سن   پوچھتا ہوں سارے شیعوں سے جواں ہوں یا مُسِن
دیکھ سکتی ہے کن آنکھوں سے حمیت آپ کی
جاڑے سے بچوں کے دل کانپیں لحد ماں باپ کی

ہے انہیں آفت زدوں کے حال پر موقوف کیا   سچ تو یہ ہے قوم کی بگڑی ہوئی ہے کچھ ہوا
منہ سے سب کچھ کہہ دیا پورا نہ کچھ بھی ہوسکا   ہے نشاں اسکول کا اب تک نہ کالج کا پتا
کس لیے اغیار کو ہنسنے کا موقع دیجئے
بات جب منہ سے نکالی ہے تو پوری کیجئے

مدتوں غفلت رہی اب ہوش میں بھی آیئے   جھوٹ کہتا ہوں اگر سو مرتبہ جھٹلایئے
کام کیا ابتک کیے ہیں قوم نے گنوایئے   پچھلے سالوں جو رہی وہ بات ہی فرمایئے
کیا تماشا ہے نیا ہر روز غم ہوتا رہے
جس قدر دن بڑھتے جائیں جوش کم ہوتا رہے

جو ارادہ ہے وہ اس اجلاس تک محدود ہے
آپ یاں جب تک ہیں دل میں جوش بھی موجود ہے
جب نتیجہ کچھ نہیں بیکار ہے بے سود ہے
عود جب خوشبو نہ دے ہیزم ہے وہ یا عود ہے
جان شیریں تک مٹا دیں گے یہ تہیہ کر گئے
یاد پھر کچھ بھی نہیں رہتا جب اپنے گھر گئے

ایک مرکز پر کوئی شیعہ نہیں یہ حال ہے
کچھ نیا انداز ہے اور کچھ پُرانی چال ہے
قوم کے کاموں میں بھی مطلب کی قیل وقال ہے
روٹیوں کے ساتھ ساتھ اخلاص کا بھی کال ہے
قوم کے برباد کرنے کا ذریعہ رہ گئے
بات کہنے کی نہیں کہنے کے شیعہ رہ گئے

ہیں کچھ اپنی قوم میں ایسے امیرانِ اجل
ساری دنیا سے نرالا جن کا ہے طرزِ عمل
کام میں اغیار کے دیتے ہیں چندہ بے محل
قوم منہ تکتی ہے وہ اوروں سے ہیں دست وبغل
چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کے معالج بن گئے
اس قدر چندے دیے اسکول کالج بن گئے

چھوڑتی ہے ان کا پیچھا کب خطابوں کی ہوس
جتنی دولت ہے اسی میں صَرف ہوجاتی ہے بس
آنریبل ہوں کہیں یہ آرزو ہے ہر نفس
جان بھی جائے تو اس میں کچھ نہ ہوگا پیش وپس
اس سے مطلب ہی نہیں ہے قوم کا کچھ کام ہو
اپنی عزت ہو جہاں میں نام ہو آرام ہو

آپ کی بے اعتنائی کی جو یہ حالت رہی
آخرش عہدے سے مستعفی ہوئے ہیں سیکرٹری
بن رہی تھی جو مسلمانوں کی یونیورسٹی
اُس میں جو چندہ دیا آنا وہ اپنے کام ہی
مفت یہ نقصان اُٹھایا کچھ نتیجا بھی ہوا
کب کی ٹھنڈی ہوچکی وہ مر کے تیجا بھی ہوا

کہتے کہتے قصۂ غم ہوگیا مطلب سے دور
اِن اسیرانِ ستم کا حال کہنا تھا ضرور
جی میں جو آئے وہ کہیے پر یہ سُن رکھیے حضور
صاف کہتا ہوں خطا اس کو سمجھیے یا قصور
دل جلوں کا نالۂ غم رائگاں ہوتا نہیں
یا زمیں ہوتی نہیں یا آسماں ہوتا نہیں

ان کی وقعت کیجئے ان سے محبت کیجئے ان میں سیّد ہیں بہت سے ان کی عزت کیجئے
اپنے بچوں سے زیادہ ان سے الفت کیجئے سرخرو پیشِ نبیؐ جانے کی صورت کیجئے
یہ سمجھ لیجے کہ ہیں ماں باپ سے چھوٹے ہوئے
ان کی ہمت باندھیے دل ان کے ہیں ٹوٹے ہوئے
تیری باتیں بھی ہیں نشتر اور دل خانہ خراب دیکھئے کیا کر کے رہتا ہے یہ تیرا اضطراب
کیا خبر تیری صدا ہوگی نہ ہوگی کامیاب ان کے کانوں تک تو پہنچی پر نہ پایا کچھ جواب
کیا قیامت ہے کہ کوئی منچلا بڑھتا نہیں
دستِ سائل بڑھ چکا دستِ سخا بڑھتا نہیں
نجم بس خاموش اب خالق سے یہ کرلو دعا قوم کے ہاتھوں میں زر اور دل میں ہمت دے خدا
عرش کے پایہ کو چومے آج آہِ نارسا ہو کسی صورت دلِ محزوں کا پورا مدعا
شمع مقصد کے ہوں پروانے جواں بھی پیر بھی
آ کے لگ جائے گلے تدبیر کے تقدیر بھی

نقدِ دل

(یہ وہ نظم ہے جو سارے ملک سے خراج تحسین وصول کرچکی ہے جو شیعہ کالج فاونڈیشن کمیٹی لکھنؤ میں پڑھی گئی تھی اور راجہ ابوالحسن صاحب بہادر والی ماہرا نے دوسو روپیہ میں خرید فرمائی تھی۔)

اے چمن زارِ جہاں اے لکھنؤ کی سر زمیں   رشکِ جنت کیوں نہ کردے تجھ کو جنت آفریں
یہ ترا پُرشوق دامن اور یہ بزمِ حسیں   زیب کُرسیِ صدارت صاحب تاج ونگیں
جو کبھی دیکھے نہوں اب وہ نظارے دیکھ لے
چرخ سے کہدے ہمارے چاند تارے دیکھ لے

ہم سے دیوانوں سے بھی واقف ہے اومحفل طراز   کچھ ہمارے نالۂ رنگیں سے بھی ہے ساز باز
یاد ہیں کچھ اگلی باتیں بھی تجھے اومحوِ ناز   تجھ کو بھولا تو نہ ہوگا وہ ہمارا سوزو ساز
وقف کردی تھی رگِ جاں ہم نے خنجر کے لیے
دل کے ٹکڑے لے کے آئے تھے نچھاور کے لیے

لیکے پہنچا پھر الہٰ آباد میں جوشِ جنوں   ہم نے سینہ چیر کر دکھلا دیا سوزِ دروں
شوخ نالوں نے نہ چھوڑا بزم میں صبر و سکوں   ہوگئی پر بیقراری اور اُس دن سے فزوں
یہ خلش پیدا ہوئی آخر دلِ بے حال میں
اب تمنا پڑھنے کی ہے شیعہ کالج ہال میں

وہ ہمارا شیعہ کالج وہ ہمارا مدّعا   وہ ہماری قوم کی آنکھوں کا تارا مدّعا
وہ ہماری زندگانی کا سہارا مدّعا   چٹکیاں لیکر یہ کرتا ہے اشارہ مدّعا
ان کو کیا مشکل ہے کالج بندہ پرور کھولنا
جن کے مولا کو ہو آساں بابِ خیبر کھولنا

ہو نہ جب تک کامیابی ہم نہ بیٹھیں گے نچنت اس میں جھگڑا ہو زمیں سے یا فلک سے ہو لڑنت
منہ پہ آجاتی ہے جب ہم بات کہہ دیتے ہیں تنت دردِ دل اپنا نہیں ہے ساحروں کی سی پڑھنت
نالے اس پر تُل گئے ہیں حشر اُٹھا کر جائیں گے
دل یہ مچلا ہے کہ ہم کالج بنا کر جائیں گے

پیروِ حیدرؑ ہیں ہم رکھتے ہیں اخلاقِ حسنؑ مرتے مرتے بھی دکھا دیں گے بزرگوں کا چلن
لاکھ مٹ جائیں نجائے گا مگر وہ بانکپن مفلسی میں ہیں غنی اتنے بہ فضلِ پنجتن
اب بھی کر جائیں اگر ہمت تو اگلے سال تک
پانچ کالج کھول دیں پنجاب سے بنگال تک

ایک ہو جائیں جو دو دل توڑ دیتے ہیں پہاڑ یاں ہزاروں باغباں ہیں پھر بھی گلشن ہے اُجاڑ
پست ہمت ہیں سمجھتے ہیں جو قسمت کا بگاڑ دیکھئے کہتا ہے کیا دل سے تو کیجئے چھیڑ چھاڑ
آپ کا معیار ہے باتیں بہت سی کام کم
اصل یہ ہے جمع ہیں وعدے زیادہ دام کم

آج بھی گر رہ گئی ایثار قومی میں کمی خون رلوائے گی ساری عمر غیروں کی ہنسی
بات جو کانٹے کی تھی وہ آپ سے کہہ دی گئی آپ نے اب بھی اگر کر دی سُنی کی ان سُنی
پھر کبھی اس طرح سے محفل جمائی جائے گی
یہ تو کہیے آنکھ دنیا سے ملائی جائے گی

واہ کیا کہنا ہے جو پیرو ہیں بابِ علم کے آج وہ دنیا میں ترسیں ایک کالج کے لیے
ہم نے مانا صاحبِ علم آپ کے اسلاف تھے آپ بھی کچھ چیز ہیں اپنی طرف تو دیکھئے
اُن کے دل بڑھتے تھے ہاتھوں یاں قدم بڑھتے نہیں
وہ پڑھاتے تھے جہاں کو آپ خود پڑھتے نہیں

ان کی بھی ہستی ہے کچھ اک مدرسہ جن کا نہ ہو کیوں ہنسے اُن پر نہ دنیا ان کا کیوں ٹھٹا نہ ہو
ہو بزرگوں کی کہانی لب پہ ذکر اپنا نہ ہو باپ سے نسبت ہے کیا بیٹا اگر ویسا نہ ہو
دن گئے وہ پوچھتے تھے جب کہ تھے اسلاف کیا
اب زمانہ دیکھتا یہ ہے کہ ہیں اخلاف کیا

تجھ کو کچھ سودا ہُوا ہے او دلِ حسرت پسند ضبط کی طاقت نہیں اب بند کر یہ وعظ و پند
درد مندوں کو نہیں کرتے زیادہ درد مند چشمِ باطن سے دکھا دی وہ عمارت سر بلند

دور یہ پژمردگی ہو دل میں جوش آنے لگے
چشمِ ظاہر بند ہوجائے تو ہوش آنے لگے

وہ کھلا کالج ہوا فضلِ خدائے لا یزال کہہ کے بسم اللہ پڑھنے کو چلے شیعوں کے لال
شوق بھی بڑھتا گیا جوں جوں بڑھے وہ خُرد سال کوششوں میں کامیابی کی گزارے ماہ و سال

فارغ التحصیل ہو کر پار کشتی ہوگئی
یا علیؑ کہہ کر نکل آئے کہ چھٹی ہوگئی

ہوگا یہ کالج ہمارا مخزنِ علم و ہنر مذہبی تعلیم ہوگی فرض طالب علم پر
ہم بنائیں گے اسے تہذیبِ اسلامی کا گھر ہر جبیں پر شوکتِ اسلام ہوگی جلوہ گر

ساتھ دنیا کے رہے گا دینِ حق کا پاس بھی
مولوی فاضل بھی ہوں گے اس میں ایم اے پاس بھی

شیعہ کالج دیکھ او آمادۂ بزمِ جہاں تیری خاطر جمع ہیں کیا کیا گلِ نورس یہاں
آج ہے جذبِ محبت کا بڑا سخت امتحاں تجھ کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں چھپ رہا ہے تو کہاں

رونمائی تیری دے کر شکلِ زیبا دیکھ لے
آ تصوّر بن کے دل میں قوم نقشا دیکھ لے

تو نہ محتاجِ سفارش ہے نہ محتاجِ وکیل پیاری پیاری تیری صورت آپ کرلے گی اپیل
سب یہ پیرو ہیں سخی کے یاں نہیں کوئی بخیل تو تو پھر اپنا ہے یہ غیروں کے ہوتے ہیں کفیل

بن پڑی ہے آج جو کچھ ہے گرہ میں کھول لے
یہ سمندر ہیں سمندر ان سے موتی رول لے

چاہیے مردم شناسی بھی مگر اے خوش صفات آدمی لاکھوں کے جو ہیں اُن سے کر لاکھوں کی بات
اُن کے آگے ہیں ہزاروں سینکڑوں کیا کائنات ہم غریبانِ ازل سے جو بھی کچھ آجائے ہات

کچھ طبیبِ قوم آئے ہیں دوائیں ان سے لے
کچھ خدا کے خاص بندے ہیں دعائیں ان سے لے

دیکھنا یہ ہے کہ ہے کس کو جدائی تیری شاق　　　کون ہے سب سے سوا ہے جس کو تیرا اشتیاق
کس کے سینہ کو جلاتا ہے ترا سوزِ فراق　　　کون میدانِ وفا میں آج نکلا چست و چاق

آج یہ کھل جائے گا ہے تجھ پہ شیدا کون کون
سب ہی کہنے کو ہیں تیرے پر ہے تیرا کون کون

بزم میں راجہ بھی ہیں نوّاب بھی سردار بھی　　　تیری قسمت سے ہیں زیب انجمن سرکار بھی
فضلِ حق سے اہلِ دل بھی ہیں ترے غمخوار بھی　　　نقدِ دل لائے ہیں ہم سے مفلس و نادار بھی

آئے ہیں امداد دینے جان سے اور مال سے
سندھ سے پنجاب سے مدراس سے بنگال سے

ہے یہ آغازِ زمانہ سے زمانہ کا چلن　　　جان دیتے ہیں وطن پر اپنے اپنے مرد وزن
تیرے قدموں کی قسم یہ ہے فقط دیوانہ پن　　　جو وطن کی لاج رکھ لے ہے اُسے حبِّ وطن

بات اک نکتہ کی کہہ دی ختم قصّا ہوگیا
عقلمندوں کے لیے کافی اشارہ ہوگیا

نجم اب دل میں نہیں ہے ضبط کی طاقت ذرا　　　تو نے وہ نالے کئے منہ کو کلیجہ آ گیا
قوم سے کہہ دے کہ یہ باتیں زبانی تا کجا　　　گونج جائیں نعرۂ صلوٰۃ سے ارض و سما

نام بابِ علم لے کر کھول دے کالج کا باب
یا علیؑ یا ایلیاؑ یا بالحسنؑ یا بوترابؑ

ہماری عید

عید کو کیا کہیے ہرجائی ہے عید　　اک سرے سے سب کے گھر آئی ہے عید
تو بہت جوبن پہ اترائی ہے عید　　سال بھر میں شکل دکھلائی ہے عید
دوستی کیا تیری او بے دید الگ
یاں ہر اک کی عید ہے اے عید الگ

زاہدوں کی عید ہے یادِ خدا　　عالموں کی عید شہرہ علم کا
اہل دل کی عید ہے جود و سخا　　عید جانبازوں کی خنجر اور گلا
بے وطن کی کیا کہوں کیا عید ہے
جب وطن میں پھر کے آیا عید ہے

رند کو پینے کی پلوانے کی عید　　واعظوں کو وعظ فرمانے کی عید
سوئے کعبہ شیخ کو جانے کی عید　　نجد میں لیلےٰ کے دیوانے کی عید
عید گہ اک کوچہٗ دلدار ہے
عاشقوں کی عید وصلِ یار ہے

عید بچوں کی ہے اچھا پیرہن　　بلبلوں کی عید ہے رنگیں چمن
شاعروں کی عید تعریفِ سخن　　ہے نئے دولہا کی عید اُس کی دُلہن
رشک کے قابل ہے پروانے کی عید
شمع پر ہے جل کے مرجانے کی عید

مسکوں کی عید گنج و مال میں　　صوفیوں کی بزم حال و قال میں
عید امیروں کی دو شالے شال میں　　بے نوا کی عید اُس کی کھال میں
اپنی اپنی سب کو پیاری عید ہے
ہم بھی کہہ دیں جو ہماری عید ہے

ہم ہیں محو آہ و زاری عید کیا دین کی ہوتی ہے خواری عید کیا
ہم سے کرتی دوستداری عید کیا وقفِ حسرت ہیں ہماری عید کیا
غم نہ شادی کوئی مونس ہی نہیں
اب دلِ ناشاد میں حِس ہی نہیں
ہے بہت اسلام اب زار و نزار شاق ہے اے مہدیِ دیں، انتظار
یہ ہماری عید ہے اے شہریار کہہ رہا ہے دل یہی دیوانہ وار
عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو
انبساطِ عید دیدن روئے تو

(23)

ترانۂ عید

جن و بشر ہیں شادماں کون ومکاں میں عید ہے عیدِ غدیر کے نثار سارے جہاں میں عید ہے
بلبلیں سب ہیں نغمہ خواں حوروں کو عیشِ جاوداں باغِ جہاں میں عید ہے قصرِ جناں میں عید ہے
صدقے نہ کیوں ہوں دل جگر عید ہے پنجتنؑ کے گھر شاد ہیں اُمتی تمام پیر وجواں میں عید ہے
عید دلِ رسولؐ میں عید دلِ بتولؑ میں جس کا مکاں ہے لامکاں اُسکے مکاں میں عید ہے
عید ہے دشت ودر میں آج عید ہے بحروبر میں آج رقص میں ہیں حباب نہر آب رواں میں عید ہے
کیوں نہ ہوں خوش جوان و پیر تو ہو جو یا علیؑ امیر مست ہیں سب ترے فقیر بزمِ شہاں میں عید ہے
قیدِ مرض سے ہوں تباہ مجھ پہ ہو یا علیؑ نگاہ وعدہ مدد کا کیجئے آپ کی ہاں میں عید ہے
شکر خدا میں دم بدم سجدہ میں ہے مرا قلم
میری زباں کو نجم آج کام دو ہاں میں عید ہے

تمنّا

قضا کا کیا ٹھکانا زندگی کا کیا بھروسا ہے　　خیالوں میں ابھی محدودیاں کالج کا نقشا ہے
جدھر بھی دیکھتا ہوں یاس کی صورت ہویدا ہے　　جسے بھی دیکھتا ہوں نقش اک مٹتا ہوا سا ہے
وہ اک تصویر ہے عبرت کی دل میں جو تمنا ہے

ہوئی جاتی ہے کشتی دور آکر پاس ساحل کے　　وہ جوشِ ابتدائی ہوگیا رخصت گلے مل کے
کچھ ایسی چپ لگی ہے ہونٹ گویا رہ گئے سل کے　　سحر ہوتے ہی یہ کیا ہوگئے آثار محفل کے
نظر کرتا ہوں جس چہرہ پہ کچھ اُترا ہوا سا ہے

یہ ذلت قوم کی یہ خواریاں دیکھی نہیں جاتیں　　ہنسی غیروں کی اور ناچاریاں دیکھی نہیں جاتیں
نہ ہوں جو دل سے وہ تیاریاں دیکھی نہیں جاتیں　　میں رو دیتا ہوں یہ غمخواریاں دیکھی نہیں جاتیں
کلیجہ بیٹھ جاتا ہے جو دل میں درد اُٹھتا ہے

یہ کیسا رنگ بدلا ہے اسی حیرت میں بیٹھا ہوں　　کہاں وہ شوراشوری اور کہاں یہ بے نمک مضموں
بہایا جائے گا کب تک ہماری حسرتوں کا خوں　　تجھے اس کا بھی کچھ احساس ہے اے گردشِ گردوں
اُلٹ جاتے ہیں دل کتنے زمانہ جب پلٹتا ہے

نہیں ممکن جو اس دُشوار رستہ سے گزر جانا　　نہیں آتا اگر ہاتھوں پہ رکھ کر اپنا سر جانا
بنا پائے نہ اک کالج اسی میں نام کر جانا　　کسی امید پر جینا کسی حسرت میں مر جانا
یہی جینے میں جینا ہے یہی مرنے میں مرنا ہے

ہمیں اس جوشِ وقتی نے کیا دل کھول کر رُسوا　　جو کر سکتے نہ تھے اُس کو زباں سے کیوں نکالا تھا
کسی کے پاس کیا بیٹھیں کسی کو منہ دکھائیں کیا　　مقدر نے ہمیں کو لائقِ محفل نہیں رکھا
وہی اگلی سے محفل ہے وہی پہلی سی دنیا ہے

یہ کشافِ حقیقت ہیں سبق آموزِ عبرت ہیں　　ہر اک مصرع میں پوشیدہ ہزاروں رازِ حکمت ہیں
زمانہ محوِ حیرت ہے یہ پھبتیں ہیں قیامت ہیں　　تمہارے شعر کیا ہیں مجسم پیغامِ محبت ہیں
غزل کیا ہے تمہاری حسرتوں کی ایک دنیا ہے

ارمغانِ اتحاد

کیوں نہ دل میں گھر کرے لطفِ بیانِ اتحاد
پیاری پیاری میٹھی میٹھی ہے زبانِ اتحاد

قوم کا نام و نشاں نام و نشانِ اتحاد
قوم کا سود و زیاں سود و زیانِ اتحاد

اس کا مسلک صلح کل ہے اس کا مقصد اتفاق
کون دنیا میں نہیں ہے قدر دانِ اتحاد

دعوتیں اہلِ نظر کی ہیں یہ گھر بیٹھے ہوئے
سب کے گھر جاتا ہے امروبہ سے خوانِ اتحاد

کس دھڑلے سے یہ کرتا ہے وکالت قوم کی
بے زبانی پر بھی اتنی ہے زبانِ اتحاد

ہے یہ اندازِ تغافل اُس کی خدمت کا صلہ
ہاتھ تو رکھیں دلوں پر قدر دانِ اتحاد

ہو فروغِ حُسن یا رب غیرتِ شمس و قمر
ہوں ستاروں سے زیادہ عاشقانِ اتحاد

ہیچ تو ہے بیکار ہے گر تیغ میں جوہر نہوں
جوہری کہتے ہیں سب جوہر ہیں جانِ اتحاد

اس سے بہتر تجم دنیا میں کوئی تحفہ نہیں
دوست بھیجیں دوستوں کو ارمغانِ اتحاد

ترانۂ اتحاد

دلِ عالم تو تھا ہی معترف حُسن معانی کا
بہت بھائیں نگاہوں کو یہ خوش پوشاکیاں تیری

مبارک ہو نیا جوڑا بدلنا اے حسیں تجھ کو
ادائیں ہوگئی ہیں اور بھی اب دلستاں تیری

یہ ذوقِ مستقل تیرا یہ شوقِ مستند تیرا
یہ وضع خوشنما تیری یہ خوش ترکیبیاں تیری

جگادے بختِ خفتہ کو جلادے قومِ مردہ کو
مسیحائی دکھا دیں آج میٹھی بولیاں تیری

تری دلسوزیاں وقفِ تغافل ہونہیں سکتیں
دلوں پر قوم کے لکھی ہوئی ہے داستاں تیری

ہمارے دل میں تو نے روح پھونکی ہے اخوت کی
ہماری نا خدا ہے کشتی عمرِ رواں تیری

ہر اک گوشِ دل میں ہند کے ایک ایک گوشہ میں
سُنا آئیں نوا کالج کی خوش آوازیاں تیری

نہ ہو کیوں نیک نام ایسا کہ ہے نامِ اتحاد آخر
ازل سے دہر میں مانی ہوئیں ہیں خوبیاں تیری

ثمر دیکھے گا تو محنت کا اپنی اپنی آنکھوں سے
کسی دن ہوں گی کالج ہال میں مہمانیاں تیری

بہت کم رہ گئے ہیں دن بنائے مقصدِ دل کے
ادائے زریں ہے کیوں سُست قدم اے مہرباں تیری

اُٹھادے یاعلی کہہ کر انہیں بیٹھے ہوں دل جن کے
فلک کے پار جاتے ہم نے دیکھی ہے فغاں تیری

نہ گھبرائے گئے سختی کے دن اب قوم سے کہہ دے
کبھی آرام جاں ہوں گی یہی جانکاہیاں تیری

اُدھر رکھے ہز آنز کا کرم بنیاد کا پتھر
لڑادیں جان ادھر تکمیل میں پامردیاں تیری

حصولِ علم داخل ہے فرائض میں اوامر میں
رہیں وقف نواہی اب تغافل کیشیاں تیری

کریں گے جب غلاموں کی مدد بابِ علوم آ کر
یہ تیری مشکلیں ہوجائیں گی آسانیاں تیری

بھلا پھر بھی کوئی دشوار ہے کیسوں کا منہ کھلنا
جو ہمت قوم کی ہو ترجمہ کے شعر اور زباں تیری

نوارا تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر میخواں چو محمل راگراں بینی

تہید ستانِ قسمت

نہ بڑھ حد سے زیادہ گرمیِ جوشِ وفا دم لے
کمر تک جا کے ہوگی دستِ ہمت کو پشیمانی

کہاں وہ دن کہ تھا ایک ایک مستِ بادۂ جرأت
موافق اب تو برسوں سے نہیں تلوار کا پانی

کمانیں ہیں کشیدہ بھاگتے ہیں تیر اب کوسوں
مثالِ مجرماں روپوش ہے گرزِ نریمانی

نگاہیں ہوگئیں نا آشنا شمشیرِ برّاں سے
نظر آتی نہیں اب خواب میں خنجر کی عریانی

نہ تھا خود اُن کے ہی کانوں کو خوش آیند یہ نغمہ
ہوئی مدّت رجز خوانی سے بدلی مرثیہ خوانی

کبھی جو دستگیرِ خلق تھے وہ ہاتھ خالی ہیں
مقدّر نے بنا رکھا ہے اک تصویر حیرانی

عصا کیسا عصائے آہ بھی معدوم ہے اب تو
اُٹھے کس کے سہارے سے الٰہی درد پنہانی

کسی کا جوشِ جرأت ضبط بن کر اب گلا گھونٹے
اُتارے اپنا غصہ اپنے اوپر چینِ پیشانی

تہید ستانِ قسمت وائے حسرت نذر کیا لائیں
کمر سے تیغ ہی جن کے بندھی ہے اور نہ ہمیانی

ترقی کا راز

ایسے نازک وقت میں اللہ یہ کس کی ہے بزم
سوز کے بدلے جہاں اب تک صدائے ساز ہے

خوابِ غفلت سے کسی کی آنکھ کھلتی ہی نہیں
چشمِ مردم بھی کسی کافرادا کا راز ہے

لینے والے لے چکے دنیا کی حالت سے سبق
گلشنِ عالم میں جو ہے مائلِ پرواز ہے

اس چمن میں ہے مگر چھایا ہوا رنگِ قدیم
کچھ نیا انداز ہے بھی تو بُرا انداز ہے

سب کو یاں گھیرے ہوئے ہے خود پسندی کی بلا
اپنی اپنی راگنی ہے اپنا اپنا ساز ہے

اپنا اپنا ذکر لب پر اپنی اپنی دل میں فکر
حشر تو آیا نہیں پر حشر کا انداز ہے

کہنے والے کہہ گئے اور اب بھی کہتے ہیں بہت
سننے والے کے لیے بابِ نصیحت باز ہے

اختلافِ آرا کا ترک، خود پسندی کھوئے گا
ساری قوموں کی ترقی کا یہی اک راز ہے

دوسرے کی اپنی دُھن کے آگے پر سنتا ہے کون
اک متاعِ کس مپرسی تجھ کی آواز ہے

ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

ایک دن ایک دوست سے میں نے کہا　　کیا گزرتی ہے تمہیں بتلائیں کیا
غم کے تیروں سے کلیجہ چھن گیا　　دل میں کتنے داغ ہیں دکھلائیں کیا
زخمِ کہنہ پر ہے روز اک زخمِ نو　　چارہ سازی چارہ گر فرمائیں کیا
ہے یہ پُر آشوب دنیا آج کل　　آفتیں ہیں سینکڑوں گنوائیں کیا
اک بلائے قحط ہے اک دیوِ جنگ　　ان سے بازی آدمی لے جائیں کیا
نالہ ہائے بیکساں کب تک سُنیں　　دل کسی سے مانگ کر لے آئیں کیا
کوئی کہتا ہے پہننے کو نہیں　　کوئی کہتا ہے کہ یارو کھائیں کیا
آج کل وقفِ فغاں ہیں کام و لب　　اب ہوا اس بھیرویں کے گائیں کیا
ہوگا اس شورش کا آخر کیا مآل　　دل کو کچھ سمجھایئے سمجھائیں کیا
کیا جوابِ خشک دے کر چل دیے　　آپ فہمیدہ ہیں خود، سمجھائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں
ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

(30)

اسلامی فرقے

ہرج ہے کچھ جو رکھیں دل کے عقاید دل میں — کام دنیا کا تو کرتے رہیں مل کر فرقے
یا کہ لڑ بھڑ کے نشاں اپنا مٹا دیں بالکل — یہ بھی کچھ فرض ہے پھوڑا ہی کریں سر فرقے
اک زمانہ نے لیا رنگ سے دنیا کے سبق — پر نہ سمجھے تو نہ سمجھے یہ بہتر فرقے
روئیے نجم بھلا بیٹھ کے کس کے آگے — لاکھ چیخا کرو سنتے ہی نہیں پر فرقے

حیف اس پر بھی نہ چین آئے مسلمانوں کو
ایک اسلام کے ہوجائیں تہتر فرقے

(31)

نالۂ نجم

ہم بھی تھے کبھی قابلِ تعظیم جہاں میں — کُرسی تھی کبھی عرش کی رفعت کے برابر
رکھتے تھے مسلمان سب آپس میں محبت — تھے دَور میں ساغرِ عشرت کے برابر
ہم تھے وہ بشر جمع تھیں سب خوبیاں ہم میں — پھٹکی نہ برائی کبھی نیّت کے برابر
ملتا تھا نہ ڈھونڈے سے نشاں خود غرضی کا — صیغے پڑھے جاتے تھے اخوت کے برابر
مفلس پہ تو انگر کو نہ دی جاتی تھی ترجیح — اُس وقت غریبی تھی امارت کے برابر
ناقوس ہو یا سنکھ ہو آوازہ کسی کا — پہنچانا اذاں اور اقامت کے برابر
تھا بُعد نہ کچھ مشرق و مغرب کا نظر میں — ہم سال کو سمجھا کیے ساعت کے برابر
افریقہ میں امریکہ میں یورپ میں جہاں میں — ہم ڈنکے بجا آئے شریعت کے برابر
پہنچا دیئے ہر ملک میں تکبیر کے نعرے — رکھے تھے جو سینوں میں امانت کے برابر

پڑھ آئے سمندر کے بھی اُس پار نمازیں — اُڑ اُڑ کے گئے پھولوں کی نکہت کے برابر
ٹکرادیں پہاڑوں سے نمازوں کی صدائیں — تھا شورِ اذاں شورِ قیامت کے برابر
اک اک بُتِ بے پیر سے پڑھوا دیا کلمہ — ہر بات تھی اعجاز و کرامت کے برابر
بیٹھے جو کہیں جا کے بٹھا دیتے تھے سکّے — اُٹھتے تھے تو ہوتے تھے قیامت کے برابر
دریا کی طرح فیض تھا غیروں پر بھی جاری — تھی وسعتِ دل خلق کی وسعت کے برابر
آتا تھا جہاں علم و ہنر سیکھنے ہم سے — یاں درس دیئے جاتے تھے حکمت کے برابر
مہمان نوازی میں تھا یکتائے زمانہ — دریا بھی نہ تھا اپنی طبیعت کے برابر
تعلیم کی تحصیل کے عاشق تھے ہم ایسے — تکلیف کو سمجھا کئے راحت کے برابر
دل بستگی ایسی تھی ہمیں علم و ہنر سے — چاہا کئے محبوب کی چاہت کے برابر
ہم ہیں وہ زمانہ کو ادب ہم نے سکھایا — احسان ہیں دنیا پہ افادت کے برابر
ایجادیں ہوئی ہیں انہیں ہاتھوں سے ہزاروں — جرمن کی اور امریکہ کی صنعت کے برابر
حل ہم نے کئے سینکڑوں پیچیدہ مسائل — ہر طبع نہ تھی اپنی طبیعت کے برابر
اس عہد میں ہیں خواب فراموش یہ باتیں — وقعت ہے فقط حرف و حکایت کے برابر
احسان کے سوا بوجھ اب اُٹھتا نہیں اُن سے — جو بار اُٹھاتے تھے شہادت کے برابر
اغیار اُڑا لے گئے سب علم کے موتی — ہر ہفت اقالیم کی دولت کے برابر
ایمان کا اخلاص کا اب نام نہیں ہے — دل ہوگئے کالے شبِ فرقت کے برابر
دیکھے ہیں انہیں آنکھوں نے اسرار فلک کے — جاتا نہیں اب مرغ نظر چھت کے برابر
عنقا ہیں مسلمانوں میں اب نیک خصائل — یہ باغ ہوا وادیٔ وحشت کے برابر
یک سوئی ہے دل کو نہ زبانوں میں اثر ہے — کیا پہنچے دعا بابِ اجابت کے برابر
شرم آتی ہے اب مَس بھی نہیں علمِ ادب سے — کیا بیٹھئے اربابِ فضیلت کے برابر
اب بھائی کو بھائی کی ترقی سے حسد ہے — غیروں سے تو ہے رشک عداوت کے برابر
ہر کام میں اغیار کے محتاج ہوئے ہیں — ہستی ہے فقط مٹی کی مورت کے برابر

اب سیکھتے ہیں ان سے مگر پھر نہیں آتا   آسان بھی ہے کام مصیبت کے برابر
اللہ، ہمیں دیکھ کے ہنستا ہے زمانہ   پی جاتے ہیں ہم اشک ندامت کے برابر
محنت سے تنفّر ہے ریاضت سے تکدّر   نظروں میں کوئی شے نہیں راحت کے برابر
کچھ علم سے مطلب ہے نہ ہے کام ہنر سے   گھر اپنا بنایا ہے جہالت کے برابر
قرآن و احادیث کو چھونا بھی قسم ہے   چُن رکھے ہیں سب طاق پہ غفلت کے برابر
اب جرأت اخلاق بھی معدوم ہوئی ہے   دنیا تھی کبھی گرد شجاعت کے برابر
میدان ترقی میں ہیں ہر قوم سے پیچھے   ہر اک ہے قدم کوہِ مصیبت کے برابر
ہم بھول گئے آہ وہ اسلام کی تعلیم   تھا جس سے جہاں محفلِ حیرت کے برابر
میں بانیٔ اسلام سے فریاد کروں گا   سمجھا کرے سمجھے جو شکایت کے برابر
میں پڑھ کے سُناؤں گا یہی نظم جگرِ سوز   قسمت سے جو پہنچا درِ دولت کے برابر
جان آئے گی ایک مرتبہ پھر مُردہ دلوں میں   پھر برسیں گے ابر آپ کی رحمت کے برابر

خالی کبھی جانے کا نہیں نجم کا نالہ
رکھتا ہے اثر صورِ قیامت کے برابر

میزبان و میہمان

عیدِ اضحیٰ سچ بتا وہ بھی زمانا یاد ہے
تجھ کو اپنا کچھ برس پہلے کا آنا یاد ہے

گرم نالے اور تھے جب سرد آہیں اور تھیں
جب ہمارے اور ہی دل تھے نگاہیں اور تھیں

آج کل کی طرح کب خونِ جگر پیتے تھے ہم
ذکر یہ اُس وقت کا کرتے ہیں جب جیتے تھے ہم

جب ہماری قوم کا اک اک بشر انسان تھا
جب ہمارے جسم میں دل دل میں جب ایمان تھا

جب ہمارے خوشہ چیں اسپین و روم و چین تھے
ہم میں جب اسلام تھا اسلام کے آئین تھے

خاک کے پتلوں کو مٹی سے تکدّر کچھ نہ تھا
جب امیروں کو غریبوں سے تنفّر کچھ نہ تھا

راز سے واقف تھے تیرے جانتے تھے جب تجھے
اپنے آپے میں تھے ہم پہچانتے تھے جب تجھے

جب سمجھ رکھا تھا ہم نے تیرا منشا اتفاق
اب پرایا ہوگیا جب تک تھا اپنا اتفاق

یہ نمائشِ ظاہری جھوٹی یہ زیبائش نہ تھی
سادگی کو حاجتِ تزئین و آرائش نہ تھی

محسنِ خلقت تھے ہم منت کشِ خلقت نہ تھے
موجبِ حیرت تھے جب آئینۂ حیرت نہ تھے

لاکھ تکلیفیں تھیں پر تکلیف روحانی نہ تھی
فکر تھی انجام کی فکرِ تن آسانی نہ تھی

کیا کہیں اپنی کہانی تجھ سے شرمندہ ہیں ہم
مر چکے جو موت سے پہلے ہی وہ زندہ ہیں ہم

ہے کہاں وہ کشتۂ جذباتِ حسرت پوچھ لے
تجھ کو معلوم ہے ساری حقیقت پوچھ لے

کر سکے جوابِ تری دعوت کا ساماں کون ہے
نام کے لاکھوں مسلماں ہیں مسلماں کون ہے

پراگ راگ

یاد ہے مجھ کو الہٰ آباد وہ لطفِ چمن   تیری خسرو باغ میں تھی گرم اپنی انجمن
میں نہ بھولوں گا کبھی کیفیتِ گنگ و جمن   واں بھی لے پہنچا مذاق شعر یا دیوانہ پن
آئے ہوں گے اہلِ دنیا اس طرح کم دیکھنے
ہم گئے تھے جس نظر سے ترا سنگم دیکھنے
دونو دریا تیرے پہلو میں ہیں دو دریائے نور   ہیں یہ دو معشوق الڑھ دو حسیں ہیں پُر غرور
دو شرابی مست ہیں کھوئے ہوئے عقل و شعور   سچ اگر پوچھو تو دو مصراع موزوں ہیں ضرور
تیسرا دریا نہیں یہ ہے اشارہ صاد کا
تیرا سنگم ہے کہ مطلع ہے کسی اُستاد کا
دو کسی کافر کے گیسو ہیں یہ بل کھاتے ہوئے   وہ یہ کالے ناگ ہیں پانی کے لہراتے ہوئے
ہیں یہ دو پیغامبر آتے ہوئے جاتے ہوئے   دو کوئی ساغر بکف ساقی ہیں اٹھلاتے ہوئے
دو نمازی منہمک ہیں سجدۂ معبود میں
دو مسافر ہیں تلاشِ منزلِ مقصود میں
چھین لیں دل دیکھنے والے کا وہ اٹکھیلیاں   جیسے آپس میں گلے ملتے ہیں دو سہیلیاں
موج میں اپنی بسر کرتی ہیں یہ البیلیاں   سب کو دیتی ہیں سبق، ہیں کس گرو کی چیلیاں
میل ان دونوں کا ہے گویا اک اخلاقی جہاد
ایک تصویرِ محبت اک مثالِ اتحاد
دفترِ کونین کا زرّیں سے بھی زرّیں ورق   مکتبِ اخلاق کا بہتر سے بھی بہتر سبق
وہ خزانہ جس خزانہ کا زمانہ مستحق   گبرو ترسا، کافر و مومن کا یکساں جس میں حق
دستِ فیّاض کریم و کاہشِ جانِ بخیل
سینکڑوں قوموں کی خاطر ایک پانی کی سبیل

قابلِ تحسین ہے تیری نگاہِ انتخاب   ہیں دریا ہند میں دونوں یہ دریا لا جواب
صبح جنت اس کو کہیے اور اُسے موجِ شباب   سرتی سے اور بھی کچھ بڑھ گئی ہے آب و تاب

تیری تر بینی پہ کیونکر ہو نہ عالمِ نور کا
اس میں دو پر ہیں پری کے، ایک آنچل حور کا

کون آ کر دیکھتا ہے دوپہر کا یہ سماں   کیا ستم کرتا ہے مل کر دھوپ سے آبِ رواں
چادرِ آبی پہ کرنوں کی غضب زردوزیاں   بلبلے ہیں یا کہ رقصاں ہیں سُنہری پُتلیاں

کون جانے لطف کیا ساحل کے سنّاٹے میں ہے
جس نے یہ منظر نہیں دیکھا وہی گھاٹے میں ہے

تجھ کو بھی معلوم ہے ساحل پہ تیرے اے پراگ   حُسنِ عالم سوز نے کیسی لگا رکھی ہے آگ
آگ پانی ایک جا ہے دیکھ لے قدرت کی لاگ   تو تو کچھ بیہوش سا ہے میں سناؤں کس کو راگ

تیری مدہوشی بجا ہے تو رہے کیا ہوش میں
آنکھ جب کھولی نظر آئے حسیں آغوش میں

چشمِ جادو دیکھ کر وحشی سراپا بن گیا   خالِ ہندو دیکھ کر چشمِ تمنّا بن گیا
اُلجھے گیسو دیکھ کر بگڑا سا نقشا بن گیا   جسم جب محوِ تماشا سے تماشا بن گیا

دی صدا دل نے یہ فطرت کی تماشا گاہ ہے
چشمِ بینا نے کہا اللہ ہی اللہ ہے

کسان

ہے حیاتِ نوعِ انسانی تری ہستی کا راز
کچھ خبر بھی ہے تجھے او بھولے بھالے بے زباں

تجھ سے بہتر کس نے کیں خلقِ خدا کی خدمتیں
تجھ سے بڑھ کر سیر چشمی کی دکھائی کس نے شاں

ہے ترا مرہونِ منّت بادشہ ہو یا گدا
ہے ترا ممنونِ احساں پیر ہو یا نوجواں

تجھ کو خالق نے دیا ہے رتبۂ ابرِ کرم
ہے ترے خوانِ کرم پر دوست دشمن میہماں

تو ہے با اخلاص خادم ایک مُلک و قوم کا
بے ریا اک دوست ہے تو بے غرض اک مہرباں

تیرے نغمے ہیں فقط دلسوز تیرے کھیت پر
یہ بھلا دیتے ہیں سب دن بھر کی محنت کی تکاں

دل میں رکھ لیجے تری اُس وقت کی سچی خوشی
جب پلاتا ہے زمین کو تیری پانی آسماں

قابلِ صد رشک ہے یہ سیدھی سچی زندگی
سادگی پر تیری صدقے شہریوں کی آن بان

تیرا طرزِ زندگانی ہے تصنع سے بری
تیری باتوں میں نہیں مطلق بناوٹ کا نشاں

دیکھنے والوں کی آنکھیں ہوں حقیقت میں اگر
ہیں کہیں محلوں سے بالا تر ترے کچے مکاں

تو نہیں واقف کہ کہتے ہیں کسے مکر و فریب
تجھ پہ ہوتا ہے مجھے اکثر فرشتے کا گماں

تجھ کو اُلفت ہے مویشی سے بھی بچوں کی طرح
دہر میں قائم ہے تیری ذات سے امن و اماں

قابلِ تقلید ہے یہ تیرا ایثار غریب
تو نے دنیا میں دیا ہے سب سے اچھا امتحاں

تجھ کو اکثر کڑھاتی ہیں تیری جانکاہیاں
کون ہے ان تری ان تھک کوششوں کا قدرداں

اپنی محنت کے ثمر وقفِ تمنائے جہاں
مرحبا اے مردِ میداں صاحبِ ہمت کساں

دارالادب اکبرآباد

اے دیارِ آگرہ اے ہند کے دارالادب   بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و منتخب
مدفن شاہ جہاں اُردو کی خلقت کا سبب   تجھ سے ملتا ہے جہاں میں نسل اُردو کا نسب
کیوں نہ ہو آفاق میں پھر تیری ہستی لا جواب
چھانٹ لے جب تجھ کو اکبر کی نگاہِ انتخاب

ہیں زبانوں پر تری رونق کے افسانے بہت   شمع رُو تھے سینکڑوں تجھ میں تو پروانے بہت
اس ڈھلے جوبن پہ بھی نکلیں گے دیوانے بہت   بن گئے ہیں تیرے میخانے سے میخانے بہت
خوبیاں سب مٹ چکیں بس نام باقی رہ گیا
بانٹ کر سب جام خالی ہاتھ ساقی رہ گیا

تھے نظیرؔ و جراتؔ و مضمونؔ کیا کیا من چلے   کس سے پنہاں ہیں دکھائے جو بقانے ولولے
وہ ہمارے میرؔ و غالبؔ تیری گودی کے پلے   لکھنوٗ دلّی کے جن کے نام سے سکّے چلے
جانِ جاناں حضرت مظہرؔ تھے جانِ آرزو
شاعروں کے قبلۂ و کعبہ تھے خانِ آرزو

دور اوّل میں کوئی مضمون سے بہتر نہ تھا   آرزو سے دورِ ثانی میں کوئی بڑھ کر نہ تھا
میرؔ کا دورِ سوم میں ایک بھی ہم سر نہ تھا   دور چارم میں کسی کو فوق جراتؔ پر نہ تھا
درحقیقت رشک عرفیؔ فخرِ طالبؔ ہوگیا
دور پنجم میں تو غالبؔ کل پہ غالبؔ ہوگیا

سب پہ ظاہر ہے فصیحؔ ذی شرف کا علم وفن   تھا تلیحؔ و قیصرؔ و آغاؔ سے کیا لطفِ سخن
تھی رہاؔ کی ذات گویا ایک شمعِ انجمن   بھول سکتا ہے رئیسِ خوش بیاں کا بانکپن
کیوں نہ ہوتا تجھ پہ صدقے ہر گھڑی ہر بار چاندؔ
فیض مہرؔ و ماہ سے تجھ کو لگے تھے چار چاند

اب زباندانی کا دعویٰ کر رہا ہے اک جہاں　　بن رہے ہیں مردمِ پنجاب تک اہلِ زباں
تیری خاموشی میں پوشیدہ ہے کیا رازِ نہاں　　دل ہی میں گھٹ گھٹ کے کیوں رہتا ہے آہوں کا دھواں

منظرِ عبرت یہ ظلمِ چرخِ نیلی پوش ہے
بولنا جس نے سکھایا سب کو وہ خاموش ہے

کیوں تجھے چپ لگ گئی ہے اے مرے ناز آفریں　　بلبلیں اب بھی ترے رنگیں چمن میں کم نہیں
ہنس رہی ہے تجھ پہ دنیا کھول چشمِ شرمگیں　　پھر بنادے سرزمیں کو اپنی چرخِ چارمیں

آگ دنیا میں لگادیں وہ شرارے اب بھی ہیں
چاند سورج تھے اگر پہلے ستارے اب بھی ہیں

ہے امانت آج تک قلبوں میں وہ سوز و گداز　　ہے وہی اگلا سا حسن و عشق میں راز و نیاز
پھر قیامت ہے یہ خاموشی تری او محوِ ناز　　بتکدہ کیوں بن گئی محفل تری محفل طراز

بادہ کش لاکھوں ہیں ذوقِ بادہ پیمائی نہیں
اتنے دیوانے ہیں اور ہنگامہ آرائی نہیں

مٹ گیا کیوں نام تیرا تیری شہرت کیا ہوئی　　تیرے فرزندوں کی تجھ سے وہ محبت کیا ہوئی
تجھ سے ہے نقاد[1] شاکی تیری غیرت کیا ہوئی　　اک قیامت ہوگئی کمبخت غفلت کیا ہوئی

ایک بلبل نالہ کش ہے جو چمن سے دور ہے
تجم کو سودا ہے کچھ کچھ وہ وطن سے دور ہے

---

[1] میرے ہم وطن اور معزز دوست حضرت شاہ دلگیر کی اڈیٹری میں جو رسالہ آگرہ سے نکلتا ہے۔

وصفِ واصف

دنیا ہے رنج و غم کی منزل زخمِ تازہ ہے روز حاصل
صَرفِ فریاد کیوں نہ ہو دل اُٹھا اک اور مردِ کامل
ہر قلب پہ غم کا بار ڈالا
واصفؔ نے مر کے مار ڈالا

وہ شعر کی جان سخن کی زینت ہر بزم ہر انجمن کی زینت
وہ گل جس سے چمن کی زینت وہ دُر جس سے عدن کی زینت
کیا کیا نہیں سب نے خاک چھانی
مٹی میں ملا کے موت مانی

ہر قلب میں تھا وقار اُس کا ہر دل میں تھا اعتبار اُس کا
سب سے جُھکنا شعار اُس کا رحمت کا ہو گھر مزار اُس کا
ایسا کوئی صلح جو نہ ہوگا
ہوگا پہ فرشتہ خو نہ ہوگا

حالی سب پر ہے حالِ واصفؔ جائے کیوں کر خیالِ واصفؔ
اس طرح نہ ہو ملالِ واصفؔ اللہ اللہ کمالِ واصفؔ
جتنا اُسے ضعف نے گرایا
اُتنا ہی قلم میں زور آیا

اُس کی وہ زندگی تھی سادی کیا وضع اخیر تک نبھادی
تنِ سادہ روی دکھادی خاموشی میں بات یہ بتادی
سر میں نہ کبھی غرور رکھنا
ہر وقت خودی کو دور رکھنا

تھا شعر و سخن کا مردِ میداں　　اُردو پہ کیے ہیں اُس نے احساں
ابر کا بھی چاک ہے گریباں　　ذاتِ واصفؔ تھی ابرِ نیساں
اُردو کیوں کر نہ اُس کو روتی
کیسے کیسے لُٹائے موتی

تھا جو خبر نغاں کی صورت　　دیکھی بس آسماں کی صورت
کیسا دردِ نہاں کی صورت　　دل بیٹھ گیا مکاں کی صورت
اُٹھتے جاتے ہیں اُف مشاہیر
اے نجمؔ یہ آگرہ کی تقدیر

(37)

صبح وشام

سچ ہیں قول و قرارِ صبح و شام　　زندگی اور اعتبارِ صبح و شام
فکر منعم کو غریبوں کی ہے کہاں　　ہے وہ مصروف شمارِ صبح و شام
دشتِ غربت میں ہوئی قدرِ وطن　　اور کچھ تھی واں بہارِ صبح و شام
ہر گھڑی ہے خوف پیغامِ اجل　　خاک کیجے اعتبارِ صبح و شام
اب بھی دل دنیا سے اُکتایا نہیں　　کر تو او غافل شمارِ صبح و شام
ہیں سبق آموز یہ نیرنگیاں　　دیکھ او محوِ بہارِ صبح وشام
چل بسا بیمار او پیماں شکن　　کرتے کرتے انتظارِ صبح و شام
دل جلے نا کام نکلے کام کے　　مہرومہ پر ہے مدارِ صبح و شام
جوشِ وحشت میں نکل جاؤں کدھر
نجمؔ گھیرے ہے حصارِ صبح و شام

(38)

بچہ کی دعا

چھوٹا سا ہوں میں بچہ بیٹھا ہوں سَر جھکائے — تیرے حضور میں ہوں ننھے سے ہاتھ اٹھائے
کیا چیز تجھ سے مانگوں بھولا ہوا ہوں بالکل — اماں نے کچھ دعا کے الفاظ تھے سکھائے
کل ہی بتا رہی تھیں مجھ کو یہ میری آپا — یہ چاند اور ستارے سب تو نے ہیں بنائے
بھائی کا تھا یہ کہنا جگ میں بڑا وہی ہے — جس کو ترے کرم کا تحفہ بڑا بنائے
ابا یہ کہہ رہے تھے جب میں تجھے پکاروں — ممکن نہیں کہ تیری رحمت نہ مسکرائے

(39)

آج کا حیدرآباد

دیدنی ہے اے نگاہِ روزگار — عہدِ آصف جاہ سابع کی بہار
روح پرور حیدرآباد آج ہے — زندگی کی عافیت کا راج ہے
پختہ سڑکوں پہ صفائی روشنی — جس سے نظارہ میں آئی روشنی
کیا چمن سر سبز ہیں گلپوش ہیں — کتنے ساگر ہیں جو دریا نوش ہیں
ہر طرف سامانِ آرایش بھی ہے — علم کی حکمت کی افزایش بھی ہے
وہ کتب خانہ کا منظر لا جواب — جس کا دروازہ ہے ہمشکلِ کتاب
مدرسے تحتانیہ فوقانیہ — سب پہ بالا جامعہ عثمانیہ
غیر ہو کس طرح بیماروں کا حال — گود پھیلائے ہوئے ہیں اسپتال
بات کیوں انصاف کی ہو دل پہ بار — کیا عدالت عالیہ ہے شان دار
ملک میں ہے صنعت و حرفت کا دور — اب گیا مزدور کی عسرت کا دور
دھوم پیپر مل شگر مل کی بھی ہے — باعثِ تفریح لاسلکی بھی ہے

باغ عام

خاص چیزوں میں ہے اس کا نام بھی　　سیر کے قابل ہے باغ عام بھی
کچھ نئی اور کچھ پرانی شان ہے　　میوزیم کا اِک طرف سامان ہے
جا بجا ہیں کچھ عمارات بلند　　وضع ہے جن کی نہایت دل پسند
گھاس پر رکھی ہیں کچھ توپیں قدیم　　جن کے ڈر سے دل ہوئے ہوں گے دونیم
اب کسی کو ان سے کاوش کچھ نہیں　　آج مقصد جز نمایش کچھ نہیں
ایک دلچسپی کا یہ منظر بھی ہے　　یہ چمن بھی اور چڑیا گھر بھی ہے
جانور ہر رنگ کے گلشن میں ہیں　　بند اپنے آہنی مسکن میں ہیں
اک تماشا ہیں زمانے کے لیے　　عام نظروں کو لُبھانے کے لیے
کررہا ہے اور اسے مقبولِ عام　　ایک سالانہ نمایش کا قیام
صنعت وحرفت کا سالانہ ورود　　حُسنِ صورت کی بڑھاتا ہے نمود
زینتوں سے گرچہ مالا مال تھا　　مدتوں سے اس میں ناؤن ہال تھا

بڑھ گئی شان اور جُبلی ہال سے
جشنِ سیمیں کے مبارک سال سے

(41)

آرائشِ بلدہ

کیا خوب ہے آرائشِ بلدہ کا ادارہ
فردوسِ نظر بن گیا بلدہ کا نظارہ

ہر سمت ہیں خوش وضع مکانوں کی قطاریں
گلیوں میں ترقی کے نشانوں کی قطاریں

نظروں کی مدارات کا پابند ہے منظر
صورت میں ہیں یکساں تو خوش آیند ہے منظر

صحت کو مضر جو ہو وہ سامان نہیں ہے
فصل ایک سے ہے ایک کا گنجان نہیں ہے

تعریف کے قابل ہے یہ تجویز و عمل بھی
اکثر میں تو بجلی بھی ہے پانی کا ہے نل بھی

کیوں کر نہ زباں پر ہو غریبوں کی ستایش
آرام کا آرام نمایش کی نمایش

ہیں گرچہ ہزاروں ابھی درکار ہیں لاکھوں
خالی نہیں رہتے کہ خریدار ہیں لاکھوں

(42)

مُوٹر بَس

یہ دورِ حاضرہ کا فیض جاری
یہ این۔ایس۔آر موٹر بس ہماری

لچکتی صاف ستھری وہ نشستیں
غریبوں کی امیرانہ سواری

ہنر مندوں کی صنعت کا کرشمہ
سبک اتنی اور ایسا جسم بھاری

نہ شور و غل نہ تیزی ریل کی سی
رواں ہے صورتِ بادِ بہاری

دھندلکے سے سحر کے نصف شب تک
وہ انجن کی مسلسل بے قراری

کرایہ نسبتہً کم منزلیں دور
سراسر بے بسوں کی پاسداری

ہم ایسے نوجواں منصب ہے جن کا
وطن اور ملک کی خدمت گذاری

بچاتے ہیں ہم اپنا قیمتی وقت
نہیں پیدل سفر کرنے سے عاری

جنگی نمایش

بڑی دلچسپ ہے جنگی نمایش　　یہ سن چوّن کی یک رنگی نمایش
پیامِ زندگی تازہ ہے جس کا　　نمودِ فتح دروازہ ہے جس کا
وہ دروازہ نہ کیوں منہ سے بولے　　جسے دستِ شہ ذی جاہ کھولے
براہِ ریڈیو تقریر شاہی　　وہ گردوں پر مزاج نشر گاہی
نمایش میں حقیقت کا طریقہ　　سکھاتے ہیں لڑائی کا سلیقہ
یہ منظر ہے ثبوتِ زندگانی　　یہاں انگڑائی لیتی ہے جوانی
رعایا کے لیے حفظ و حمایت　　سپاہی کے لیے درسِ شجاعت
رگوں میں خوں یہاں لیتا ہے لہریں　　ابلتی ہیں یہاں جذبوں کی نہریں
جلوس اک آئینہ دارِ نمایش　　گذر گاہوں پہ اسرارِ نمایش
وہ آئین وفا کی پاس داری　　سلامی اور جوابِ شہریاری
نئی انگریز خاتونوں کی پلٹن　　وطن کا درد ہر چہرہ سے روشن
قیامت خیز وہ جنگی مشینیں　　کہ لرزاں جن کے قدموں میں زمینیں
وہ ہیبت ناک پڑولی قرابے　　فلک کو داب نے والے دبابے
وہ حیرت خیز ہمت آزمائی　　نشاط انگیز مصنوعی لڑائی
وہ طیاروں کی تیاری کا عالم　　وہ بم باروں کی بمباری کا عالم
مکاں جلتے ہوئے برباد کھیتی　　نئی دنیا کی لاشیں سانس لیتی

انہیں باتوں سے پایندہ ہیں قومیں
انہیں سے آج کل زندہ ہیں قومیں

(48)

مزدور کی آواز

مجھ سے نفرت کیوں ہے تجھ کو میں اگر مزدور ہوں — کیا تمھیں یہ وہم ہے انسانیت سے دور ہوں
ہے فقط سامانِ آسایش اگر انسانیت — میرے ہاتھوں سے بنی ہے بیشتر انسانیت
میرے ہی دم سے ہے جو کچھ ہے تمھارے آس پاس — یہ مکاں، یہ باغ، یہ بستر، یہ برتن، یہ لباس
میں نے لوہے کو گلایا میں نے توڑے ہیں پہاڑ — میں نے گلشن کردیا، ورنہ یہ دنیا تھی اُجاڑ
علم سیکھا جس سے تم نے ان کتابوں کی قسم — میری ہمت نے بنایا ہے یہ کاغذ یہ قلم
ہے یہ بنیادِ ترقی میری ہی ڈالی ہوئی — ریل کی پٹری ہے میرے ہاتھ کی ڈھالی ہوئی
کوئی صنعت ہو مری محنت کا شامل ہے گداز — میری ہی طاقت نے پانی پر چلائے ہیں جہاز
میرا کس بل ہے جو بجلی سے بھرے تاروں میں ہے — سب یہ میرے بازوؤں کا زور طیاروں میں ہے
میں نے وہ ڈھانچہ بنایا جس میں یہ آواز ہے — ریڈیو نغمہ تمھارا ہے تو میرا ساز ہے
میری ہستی ہے تمھارے عیش و راحت کی مشین — سب مشینیں مجھ سے ہیں، میں ہوں وہ قدرت کی مشین
میرے جلوے سے ہیں روشن علم و حکمت کے چراغ — میری محنت گر نہ ہو بیکار ہیں سارے دماغ

(49)

سب ایک

ہندو مسلم سکھ عیسائی — ہند میں سب ہیں بھائی بھائی
ایک ہی گودی بیٹھے لیٹے — ایک ہی ماں کے سب ہیں بیٹے
ملک پہ سب جی دینے والے — ایک ہی کشتی کھینے والے
پوت سپوت دھنی مزدورے — بھارت کے ہیں سیوک پورے
ہم بھی پیارے وہ بھی پیارے — سب ہیں ماں کی آنکھ کے تارے

ہندوستان کا معصوم بچہ

مجھے ہر رنگ میں حاصل محبت کی ہے شادابی
میں دکھن میں ہوں مدراسی تو اتر میں ہوں پنجابی
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
میں بنگالہ کے قصے میں ہوں یوپی کی کہانی میں
وہی اک جسم ہے کرتے میں ہو یا شیروانی میں
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
میں سب کو مسکراکر پیار کی نظروں سے تکتا ہوں
کوئی ہندو یا مسلم ہو میں سب پر ہمکتا ہوں
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
مجھے دلّی کا قلعہ آگرہ کا تاج بھاتا ہے
ایلورا جی کو لگتا ہے اجنتا دل لبھاتا ہے
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
توجہ ہے بہر صورت قریب و دور پر میری
نظر اٹھتی ہے یکساں منعم و مزدور پر میری
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
وہی نر ہے اگر لکڑی کے گٹھے کی مصیبت ہو
وہی دل ہے بغل میں گر قلمدانِ وزارت ہو
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
نہ آوازِ اذاں تکلیف کا پیغام لاتی ہے

نہ گھنٹہ کی صدا سے میرے دل پر چوٹ آتی ہے
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
میں اک اک ہند کے ذرے کو اپنی جان کہتا ہوں
میں ہر صوبہ سے ہندوستان ہندوستان کہتا ہوں
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں
کھڑا ہوں گا جب اپنے پاؤں پر تب رنگ لاؤں گا
یہی پیغام لاؤں گا یہی آہنگ لاؤں گا
میں جو کچھ بھی ہوں جس عالم میں ہوں ہندوستانی ہوں

(51)

کڑکا

رَن میں سن لو میرا کڑکا　　میں ہوں ہندوستانی لڑکا
سورج کا میں نورِ نظر ہوں　　مشرق کا میں لختِ جگر ہوں
چاند ہے میرا ایک کھلونا　　میرے وطن کی دھوپ ہے سونا
ٹھنڈی ٹھنڈی نہریں میری　　گرم ہوا کی لہریں میری
کھیت میں پچی کایا میری　　دھرتی مایا میری
پربت پربت چڑھنے والا　　آندھی ایسا بڑھنے والا
ہند کا روشن تارا ہوں میں　　دیس کو اپنے پیارا ہوں میں
دونوں ہیں شیدائی میرے　　ہندو مسلم بھائی میرے
جنگ ہے جب انگڑائی لیتی　　آتا ہوں میں چھوڑ کے کھیتی
بجلی بادل کوئی نہ روکے　　میرا رستہ کوئی نہ ٹوکے
ڈر کی پروا کرتا کب ہوں　　ہندی ہوں میں ڈرتا کب ہوں

(52)

ہندوستان کی لڑکی

حیا کا دل وفا کی جان ہندستان کی لڑکی
وہ سر سے پاؤں تک انسان ہندستان کی لڑکی

وہ شوہر کی پجارن باپ ماں کی چاہنے والی
وہ ہندستان کی پہچان ہندستان کی لڑکی

وہ تن من دھن سے اپنے دیس کی خدمت پہ آمادہ
وہ ہندستان پہ قربان ہندستان کی لڑکی

کبھی جھانسی کی رانی چاند سلطانہ کبھی بن کر
بہت دیکھے ہوئے میدان ہندستان کی لڑکی

شرافت کے طریقے میں محبت کے سلیقے میں
مجسم خود وہ ہندستان ہندستان کی لڑکی

(53)

آغوشِ مادر

ننھے سے پیارے بچے آئے ہو تم کہاں سے
لائی ہے مجھ کو فطرت خوابوں کے آشیاں سے

بھونرا سی کالی آنکھیں پائی ہیں کس چمن سے
آیا ہوں یاں گزر کر میں رات کے وطن سے

آنکھوں میں یہ چمک یہ نرمی کہاں سے آئی
مجھ سے نظر ملا کر اک حور مسکرائی

ننھی سی اس جبیں میں یہ شانِ ہوش مندی
مجھ کو لیے ہوئے تھی آغوش میں بلندی

موتی سے کان کیسے پائے ہیں میرے پیارے
کرتے تھے مجھ سے باتیں وہ عرش کے ستارے

پیارے لبوں نے سیکھی کس سے یہ مسکراہٹ
غنچہ یہ کھل گیا ہے بوسہ کی پا کے آہٹ

یہ اشکِ غم ہیں کیسے اس روئے نازنیں پر
یہ میرے منتظر تھے پہنچا ہوں جب زمیں پر

(54)

لوری

سوجا! سوجا! میرے چاند   چاند ہو تیرے آگے ماند
سوجا! سوجا! میرے چاند!
سوجا! سوجا! میرے لال   تیرا روز بڑھے اقبال
سوجا! سوجا! میرے چاند!
سوجا! سوجا! دل کے چین   پیارے پیارے تیرے نین
سوجا! سوجا! میرے چاند!
سوجا! سوجا! اے دلدار   تیرے قبضہ میں تلوار
سوجا! سوجا! میرے چاند!
سوجا! سوجا! میری جان   تیرے ہاتھ رہے میدان
سوجا! سوجا! میرے چاند!

(55)

سہیلی

خدا نے دی ہے مجھ کو اک سہیلی   جو اپنی خوبیوں میں ہے اکیلی
وہ مفلس باپ ماں کی نیک بیٹی   ہزاروں بیٹیوں میں ایک بیٹی
قمر اس کے مقابل ماند سا ہے   غریبی میں بھی چہرہ چاند سا ہے
نہ زیور ہے نہ ہے پوشاک بھاری   میسر ہے فقط کھدر کی ساری
نہ ریشم کی نہ گوٹے کی لگن ہے   وہ اپنے پڑھنے لکھنے میں مگن ہے
کتابوں سے سدا ہے میل اس کا   پکانا ریندھنا ہے کھیل اس کا

وہ درزی کو کہاں گردانتی ہے　　بہت سینا پرونا جانتی ہے
بہت علم و ہنر میں طاق ہے وہ　　گرستی میں بڑی مشاق ہے وہ
ادا ہر ایک خوش ترکیب اس کی　　سراپا مشرقی تہذیب اس کی
بڑوں کا ہے ادب چھوٹوں سے الفت　　وطن کی خاک سے قلبی محبت
نمایاں ہر عمل سے وہ سلیقہ　　جو تھا اگلے بزرگوں کا طریقہ
ہر اک ماں کو خدا دے ایسی بچی
وہ ہندسان کی بیٹی ہے سچی

(56)

کھیل کود

بچے کھلی ہوا میں چکر لگا رہے تھے　　قومی کوئی ترانہ سب مل کے گا رہے تھے
گورے گلے سریلی شہنائیاں تھیں ان کی　　فرشِ زمیں پہ رقصاں پرچھائیاں تھیں ان کی
تارے اُدھر فلک پر پھرتے تھے بھاگے بھاگے　　سورج تھا پیچھے پیچھے اور چاند آگے آگے
عیش و طرب کا عالم یکساں تھا دوجہاں پر
جو کھیل تھا زمیں پر وہ کھیل آسماں پر

سوتی جاگتی گڑیا

میری گڑیا بڑی دُلاری ہے　　گوری گوری ہے پیاری پیاری ہے
میرے ابّا نے لاکے دی ہے مجھے　　عید کی صبح کو ملی ہے مجھے
ساتھ موٹر میں لے کے جاؤں گی　　اپنا اسکول اسے دکھاؤں گی
اس کی جو بات ہے نرالی ہے　　کس نے عادت یہ اس کی ڈالی ہے
نہ یہ سنتی ہے کچھ نہ کہتی ہے　　اپنے کاغذ کے گھر میں رہتی ہے
نہ یہ چلتی ہے اور نہ پھرتی ہے　　نہ مچلتی ہے اور نہ گرتی ہے
نہ یہ ہنستی ہے اور نہ روتی ہے　　رات دن جاگتی ہے سوتی ہے
نہ یہ کھاتی ہے کچھ نہ پیتی ہے　　کھانے پانی بغیر جیتی ہے
دوڑتی ہے نہ بھاگتی گڑیا　　یہ مری سوتی جاگتی گڑیا
مجھ کو گڑیا یہ دل سے بھائی ہے
عید کے ساتھ ساتھ آئی ہے

(58)

کھلونوں کا اسپتال

چڑیوں میں تھا بہار کی آمد کا شور و غل
گڑیوں کی سرزمیں پہ بھی ہے آج یومِ گل

چاروں طرف ہے صبح سے اودھم مچی ہوئی
گھر گھر ہے کھیل کود کی شادی رچی ہوئی

قائم ہوا ہے ٹوٹے کھلونوں کا اسپتال
گڑیوں میں یادگار رہے گا یہ ماہ و سال

چیزیں کچھ اسپتال میں دو تم بھی جانِ من
فیتہ ہو کوئی لیس ہو یا ہو کوئی بٹن

جو چیز دو گے تم وہ ذخیرہ بڑھائے گی
اک سوئی بھی ملے گی تو سو کام آئے گی

وہ دن بھی آئیں گے تمھیں دنیا کی سیر میں
ہوگا تمھارا نام بڑا کارِ خیر میں

(59)

تتلی

خوشبو کی متوالی تتلی
نیلی پیلی کالی تتلی

رنگا رنگ کھلونا تو ہے
چاندی تو ہے سونا تو ہے

کلیوں کا دم بھرنے والی
چھم چھم چھم چھم کرنے والی

ریشم جیسے پر ہیں تیرے
دیکھوں کیسے پر ہیں تیرے

ہٹتی کیوں ہے مڑتی کیوں ہے
مجھ کو دیکھ کے اڑتی کیوں ہے

سن لے مجھ سے راگ رسیلے
رس کی رسیا رس تو پی لے

سب ہیں تیری دیکھی بھالی
پتی پتی ڈالی ڈالی

پھولوں کی رکھوالن تو ہے
میرے باغ کی مالن تو ہے

تو ہے راس چمن کو میرے
مجھ سے آس وطن کو میرے

مکاں در مکاں

گرمیوں کی اک سہانی شام کو
گھر سے باہر ہم گئے تھے کام کو

ہم نے دیکھا راستہ میں ایک گھر
سبز ایسا جیسے ہو طوطے کا پر

غور سے دیکھا تو یہ منظر بھی تھا
سبز گھر میں ایک بھورا گھر بھی تھا

ہم نے بھورے گھر پہ جب ڈالی نظر
اس میں پیلے رنگ کا تھا ایک گھر

اس کے پاس اک اور گھر دیکھا سپید
جیسے ہو اک ملگجا کپڑا سپید

یہ معمّا تم بتاسکتے نہیں
ان گھروں کا بھید پاسکتے نہیں

ہم ہی یہ پردے اٹھاتے ہیں جناب
راز ہر گھر کا بتاتے ہیں جناب

وہ ہرا گھر ایک ہے جھاڑی ہری
جس کی ہر اک شاخ ہر پتی ہری

گھر ہے بھورے رنگ کا اک آشیاں
زرد گھر ہے زرد چڑیا بیگماں

زرد چڑیا کے ہے قبضہ میں جو گھر
اس کا انڈا ہے وہ قصہ مختصر

(61)

رَین مسافر

رین مسافر جگ اجیالے — سب سے اونچے رہنے والے
چاندی سے بھی اجلا تو ہے — کس کا پیارا مکھڑا تو ہے
تجھ سے روشن رات اندھیری — گھر گھر میں ہیں کرنیں تیری
پربت سے سر اونچا تیرا — ہر گھر سے گھر اونچا تیرا
ہم سب پر ہے نیند کا ریلا — جاگ رہا ہے تو ہی اکیلا
اس گلشن کا مالی تو ہے — دنیا کا رکھوالی تو ہے
تیری شہرت دیکھ رہا ہوں — اپنی ہمت دیکھ رہا ہوں
چاند میں تجھ کو ماند کروں گا — اپنے وطن کا چاند بنوں گا

(62)

پَر دار موتی

مشرق میں صبح اک دن جب مسکرا رہی تھی — ننھی سی ایک لڑکی اسکول جا رہی تھی
چھوٹا سا رہگذر کے پہلو میں اک چمن تھا — کلیوں کا تھا ذخیرہ پھولوں کی انجمن تھا
خوشبو تھی بھینی بھینی منظر تھا پیارا پیارا — دم بھر رکیا ٹھہر کر اس باغ کا نظارا
موتی بہت سے دیکھے پتوں کے دامنوں میں — کتنے چھپے ہوئے تھے پھولوں کی گودیوں میں
سوچی کہ واپسی میں لے جائیں گے اٹھا کے — پہنیں گے ہم گلے میں ہار ان کا اک بنا کے
پھرتا رہا نظر میں دن بھر جمال ان کا — آنکھیں کتاب پر تھیں دل میں خیال ان کا
پایا نہ ایک موتی واپس چمن میں آکر — سورج کی گرم کرنیں سب لے گئیں اُڑا کر

گھڑی

مجھے دیکھو بڑی صابر گھڑی ہوں
میں الماری میں برسوں سے پڑی ہوں
مری ٹک ٹک تمھارے کام کی ہے
میں خود سچی ہوں سچے بول میرے
سنو آواز میری منہ اندھیرے
مری ٹک ٹک تمھارے کام کی ہے
کہو محنت سے میں کب بھاگتی ہوں
میں رات اور دن ہمیشہ جاگتی ہوں
مری ٹک ٹک تمھارے کام کی ہے
کبھی تھکتی نہیں ہوں کام سے میں
غرض رکھتی نہیں آرام سے میں
مری ٹک ٹک تمھارے کام کی ہے
نہ گھبراؤ کبھی جھک جھک سے میری
سبق محنت کا لو ٹک ٹک سے میری
مری ٹک ٹک تمھارے کام کی ہے

ہوائی جہاز

ہمیں یاد ہیں کھیلنے کے جو ڈھنگ ہوا میں اڑایا بنا کر پتنگ
ہوا اُس کی پہنچی جو اغیار تک ہنر مند یورپ کے بازار تک
وہاں مل کے بیٹھے کچھ اہلِ دماغ جلایا تفکر کا اپنے چراغ
کیا کام ذہنِ خدا داد نے نئے پر نکالے اِس ایجاد نے
ترقی کا روشن ستارہ بنی یہ ایجاد بڑھ کر غبارہ بنی
لیا اس سے وہ اہلِ مغرب نے کام کہ لرزے میں ہے آج دنیا تمام
کھلا فکر کا اہلِ عالم پہ راز بنا رفتہ رفتہ ہوائی جہاز
ہمارا کھلونا ہمارا پتنگ ہوا آج سرتاجِ آلاتِ جنگ
بڑے کام ان کے بڑا نام ہے یہ سب فکر و محنت کا انجام ہے
دماغوں سے اپنے جو ہم کام لیں یونہی دستِ قدرت سے انعام لیں

رہیں پھر نہ دنیا کے تیور کڑے
ہماری بھی ہمت کا جھنڈا گڑے

سینما گھر

نیا حکمت نے اک جلوہ دکھایا	سنیما ہند میں یورپ سے آیا
نئی شکلیں مشینوں نے سنواریں	کہ چلتی پھرتی تصویریں اُتاریں
اٹھے جب شوق کے دل میں شرارے	تماشا دیکھنے ہم بھی سدھارے
عمارت ایک دیکھی لمبی چوڑی	جہاں خلقت چلی آتی تھی دوڑی
وہ عورت مرد بوڑھے اور بالے	سبھی موجود تھے جیبیں سنبھالے
کھلی پیسوں کے ہتیانے کی کھڑکی	ٹکٹ زردار کو مفلس کو جھڑکی
وہ باتوں کی صدا قدموں کی آہٹ	وہ برقی قمقموں کی جگمگاہٹ
نشستیں اونچی نیچی کرسیوں کی	عیاں چہروں سے بیتابی دلوں کی
یکا یک ہال میں ہُوا گھپ اندھیرا	نہ چہرہ دیدنی میرا نہ تیرا
سیاہی میں نمایاں اک سپیدی	نگاہیں دیکھنے والوں کی قیدی
زمانے بھر کے پردے پر نظارے	دماغوں اور مشینوں کے سہارے
مشینیں اہلِ یورپ کی کرامت	اِدھر لطفِ نظر ذوقِ ساعت

یہی ہے سلسلہ مدت سے جاری
دماغ ان کا ہے اور آنکھیں ہماری

(66)

عجیب صندوق

صندوق ہے ایک میرے گھر میں
مشہور ہے جو محلّہ بھر میں
ظاہر میں ہیں طور اس کے ایسے
ابّا کا ہو کیش بکس جیسے
پر سب سے جدا ہے رنگ اس کا
بالکل ہی نیا ہے ڈھنگ اس کا
ہنستا ہے کبھی ہے گاتا
مجھ کو ہے کہانیاں سناتا
ملکوں کے وہ بھید کھولتا ہے
انسان کی طرح بولتا ہے
جو بول ہیں صاف ہیں کھرے ہیں
کیا پیٹ میں اس کے گن بھرے ہیں
دیتا ہے اِدھر اُدھر کی خبریں
رکھتا ہے زمانہ بھر کی خبریں
سنتا ہے جو کوئی مانتا ہے
دنیا کی زبان جانتا ہے
کیسا ہے عجیب کام اس کا
جب جانیں بتادو نام اس کا

(67)

ڈاکیہ

وہ آتا ہے آتا ہے چٹھی رساں
وہ خط میرا لاتا ہے چٹھی رساں
گلے میں وہ تھیلا ہے ڈالے ہوئے
وہ کاندھے پہ جھولا سنبھالے ہوئے
کڑی دھوپ میں جاتا بھنتا ہوا
خطوں میں سے خط میرا چنتا ہوا
بھلی اس کی معلوم ہوتی ہے چال
بہت اس کی آمد سے دل ہے بحال
کبھی لا کے دیتا ہے آپا کا خط
کبھی میری اماں کا پاپا کا خط
کبھی چائے نوشی کی دعوت کا خط
کسی دن مرے دوست شوکت کا خط
یہ کیوں آتے آتے پھرا ڈاکیہ
یہ کیا کہہ رہا ہے مرا ڈاکیہ
کہ خط آج کوئی تمھارا نہیں
مجھے اس کا آنا گوارا نہیں

(68)

نیا سال

ہوا سال کا آخری دن تمام
نئے سال کے پہلے دن کو سلام
نئے سال کی آئی پہلی سحر
میں پل میں بڑا ہوگیا سال بھر
سدھارا اندھیرا گئے سال کا
چمکتا ہے سورج نئے سال کا
بلندی پہ چمکی نئے دن کی دھوپ
دمکتی ہے جس طرح سونے کا روپ
میں آج اپنے ابا سے کیا مانگ لوں
خدا سے تو پہلے دعا مانگ لوں
مری عقل اللہ بڑھتی رہے
مرے علم کی دھوپ چڑھتی رہے
مرا ملک آباد و خوش حال ہو
مبارک نیا دن نیا سال ہو
ملے مجھ کو اے خالقِ آفتاب
نئے دن کا تحفہ اک اچھی کتاب

(69)

بڑے آدمی

بڑے آدمی تھے بڑے کام کے
جو ڈنکے بجا کر گئے نام کے
کوئی علم و حکمت میں نامی بنا
کوئی قوم کا اپنی حامی بنا
ریاضی میں تھا کوئی اہلِ کمال
کوئی فلسفہ میں ہوا بے مثال
تجارت سے کوئی ہوا نامور
سیاست میں کوئی بنا راہبر
مدد لے کے ذہنِ خدا داد کی
کسی نے نئی کوئی ایجاد کی
کسی سے ہے نام و نشانِ وطن
بنا کوئی جاں دے کے جانِ وطن

بہت ان میں مفلس تھے اکثر غریب زمانہ سے تھا جن کا گھر بھر غریب
موافق یہ دنیا کا دھارا نہ تھا کہیں جن کا کوئی سہارا نہ تھا
مگر دل بڑا تھا طبیعت بلند ارادے بڑے اور ہمت بلند
وہ محنت کے زینے پہ چڑھتے رہے وہ دنیا میں آگے ہی بڑھتے رہے
جہاں میں ہیں اب جن کے جھنڈے گڑے
وہ چھوٹے ہی سے تو ہوئے تھے بڑے

(70)

دعا

اے خدا اے دردمندوں کے خدا عاجز و ناچیز بندوں کے خدا
اے زمانے بھر کے رکھوالے خدا اے ہمارے پالنے والے خدا
تو نے اے صورت گر انسانیت ہم کو بخشا جوہرِ انسانیت
تیری قدرت آنکھ میں کاجل بنی گود ماں کی مکتبِ اول بنی
ہم سے نادانوں کو دانا کردیا فہم و دانش سے توانا کردیا
روشنی تیری دماغ و دل میں ہے تو ہی رہبر علم کی منزل میں ہے
اے خدائے عرش وفرش و خاک وآب تو نے ہم کو نعمتیں دیں بے حساب
غم بھی دے ملت کا غمخواری بھی دے دل کو اک احساسِ خود داری بھی دے
راستی کی دولتِ بیدار دے عزمِ محکم قوتِ ایثار دے
نیکیوں کا جذبۂ خاموش بھی امتیازِ نیک و بد کا ہوش بھی
ذوقِ محنت حق پرستی سادگی شر سے نفرت خیر پر آمادگی
دل سے بہتر فطرتِ دل چاہیے قوم کی خدمت کے قابل چاہیے
سر پہ آنکھوں پر یہ فانی زندگی اور دے اک جاودانی زندگی
رحم کر ہر قوم کے انسان پر ابر رحمت بھیج ہندوستان پر

جستجو

یہ اہلِ جستجو کچھ سعی کا حاصل نہ پائیں گے　　یہ احساسِ عمل یہ جذبۂ کامل نہ پائیں گے
کہیں اس شان سے ربطِ دماغ و دل نہ پائیں گے　　دلیلِ راہ جب تک ہم نہ ہوں منزل نہ پائیں گے

مسافر دھن کے پکے ہوں تو خود بھرتی ہے دم منزل　　جہاں چاہیں گے ہم آجائے گی زیرِ قدم منزل
صداقت داد خود داری دل صبر آزما ہوگی　　ہوائے انقلابی پردۂ غفلت اٹھا دے گی
اقلیت کے آگے اکثریت سر جھکا دے گی　　زمانہ خود پکارے گا ضرورت خود صدا دے گی

غمِ ہستی کے طوفاں میں ٹھہر سکتا نہیں کوئی　　سہارا ہم نہ دیں جب تک ابھر سکتا نہیں کوئی
ادھر سے ہو کے بے پروا گزر سکتا نہیں کوئی　　وہ ذرّہ ہیں نظر انداز کر سکتا نہیں کوئی

منارہ قوم کی عظمت کا جب دولت بناتی ہے　　بلندی پر انھیں ذرّوں کی طاقت مسکراتی ہے

سراپا درد ہے دنیا دوا ہم ہیں دعا ہم ہیں　　سفینہ اور تلاطم جانتے ہیں ناخدا ہم ہیں
بقا کی سلطنت کے مستقل فرمانروا ہم ہیں　　جہاں کی مشکلوں سے پوچھ لے مشکل کشا ہم ہیں

سکوں اے ہند تجھ میں آج ہوگا اور نہ کل ہوگا
ہمیں اٹھیں گے جب یہ عقدۂ دشوار حل ہوگا

یادگار

جو دُور ہیں نگاہ سے ان کا بھی پاس ہے
دنیا کو دیکھتا ہوں اب احساں شناس ہے

اس دور میں بدل گئے ارض و سما کے دن
گھر گھر منائے جاتے ہیں اہلِ وفا کے دن

نام آورانِ دہر کے ہیں یوم بے شمار
آج اس کی یادگار ہے کل اس کی یادگار

یہ اعترافِ خدمتِ دنیا و دیں نہ تھا
آواز یا حسینؑ سے پہلے کہیں نہ تھا

سوئے ہوئے زمیں میں صدیوں کے بھی اٹھے
مردے بہت حسینؑ کے صدقے میں جی اٹھے

شاہزادۂ اکرم

تیرے غم میں ہے پریشاں زلفِ لیلائے اودھ　　تو کہاں ہے یادگارِ مسند آرائے اودھ
تو بھی کھویا جستجو میں موت کے مفہوم کی　　اے نشانی تاجدارِ بیکس و مظلوم کی
کس قدر بے رحم ہے یہ گردشِ تقدیر بھی　　چھین لی جانِ اودھ کی آخری تصویر بھی
اشک تھا اک غم کا صورت گر سو وہ بھی اب نہیں　　شمع تھی اک اس کے مدفن پر سو وہ بھی اب نہیں
زندگی کی آس تھی تجھ سے تجھے موت آگئی　　اے اودھ کے نور کلکتہ کی ظلمت کھا گئی
تیرا ارماں تھا وطن کو تجھ کو ارمانِ وطن　　کیسے غربت میں گزاری زندگی جانِ وطن
دل کو ڈھارس تھی کہ تو ہے آج تو بھی مٹ گیا　　لکھنؤ کے لاڈلے اب لکھنؤ بھی مٹ گیا
انتزاعِ سلطنت اب تک دلوں کو شاق ہے　　آج یہ سیلِ فنا سے آخری الحاق ہے
زخم کھایا تھا جو سن چھپن میں تازہ ہوگیا　　آج اپنا جاں بلب ارماں جنازہ ہوگیا
آج تک پیشِ نظر ہے غم کا مارا کارواں　　لکھنؤ سے کل سدھارا تھا ہمارا کارواں
ہل گئے دل اس فریبِ چرخِ نیلی نام سے　　تیری دولت لوٹ لی امن وسکوں کے نام سے
کھوگیا کل کا تمدن آج کی تہذیب بھی　　خواب ہی دیکھا کیے تعمیر کے تخریب میں
پھر ابھر آیا وہ نقشِ ظلم قلبِ زاد پر　　موت نے پھر ماڑھ رکھ لی خنجرِ خونخوار پر
تااہلِ صد ملک وملت لائقِ صد تخت وتاج　　شرمسار آنکھیں تجھے دیتی ہیں اشکوں کا خراج
گو لہو روتے تھے اپنا نقصِ ہمت دیکھ کر　　پھر بھی اک تسکین سی ہوتی تھی صورت دیکھ کر

عمر بھر حاصل رہی بے تاج کی شاہی تجھے
صدر اپنا اپنا دل ملت نے سمجھا ہی تجھے

کوچ کا ڈنکا باجت ہے

جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب تک موج نہ آئی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سکھیوں میں ہے جینا مرنا ہلکی ہمری بات نہ کرنا
اوٹھو پریم دوہائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سوچت سوچت عمر گزاری رین کٹھن ہے دن ہے بھاری
کب تک یہ چترائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب نہ چلے گا پیار کا منتر تم گھر میں ہم جیل کے اندر
جگ میں ہو نہ ہنسائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
مجبی کے پیغام سے اٹھو دین دھرم کے نام سے اُٹھو
ایک نہیں سنوائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے

آؤ سہیلی جیل چلیں

ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
سب دھندوں کو آگ لگائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بی بی کے دُکھ درد پہ واری چکّی پیست قوم سنواری
ان کی لیلا کیوں نہ رچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
کربل بن کی بھوکی پیاسی فضّہ جس کے گھر کی داسی
اس کی قید کے بل بل جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بجلی چمکے بادل گرجے سانچے بول سے دھرتی لرجے
گلیوں گلیوں شور مچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
مجّی کا اُپدیش سپھل ہو دھرم سپھل ہو دیش سپھل ہو
کاہے سئیں نیر بہائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں

قافلے سے بچھڑ جانے والوں کے نام

عذاب سجدۂ ناحق ہوا جبیں کے لیے
سرِ نیاز نے بوسے یہ کس زمیں کے لیے

قفس سے ہم بھی نکلنے کی آرزو کرتے
نہ ہوتی موت اگر آشیاں نشیں کے لیے

ستم ہے دوست کا دادِ ستم بھی دینی ہے
اک اور کام بڑھایا دلِ حزیں کے لیے

ہنوز نشۂ شکرِ جفا ہے دم لیجے
ابھی زبان پلٹتی ہے آفریں کے لیے

نہ کیجئے تذکرۂ احتمالِ ناکامی
یہ چھیڑ زہر ہے دیوانۂ یقیں کے لیے

وطن ہے مجسم کا مسکن ہے میرؔ و غالبؔ کا
یہ ارضِ تاج شرف بن گئی زمیں کے لیے

جیل میں اسیران تبرا کا خیر مقدم

ادب سے ہوگئیں خاموش زنجیروں کی جھنکاریں
قدم رکھا جو ہم نے کانپ اُٹھیں زنداں کی دیواریں

خدائے درد نے دل کو نوید نیک نامی دی
جھکائی ظلم نے گردن حکومت نے سلامی دی

زبانِ عشق پر افسانۂ شانِ درود آیا
زمیں نے پاؤں چومے آسمانوں سے درود آیا

ہوا کھٹکی زبانوں پر صدائے یاعلیؑ پا کے
چمن زارِ نجف تک لے گئی نغمے تولاّ کے

اُٹھے تعظیم کو بیتاب ذرّے مرحبا کہہ کر
گلوں نے اپنی خوشبو پیش کی صلِ علیٰ کہہ کر

نشانِ مہر نے تھرّا کے اذن پیروی مانگا
شعاعِ فاضلِ طینت سے نورِ زندگی مانگا

تجلی کی یہ رو حیرت سے دیکھی چاند تاروں نے
بلائیں دور سے لے لیں فلک کے ماہ پاروں نے

اُسے کیا ہوش جو عشقِ شہیدِ کربلا رکھے
اسیرانِ محبت اپنی دھن میں تھے خدا رکھے

خیال آیا نہ دل میں اور نہ لب پر گھر کا نام آیا
تصوّر کے دھندلکے میں فقط زندانِ شام آیا

(78)

زندگی کا گیت

موت سو بار آئے خاطر میں نہ لانا چاہیے
مرتے مرتے زندگی کا گیت گانا چاہیے

جس طرح چاہیں زمانہ کو بدل دیں اہلِ دل
پست ہمت ہیں جنہیں اگلا زمانا چاہیے

اپنی ہستی سے بھی کل بیگانگی ہوگی تو کیا
آج موجودات کو اپنا بنانا چاہیے

فرض ہے حفظِ مراتب عزتِ نفسِ حیات
موت سے دو اک قدم آگے ہی جانا چاہیے

زندگی یہ ہے جدھر ہم ہوں ہوا اُس رُخ کی ہو
کون کہتا ہے ہوا کے رخ پہ جانا چاہیے

یہ سکونِ دل کا عالم بیدلی سے کم نہیں
نجم بیٹھے کیا ہو کچھ طوفاں اُٹھانا چاہیے

(79)

دورِ حاضر

چلے گی تا کجا بادِ مخالف دورِ دوراں میں
کسی دن حق کا ہوگا ہاتھ باطل کے گریباں میں

بہت صیاد ابھی سیرِ گلستاں دیکھنے والے
رہا کرنا ہمیں جب آگ لگ جائے گلستاں میں

مرے نالے قفس سے تا چمن پرواز کرتے ہیں
قفس میں ہوں کھٹکتا ہوں مگر چشمِ نگہباں میں

تعجب کیا جو بل آجائے تیور پر اسیروں کے
کیا ہے قید جس نے پوچھنے کیوں آئے زنداں میں

کریں کیا زیست کا خوابِ پریشاں دیکھنے والے
یہ تم کو کس نے شامل کر دیا خوابِ پریشاں میں

مناسب ہیں یہی طعنے ہماری بے قراری پر
کبھی تم نے وفا کی ہو تو منھ ڈالو گریباں میں

جنابِ نجم یہ قیدِ ستم اور فکرِ آسایش
ابھی تک مبتلا ہے دل فریبِ ساز و ساماں میں

(80)

قومی شعراسے

ذرا اے ہمصفیر و دل کی دنیا دیکھنے آؤ — اُٹھا رکھا ہے ہم نے آج پردا دیکھنے آؤ
گذاری ہے ابھی تک عمر زندانِ خیالی میں — حقیقت میں قفس ہوتا ہے کیسا دیکھنے آؤ
دلِ شاعر تمنا بن گیا ہے سرفروشی کی — تمنا کس کو کہتے ہیں تمنا دیکھنے آؤ
وہاں چھکی سی ہوگی روشنی شمعِ تولاّ کی — اندھیرے میں محبت کا اُجالا دیکھنے آؤ
اُٹھو اور سیدِ سجادؓ کے قدموں پہ سر دیکھو — چلو اب ربطِ بیمار و مسیحا دیکھنے آؤ
سلاخوں ہی سے آکر جھانک لو ہم دردمندوں کو — تماشہ بن نہیں سکتے تماشا دیکھنے آؤ

(81)

جیل جاتے ہوئے

۱۵/اپریل ۳۹ء

تڑپ اے روح بن جا شمعِ آزادی کا پروانہ — کہ زنداں بن چکا ہے کوثر آشاموں کا میخانہ
بلا رکھا ہے تیرہ سو برس سے جس نے دنیا کو — یہ زندہ قوم پھر دہرانے والی ہے وہ افسانہ
نظر نیچی نہیں ہوتی قدم پیچھے نہیں ہٹتے — کہ ہم کو شاہِ مرداں سے ملی ہے شانِ مردانہ
ذرا دم کیوں نہ لے لے لرزہ براندام ہوا ہے — حکومت سے یہ کہہ دو کر چکی اب رقصِ مستانہ

بدل دیتے ہیں ہم اے مجسم صورت ظلم حالم کی
چھلک جاتا ہے صبر و ضبط کا جس وقت پیمانہ

پنتھ نارا کے دن کا

کس کی مایا سدا رہی ہے ریت گھروندا کے دن کا
من میں جگہ نہ پائی ٹھاکر تن پہ اجارا کے دن کا
رہو گے کب تک منھ کو موڑے نام بڑا اور درشن تھوڑے
دیس میں سب کا مرنا گڑنا پھر یہ پریکھا کے دن کا
چلتی پھرتی چھاؤں ہے دنیا نیاؤ کرو انیاؤ کرو
کتنے دیکھے ایسے تماشے یہ بھی تماشا کے دن کا
ایشر کے انصاف نگر میں دیر سہی اندھیر نہیں
ست اوجیارا رہتے جگ تک مگر اوجالا کے دن کا
کرودھ کپٹ کا راج نہ ٹھہرے آج بچا تو کال گیا
سانس کہاں کی آس کہاں کی سانس کا ڈھرّا کے دن کا
رنگ بھی چوکھا آئے گا جب سنی شیعہ ایک ہوئے
کے دن کی ہے مدحِ صحابہ اور تبرّا کے دن کا
نجمی کبت سُنائے جاؤ اپنی دُھن میں گائے جاؤ
جگ جیون ہے پریم کی ہنسی پنتھ نقارا کے دن کا

قیدی کا راگ

سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سوئے گا کب تک جاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
ڈنڈا سلگے بیڑی سلگے دھیرے دھیرے دیہی سلگے
بھڑکے من کی آگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
دُکھ کی ہنسی بڑی سُہانی اب تک تو نے قدر نجانی
اپنے اپنے بھاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
مجھی جیل کی مایا دیکھے کمبل دیکھے تسلا دیکھے
بیٹھا جگ کو تیاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر

پیسے کا اُدھر زور تھا گنتی میں سوا تھے — تھوڑے سے دھرم ویر منش چیز ہی کیا تھے
کتنوں کے گلے میں تو غلامی کے تھے بندھن — وہ ظلم ہوئے اُن پہ کہ جینا تھا اجیرن
جلتی ہوئی ریتی پہ کبھی اُن کو لِٹایا — پتّھر کے تلے دھوپ میں لے جا کے دبایا
بیلوں کی طرح باندھ کے بازاروں میں کھینچا — رسّی میں گلے باندھ کے بازاروں میں کھینچا
آدر نہ پڑوسی کی نہ رشتہ کی رہی پَت — ہٹ دھرموں کے ہاتھوں سے غریبوں کی تھی درگت
سو زور اُدھر تھے اِدھر اک زور اہنسا — اِک اُور تھا اَنیائے، تو ایک اُور اہنسا
ڈنڈوں سے کبھی اور کبھی بھوک سے مارا — سب ظلم تھے اللہ کے بندوں کو گوارا
لکھا ہے کہ پیٹے گئے اِس طرح بچارے — سنسار سے عمّار کے ماں باپ سدھارے
چڑھتے ہوئے دریا کا ہُوا کچھ نہ اُتارا — بڑھنے سے رُکا یوں بھی نہ اِس دھرم کا دھارا
کمزور مسلمان نے جب ہار نہ مانی — اب سب نے محمدؐ کے ستانے کی بھی ٹھانی
سر پر کبھی کوڑے سے بھرے طشت گرائے — ہتیاروں نے کانٹے کبھی رستہ میں بچھائے
مارے کبھی پتّھر، کبھی دی آپ کو گالی — سیٹی کبھی لڑکوں نے بجائی کبھی تالی
دم جس سے نکل جائے وہ اَنیائے کیا تھا — عتبہ نے تو چادر سے گلا گھونٹ دیا تھا
جس روز ابوجہل نے حضرت کو ستایا — حمزہؓ تھے چچا آپؐ کے غصہ انہیں آیا
گردن سے ہُوا مورتی پوجا کا اُتارا — اسلام بھی لائے اور ابوجہل کو مارا
چلتا نہ تھی کچھ مار کے انجان تھے ایسے — چُپ ہو گیا وہ پٹ کے یہ بلوان تھے ایسے
عتبہ تھا اُمیّہ کی جو سنتان کا سردار — اِک روز کیا اس نے پیمبرؐ کو نمسکار
کہنے لگا دنیا تمہیں دیتی ہے اُلہنا — اے میرے بھتیجے مجھے کچھ تم سے ہے کہنا
تم بھی اسی بستی اسی بھومی میں پلے ہو — پُرکھے بھی تمہارے ہیں بھلے تم بھی بھلے ہو
باتیں جو نئی کرتے ہو کیا اس کا ہے کارن — کیوں توڑ رہے ہو یہ دھرم دیش کے بندھن
جاتی کو بڑا تم نے تو جھگڑے میں ہے ڈالا — اوگن ہے یہ کیا مُورتی پوجا میں نکالا
اگلوں کے دھرم کو جو بُرا تم نے بتایا — سب اپنے بڑے بوڑھوں کو ہے دوش لگایا
اس دیش میں چچا یہ نئی ٹوٹ پڑی ہے — آپس میں تمہارے ہی لیے پھوٹ پڑی ہے

من سب کے بیاکل ہیں وہ نر ہو کہ ہو ناری
شکشا تمھیں کچھ دوں اگر اچھا ہو تمھاری

جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ شاید تمھیں بھاجائے
سب کے لیے اچھا ہو، سمجھ میں اگر آجائے

دو جگ کے سوامی نے کیا اس کو نہ بے آس
تیار ہوا سننے کو عتبہ کی وہ بکواس

عتبہ نے کہا تم کو جو دولت کی ہو چاہت
وہ ڈھیر لگادیں گے کہ بن جائے گا پربت

ہم سب سے اگر چاہتے ہو اپنی بڑائی
یہ بھی ہمیں سوجان سے منظور ہے بھائی

اس ٹھاٹ سے اب تک نہ یہاں کوئی براجا
چاہو تو بنادیں تمھیں اس دیس کا راجا

کچھ روگ اگر ہے کسی گن بان کو لائیں
یہ حال تمہارا کسی بیدی کو دکھائیں

رہنے کے نہیں پھر یہ سماچار کُڈھنگے
دو روز کی سیوا میں تم ہوجاؤ گے چنگے

یہ سُن کے اُسے آپؐ نے قرآن سنایا
مطلب تھا کہ راج اپنا یہی ہے یہی پوجا

ہردے میں سکت اور نہ زباں پر کوئی بس تھا
سُن ہوگئے سُن کر یہ ہوئی اس کی اوستھا

عتبہ کو اچنبھا تھا کہ یہ بلونت ہے کیسا
راج اپنا ہے منظور جسے اور نہ پیسا

جاکر کہا اپنوں سے کہ جھگڑے کو نبیڑو
کہنا مرا مانو تو محمدؐ کو نہ چھیڑو

اب اس سے اُلجھ کر کبھی بات اپنی نہ کھونا
سُن کر جو میں آیا ہوں وہ جادو ہے نہ ٹونا

پھول ایسی سگندھ کے چُنے ہی نہیں میں نے
اس گیان کے اُپدیش سُنے ہی نہیں میں نے

یہ بول کچھ ایسے تھے کہ آگ اور لگادی
جھگڑے کو گھٹانے کی جگہ بات بڑھادی

مکہ میں ہوئے ٹھور سے بے ٹھور مسلماں
دن رات ستائے گئے اب اور مسلماں

فرمایا پیمبرؐ نے کہ کچھ روز کو ٹل جاؤ
چھوڑو یہ جنم بھوم، حبش دیش نکل جاؤ

سچے ہیں منش، نیائے ہے اس دیش میں جیالو
پرجا بھی بھلی اس کی ہے راجہ بھی ہے دوجالو

یوں اور بھی پرسند ہوئی بات یہ سب میں
بیوپار کا رشتہ تھا حبش اور عرب میں

جو رہ گئے مکہ میں وہ ناچار ہوا تھے
حبشہ جو گئے سو سے وہ دوچار ہوا تھے

ان سب کے تھے سردار، سگے بھائی علیؓ کے
بھائی ہوئے رشتہ میں پچیرے جو نبیؐ کے

کم عمر تھے ان سب میں مگر سب سے کڑے تھے
نام اُن کا تھا جعفر کہ یہ بدھی میں بڑے تھے

پہنچے جو حبش میں تو کوئی رنج نہ دکھ تھا
راجہ کے بھی اُپکار تھے پرجا سے بھی سکھ تھا

جعفر نے بچن سورۂ مریم کے سُنائے — سُن کر اُسے آنسو بہت آنکھوں سے بہائے
کہنے لگا ست دھرم کی ہے یہ بھی نشانی — انجیل کی قرآن کی ہے ایک ہی بانی
فریاد جو لائے تھے کہا اُن سے کہ جاؤ — دیدوں گا انہیں تم کو یہ آشا نہ لگاؤ
بولا عمر عاص خبر ہے تجھے سلطاں — کیا حضرت عیسیٰؑ کو سمجھتے ہیں مسلماں
تھا سب کو ہی معلوم یہ بھید اُن کے دھرم کا — عیسیٰؑ کو سمجھتے ہیں یہ اللہ کا بیٹا
سب کو تھا یہ دھڑکا کہ بگڑ جائے گا راجا — کچھ اور سُنے گا تو اکڑ جائے گا راجا
جعفر نے کہا پھر بھی مگر آنکھ ملا کے — بندہ بھی ہیں وہ اور پیمبرؑ بھی خدا کے
راجہ نے کہا سب سے یہ اُپدیش ہے سچا — اِک تنکے برابر وہ نہیں اس سے زیادہ

اسلام کے دشمن ہوئے یہ سُن کے نراسے
مکہ کو پیاسے ہی گئے خون کے پیاسے

O

جگت گرو

اب حسینؑ اکیلے ہیں لُٹ چکی جو مایا تھی — کربلا کی دھرتی پر تھک کے سو گئے ساتھی
تیر ایسے آتے تھے جیسے مینہ برستا ہو — تین دن کے پیاسوں پر کیا لہو کی برکھا تھی
روم جھوم دنیا ہے آج اُن کی سیوا میں — کیا انوپ سیوک تھے کیا انوپ سیوا تھی
سورما جو ریتی پر سر کٹائے سوتے تھے — اُن کے پاس چرنوں میں سر جھکائے دنیا تھی
دُکھ بھری کہانی ہے چھ مہینے والے کی — لاڈلے تھے مائی میں آسرے میں ماتا تھی
خاک پر نبیؐ زادہ گھر لٹائے بیٹھا ہے — سب اُسی کو دے ڈالی جس دھنی کی مایا تھی
اُس کی تیغ کا چم خم رن کی جگمگاہٹ تھا — گرم ریت پر سجدے زندگی کی شوبھا تھی
اس کے دشمنوں کو بھی سکھ ملا نہ دُکھ دے کر — آنکھ میں نہ ہوں آنسو ہر دِلوں میں دُبدھا تھی

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو جی
آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

کھیون ہارا

کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا　　ایک اک سیس انی پر چمکے جیسے تارا
سب سے لانبی برچھی پر وہ سیس حسینؑ سوامی کا　　بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
ہر چڑیا بن کی روت ہے، اندھیارے بن میں سوت ہے　　علیؑ نبیؐ کی گود کا پالا دھرم کا پالن ہارا
راکھ لئی پت صاحب کی گھر بار لٹا کر سیوک نے　　کیسا اُتّم کام ہے اُس کا نام ہے کیسا پیارا
سب تیر سما دوڑ پڑے جب موت پکاری پلے سے　　نربل بوڑھے کومل بالک کوئی نہ ہمت ہارا
سب سستا سودا سمجھے تھے کیا مہنگی جانیں بیچیں　　اک اک بل نے ست کے بل پر سو سو کو للکارا
پریم کی نیا ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی　　اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھیون ہارا
جان گئے ہر دیسی ویسی جھوٹی سانچی مہما کو　　ہارے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
ہنس ہنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اُپدیش دیا　　اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حسینا بابا کی　　کربل بن میں دیا جلایو سارا جگت اُجیارا
پوجا پاٹ کسو کی ناہیں بپتا یاد دلاوت ہیں　　سرورؑ کا تابوت ہے دھری اصغرؑ کا گہوارا

اپنے کو جو چاہے نجمی اُس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہرلیں ہمارا

○

دُکھ کا ساگر

ڈوبی ہوئی دُکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی
اس چاند کی دس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی

بابا ہی کے دم کے ساتھی تھے اکبرؑ بھی گئے اصغرؑ بھی گئے
تکنے کو رہی ایک ایک کا منہ چھاتی پہ جو سونے والی تھی

یوں جگ میں نہ لاگی آگ کہیں اس ڈھب سے نہ اجڑا باگ کہیں
سوکھی ہوئی پتی پتی تھی ٹوٹی ہوئی ڈالی ڈالی تھی

دو کھیت پرے جل بہتا تھا اور پھول اُوپر کملاتے تھے
بن نیر یہ سوکھے جاتے تھے اور چار طرف ہریالی تھی

حیدرؑ کے گھرانے والے سب سَتونت بھی تھے ساونت بھی تھے
تیجے ہی اُٹھائی بندوں نے مالک نے جو بپتا ڈالی تھی

سرورؑ پہ حسنؑ کی بدھوا نے دو چاند کے ٹکڑے وار دیئے
بچے تو جیالے تھے ہی مگر ماتا بھی بڑی دل والی تھی

کیا لُٹ کے گئے کربل سے حرم جب آئی ہیں سکھیاں ملنے کو
جس مانگ کو دیکھا اُجڑی تھی جس گود کو دیکھا خالی تھی

سنسار کا چاہا اس نے بھلا کٹوا دیا کنبے بھر کا گلا
شبیرؑ کے من کے سانچے میں کرتار نے بھگتی ڈھالی تھی

مارے گئے سَت کی سیوا میں دھنیا دے ایشر بھگتوں کو
مکھڑوں پہ لہو کی سُرخی سے بڑھ چڑھ کے خوشی کی لالی تھی

یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے
کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

نجمی یہ حسینی چوکھٹ ہے یاں آ کے مرادیں ملتی ہیں
اس دوار سے بھکشا لے کے چلے آئے تھے تو جھولی خالی تھی

پریم پنتھی

پریم نگر کا پنتھی تا قاسمؑ موت سے بیاہ رچائے گیا
ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گیا

رتھ ما لہو کی دھاریں تھیں اُس گورے گورے مکھڑے پر
اس سج دھج پہ کسی کی لاگی نجر یہی سہرا بدھی کھائے گیا

اِک باغ کھلا تھا کربل بن میں یثرب والے مالی کا
کچھ سوکھ گیا بن پانی کے کچھ گھام پڑی مُرجھائے گیا

شبیرؑ کے تن کی بستی میں شبیرؑ کا من کیا ہیرا تھا
اس دیپ کی لَو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا

سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوارے نے
جو بھور سے لیکر سانجھ تک لاشیں ہی اُٹھا کر لائے گیا

کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی میٹھی باتیں تھیں
سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ اَمرت جَل برسائے گیا

سنسار کو سَت کی شکتی سے گھر بار لٹا کر موہ لیا
سودا ہے ذرا اِک جوکھم کا جو کھوئے گیا سو پائے گیا

اصغرؑ پہ بھی کیسی بپتا تھی جھولے میں دُکھی دھرتی میں سُکھی
ماں باپ نے مکھ سے آہ نہ کی ماں باپ کو کیا سمجھائے گیا

پیاسوں کے نیلے ستّے نے اِک آگ لگا دی جنگل میں
خیمہ سے نکل کر دریا تک اِک بجلی سی لہرائے گیا

سب شام کی سینا سکتہ میں اکبرؑ کے انوپ روپ سے تھی
جیسے کہ نبیؐ پرلوک سے پھر قرآن سنانے آئے گیا

اب جا کے ہمالہ پربت سے لَے ماتم کی ٹکراتی ہے
اُس دیش کی نجی دُور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

○

دھرم پربت

اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے
اک چاند سروپی سورج روپی مکھڑا درس دکھاتا ہے

جب مایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی بپتا آتی ہے
جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے

لو دھرم کی من میں ہوک اٹھی وہ دیس مدینہ چھوڑ چلا
کانٹوں کی ڈگر سے شام نگر اک جانے والا جاتا ہے

سب کعبہ کے رکھوالے ہیں کچھ بوڑھے ہیں کچھ بالے ہیں
سب ایک ہی کنبے والے ہیں ان سب کا نبیؐ سے ناتا ہے

کیا ایشر روپی مایا ہے من موہن مورت اکبرؑ کی
یہ چاند عرب کی بستی میں ہمشکل نبیؐ کہلاتا ہے

عباسؑ کی سج دھج دیکھو گے ان مرنے جینے والوں میں
چھاتی پہ مشک مچلتی ہے کاندھے پہ علم لہراتا ہے

کیا دھاروں پر تلواروں کی بیعت کا سندیسا دیتے ہیں
جب ست ہی ست ہو ہردے میں دوجا کون سماتا ہے

شبیرؑ دھرم کا پربت ہے کوفے کے ادھرمی کیا جانیں
مائی میں جسے مل جانا ہو وہ پربت سے ٹکراتا ہے

اسلام کی جیون رکھشا کو بلدان ہے ننھے بچوں کا
یاں گودیں خالی ہوتی ہیں واں دامن بھرتا جاتا ہے

قرآن کیسے دکھلائے گا اک بالک ہے قرآن نہیں
دھرتی میں سلا کر آئے گا جھولے سے اٹھا کر لاتا ہے

شبیرؑ کے گھر کا حال کہو پھلواری کے رکھوالوں سے
سو ہوکیں من میں اٹھتی ہیں اک پیڑ اگر مرجھاتا ہے

اک جینا مرنا ان کا ہے جو جیتے ہیں مر جاتے ہیں
اک جینا مرنا اس کا ہے جو مر کے امر ہو جاتا ہے

جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں خنجر کے تلے بھی آہ نہ کی
سکھ نیند اسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے

بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دکھ روپ کہانی کربل کی
محنت پہ سوارت ہو تجھی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

○

حسینؑ سیوا

اکبرؑ کو سکارے مرنا تھا دھن موت کی سگری رات رہی
ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سُلجھات رہی

سب دل کی سوبھا ساتھ چلی جب دیس سے یہ پردیس چلے
پردیس سے جب پرلوک گئے سنسار کی سوبھاجات رہی

جی دیکھے یہ سورگباش ہوئے کوفہ کے ادھرمی ناش ہوئے
شبیرؑ کا بالا بول رہا اسلام کی اونچی بات رہی

سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچ کو کوئی آنچ نہیں
دشمن ہی کو سب نے دوش دیا اور ان کے لیے صلوٰت رہی

پیاسے ہی لڑے پیاسے ہی مرے اک بوند نہ پائی پانی کی
ساوت وہیں پر کھیت رہے تیروں کی جہاں برسات رہی

ایشر کی دیا لہرائے گئی آکاش کی بانی آئے گی
دکھ درد کی جلتی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی

قاتل کو پلا کر دودھ گئے ایسے بھی دیالو ہوتے ہیں
دنیا یہ اُسی کے کُنبے کو پانی کے لیے ترسات رہی

اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا جل مانگت بن میں سوئے گئے
دُکھیاری ماتا آشا میں من جھولے سے بہلات رہی

کربل میں علیؑ کی پتری نے یوں رین گزاری دسویں کی
کس ٹھاٹ سے لڑکے مرتے ہیں ہر بالک کو سمجھات رہی

اب راجا پرجا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں
جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انہیں کے ہاتھ رہی

جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے کبھی دل بھی کبھی جب ان کی نجر پر بات رہی

پریم کہانی

کربل کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے
شبیر کا گھائل تن من ہے دھرتی کی دھڑکتی چھاتی ہے

یوں جگ کے بھلے کو مرتے ہیں یوں اپنے لہو میں بھرتے ہیں
یوں دھرم کی سیوا کرتے ہیں یہ من کی لگن کہلاتی ہے

ڈوبی ہے لہو میں ناؤ مگر من سوچ میں ڈانواں ڈول نہیں
سینے پہ ہیں کتنے گھاؤ مگر آنکھوں میں دیا لہراتی ہے

کیا سیدھے سچے ساتھی تھے کیا پریم کہانی چھوڑ گئے
کربل کی زمیں تھرائے چکی ہر روے کی زمیں تھراتی ہے

بھوکے بھی لڑے پیاسے بھی لڑے لاکھوں میں بہتر کود پڑے
بلونت سہی ساونت سہی کہنے میں مگر بات آتی ہے

سکھ آج ہے برچھی کھانے میں آنند ہے آپ مر جانے میں
اکبرؑ کا بھی ہے وشواش یہی ماتا بھی یہی سمجھاتی ہے

یہ اچرج بھوی لوٹ چکی بھرپور جوانی پھولوں کی
اب گود میں اپنے مالی کے منہ بند کلی مرجھاتی ہے

یہ تیر گلے پر کھائیں گے سنسار کا جی دہلائیں گے
چھوٹے سے بڑے ہو جائیں گے اصغرؑ کی سواری آتی ہے

دن لڑتے لڑتے بیت گیا سنتوش پریمی جیت گیا
سنتوش کی جے رہ جائے گی بپتا کہیں رہنے پاتی ہے

مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے
یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

جبھی وہ بڑے دل والے تھے دل تھام سے دھک دھک کرتے ہیں
یاد ان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

O

سَت کی سیوا

جب جھوٹ کی ندی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہے اٹھلاتی ہے — یہ چلتی پھرتی مایا جب کایا کا لہو پی جاتی ہے
اک وقت نظر میں پھرتا ہے اک بات مجھے یاد آتی ہے — سکھ کھونا یاد آتا ہے دکھ پانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی مورت ہنستی ہے اور من کی دیوی روتی ہے — یہ دنیا زخم پچھونے پر جب آنکھیں کھولے سوتی ہے
سَت دھرم پہ مرنے والوں کی اس جگ میں کمی جب ہوتی ہے — میدان میں ننھے بچے کا لے آنا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب بل بل گرمی بڑھتی ہے اور دھوپ تڑپ دکھلاتی ہے — دنیا میں کوئی پھلواری جب بے نیر کہیں مرجھاتی ہے
کچھ سوکھے سوکھے ہونٹوں کی ہر پیاس میں یاد آ جاتی ہے — اصغرؑ کے گلابی مکھڑے کا کملانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب سچوں کو ٹھکراتے ہیں اور جھوٹوں کو اپناتے ہیں — جب اچھے اچھے دھرم پجاری پاپ کی ٹھوکر کھاتے ہیں
جب مایا جال بچھاتی ہے دل پھندے میں پھنس جاتے ہیں — سنسار کی جھوٹی مایا کو ٹھکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی رکھشا کرنے والے من کا انس مٹاتے ہیں — درد کے جب سیوک بن کر گھر کی لاج گنواتے ہیں
جب سکھ کے بندے سکھ کے کارن جگ جگ سیس نواتے ہیں — دکھ درد کے اونچے پربت سے ٹکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب مرد اد ھک دھک کرتا ہے گھمسان میں رن کی بانی سے — جب تیور بجھ بجھ جاتے ہیں دو چرکوں میں آسانی سے
جب کائر جان بچاتے ہیں تلوار کے گہرے پانی سے — اُن خون میں ڈوبی زلفوں کا بل کھانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

اس جگمگ جگمگ دنیا میں جب ہٹ پر بالک آتے ہیں — جب آنکھیں نیر بہاتی ہیں دل پانی ہو ہو جاتے ہیں
جب جھوٹی سچی آشا دے کر بات پتا سمجھاتے ہیں — کربل میں حسینیؑ جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر بھی من کا گرد ا دھوتے ہیں — جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں
عشرہ کو ہوا کی لہروں میں جب سبز پھریرے ہوتے ہیں — کربل میں حسینیؑ جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

سَت جگ کا ستارہ

پربھو نامے گلا کٹایو گھر بھر دیو لٹائے سُت کی رکھشا ایس کری کلجگ سیس نوائے
ٹُمسا ایک تہ تِکسا کوءٔ گُجرے بہت حسین ایسی لیلا رچ گئے کہ تم بن جگ بے چین
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
جگ کو دُکھ میں پائے کے چھوڑا آپن گاؤں بن میں ڈیرے ڈال دیے دیکھی دھوپ نہ چھاؤں
کیسو رَن کے جاتری ساتھ لیو پروار سارے گھر کی لاڈلی چھوڑ گیو بیمار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
کیا کیا بالک گود کے کیا کیا تنت جوان دتا ہر کے نام پر خوب دیا بلدان
جھولے کا اک جھولن ہارا ایک اٹھارہ سال اکبرؑ جیسا لاڈلا اصغرؑ جیسا لال
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
ایسا کس سردار کو ملا علم بردار ہاتھ کٹے جب شانوں سے تب چھوٹی تلوار
ہاتھن آگے بڑھ گیا دانتن مشک دبائے جیسے شیر شکار کو منہ میں دابے جائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سگری باڑی دھوپ میں سوکھ گئی دن نیر کھیتی پیاسی نیر کی تِس پر برسے تیر
ہنس ہنس ایسا پُن کیا پھوٹ کے رویا پاپ سارا باگ لٹائے کے کھیت رہے پھر آپ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
تم بھوکے پیاسے خیمے سے جب نکلے شیر سمان بڑے بڑے بلونت سپاہی چھوڑ گئے میدان
گھائل دیہی گھام عرب کی تین دنا کی پیاس کربل بن کے لڑنے والے کس بدھ رہے حواس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
تِس تِس مکھڑا کھلت رہا جس جس باڑھی دھوپ پیاس بڑھی سنتوش بڑھا دُونا چمکا روپ
من میں ایسی شانتی کوءٔ کہاں سے لائے لاکھن کشٹ اٹھائے کے ایک نہ نکسی ہائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

پاپی جگ کے پاپ کا کوئی نہ سوجھا توڑ   کیسے کیسے دھرم پجاری بیٹھ گئے جی چھوڑ
آپس لہو بہائے کے تم نے بدلا رنگ   نام آگیا آکاش تک دھرتی رہ گئی دنگ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

آنن تھا حال گریب کا جیسے جیتی لاش   دھن دولت کے زور نے دھرم کیا تھا ناش
ایسی کرنی کر گئے نسچے بھیا ساج   جھوٹا کھیل بگاڑ کے رکھ لی ست کی لاج
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

بستی بستی جنگل جنگل آج تمھارے میت   ابھری شکتی پریم کی بھٹی ہار کی جیت
ہندو مسلم راجا پرجا جن دیکھو گن گائے   من کو ہیرا پائے کے سبھی لیو اپنائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

آنسو نکلے نین سے من سے نکسی کھوٹ   سائیں تمہرے نام کی پڑی کراری چوٹ
بجلی چمکی پریم کی جیو بھیا اوجیار   بادل گرجے ماتمی چیخ پڑا سنسار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سوامی کتنے دورتے لگا پریمی بان   اٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان
بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس   آنسو تمہرے سوگ اور گنگا جمنی دیس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سب ہی کشٹ اٹھائے کے گئے علی کے لال   بھارت سیوک بھوک کی آج کریں ہڑتال
ان سے جب ان بن بھئی من سے نکسے بین   تجی ست کی ٹیک پر پیاسے لڑے حسینؑ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

O

درشن کا اُجالا

درشن کا اُجالا لے کے چلے آنکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے
اکبرؑ کو کہاں کی جلدی تھی بابا کو اکیلا چھوڑ گئے

تیرہ سو برس سے چرچے ہیں اِن جیوٹ مرنے والوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

اصغرؑ کو تھی رن کی دُھن میں کہاں ماتا کے دھڑکتے دل کی خبر
ننھے سے سپاہی خیمے میں ٹھہرا ہُوا جھولا چھوڑ گئے

تلوار وہ روکی پیاسوں نے دریا کو لہو سے پاٹ دیا
پیاسے تو گئے دریا سے مگر اِک خون کا دریا چھوڑ گئے

عباسؑ نے دریا چھین کے بھی بچوں ہی کی خاطر مشک بھری
پیاسے تھے مگر پیاسے ہی پھرے دریا کو چھلکتا چھوڑ گئے

سب اپنی کمائی لے کے گئے کس ڈھب کے یہ جانے والے تھے
کچھ کوکھ جلی رانڈوں کے لیے اِک موت کی آشا چھوڑ گئے

قیدی تو بہت سے دیکھے ہیں پوچھے کوئی اُن کے جی سے مگر
جو گود کے پالے بچوں کو میدان میں سوتا چھوڑ گئے

سنتا ہے جو دھرتی روتا ہے ہر دیس میں ماتم ہوتا ہے
کچھ کام وہ ایسا کر کے گئے کچھ نام وہ ایسا چھوڑ گئے

سرکاٹ کے کوفے والوں نے یہ اور نیا اپرادھ کیا
میدان کی جلتی ریتی پر شبیرؑ کا لاشا چھوڑ گئے

کربل کی انوکھی دھرتی سے نردوش مسافر یثرب کا
سانچی تھی جو مہما لے کے اُٹھے جھوٹی تھی جو مایا چھوڑ گئے

اب سوگ ہے رہتی دنیا تک سنسار نے ایسا جوگ لیا
جیون میں رچے ہردے میں بسے ٹھکرا کے جو دنیا چھوڑ گئے
سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں
تجمی یہی مایا لائے تھے تجمی یہی مایا چھوڑ گئے

○

قیدی کا راگ

سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سوئے گا کب تک جاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
ڈنڈا سلگے بیڑی سلگے دھیرے دھیرے دیہی سلگے
بھڑکے من کی آگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
دُکھ کی بنسی بڑی سُہانی اب تک تو نے قدر نجانی
اپنے اپنے بھاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
تجمی جیل کی مایا دیکھے کمبل دیکھے تسلا دیکھے
بیٹھا جگ کو تیاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر

○

کوچ کا ڈنکا باجت ہے

جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب تک موج نہ آئی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سکھیوں میں ہے جینا مرنا ہلکی ہمری بات نہ کرنا
اٹھو پریم دوہائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سوچت سوچت عمر گزاری رین کٹھن ہے دن ہے بھاری
کب تک یہ چترائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب نہ چلے گا پیار کا منتر تم گھر میں ہم جیل کے اندر
جگ میں ہو نہ ہنسائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
نجمی کے پیغام سے اٹھو دین دھرم کے نام سے اُٹھو
ایک نہیں سنوائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے

O

آؤ سہیلی جیل چلیں

ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
سب دھندوں کو آگ لگائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بی بی کے دُکھ درد پہ واری چکّی پیست قوم سنواری
ان کی للا کیوں نہ رچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
کربل بن کی بھوکی پیاسی فاطمہ جس کے گھر کی داسی
اس کی قید کے بل بل جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بجلی چمکے بادل گرجے سانچے بول سے دھرتی لرجے
گلیوں گلیوں شور مچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
مجھی کا اُپدیش پھل ہو دھرم پھل ہو دیش پھل ہو
کاہے نین نیر بہائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں

○

پنتھ نارا کے دن کا

کس کی مایا سدا رہی ہے ریت گھروندا کے دن کا
من میں جگہ نہ پائی ٹھاکر تن پہ اِجارا کے دن کا

رہو گے کب تک منھ کو موڑے نام بڑا اور درشن تھوڑے
دیس میں سب کا مرنا گڑنا پھر یہ پریکھا کے دن کا

چلتی پھرتی چھاؤں ہے دنیا نیاؤ کرو انیاؤ کرو
کتنے دیکھے ایسے تماشے یہ بھی تماشا کے دن کا

ایشر کے انصاف نگر میں دیر سہی اندھیر نہیں
ست اوجیارا رہتے جگ تک مگر اوجالا کے دن کا

کرودھ کپٹ کا راج نہ ٹھہرے آج بچا تو کال گیا
سانس کہاں کی آس کہاں کی سانس کا ڈھڑا کے دن کا

رنگ بھی چوکھا آئے گا جب سنی شیعہ ایک ہوئے
کے دن کی ہے مدحِ صحابہ اور تبرّا کے دن کا

نجمی کبت سُنائے جاؤ اپنی دُھن میں گائے جاؤ
جگ جیون ہے پریم کی ہنسی پنتھ نقارا کے دن کا

O

حسینؑ درشن

سنسان تھی بستی یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جایا تھا
اپنے ہی لہو کے پیاسوں میں وہ پریم سندیسا لایا تھا

مکھڑے پہ کھچی تلواریں تھیں اور سورج سر پہ آیا تھا
کیا دھرتی رن کی تپتی تھی جب پاؤں کے نیچے سایا تھا

یوں روگ منانے دنیا کا یہ کون بردگی آیا تھا
سنساری کو سکھ دینا تھا سنساری سے دُکھ پایا تھا

جب دونوں جگ کے مالک سے یہ دنیا آنکھیں موندے تھی
شبیرؑ نے گر کر سجدے میں اللہ کو مہکوایا تھا

تیغوں کی چمکتی بجلی تھی اور شام کی سینا دل بادل
وہ چھایا ہوا تھا بادل پہ وہ بجلی سے ٹکرایا تھا

اُپدیش کے کول شبدوں سے اب تک بھی دلوں میں گرمی ہے
اس چاند نے اپنی کرنوں کو سورج کی طرح پھیلایا تھا

سب گود کے پالے وار دیے سب چاہنے والے وار دیے
جینے سے نظر یوں پھیری تھی اور موت کو یوں اپنایا تھا

جب کھائی تھی برچھی اکبرؑ نے جب تیر لگا تھا اصغرؑ کے
آنکھوں پہ کسی کا بس ہی سہی من کون طرح سمجھایا تھا

کیا بانکے ترچھے تیور تھے ان پیاسے مرنے والوں کے
کیا دھوپ کڑی تھی جنگل کی کیا مکھڑوں پر روپ آیا تھا

پردے سے دھواں سا اٹھتا ہے کیا آگ لگی ہے پانی میں
مہمان کو کوفہ والوں نے پانی کے لیے ترسایا تھا

سب جانے ہی جانے والے تھے میدان سے آتا کون ادھر
اکبرؑ کی سنائی آتی تھی اصغرؑ کا بلاوا آیا تھا

اس دیس کی آنکھیں بھی بجھی پیاسی تھیں حسینیؑ درشن کی
بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

O

پَردیسی

شیرؔ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں
یہ چڑھتے ہوئے سورج کی طرح گھر گھر میں اُجالا کرتے ہیں

مظلوم کو سب جگ روتا ہے مظلوم تو سب کا ہوتا ہے
دُکھ درد سے جن کا میل نہیں وہ اپنا پَرایا کرتے ہیں

ہر سال عرب کی بستی سے آتا ہے جو بھارت نگری میں
مُسلم ہی کا وہ مہمان نہیں ہندو بھی تو سیوا کرتے ہیں

کیا دھرم تھا کوفہ والوں کا مہمان کو پیاسا مار دیا
پانی پہ بھی جھگڑا ہوتا ہے پانی پہ بھی جھگڑا کرتے ہیں

سر کٹتا ہے اِک دھرمی کا ظالم کے ادھرمی ہاتھوں سے
کربل میں بُجھا کرست کا دیا دُنیا میں اندھیرا کرتے ہیں

لاکھوں پہ بہتر بھاری ہیں کیا بات حُسینی پُرشوں کی
وہ شیر نہ ہاری مانیں گے جو موت کو ٹوکا کرتے ہیں

یہ بات اُنہیں کے ہات رہی سر اُن کے گئے پر بات رہی
دو جگ میں بڑی ہے بات اُن کی جو بات کی رکھشا کرتے ہیں

اشنان لہو سے ہوتا ہے ساونتوں کا رن ویروں کا
یہ آگ لگا کر مایا کو جیون میں اُجالا کرتے ہیں

آنچ آنے لگی اسلام پہ جب اصغرؑ نے بھی جیون وار دیا
اس گل کے بڑے بھی چھوٹے بھی بگڑی کو بنایا کرتے ہیں

کیوں پیار نہ اُن پر آئے گا جو رن کو گئے تھے جھولے سے
سُنتے ہیں دلوں کے جھولے میں وہ آج بھی جھولا کرتے ہیں

ماتم ہے نبیؐ کے پیاروں کا ماتم میں نبیؐ کے سنگ نہیں
ایسے بھی خُدا کے بندے ہیں بپتا میں پریکھا کرتے ہیں

سنسار کے بھولے بسروں کو اپدیش نیا مل جاتا ہے
ہر سال جو نجمی پیاسوں کا ہم سوگ منایا کرتے ہیں

O

باب ہفتم

چند نثری شہ پارے

-1	لغات المذہب	(لغت)
-2	حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ	(تحقیقی تحریر)
-3	شہیدوں کی باتیں	(اقوال اور مکالمے)
-4	ترقی کی برکتیں	(اقتباسات)
-5	نفس اللہ	(زندگی نامہ، علی ابن ابی طالبؑ)
-6	چور ماموں	(افسانہ)
-7	بندۂ خدا (مذہبی ناول)	(اقتباس)

لغات المذہب

علامہ نجم آفندی مدظلہ

الف ممدودہ۔ آ

آبِ رواں: بارش کا پانی جو بحکم شرع وقت نزول آب جاری کا حکم رکھتا ہے۔

آبِ جاری: دریا، نہر وغیرہ کا پانی یعنی جو کسی سرچشمہ یا مرکز سے پھوٹ کر نکلتا یا سوتوں کی شکل میں ابلتا ہے۔

آبِ چاہ: کنویں کا پانی، آب جاری کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی نجس چیز یا جانور کنویں میں گر جائے تو اس کے بارے میں احکام کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

آبِ خالص: خاص پانی

آبِ سدر: بیری کی پتی کا پانی

آبِ کافور: کافور کا پانی۔ ان تینوں سے مردہ کو غسل دیا جاتا ہے۔

آبِ راکد: رکا ہوا پانی۔ جیسے حوض کا پانی یعنی (جو کسی دوسرے سرچشمہ یا ایسے مرکز سے تعلق نہ رکھتا ہو)

آبِ قلیل: کُر سے کم پانی جو از روئے شریعت نجاست کے چھو جانے سے فوراً متاثر ہو جائے۔

آبِ کُر: کُر بھر پانی یعنی شرعی اعتبار سے طول، عرض، عمق میں ساڑھے تین بالشت کے ظرف بھر جو پانی ہو۔

آبِ مضاف: وہ سیال چیز جو بغیر کسی قید کے پانی نہ کہی جا سکے۔

آبِ مطلق: پانی بغیر کسی قید کے۔

آبِ نیساں: ۲۱/ مارچ عید نو روز کے چالیس دن بعد جو پانی برستا ہے اور جس کے قطرہ سے صدف میں موتی بنتا ہے۔

آتش کدہ نمرود: جس آگ میں حضرت ابراہیمؑ نمرود کے حکم سے ڈالے گئے تھے اور خدا کے حکم سے گلزار ہوگئی۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔

آدم: پہلے انسان اور پیغمبر۔

آدمِ ثانی: حضرت نوحؑ پیغمبر۔

آذر: حضرت ابراہیم کے چچا کا نام۔

آسیہ: زنِ فرعون جو مومنہ تھی۔

آصف برخیا: حضرت سلیمانؑ کے مقدس وزیر تھے۔ آپ نے چشم زدن میں حضرت سلیمانؑ کی خواہش پر تختِ بلقیس مُلک سبا سے منگا دیا تھا۔ (پورے قصہ کے لیے تاریخ دیکھو)

آمِنہ: اسم مبارک مادرِ گرامی حضرت ختمی

مرتبت۔ آپ **ملت** ابراہیمی پر تھیں۔
جب آپ نے انتقال کیا ہے رسالت مآبؐ چار برس کے تھے۔

آیۃ الکرسی: قرآن کے تیسرہ پارہ میں سورہ بقرہ کی کچھ مخصوص آیات۔

آیۃ استخلاف: انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ

آیۃ استرجاع: انا للہ و انا الیہ راجعون
ترجمہ: (ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اُدھر ہی ہماری بازگشت ہے)

آیہ اکمال: (الیوم) وہ آیت جو اعلان غدیر خم کے بعد نازل ہوئی اور خداوند عالم نے جس میں دین کے مکمل ہونے، نعمتوں کے تمام ہونے اور اسلام سے راضی ہونے کی بشارت دی ہے۔

آیہ بلّغ: جس میں خداوند عالم نے رسالت مآبؐ کو تاکید کی ہے کہ ہم نے تم پر جو نازل کیا ہے وہ پہنچادو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو گویا کارِ رسالت ہی انجام نہیں دیا۔ ہم تم کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھیں گے اور جس کے بعد آپ نے فوراً غدیر خم میں حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا ہے۔

آیہ تطہیر: قرآن کی آیت جو اہل بیتؑ کی طہارت کے اعلان و نبوت کے لیے نازل ہوئی۔

آیہ مودّت: وہ آیت جو اجر رسالت کے متعلق نازل ہوئی اور جس میں اہل بیتؑ سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا۔

الفِ مقصورہ

ابد: قیامت کا دن۔ نامعلوم انتہا، ازل کی ضد۔

ابرار: پرہیز گار لوگ۔

اِبراہیم: تارخ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے والد۔ ایک ممتاز پیغمبر جو بڑے جلیل القدر ہیں۔ ختمی مرتبت آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے کتنے ہی امور اسلام میں شامل ہیں۔ قربانی، حج، ختنہ، عقیقہ وغیرہ

ابرہہ: جو اپنی فوج کے ساتھ ہاتھی لے کر کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا۔

ابلیس: شیطان

ابن مریم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ابوالائمہ: جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب

ابوالبشر: جناب آدمؑ کا لقب۔

ابوالحسن: امیر المومنین (علیؑ بن ابی طالبؑ) کی کنیت۔

ابوالفضل: جناب عباسؑ علمبردار کا لقب ہے۔

ابوایوب انصاری: یہ وہ بزرگ صحابی ہیں مدینہ پہنچ کر رسول اللہؐ نے جن کے مکان پر قیام فرمایا تھا۔ آپ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب تھے۔

ابوبکر ابن ابی قحافہ: جو بعد وفات رسالتمآبؐ انتخاب کے ذریعے خلیفہ بنادیئے گئے۔

ابوتراب: حضرت علیؑ کا لقب۔

ابوجہل: مشرکین مکہ کا سرگردہ اور رسالتمآب کا سخت ترین دشمن

ابوذرغفاری: رسالتمآبؐ کے چار عظیم المرتبت صحابیوں میں ایک وہ صحابی جو ربذہ میں جلاوطن کیے گئے۔

ابوسفیان: بنی امیہ کا سرگروہ، معاویہ کا باپ، یزید کا دادا۔ فتح مکہ تک رسالتمآبؐ کی مخالفت میں پیش پیش رہا اور جنگ کرتا رہا۔ فتح مکہ کے بعد جان کے خوف سے مصلحتاً مسلمان ہوا۔

ابو طالبؑ: رسول اللہؐ کے وہ با ایمان چچا جنہوں نے حضرت عبدالمطلب کے انتقال کے بعد تا حیات رسالتمآبؐ کی خدمت وحمایت کی اور اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا۔ آپ حضرت علیؑ کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ مکہ کے رئیس اور کعبہ کے متولّی اور بنی ہاشم کے سرگروہ تھے۔

ابوعبداللہ: حضرت امام حسین علیہ السلام۔

ابولہب: یہ رسالتمآبؐ کے وہ چچا تھے جو حالت کفر میں مرتے دم تک رہے اور رسالتمآبؐ کی مخالفت میں زندگی ختم کی۔ قرآن میں ''تبت یدا ابی لھب'' انہیں کے لیے ہے۔

اتقا: پاکبازی۔ ممنوعات شرعی سے بچنا۔

اتقیا: شرع کے مطابق چلنے والے۔

اثناعشر: بارہ ائمہ اثناعشر۔ بارہ امام۔

اثناعشری: ہمارا فرقہ جو بارہ امامؑ کو منجانب اللہ حاکم مانتا ہے۔

اجازت فحوائی: ایسی اجازت جو صراحتہً نہ ہو بلکہ قرائن سے ظاہر ہو، کہ وہ شخص راضی ہے۔ مثلاً مہمان اگر میزبان

کے مصلّے پر نماز پڑھے تو قرینہ یہی بتاتا ہے کہ وہ منع نہیں کرے گا۔

اجازہ: پیش نمازی یا اجتہاد یا کسی اور شرعی منصب کے استحقاق کی سند جو کسی عالم کی طرف سے ملے۔

اجتہاد: مسائل شرعیہ فقہیہ وغیرہ کو ان کے ماخذوں سے معلوم کرنے اور پوری طرح جاننے، سمجھنے کا فن وعلم۔

اجر: نیک کام کا عوض۔

اجر رسالت: اہل بیتؑ سے محبت بحکم خدا رسالتمآبؐ نے اجر رسالت ملت کو اپنے اہل بیتؑ سے محبت کرنے کی ہدایت کی ہے۔ دیکھو آیہ مودّت۔

احتضار: حالتِ نزع۔

اَحد: خداوند تعالیٰ کا صفاتی نام۔

اُحد: مدینہ طیبہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام جہاں اسلام کی ایک اہم جنگ ہوئی۔

احرام: حج کے سلسلہ میں وہ مراسم بجالانا جن سے کچھ خاص پابندیاں لازم ہوجاتی ہیں۔

احقاق الحق: شہید ثالث کی وہ کتاب جو ابطال الباطل کے جواب میں لکھی گئی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ تصنیف باعث شہادت ہوئی۔

احکم الحاکمین: خداوند عالم۔

احمدؐ: آنحضرت صلعم کا اسم مبارک۔

احوط: مسائل فقہ میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ ایسے عمل کو کہتے ہیں جس سے یقینی طور پر حکم الٰہی کی تعمیل ہوجائے۔ کوئی شک باقی نہ رہے۔

اخفات: آہستہ پڑھنا جیسے ظہر وعصر کی کل رکعتیں، مغرب کی تیسری، عشا کی تیسری اور چوتھی آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔

اخوان الصفا: پاک دل لوگ۔ ایک خاص جماعت فلاسفہ۔

اخوت: بھائی چارہ۔

ادریسؑ: خنوخ پیغمبر کا نام درس وتدریس میں زیادہ مشغول رہنے کے باعث ادریس بن گئے۔ جو زندہ بہشت میں داخل ہوئے۔

ادعیہ: دعائیں۔

ادعیہ ماثورہ: وہ دعائیں جو آنحضرت صلعم سے منقول ہیں۔

اذان: اعلانِ نماز اس خاص طریقہ پر جو شریعت اسلام نے مقرر کیا ہے۔

اذن اللہ: امیر المومنینؑ کا لقب۔
اربعین: ۲۰ صفر یوم چہلم امام حسین علیہ السلام نیز چالیس حدیثوں کا مجموعہ۔
ارحم الراحمین: خداوند تعالیٰ۔
ارض مقدس: فلسطین۔
ارض وسما: زمین وآسمان
ارکان نماز: نماز کے وہ اجزا جن کا ترک عمداً اور سہواً ہر طرح بطلانِ نماز کا باعث ہوجائے۔ جیسے نیت تکبیرۃ الاحرام۔ رکوع۔ دونوں سجدے بعض علماء قیام کو بھی شامل کرتے ہیں۔
ارنی گوئے طور: حضرت موسیٰؑ۔
ارواحنا لک الفدا: ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں۔
ازالہ: دور کرنا۔ زیادہ تر نجاست دور کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ازالۂ نجاست۔
ازدواج: نکاح یا شادی کرنا۔
ازواج مطہرات: رسول خداؐ کی بیویاں۔
ازلی وابدی: جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔یعنی پروردگار عالم۔
استحالہ: کسی نجس چیز کی اصلیت میں ایسی تبدیلی ہوجانا جس سے وہ پاک سمجھی جانے لگتی ہے۔ جیسے نجس لکڑی جل کر راکھ ہوجانے پر پاک ہوجاتی ہے۔
استخارہ: کسی امراہم میں جہاں آپس کے مشوروں سے اطمینان نہ ہوتا ہو۔خدا سے رجوع کرنا اور طالب ہدایت ہونا۔
استشارہ: آپس میں مشورہ کرنا۔
استغفار: خدا سے گناہوں کی معافی مانگنا۔
استغفر اللہ: میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں۔
استفتا: کسی مسئلہ شرعی کے متعلق مجتہدین سے سوال کرنا۔
استنجا: پیشاب یا پاخانہ کرکے طہارت کرنا۔
اسحاق: حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کے والد۔
اسد اللہ: حضرت علی المرتضیٰؑ کا لقب۔
اسرافیل: ایک مقرب فرشتے کا نام جس کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وہ صور (ایک قسم کا بھونپو) بحکم خدا پھونکے گا، تو کائنات درہم برہم ہوکر قیامت آجائے گی۔
اسرائیل: حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام اسی نام کے اعتبار سے آپ کی نسل کو بنی

اسرائیل کہتے ہیں۔

اسلام: دین الٰہی جو تمام انبیاء کے ذریعہ سے پہنچا اور آخر میں مکمل طور پر ہمارے پیغمبر محمد مصطفیؐ خاتم الانبیاء نے اس کو پھیلایا۔

اسم اعظم: خدا تعالیٰ کے ناموں سے ایک بزرگ تر نام۔

اسمٰعیل: حضرت ابراہیم کے ایک صاحبزادے جن کا یہ واقعہ ہے کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو امتحاناً ان کی قربانی کا حکم دیا تھا اور پھر دُنبہ بھیج کر بچالیا۔ جس کی یادگار میں عید الضحیٰ منائی جاتی ہے۔ رسالتمآبؐ آپ ہی کی اولاد میں ہیں۔ حضرت اسمٰعیل بھی نبی ہیں۔

اسوہ: نمونہ

اشکال: مشکل ہونا۔ مقام تردد میں اس لفظ کا استعمال فقہ میں کیا جاتا ہے۔

اصحابُ الشمال: بائیں ہاتھ والے قرآن میں اس سے اہل جہنم مراد لیے گئے ہیں۔

اصحابِ ثلاثہ: حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان جن کی خلافت کو اہل سنت جائز اور ہم ناجائز سمجھتے ہیں۔

اصحاب فیل: ابرہہ نامی بادشاہ اور اس کے ساتھی جو حضرت عبدالمطلب کی حیات میں ہاتھیوں کے ذریعہ خانۂ کعبہ کو مسمار کرنے آئے تھے۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔

اصحابِ کہف: ایک بادشاہ دقیانوس نامی کے چھ اصحاب جو اس کے کفر وظلم سے عاجز آکر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے۔ خدا نے ان پر نیند غالب کردی۔ وہ قیامت تک سوتے رہیں گے۔ ان کا ذکر قرآن میں ہے۔

اصغرؑ: حضرت امام حسین علیہ السلام کے ششماہے فرزند جو حرملہ لعین کے تیر سے باپ کے ہاتھوں پر میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

اصفیا: برگزیدہ لوگ۔

اصنامِ کعبہ: کعبہ میں جو بُت رکھے ہوئے تھے اور مشرکین مکّہ جن کی پرستش کرتے تھے۔

اعادۂ نماز: نماز کا پھر سے پڑھنا جبکہ وقت نماز کا ابھی باقی ہو۔

اعتکاف: مسجد میں گوشہ نشین ہونا۔

اعراف: جنت و دوزخ کے درمیان ایک

مقام بتایا گیا ہے جہاں ایسے اشخاص رکھے جائیں گے جو ان دونوں میں سے کسی کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

اعلائے کلمۃ الحق: امر حق کا اعلان و اظہار۔

اعلم: علم فقہ کا سب سے بہتر جاننے والا اور احکام شرع کا بہترین استنباط کرنے والا مجتہد۔

اعلیٰ علیین: بلند بہشت

اعمال نامہ: وہ کتاب جس میں آدمی کے اعمال کو کراماً کاتبین رکھا کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اسی کی رو سے ہر شخص کا حساب کتاب ہوگا۔

افطار: روزہ کھولنا۔

اقامت: نماز کی نیت کرنے سے پہلے اذان ہی کے الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ تکرار کی جاتی ہے۔

اقتدا: پیروی کرنا۔

اقرار باللسان: زبان سے اقرار کرنا۔

اقسام مسائل: مسائل کی چار قسمیں ہیں جو درج ذیل کی جاتی ہیں۔

(۱) عبادات: نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس، حج، جہاد وغیرہ جن کا بجا لانا نیت کے ساتھ مشروط ہے۔ (۲) **عقود**: بیع، رہن، اجارہ، وقف، وصیت، نکاح، متعہ، اور وہ معاہدے جو دو شخصوں کے درمیان واقع ہوں اور دونوں طرف سے اجرائے صیغہ کی ضرورت ہو۔ (۳) **ایقاعات**: طلاق، ظہار، عتق وغیرہ ایقاعات میں ایک جانب سے اجرائے صیغہ ہوتا ہے۔ (۴) **احکام**: جس میں نہ نیت کی شرط ہے نہ کسی اجرائے صیغہ کی جیسے میراث، حدود و تعزیرات وغیرہ۔

اکل حلال: جائز طریقہ سے کسب معاش سے روزی حاصل کرنا۔

الحمد: سورۂ فاتحہ، قرآن شریف کی پہلی صورت۔

اللہ: خدا کا وہ نام جو اسم ذات کہلاتا ہے اور جس میں اس کی تمام صفات ہیں۔

الی اللہ: خدا کی طرف۔

الہام: کسی نبی یا ولیٔ خدا کے دل میں منجانب اللہ کسی امر کا القا ہونا۔

ام الائمہ: جناب فاطمۃ الزہرا

ام البنین: امیر المومنین کی ایک بی بی حضرت ابوالفضل العباس کی والدہ جو واقعہ کربلا کے بعد تک زندہ رہیں۔

ام سلمہؓ: رسول اللہ ﷺ کی وہ مقدس بی بی جو اہل بیتؑ کی جان نثار تھیں اور واقعہ کربلا تک زندہ رہیں۔

ام القریٰ: مکہ معظمہ

ام الکتاب: قرآن اور لوح محفوظ۔

ام لیلیٰ: امام حسینؑ کی بی بی حضرت علیؑ اکبر کی والدہ ماجدہ۔

ام المومنین: رسالتمآبؐ کی ہر ایک بیوی کا لقب ہے۔جمع امہات المومنین۔

اماکن مقدسہ: مقدس مقامات

امام: نائب رسولؐ۔ مدارج دینیہ میں ایک بڑا درجہ، پیش نماز کو بھی کہتے ہیں منصب امامت پر ہمارے بارہ امام منجانب اللہ فائز ہیں۔

امامت: نبوت کے بعد دوسرا الٰہی منصب جو وحی کے علاوہ خدا کے تمام احکام اور رسولؐ کے تمام تشریحات کا سرچشمہ ہے۔

امام ضامن: آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام۔

(بلا اضافت) وہ رقم جو کسی بیمار یا مسافر وغیرہ کے بازو پر باندھتے ہیں کہ صحت یا ختم سفر کے بعد اس کا صدقہ دیا جائے۔

امام المشارق و المغارب: امیر المومنین کا خطاب۔

امت مرحومہ: اہل اسلام

امر بالمعروف: نیک باتوں کی ہدایت اور نصیحت کرنا۔

امیر المومنین: یہ خطاب حضرت علی علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور اس کا کوئی مستحق نہیں۔

امین: رسالتمآب کا لقب۔ مخالف بھی امین سمجھتے اور کہتے تھے۔

امین وحی: جبرئیل

انبیائے اولوالعزم: وہ پیغمبر جنھیں کتاب و شریعت دی گئی۔

انصار: اہل مدینہ جنھوں نے رسول اللہؐ کا خیر مقدم کیا۔ ایمان لائے اور نصرت کی۔

انصار حسینیؑ: جو روزہ عاشورہ امام حسین علیہ السلام کی نصرت و حمایت میں فوج مخالف سے لڑکر شہید ہوئے۔

انگشت شہادت: انگوٹھے سے متصل انگلی جو زیارت پڑھتے وقت بلند کی جاتی ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ: ایک اہم آیہ

قرآنی (ترجمہ) میں زمین پر اپنا خلیفہ بناؤں گا۔

انما: آیہ ولایت کا پہلا لفظ جو امیر المومنین کے لیے نازل ہوئی۔

اولی الامر: دوازدہ امام علیہ السلام جنھیں خالق کی طرف سے حکمرانی کا حق تھا۔

اویس قرنی: آپ ایک مشہور ومعروف بزرگ ہیں۔ رسالتمآب کے عاشق صادق تھے لیکن زیارت نہ کر سکے۔ آپ نے یہ سن کر کہ اُحد کی جنگ میں حضرت ختمی مرتبت کے دو دانت شہید ہو گئے، اپنے سب دانت توڑ ڈالے۔ آپ جنگ صفین میں امیر المومنین کے ہم رکاب تھے۔ معاویہ کی فوج سے لڑ کر درجہ شہادت حاصل کیا۔

اہل بیتؑ: امیر المومنین علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا، امام حسن، امام حسین اور ان کی معصوم ذریت طاہرہ۔

اہل سنت: مسلمانوں کا وہ فرقہ جس سے مسئلہ خلافت میں ہمارا اختلاف ہے۔

اہل کتاب: یہود و نصاریٰ جو آسمانی کتاب توریت و زبور و انجیل کو مانتے ہیں۔

ایام غم: یکم محرم سے آٹھ ربیع الاول تک۔

ایام جاہلیت: زمانہ قبل اسلام۔

ایجاب و قبول: نکاح و متعہ میں عورت اور مرد یا ان کے وکیل جو الفاظ زبان پر جاری کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ ان کے ذریعہ سے ازدواج وقوع میں آجائے۔

ایوبؑ: وہ پیغمبر جو مصائب وآفات پر صبر کے لیے مشہور ہیں۔

ب

باب الساعات: دمشق کا ایک دروازہ جہاں سید الشہدا کے اہل حرم دربار یزید میں داخلہ سے پہلے دیر تک ٹھہرائے گئے۔

باب الحوائج: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا لقب۔

باب العلم: امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کا خطاب

باب مدینۃ العلم: امیر المومنین کا لقب مطابق حدیث رسولؐ جو بہت مشہور ہے۔ **انا مدینۃ العلم و علی بابھا**

بابی انت و امی: میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ زیارت ناحیہ میں صاحب

الامر نے شہدائے کربلا سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے۔

باغ فدک: وہ باغ جو رسالتمآب سے جناب فاطمہ کو ورثہ میں ملا تھا اور حکومت نے اسے ضبط کرلیا تھا۔

باقر العلوم: امام محمد باقر کا لقب۔

بت شکن: امام المومنین ، آپ نے رسالتمآب کے کاندھے پر چڑھ کر کعبہ کے طاقوں سے بت گرائے ہیں۔

بحیرا: ایک عیسائی راہب جس نے رسالتمآب کو لڑکپن میں دیکھ کر جب آپ ابو طالب کے ساتھ شام جارہے تھے پہچان لیا تھا کہ یہ پیغمبر آخر الزماں ہیں اور حضرت ابو طالب کو آگاہ کردیا تھا۔

بدعت: شرعی امور میں کوئی جدت کرنا۔

برزخ: مرنے کی ساعت سے قیامت تک کا زمانہ۔

بساط سلیمانؑ: بساط یا تخت جس پر بیٹھ کر حضرت سلیمانؑ بروئے ہوا سیر کیا کرتے تھے۔

بصرہ: عراق کا وہ مقام جہاں جنگ جمل ہوئی۔

بضعۃ الرسولؐ: جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا مراد ہے۔

بطحا: مکہ کا دوسرا نام۔

بعثت: عہدۂ نبوت پر فائز ہونا۔

بقر عید: دس ماہ ذوالحجہ کی عید جس دن قربانی کی جاتی ہے۔

بلال حبشی: رسالتمآبؐ کے مؤذن حبش کے باشندے۔

بلقیس: یہ ملک سبا کی حکمران تھیں حضرت سلیمان نے مذہب حق کی دعوت دے کر آپ کے ساتھ عقد کیا تھا۔ یا آصف برخیا کے ساتھ عقد ہوا تھا۔ (دیکھو تاریخ)

بلوغ: وہ عمر جب سے احکام شرعی کی پابندی واجب ہوجاتی ہے۔

بن کاہل: حرملہ ملعون جس نے تیر سے حضرت علی اصغرؑ کو شہید کیا تھا۔

بنی اسرائیل: جناب موسیٰ کی اُمت۔ یہودی۔

بنی اُمیہ: ہاشم کا ایک مخالف قبیلہ جو معاویہ کے وقت سے خلافت پر قابض ہوا۔

بنی عباس: رسالتمآبؐ کے چچا عباس کی اولاد جو خاندان رسالت کی دشمن رہی۔ بنی اُمیہ کے بعد خلافت اس خاندان کے

قبضے میں آئی۔

بنی فاطمہؑ: امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی نسل (دیکھو "فاطمی سادات")

بنی ہاشم: رسالتمآبؐ کا خاندان۔

بہشت: جنت۔

بیت الامن: خانہ کعبہ جہاں ایک جوں مارنے کا بھی حکم نہیں ہے۔

بیر العلم: روایت ہے کہ یہ ایک کنواں تھا جہاں جنوں کا مسکن تھا۔ امیر المومنین نے اس مقام پر ان سے جنگ کی ہے اور مشرف بہ اسلام کیا ہے۔

بیت المعمور: بتایا گیا ہے، فلک ہفتم پر ایک مکان بیت المقدس کی مثل ہے۔

بیت المقدس: وہ خانہ خدا، ابتدائے اسلام میں جس طرف رُخ کرکے نماز پڑھی جاتی تھی۔ جو ارض فلسطین میں ہے اور جس کو یہودی، عیسائی اور مسلمان سب مقدس سمجھتے ہیں۔

بیع وشریٰ: خرید وفروخت۔

بیعت: ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار اتباع کرنا۔

بیعت الرضوان: جنگ حنین سے پہلے مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے رسول اللہؐ سے تجدید بیعت کی تھی۔ اسے بیعت رضوان کا نام دیا گیا ہے۔

پ

پارہ: قرآن کے تیس حصوں میں سے ایک حصہ۔

پردگیان عصمت وطہارت: امام حسینؑ کے اہل حرم سے مراد ہے۔

پرچم: نشان یا علم کا پھریرا۔

پل صراط: ایک راستہ بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز۔ شریعت میں بتایا گیا ہے جس سے خلق خدا کو بروز قیامت گزرنا ہوگا۔

پنجتن: محمد مصطفیؐ، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ مجتبیٰ، حسینؑ مظلوم۔

پنجگانہ: پانچ وقت کی نمازیں۔

ت

تارک الصلوٰۃ: نماز کا قصداً و عادتاً نہ پڑھنے والا۔

تاویل قرآن: تفسیر قرآن۔

تبرا: دشمنان اہل بیتؑ سے بیزاری اختیار کرنا، علیحدگی چاہنا۔

تبرک: مجالس وغیرہ میں تقسیم ہونے والی شئے اور دوسری قابل احترام اشیاء۔

تحت الحنک: عمامہ باندھ کر تھوڑا کپڑا بچا کر گلے میں لپیٹ لینا۔

تحت الشعاع: ہر ماہ کی ۲۸، ۲۹، ۳۰۔ ان ایام میں سفر اور تقریبات ممنوع ہیں۔

تحفۃ العوام: مذہب شیعہ کی ایک اردو کتاب جس میں ضرور مذہبی معلومات، اعمال، زیارتیں، سعد و نحس تاریخیں، دعائیں وغیرہ درج ہیں۔

تخلف جیش اسامہ: رسالتمآبؐ نے بحالت علالت اپنی رحلت سے کچھ روز پیشتر ایک مہم پر بھیجے جانے کے لیے اسامہ کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کیا تھا۔ اور بعض صحابہ کو اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ مگر اس حکم کی تعمیل نہیں ہوئی اور حضرت کی مخالفت کی گئی۔ پورا واقعہ تاریخ میں ملے گا۔

تراوح: کنوآں نجس ہو جانے پر اگر شرعاً کل پانی نکالنے کا حکم ہو اور اس کا امکان نہ ہو تو چار آدمی طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک مسلسل نکالتے رہیں۔ اس کو تراوح کہتے ہیں۔

تربت: قبر۔ شبیہہ تربت سید الشہدا ؑ جو ضریح یا تعزیہ میں رکھی جاتی ہے۔

ترک اُولیٰ: کسی بہتر عمل کا ترک کر دینا۔ جو بعض انبیاء سے کبھی کبھی ہوا ہے۔

تسبیح: سبحان اللہ کہنا، یا جن الفاظ سے اللہ کے نقائص سے بری ہونے کا اظہار ہو۔

تسبیح فاطمہؑ: چونتیس مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔

تسبیحات اربعہ: سبحان الله و الحمد لله و لآ اله الا الله و الله اکبر ط

تسنیم: جنت کی ایک نہر۔

تشہد: وہ دعا جو نماز کی دوسری اور آخری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

تصدیق بالقلب: دل سے یقین کرنا، ایمان کے لیے شرط ہے۔

تعزیہ: شبیہہ روضۂ مبارک سید الشہدا ؑ۔

تعقیبات: بعد نماز تسبیح فاطمہؑ اور دوسری دعائیں وغیرہ۔

تقلید: کسی مجتہد کے احکام پر عمل کرنا۔

تقیہ: حفاظت جان و ناموس و مذہب کے لیے واقعیت کے اظہار سے باز رہنا۔

تقوی سادات: امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد۔ یہ سادات بہت کم ہیں۔

تکبیر: اللہ اکبر کے الفاظ۔

تکبیرۃ الاحرام: وہ تکبیر جس سے نماز شروع کرنا مقصود ہو۔ یہ ارکان نماز میں سے ہے۔

تکلیف شرع: احکام شرع کی پابندی عائد ہونا۔

تلاوت: قرآن پڑھنا۔

تنزیل قرآن: قرآن کا نازل ہونا۔

توبہ: اعتراف گناہ۔ طلب معافی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد واقرار

توحید: خدا کی وحدت کا اقرار۔

تورّک: حالتِ قعود میں بائیں پیر کا تلوا داہنے پیر سے مَس ہو۔ یہ مستحب ہے۔

توریہ: شروفساد سے محفوظ رہنے کے لیے ذومعنی بات کرنا۔

توریت: وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔

توشۂ آخرت: اعمال۔

تولاّ: محمدؐ وآل محمدؐ سے محبت وعقیدت۔

تہلیل: لا الہ الا اللہ کہنا۔

تیمّم: غسل اور وضو پانی کے بجائے خاک سے طریقۂ معیّنہ پر بجالانا۔

ث

ثقہ: قابل اعتماد۔

ثلاثہ: دیکھو باب الف۔ ثلثہ

ثلث: تہائی۔ یعنی تین برابر حصوں میں سے ایک حصہ۔

ثواب: نیک اعمال کا اجر جو بندوں کو اللہ سے ملے گا۔

ج

جابر بن عبداللہ انصاری: رسالتمآبؐ کے صحابی تھے۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ دیکھا۔ یہ قبر امام حسین علیہ السلام کے پہلے زائر ہیں۔

جالُوت: طالوت نبی کے عہد میں ایک کافر بادشاہ۔

جامع عباسی: فقہ اور دوسرے مذہبی امور کے متعلق مذہب شیعہ کی ایک کتاب۔

جائز: جس امر کا ارتکاب حرام نہ ہو۔

جائے نماز: نماز پڑھنے کا بوریا۔ کپڑا دری وغیرہ۔

جبرئیل: ایک ملک مقرب حامل وحی۔

جبیرہ: بندش عضو مجروح ومضروب غسل ووضو کے احکام سے متعلق ہے۔

جدار کعبہ: کعبہ کی دیوار۔

جزیہ: ایک قسم کا ٹیکس جو اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے ان کے جان ومال کی حفاظت کے لیے لیا جاتا تھا۔

جعفر طیار: امیر المومنین کے وہ بھائی جو ہجرت حبشہ میں سرگروہ بنا کر بھیجے گئے۔ جنگ موتہ میں علمدار بنائے گئے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ دونو ہاتھ شانوں سے قلم ہوگئے تھے۔ رسالتمآبؐ کے فرمانے کے بموجب جیسی کہ روایت ہے ان کو دو پر عطا ہوئے ہیں جنت میں پرواز کرنے کے لیے۔ اسی لیے طیار لقب ہوا ہے۔

جعفری سادات: جن کا سلسلۂ نسب امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

جنگ اُحد: عہدِ رسالت کی جنگ جو مشرکین سے ہوئی تھی۔

جنگِ بدر: عہدِ رسالت کی جنگ جو مشرکین سے ہوئی تھی۔

جنگِ جمل: وہ جنگ جو امیر المومنین علی بن ابی طالب اور ام المومنین عائشہ کے درمیان ہوئی تھی۔ اور ام المومنین اونٹ پر بیٹھ کر میدان میں آئی تھیں۔

جنگ حنین: عہدِ رسالت کی ایک جنگ جو مشرکین سے ہوئی تھی۔

جنگِ خندق: عہدِ رسالت کی ایک جنگ جو مشرکین سے ہوئی تھی۔

جنگِ خیبر: عہدِ رسالت کی ایک جنگ جو مشرکین سے ہوئی تھی۔

جنگِ صفین: وہ جنگ جو امیر المومنین اور معاویہ کے درمیان ہوئی تھی۔

جنگِ نہروان: یہ جنگ امیر المومنین اور خوارج کے درمیان بمقام نہروان ہوئی تھی۔

جنب اللہ: امیر المومنین کا خطاب۔

جنت البقیع: مدینہ میں وہ مقدس مقام جہاں جناب فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ کے مزارات ہیں اور جن کو ابن سعود والئ حجاز نے مسمار کردیا ہے۔

جواد: امام محمد تقی علیہ السلام کا لقب۔

جوادین: امام موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی علیہم السلام۔

جوشن صغیر: ایک مشہور و معروف دعا۔

جوشن کبیر: ایک مشہور و معروف دعا۔

جہاد نفس: نفس کشی، خواہشات کو کم کرنا، تعیّشات، لذائذ سے بچنا۔

جہر: بلند آواز مردوں کے لیے نماز صبح اور مغربین کی پہلی دو رکعتیں با آواز بلند پڑھنا واجب ہیں۔

جہنم: حساب و کتاب حشر و نشر کے بعد گنہگار بندوں کا ٹھکانا۔

چ

چاہ زمزم: مکہ معظمہ کا ایک متبرک چشمہ جس کا پانی حجاج تبرکاً لے جاتے ہیں۔

چہاردہ معصومین: جناب رسالتمآبؐ جناب فاطمہ زہراؑ اور دوازدہ امام۔

چہلم: اربعین۔ امام حسینؑ علیہ السلام شہادت کا چالیسواں دن۔

ح

حاجی: حج کرنے والا۔

حادث: فانی مخلوق۔

حارث: مرحب کا بھائی جو خیبر کی جنگ میں مرحب سے پہلے امیر المومنین کے ہاتھ سے مارا گیا۔

حائر: عباسی خلیفہ متوکل نے قبر امام حسین کا نشان مٹانے کے لیے فرات کا پانی کاٹ کر مزار مبارک تک پہنچانا چاہا تھا۔ مگر پانی ایک حد تک پہنچ کر رک گیا اور باوجود کوشش کے اس حد سے آگے نہ بڑھا سکے۔ اسی مقام کو حائر کہتے ہیں۔

حبل المتین: مضبوط رسی۔ ایمان و اسلام سے مراد ہے۔ ائمہ سے بھی استعارہ کیا جاتا ہے۔

حبیب اللہ: سرکار کائنات محمد مصطفیٰؐ کا لقب۔

حبیب ابن مظاہر: امام حسین علیہ السلام کے لڑکپن کے ساتھی۔ حضرت نے آپ کو خط بھیج کر اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔ آپ روایت کے مطابق ۹/یا ۱۰محرم کو کربلا پہنچے ہیں۔ اور شہید ہو کر اجر عظیم حاصل کیا۔

حج: فروع دین میں چوتھا فریضہ۔

حجاز: عرب کا وہ صوبہ جس میں رسالتمآبؐ کا وطن مکہ اور مدینہ وغیرہ واقع ہیں۔

حجۃ اللہ: انبیاء اور ائمہ اطہار

حجۃ العصر: بارہویں امام کالقب۔

حد: سزائے شرعی۔

حد ترخص: جہاں سے مسافر کو اپنے شہر کے مکانات و مساجد وغیرہ نظر نہ آئیں وہیں سے نماز قصر کا حکم ہو جاتا ہے۔

حدث اصغر: جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حدث اکبر: جس سے غسل باطل ہو جاتا ہے۔

حدوث: قدم کی ضد، پیدا ہونا عالم امکان میں آنا۔

حدیث: قول رسولؐ و امام معصومؑ۔

حدیث ثقلین: بڑی مشہور عالم حدیث ہے جس میں سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ کہ میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں قرآن اور میرے اہل بیتؑ ان دونوں سے متمسک رہو یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

حدیث حسن: وہ حدیث جس کے راوی معتبر ہوں۔

حدیث ضعیف: جس کے راوی معتبر نہ ہوں۔

حدیث طیری: امیرالمومنین کی فضیلت میں ایک حدیث۔

حدیث قدسی: قرآن کے بعد منزلت رکھنے والی حدیث۔ کلامِ خدا ماسوائے قرآن۔

حدیث منزلت: امیرالمومنینؑ کی فضیلت میں ایک مشہور و معروف حدیث۔

حر: فوج شام کا وہ رسالہ دار جس نے امام حسینؑ کو راہ میں روکا تھا اور آپ نے اسے اور اس کے لشکر کو پیاسا دیکھ کر پانی پلایا تھا۔ صبح عاشور کو حر مع بھائی بیٹے اور غلام کے لشکر یزید سے نکل کر امام حسینؑ کے قدموں میں آ گیا۔ معافی مانگی اجازت جنگ لی اور مع اپنے ساتھیوں کے شہید ہو گیا۔

حراول: فوج کا پہلا دستہ۔ حر اسی لیے حراول کہلاتا ہے کہ وہ پہلا شہید ہے لشکر امام حسینؑ کا۔

حرم: صحنِ خانہ کعبہ۔

حرمت: کسی شے یا فصل کا حرام ہونا۔

حسنات: نیکیاں۔

حسنی سادات: امام حسنؑ کی اولاد میں جو سادات ہیں ان کی تعداد بہت کم پائی جاتی ہے۔

حسین ابن روح: جو صاحب الامر کی

خدمت میں عریضہ پیش کرتے ہیں یہ حضرت کے چار نائبوں میں سے ایک ہیں۔

حشر: قیامت

حصہ: اصطلاحاً مجالس اور محافل فضائل میں تقسیم ہونے والے تبرک کو کہتے ہیں۔

حضور قلب: نماز، دعا اور دوسرے امور میں دل کی تمام تر توجہ اور انہماک۔

حفصہ: رسالتمآبؐ کی وہ بی بی جو حضرت عمر کی صاحبزادی تھیں۔

حکم: دو آدمیوں یا جماعتوں کے نزاع کا فیصلہ کرنے والا۔

حکم تکلیفی: کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق صاحب شریعت کا حکم۔

حکم وضعی: ایسا حکم جس میں کوئی طلب نہ ہو۔

حکمین: ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص مراد ہیں جو جنگ صفین کے بعد ثالث مقرر کیے گئے تھے۔

حکیم علی الاطلاق: خداوند عالم۔

حلال مشکل: امیر المومنینؑ کا لقب۔

حلّت: کسی شے یا فعل کا حلال ہونا۔

حلف: قسم کھا کر یا قرآن اٹھا کر کسی امر کا اقرار، انکار یا عہد کرنا۔

حُلّہ: پوشاک

حمد: پروردگار عالم کی تعریف و توصیف۔

حمزہ: رسالتمآبؐ اور امیر المومنینؑ کے وہ چچا جو اُحد کی جنگ میں شہید ہوئے اور اپنے زمانے کے سید الشہدا تھے۔ انصار کی عورتیں رسالتمآبؐ کی خاطر آپ کے گھر گئیں اور ان پر گریہ وزاری کی (تفصیل کے لیے تاریخ دیکھو)

حنفی: اہل سنت میں امام ابوحنیفہ کا مقلد فرقہ۔

حنوط: میت کے مقامات سجدہ پر کافور ملنا۔

حوا: پہلی عورت۔ حضرت آدمؑ کی شریک حیات۔ دنیا کے تمام مرد عورتوں کی ماں۔

حواب: وہ مقام جہاں بصرہ جاتے ہوئے حضرت عائشہ کے اونٹ پر کتے بھونکے تھے۔ اور جہاں اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی دی گئی تھی۔ (تفصیل تاریخ میں دیکھو)

حور: ایک مخلوق الٰہی۔ (صنف نازک) اہل بہشت کی خدمت کے لیے۔

حی: زندہ صفت پروردگار عالم۔ اسم صفات

میں سے ہے۔

حیدر: امیر المومنینؑ کا اسم گرامی جو آپ کی والدہ نے رکھا تھا۔

خ

خاتون جنت: حضرت فاطمہ زہراؑ

خاک شفا: خاک پاک تربت سید الشہداءؑ

خالصۃ لوجہ اللہ: محض خوشنودی خدا کے لیے کوئی کام کرنا۔

خامس آل عبا: امام حسین علیہ السلام

خانوادۂ رسالت: اہلبیتؑ رسالت۔

ختمی مرتبت: رسالتمآبؐ مراد ہیں۔

خدیجۃ الکبریٰ: رسالتمآبؐ کی پہلی بی بی۔ جناب فاطمہ زہراؑ کی مادر گرامی۔

خروج دجال: صاحب الامرؑ کے ظہور سے پہلے دجال ایک ظالم وکافر انسان خلق خدا کو تباہ کرے گا۔

خضوع وخشوع: عبادت خدا میں خلوص وانہماک۔

خلافت: رسول اللہؐ کی حقیقی جانشینی

خلافت الٰہیہ: منجانب اللہ خلافت جو ہمارے دوازدہ امامؑ کو عطا ہوئی۔

خلد بریں: جنت۔

خلع: عورت کا اپنے آپ کو مرد کے نکاح سے خارج کرالینا۔

خلیفۃ اللہ فی الارض: انبیاء اور ائمہ معصومینؑ۔

خلیل اللہ: جناب ابراہیمؑ کا لقب۔

خمس: پانچواں حصہ۔ یہ فروغ دین میں شامل ہے۔ یہ حق امام وحق سادات ہے۔

خمسۂ نجبا: محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ۔

خوارج: جنگ صفین کے بعد جو گروہ امیر المومنینؑ کا مخالف ہو کر گمراہ ہو گیا۔

خون جہندہ: اُچھل کر نکلنے والا خون۔

خیام: خیمہ کی جمع۔

خیر: نیکی

خیر البشر: محمد مصطفیٰؐ

خیبر کشا: امیر المومنینؑ۔

د

دار الامارہ: قصر حکومت

دار البقا: ہمیشہ رہنے کی جگہ

دار السلام: نجف اشرف میں ایک مقام ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ مومنین کی روحیں رہتی ہیں۔ درمیان کربلائے معلی اور نجف اشرف واقع ہے۔

دارالندوہ: مکہ میں ایک مقام جہاں مشرکین رسالتمآبؐ کو اذیت پہنچانے کے مشورے کرتے تھے۔

دارفنا: دنیا

داؤد: اولعزم پیغمبرؑ صاحب کتاب (زبور) ہیں۔ آپ بادشاہ بھی تھے آپ کالحن مشہور ہے۔ آپ کے ہاتھ میں لوہاموم ہوجاتا تھا۔ زرہیں بنا کر بیچتے تھے۔ اپنے خرچ کے لیےخزانے سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

درخیبر: قلعۂ قموص کا درجو امیرالمومنینؑ نے جنگ خیبر میں اُکھیڑلیا تھا۔

درود: اللھم صلی علیٰ محمد وال محمد۔

درودطوسی: محقق طوسی ایک جلیل القدر عالم دین کے نام سے منسوب ایک دعا ہے۔ بہت ہی دلکش ہے۔

درہم بغلی: نجس العین، خون کے علاوہ خون اگر اس مقدار میں کپڑے پر یکجا یا متفرق ہوجوہتھیلی کےگڑھے یا انگوٹھے کے ناخن سے کم ہوتا ہوتو نماز جائز ہے اس مقدار کو درہم بغلی کہتے ہیں۔

دعا: بارگاہِ ایزدی میں عرض حاجت۔

دعائے کمیل: یہ دعا امیرالمومنینؑ نے اپنے ایک صحابی کمیل ابن زیاد کوتعلیم فرمائی تھی۔

دعائے مشلول: یہ دعا امیرالمومنینؑ نے اپنے ایک صحابی کوتعلیم فرمائی تھی۔

دعائے ہلال: چاندکو دیکھ کر جو دعاپڑھی جاتی ہے۔

دعبل: ایک عرب شاعر مداح اہلبیت جس نے امام رضاؑ کے حضور میں سیدالشہدا ؑ کا مرثیہ پڑھا تھا۔

دق الباب: دروازہ پر دستک دینا۔

دوزخ: جہنم کا دوسرانام۔

دوگانہ: دورکعتی نماز

دین فطرت: اسلام

ذ

ذات احدیت: پروردگارعالم

ذات واجب: پروردگارعالم

ذبح عظیم: امام حسین علیہ السلام مراد ہیں۔

ذبیح اللہ: جناب اسمٰعیل مراد ہیں

ذمی: وہ غیر مسلم جو جزیہ (ایک قسم کاٹیکس) دے کر اسلامی حکومت میں رہتے تھے۔ اور حکومت ان کے تحفظ کی ذمہ

دار ہوتی تھی۔

ذوات مقدسہ: انبیاء اوصیاء۔ ائمہ معصومین۔

ذوالجناح: وہ گھوڑا جو روز عاشورہ سید الشہدا کی سواری میں تھا۔

ذوالعشیرہ: وہ دعوت جس میں بحکم خدا رسالتمآبؐ نے اپنے اعزہ کو جمع کر کے بعد طعام دعوت اسلام دی تھی۔

ذوالفقار: وہ تلوار جو خدا نے رسالتمآبؐ کے ہاتھ سے امیر المومنینؑ کو عطا کی۔

ذوالقرنین: ایک بادشاہ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

ر

راسخون فی العلم: محمدؐ وآل محمدؐ۔

راضی بہ رضا: ہر حال میں صابر وشاکر

راکب: سوار ہونے والا

راکب دوش رسولؐ: امیر المومنینؑ اور حسنین علیہم السلام

راوی: روایت کا بیان کرنے والا

راہب: تارک الدنیا۔ مذہب عیسوی اور مذہب ہنود میں ہوتے ہیں۔

رایت: نشان لشکر

ربُّ الارباب: خداوند عالم۔

رباب: امام حسینؑ کی بی بی حضرت علی اصغرؑ کی والدہ ماجدہ۔

ربذہ: وہ مقام جہاں ابوذر غفاری حق گوئی کی پاداش میں جلاوطن کیے گئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ تفصیل کتب تاریخ میں دیکھو۔

رُبع: چوتھائی

رجعت شمس: کسی جنگ سے واپس آتے ہوئے ایک منزل پر رسول اللہؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھے ہوئے تھے۔ وحی نازل ہوئی اور اتنی دیر ہوگئی کہ آفتاب ڈوبنے لگا۔ امیر المومنین نماز عصر نہ پڑھ سکے، رسول اللہؐ نے دعا کی اور آفتاب پلٹا۔ اتنی دیر ٹھہرا کہ امیر المومنینؑ نے نماز عصر باطمینان ادا کی۔

رحمٰن ورحیم: ذات احدیت۔

رحمت: خداوند عالم کا فضل وکرم۔

رحمۃ للعالمین: رسالتمآبؐ

رضاعت: دودھ پلانا بچہ کی رضاعت۔ یہ جملہ امام حسینؑ نے رضا بقضاء تسلیما لامرہ شہادت علی اصغر کے

بعد زبان پر جاری فرمایا تھا۔ ترجمہ: (تیری مرضی پر راضی ہوں تیرے حکم کو تسلیم کرتا ہوں)

رضوان: فرشتہ خازن جنت

رضوی سادات: اولاد امام رضا علیہ السلام۔

رطب: کھجور

رطب و یابس۔ خشک وتر

رکعت: نماز کا ایک حصہ

رکن و مقام: کعبہ کی دو سمتیں رکن یمانی و مقام ابراہیم۔

روایت: کسی قول کا سلسلہ بہ سلسلہ ایک دوسرے تک پہنچنا۔

روح: جسم انسان کی وہ قوت جس سے وہ زندہ رہتا ہے قرآن کے مطابق ایک ''امر الٰہی'' ہے۔

روح الامین: جبرئیل کا لقب۔

روح اللہ: حضرت عیسیٰ کا لقب۔

روحی فداک: میری جان آپ پر قربان ہو۔

روز ازل: ابتدائے تخلیق۔

روز حساب: قیامت کا دن۔

روزہ: طلوع صبح (وقت نماز فجر) سے غروب آفتاب تک نہ کچھ کھانا نہ پینا جس میں نیت وغیرہ اور دوسری پابندیاں بھی شامل ہوں۔

روضہ رضواں: جنت

رویت ہلال: چاند کا دیکھا جانا۔

رہبانیت: ترک دنیا۔

ز

زرہ: گذشتہ زمانے میں یہ لباس جنگ تھا۔ فولادی چھوٹی چھوٹی کڑیوں کی بنی ہوئی قمیص کی شکل میں پہننے کی چیز۔

زعفر: روایت ہے کہ یہ جنوں کا بادشاہ تھا مع اپنے لشکر کے امام حسینؑ کی نصرت کے لیے کربلا میں آیا تھا جسے آپ نے منظور نہیں فرمایا۔

زمان و مکان: وقت اور جگہ۔

زوال حمرت: مغرب کے وقت کا تعین اور مشرق کی سرخی کا غائب ہونا۔

زیارت: مقامات مقدسہ میں جانا مشاہد معصومین کی طرف رخ کر کے انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے ایک معینہ عبارت پڑھنا جو سلام اور مدح وغیرہ پر مشتمل ہے، اپنے گھروں سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مجالس میں پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور عیدین

میں بعد نماز۔

زیارت ناحیہ: یہ زیارت شہدائے کربلا حضرت صاحب الامر سے منسوب ہے۔

زید شہید: حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے جنھوں نے شام کے دور حکومت میں علم جہاد بلند کیا اور شہید ہوئے۔ سادات زیدی آپ کی اولاد ہیں۔

زین العابدین: چوتھے امام کا لقب۔

زینبؑ: حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی، امام حسینؑ کی بہن۔ آپ معرکہ کربلا میں بھائی کے ساتھ رہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے میدان جنگ میں کام آئے۔ زندان شام میں اسیر رہیں۔ آپ نے سید الشہداء کے بعد حضرت کے مقصد شہادت کو بڑی تقویت پہنچائی۔

زہیر قین: ان کا شمار عرب کے بہادر ترین آدمیوں میں ہے۔ سید الشہداء نے کربلا جاتے ہوئے راستہ سے آپ کو ہمراہ لیا تھا۔ نماز ظہر میں آپ امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑے رہے تاکہ حضرت پر کوئی تیر نہ آسکے۔ زخمی ہوئے پھر جہاد کیا اور بڑی بہادری سے لڑکر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

زہد و ورع: طاعت خدا کی کثرت اور گناہوں سے محفوظ رہنا۔

س

سارہ: حضرت ابراہیم کی بی بی۔ حضرت اسحاقؑ کی والدہ۔

ساقی کوثر: امیر المومنین کا لقب۔

سامرہ: جہاں حضرت امام حسن عسکری کا روضہ مبارک ہے، امام علی النقی کا مزار مقدس ہے اور وہ مقام ہے جہاں حضرت حجت نگاہ مردم سے پوشیدہ ہوئے۔

سبا: کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ملک تھا۔ جس کی حکمراں بلقیس نامی ایک خاتون تھی جن کے ساتھ حضرت سلیمانؑ نے عقد کیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف برخیا سے عقد ہوا تھا۔ قرآن میں مجمل تذکرہ موجود ہے۔

سجادؑ: امام زین العابدین علیہ السلام کا لقب۔

سجدہ: عبادت خدامیں اپنی پیشانی قبلہ رو زمین پر رکھنا۔

سجدۂ سہو: نماز میں بھول چوک ہو جانے پر بعض حالتوں میں سجدہ کرنا۔

سجدہ گاہ: جس پر سجدہ کیا جائے۔

سجدہ مسنونہ: قرآن پاک کی تلاوت کے دوران مندرجہ ذیل گیارہ سوروں میں بعض مقام پر سجدہ سنت ہے:

(۱) اعراف

(۲) رعد

(۳) نحل

(۴) بنی اسرائیل

(۵) مریم

(۶) حج

(۷) فرقان

(۸) نمل

(۹) صاد

(۱۰) انشقت

(۱۱) حج میں دوجگہ

سجدہ واجبہ: قرآن پاک کی تلاوت میں چار مقام پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

(۱) الم تنزیل

(۲) فصلت

(۳) والنجم

(۴) اقراء

سدرۃ المنتہیٰ: مقام جبرئیل امین۔

سرداب: وہ تہ خانہ جہاں سے صاحب الامر نے غیبت اختیار فرمائی۔

سردار جوانان بہشت: امام حسن و امام حسین علیہم السلام

سعید: سید الشہداء کا وہ بہادر سپاہی جو نماز ظہر کے وقت حضرت کا سینہ سپر رہا۔ تیر کھاتا رہا اور حضرت کی نماز ختم ہوتے ہی گر کر جان دے دی۔

سفینۂ نوحؑ: حضرت نوح کی بنائی ہوئی وہ کشتی جس نے ان کو ان کے ساتھیوں کو طوفان سے محفوظ رکھا اور ساری دنیا ڈوب گئی۔

سقائے سکینہؑ: حضرت ابوالفضل العباسؑ۔

سقیفہ بنی ساعدہ: جہاں حضرت ابوبکر خلیفہ رسول بنا دیے گئے۔

سکینہؑ: امام حسین کی وہ چار سالہ صاحبزادی جن کے متعلق روایت ہے کہ زندانِ شام میں انتقال ہوا۔

سلام: ہر نماز کی آخری رکعت میں تشہد کے

بعد پڑھا جاتا ہے اور اس پر نماز ختم ہوتی ہے۔ واقعہ کربلا اور مدح ائمہ معصومین سے متعلق ایک قسم کی نظم بھی سلام کہلاتی ہے۔

سلام اللہ علیہا: جناب زینبؑ جناب مریمؑ اور ایسی مقدس خواتین کے اسمائے گرامی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

سلسبیل: جنت کی ایک نہر کا نام۔

سلمان فارسی: رسالت مآبؐ کے وہ صحابی جن کی یہ عظمت ہے کہ اہل بیتؑ میں شامل ہیں۔

سلونی قبل ان تفقدونی: یہ جملہ امیر المومنین برسر منبر اپنی شہادت سے قبل اکثر ارشاد فرماتے تھے (ترجمہ) ''مجھ سے سوال کرو، قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ'' کوئی اہل علم حضرت کے سوا یہ جرأت نہ کرسکا۔

سلیمانؑ: وہ پیغمبر جن کو پروردگار عالم نے ان کے دعا کے مطابق ایسی سلطنت عطا کی تھی جو کسی بادشاہ کو نہ کبھی نصیب ہوئی، نہ ہوگی۔ تمام جن وانس، چرند و پرند، ہوا اور پانی سب آپ کے تابع تھے۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے **سمعاً وطاعتاً** ہم نے سنا اور ہم طاعت کرتے ہیں۔

سنت موکدہ: فعل غیر واجب جس پر عمل کی تاکید ہو۔

سنگ اسود: وہ پتھر جو خانہ کعبہ میں نصب ہے اور جس کو بوسہ دینا ارکان حج میں شامل ہے۔

سورہ: قرآن پاک کا وہ حصہ جو کسی مخصوص نام سے موسوم ہو۔

سورہ اخلاص: سورہ **قل ھو اللہ احد**۔

سورہ برأت: یہ دوسرہ سورہ ہے جب بیک وقت نازل ہوا اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھنے کے لیے رسالتمآب نے حضرت ابوبکرؓ کو دیا تھا لیکن وحی ہونے پر کہ تم خود جاؤ یا کسی اپنے کو بھیجو۔ حضرت علیؑ بھیجے گئے اور سورہ ابو بکر سے واپس لے کر یہ خدمت سرانجام دی۔

سورہ دہر: یہ سورہ شان اہل بیت میں نازل ہوا ہے۔

سورہ عزائم: جن کا حالت جنب میں پڑھنا حرام ہے۔

(۱) الم سجدہ

(۲) حم

(۳) والنجم

(۴) اقراء

سورہ فاتحہ: سورہ حمد کو کہتے ہیں، قرآن میں سب سے پہلا سورہ ہے اور ہر نماز کی پہلی، دوسری رکعت میں اس کا پڑھنا لازم وواجب ہے۔

سوز: لے اور ترنم کے ساتھ مرثیہ خوانی میں مجالس میں منبر کی ذاکری سے پہلے اس کا رواج ہے۔

سوید ابن مطاع: کربلا کا وہ مایہ ناز شہید ہے جو نصرت حسین میں زخموں سے چور چور ہو کر عصر تک میدان میں بیہوش پڑا رہا۔ شہادت امام حسین کا شور وغل سن کر ہوش میں آیا اور دوبارہ جنگ کر کے منصب شہادت پر فائز ہوا۔

سہم: حصہ

سہیم: حصہ دار

سید الشہداء: امام حسین علیہ السلام

سید الساجدین: چوتھے امام کا لقب۔

سید رضی: ایک زبردست عالم دین جامع نہج البلاغہ۔ آپ حضرت موسی کاظم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ساتویں پشت میں تھے۔

سید مرتضی: ایک زبردست عالم دین، سید رضی کے بڑے بھائی۔

سیدہ کونین: جناب فاطمہ زہراؑ۔

سیدۃ النساء العالمین: جناب فاطمہ زہراؑ کا لقب۔

ش

شارع: صاحب شرع۔ شرع کا جاری کرنے والا۔ نیز راستہ

شام غریباں: وہ پہلی شام جو بعد شہادت امام حسینؑ اہل حرم نے تاراجی خیام کے بعد گزاری۔

شان نزول: وجہ نزول آیت

شاہ دیں۔ شہدا، شاہ، شہ وغیرہ: یہ الفاظ مرثیوں، نوحوں اور ایسی دوسری نظموں میں امام حسینؑ کے لیے کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔

شب اسریٰ: شب معراج

شب برأت: ماہ شعبان کی چودھویں شب جس کی صبح قائم آل محمد بارہویں امام کی ولادت ہوئی۔

شب ضربت: ماہ رمضان کی انیسویں

شب۔ جس شب کو ابن ملجم نے امیر المومنین کے فرق مبارک پر حالت سجدہ میں تلوار ماری ہے۔

شب عاشور: جس کی صبح دہم محرم کو امام حسینؑ مع انصار واقربا شہید ہوئے۔

شب معراج: جس شب رسالتمآب عرش پر تشریف لے گئے۔

شب ہجرت: جس شب کو رسالت مآب نے بہ قصد مدینہ، مکہ سے ہجرت کی اور حضرت علیؑ کو اپنی جگہ سلا گئے۔

شداد: ایک بادشاہ جس نے دعویٰ خدائی کیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ بہترین باغ تیار کیا تھا جسے بہشت کہا جاتا تھا۔

شرک: ذات خدا میں کسی کو شریک کرنا۔

شرک جلی: ظاہر بہ ظاہر اقدام شرک۔

شرک خفی: شرک کا غیر محسوس طریقہ پر پیدا ہونا۔

شریعت: مذہب کا قانون۔

شریعت سہلا: شریعت اسلامی سے مراد ہے۔

شریکۃ الحسینؑ: جناب زینبؑ کا لقب۔ آپ نے سید الشہداء کے مقصد کی تکمیل میں بہت بڑا حصہ لیا۔

شعائر اللہ: تمام مقدس مقامات اور مقدس اشیاء

شعب ابی طالبؑ: پہاڑ کی ایک گھاٹی جو حضرت ابو طالبؑ کی ملک میں تھی۔ اور جس میں رسالتمآب مع خاندان مشرکین مکہ کی زیادتی ظلم سے ایک عرصہ تک مقیم رہے۔

شفیع المذنبین: رسالت مآب کا لقب۔

شفیع حشر، شافع محشر: رسالت مآب اور ائمہ اطہار۔

شق القمر: رسالت مآب کا معجزہ۔ آپ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کیا تھا۔

شہادت: راہ خدا میں مارا جانا۔

شہادت نامہ: کپڑے پر ایک دعا لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھی جاتی ہے جس پر مرنے والے کے اعتقاد و ایمان کے متعلق مومنین کی گواہیاں ہوتی ہیں۔

شہادتین: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ

شہر: مہینہ

شہر بانو: نوشیرواں عادل کی پوتی۔ ایران کی شہزادی، امیر المومنین کی بہو امام حسینؑ

کی بی بی۔ امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ۔

شہید: جو راہ خدا میں مارا جائے۔

شہید اول: شیخ شمس الدین ابوعبداللہ ابن مکی البحرانی۔ سنہ شہادت ۷۸۶ھ دمشق میں شہید ہوئے۔

شہید ثانی: قاضی برہان الدین مکی۔عباد بن جماعہ شافعی نے فتویٰ قتل جاری کیا۔ لاش سنگسار کر کے جلا دی گئی۔

شہید ثالث: قاضی نور اللہ شوستری الحسینی ۱۷۱۹ء بزمانہ جہانگیر بمقام اکبر آباد شہید کیے گئے۔

شہید رابع: سید محمد مرزا کامل صاحب نزہہ اثناعشریہ بمقام جھجر زہر سے شہید کیے گئے۔ دہلی میں دفن ہوئے۔

شیخ مفید: وہ بزرگ ترین عالم دین جو سید رضی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے استاد تھے۔

ص

صاحب العصر: امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام

صاحب اللوا: جناب امیر المومنین آپ کے ہاتھ میں قیامت کے دن ایک علم ''لوا'' نامی ہوگا۔

صاحب لولاک: رسالتمآبؐ

صادق آل محمدؐ: امام جعفر صادق علیہ السلام

صالح المومنین: امیر المومنین علی ابن ابی طالب

صائم: روزہ دار

صائم النہار: ہمیشہ روزے سے رہنے والا۔

صائم الدہر: ہمیشہ روزے سے رہنے والا۔

صبح صادق: صبح کاذب کے بعد جو سپیدی نمودار ہوتی ہے اور اسی لمحہ نماز صبح کا وقت شروع ہوتا ہے۔

صبح کاذب: صبح صادق سے پہلے ایک سفیدی جو چند لمحے نمودار ہو کر غائب ہوجاتی ہے۔

صحابی: رسالتمآب کے ہم نشین مسلمان۔

صحف ابراہیم: وہ صحیفے جو حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے۔

صدقت: سچ کہا تو نے۔

صراط مستقیم: راہ حق

صفا و مروہ: مکہ کی دو پہاڑیاں، جن کے درمیان دوڑنا ارکان حج میں شامل ہے جس کو سعی کہتے ہیں۔

صفات ثبوتیہ: وہ صفتیں جو خدا میں ہیں۔

صفات سلبیہ: وہ صفتیں جو خدا میں نہیں ہیں۔

صفی اللہ: جناب آدم کا خطاب۔

صلی اللہ علیہ و آلہ: رسالتمآب کے اسم گرامی کے ساتھ کہنا فرض و واجب ہے۔

صلوٰۃ: نماز

صلح حدیبیہ: مقام حدیبیہ پر رسالتمآب نے کفار مکہ سے بحکم خدا جو صلح کی تھی۔

صلہ رحم: اپنے عزیز و اقارب سے سلوک کرنا۔

صنادید قریش: بڑے بڑے کفار قریش۔

صور: ایک بھونپو ہے جو بحکم خدا اسرافیل پھونکیں گے اور قیامت آجائے گی۔

صوم: روزہ

صیغہ فضولی: طرفین کے ولی نہ ہونے کی صورت میں جو صیغے جاری کیے جاتے ہیں۔

صیغہ نکاح: وہ جملے جو طرفین (دولہا و دلھن) کے وکیل زبان پر جاری کرتے ہیں)

ض

ضریح: نقل روضہ مبارک سید الشہداء

ضلالت: گمراہی

ط

طاہر: پاک

طاہرہ: جناب فاطمہ زہراؑ کا لقب۔

طلاق: زوجہ کو نکاح سے خارج کرنا

طلاق بائن: ایسی طلاق کہ ایام عدت میں مرد رجوع نہیں کرسکتا۔

طلاق رجعی: ایسی طلاق کہ شوہر عدت گزرنے سے پہلے اپنی زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے۔

طعام ولیمہ: عقد کے بعد شرع نے جس دعوت کا بشرط امکان حکم دیا ہے۔

طواف: خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانا۔ ارکان حج میں شامل ہے۔

طوبیٰ: جنت کا ایک درخت بتایا گیا ہے۔

طوفان نوح: امت کی نافرمانی پر حضرت نوح کی بد دعا سے پانی کا طوفان آیا تھا جس نے تمام دنیا کو بجز حضرت نوح اور ان کے چند ساتھیوں کے غرق کردیا۔

طہارت: پاکیزگی، غسل، وضو

طہارت اضطراری: تیمم

طہارت حدثی: جس میں نیت تقرب خدا کی ضرورت نہ ہو مثلاً بول و براز کی طہارت۔

طہارت خبثی: جس میں نیت تقرب خدا کی ضرورت ہو مثلاً غسل جنابت وغیرہ

ظ

ظہر: وقت زوال آفتاب

ظہرین: ظہر وعصر کی نمازیں۔

ظہور: قائم آل محمد بارہویں امام کا پردہ غیب سے باہر تشریف لانا۔

ع

عاشور: شہادت امام حسینؑ

عالم اسباب: دنیا

عالم امر: عالم مجردات جس میں ارواح و ملائکہ ہیں۔

عالم بالا: عالم افلاک وفرشتگان

عالم جبروت: عالم ارواح انسانی کہ مجرد ہیں۔

عالم دین: احکام شرع کا جاننے والا۔

عالم شہادت وشہود: عالم اجسام عنصری و اجرام فلکی جو دیکھے جاتے ہیں۔

عالم صغیر: عالم وجود انسانی

عالم غیبت: عالم پوشیدہ عالم وجودہائے مجرد۔

عالم غیب الغیوب: عالم ذات خدا، عالم قدس و عالم ملکوت وکرسی وعرش

عالم کبیر: جہان عنصر و افلاک

عالم لاہوت: عالم اسماء صفاتِ الٰہی

عالم ملکوت: عالم ملائکہ وعقول

عالم ناسوت: عالم اجرام و اجسام

عالم ہو: عالم ذاتِ احدیت۔

عبد المطلب: رسالتمآب کے جد بزرگوار جن کے زمانہ میں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا۔

عثمان بن عفان: یہ تیسرے خلیفہ بنائے گئے۔

عصر: وقت بعد زوال وبعد ظہر

علامہ حلّی: ایک عالم جید آپ نے تدوین و تنظیم مذہب اثناعشری میں بڑا حصہ لیا ہے۔

علیؑ: پہلے، چوتھے، آٹھویں، دسویں ائمہ طاہرین کا اسم گرامی۔

عمار یاسر: رسالتمآب کے وہ مقتدرہ صحابی جو امیر المومنین کے ہمرکاب صفین میں شہید ہوئے۔

عمرابن الخطاب: جن کو مرتے وقت ابوبکرؓ خلیفہ بناگئے ۔ یہ دوسرے خلیفہ رسول کہلاتے ہیں۔

عمروبن حمق الخزاعی: امیرالمومنین کے ایک مقتدر صحابی بہ اشارہ معاویہ شہید کیے گئے ۔

عمرو عاص: امیر المومنین کا مخالف معاویہ کا دست و بازو، معاویہ کی دنیاوی کامیابیاں اور حکومت و خلافت اسی کے مشورہ کی مرہون منت ہیں۔

عید غدیر: ۱۸/ ذی الحجہ کو امیر المومنین کی جانشینی کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

عید مباہلہ: ۲۴/ ذی الحج کو منائی جاتی ہے اس روز رسول خدا نے نصاریٰ بنی نجران سے مباہلہ کیا۔آپ حضرت علیؑ ، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو لے کر گئے تھے۔

غ

غار ثور: شب ہجرت رسول خدا نے مدینہ جاتے ہوئے جہاں قیام فرمایا تھا۔

غار حرا: وہ غار جہاں رسالتمآب بعثت سے پہلے عالم تنہائی میں عبادت فرماتے تھے اور جہاں پہلی وحی آپ پر نازل ہوئی۔

غدیر خم: وہ مقام جہاں رسالتمآب نے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمایا۔

غریب الغربا: عموماامام رضا کو کہا جاتا ہے۔

غزوہ: عہد رسالت کی وہ لڑائیاں جن میں پیغمبر خودتشریف لے گئے ہوں،غزوہ کہلاتی ہیں۔

غسالہ: دھوون

غسل: بقصد طاعت الٰہی نہانا جس کے دو طریقے ہیں ترتیبی وارتماسی

غسل ارتماسی: نیت کے ساتھ نہر یا دریا میں غوطہ لگانا۔

غسل ترتیبی: سروگردن دھونے کے بعد جسم کے داہنے حصہ اور پھر بائیں حصہ کو دھونا۔

غسل واجب: غسل جنابت ۔غسل حیض ، غسل نفاس، غسل استحاضہ ، غسل میت ،غسل مس میت۔

غصبی: جس چیز پر ناجائز قبضہ ہو۔

غلمان: وہ لڑکے جو بہشت میں مومنین کی خدمت کے لیے متعین ہوں گے۔

غلو: کسی کو اس کی منزل و مرتبہ سے بڑھانا۔

غیبت: کسی شخص کے واقعی عیوب بیان کرنا یا کسی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جسے سن کر وہ شخص تکلیف محسوس کرے۔

غیبت: صاحب العصر کا نگاہ مردم سے پوشیدہ رہنا۔

غیبت صغریٰ: جس زمانہ میں حضرت حجت نائب مقرر فرماتے رہے اور بعض مخصوص افراد ملت کو شرف حضوری حاصل ہوتا تھا۔

غیبت کبریٰ: زمانہ موجودہ جب کوئی حضرت کا مقرر کیا ہوا نائب نہیں ہے نہ کسی کو شرف حضوری حاصل ہوتا ہے۔

ف

فاتحہ: کسی مردہ کو ثواب پہنچانے کے لیے سورہ حمد کا پڑھنا۔

فاسق: بدکار

فاطمہ بنت اسد: حضرت علیؑ کی والدہ ماجدہ۔ آپ بھی بنی ہاشم سے تھیں۔ رسالتمآب کی پرورش میں آپ کا حصہ اپنے شوہر حضرت ابو طالبؑ سے زیادہ ہے۔ رسالتمآب آپ کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتے تھے۔

فاطمۂ صغرا: حضرت امام حسینؑ کی وہ صاحبزادی جن کے متعلق ایک روایت ہے کہ انہیں بہ سبب علالت آپ کربلا نہ لے جا سکے تھے۔

فاطمۂ کبرا: امام حسینؑ کی وہ صاحبزادی جن کے متعلق روایت ہے کہ حضرت قاسمؑ بن حسنؑ سے کربلا میں عقد ہوا تھا۔

فاطمی سادات: امیر المومنینؑ کی نسل میں جو سادات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں ہیں۔

فاطمین مصر: مصر میں تقریباً دوسو برس سادات بنی فاطمہ کی حکومت رہی۔ یہ سلاطین فاطمین مصر کہلاتے ہیں۔ دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر میں اسی عہد کی یادگار ہے جو اَب تک قائم ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ سلطنت مٹائی تھی۔

فاعل مختار: جو مجبوری سے اور قہری طور پر نہیں بلکہ ارادہ و اختیار سے کام کرے۔

فتویٰ: وہ حکم شرع جو مجتہد بتائے۔

فرات: وہ دریا جس کے کنارے حضرت امام

حسینؑ معہ اقربا وانصار پیا سے شہید
کیے گئے۔
فردِعمل: انسان کانامۂ اعمال۔
فردوس: جنت
فرزوق: مشہور شاعر جس نے حرم میں ہشام
کی موجودگی میں امام زین العابدینؑ
کی مدح میں فی البدیہ قصیدہ کہہ کر
پڑھا۔تاریخ میں یہ دلچسپ معرکہ تابل
دید ہے۔
فرسخ: تین میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے۔
فرعون: مصر کابادشاہ۔عموماً اس کو کہتے ہیں جو
حضرت موسیٰ کےوقت میں بادشاہ مصر
تھا۔اورجس نے دعویٰ خدائی کیا تھا۔
فرقان: قرآن
فریضۂ سحری: نماز فجر
فسق وفجور: بداعمالیاں۔گناہ۔
فشار: بتایا گیا ہے کہ بعد دفن تنگی قبر کی زحمت
ہوگی۔مردہ اسے محسوس کرے گا۔
فضہ: جناب فاطمہ زہرؑا کی کنیز خاص معرکۂ
کربلا میں اہل بیتؑ کے ساتھ تھیں
وقت رخصت امام حسینؑ نے آپ پر
بھی سلام کیا تھا۔
فطرہ: عیدالفطر کے دن اپنے اور اپنے عیال
کی طرف سے بمقدار معینہ صدقہ
دینا۔
فقہ: احکام شرع کا علم دلائل اجتہادیہ سے
فقیہہ: احکام شرع کا دلائل سے جاننے والا۔
فی سبیل اللہ: راہ خدا میں

ق

قاب قوسین: وہ دویا ڈیڑھ کمان کافاصلہ جو
شب معراج خدا اور رسولؐ خدا کے
درمیان حد فاصل بتایا گیا ہے جس کی
اصل حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ
خدا جسم نہیں رکھتا نہ مکان میں محدود
ہوتا ہے۔
قابض ارواح: روح قبض کرنے والافرشتہ۔
قابیل: حضرت آدم کا وہ بیٹا جس نے اپنے
بھائی ہابیل کورشک وحسد کے باعث
پتھر سے ہلاک کردیا تھا۔یہ پہلا خون
تھا جو زمین پر گرا ہے۔
قادر مطلق: پروردگار عالم
قاسم ابن حسنؑ: امام حسنؑ کے وہ
صاحبزادے جن کے متعلق روایت
ہے کہ شہادت سے پیشتر آپ کا عقد
امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی فاطمہؑ

کبریٰ سے ہوا تھا۔

قائم آل محمدؐ: امام مہدی آخر الزماں

قائم اللیل: شب بھر عبادت الٰہی میں بسر کرنے والا۔

قبر: جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے۔

قبلہ: کعبتہ اللہ جس طرف رُخ کرکے نماز پڑھی جاتی ہے۔

قدسی: ملائکہ

قدیم: ذات باری تعالیٰ جس کے لیے ہیشگی ہے۔

قرأت: نماز میں سوروں کا پڑھنا نیز عربی الفاظ کو صحیح مخارج سے ادا کرنے کو بھی قرأت کہتے ہیں۔

قرآن: وہ کلام الٰہی جو بصورت وحی خاتم الانبیا محمد مصطفٰےؐ پر نازل ہوا تھا۔

قربانی: کسی حلال جانور کا راہ خدا میں ذبح کرنا۔

قربتہً الی اللہ: محض خوشنودی خدا کے لیے۔

قرضہ حسنہ: بغیر سود قرض دینا۔ صحیح لفظ ''قرض حسن'' ہے۔

قریش: اس قبیلہ کا نام ہے جس میں رسالتمآبؐ پیدا ہوئے۔

قسم: خدا، رسول۔ ائمہ اطہار، یا شعائر اللہ کعبہ، قرآن وغیرہ کو گواہ کرکے کسی امر کا اظہار کرنا اور یقین دلانا جو بصورت صدق جائز اور بصورت کذب ناجائز ہے۔

قسیم الجنتہ النار: امیر المومنین کا لقب ہے۔

قصر: حکم شرع کے مطابق حالت سفر میں چار رکعتی نماز کا دو رکعتی ہو جانا۔

قطع رحم: عزیز و اقارب کے حقوق سے روگردانی کرنا۔

قعود: نماز میں بیٹھنے کی حالت کو کہتے ہیں۔

قم: ایران میں ایک مقام جہاں امام رضاؑ کی ہمشیرہ کا مزار مقدس ہے آپ معصومۂ قم کہلاتی ہیں۔

قم باذن اللہ: (ترجمہ) خدا کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مردہ کو زندہ کرتے وقت یہ جملہ زبان پر جاری کرتے تھے۔

قموص: خیبر کا سب سے اہم قلعہ۔

قنبر: خادم خاص امیر المومنین جو عبدالملک کے عہد حکومت میں حجاج کے حکم سے شہید کیے گئے۔

قنوت: وہ دعا جو نماز کی دوسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر بعد اختتام سورتین پڑھی

جاتی ہے۔

قیام: حالت نماز میں کھڑے رہنے کی حالت کو کہتے ہیں۔

ک

کاتب اعمال: وہ فرشتے جو ہر انسان کے اعمال تحریر کرنے پر متعین ہیں۔

کاتب وحی: وحی کا تحریر کرنے والا۔

کاظمین: بغداد کے قریب وہ مقام جہاں امام موسیٰ کاظمؑ اور امام محمد تقیؑ کے مزار مقدس ہیں۔

کاظمی سادات: امام موسیٰ کاظمؑ کی نسل۔

کافر حربی: وہ کفار جن سے اہل اسلام سے کوئی معاہدہ نہ ہو۔

کافر ذمی: وہ جن سے حکومت اسلام سے معاہدہ ہوگیا ہو۔ جس کی بنا پر ان کی حفاظت حکومت اسلام کے ذمہ ہو۔ دیکھو ''جزیہ''

کاہن: نجومی کی طرح ایسا شخص جو پیشین گوئیاں وغیرہ کرتا ہے۔

کتاب اللہ: خدا کی کتاب، قرآن۔

کثیر الشک: زیادہ شکی انسان جس کی کوئی تین نمازیں شک سے خالی نہ رہتی ہوں۔

کُر: طول وعرض وعمق ہر ایک میں ساڑھے تین بالشت اور بقولے تین بالشت جو پانی اتنی جگہ میں ہو اُسے آب کثیر کہتے ہیں۔

کراماً کاتبین: کاتب اعمال فرشتے۔

کربلا: اب ایک مشہور شہر ہے، یہی وہ بے آب وگیاہ میدان تھا۔ جہاں امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ اب وہیں آپ کا روضہ مبارک ہے اور ہر خطۂ زمین کے لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔

کُرسی: عرش کی طرح ایک بلند مقام۔

کعبہ: وہ عبادت گاہ جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ جو بیت اللہ کہلاتا ہے۔

کفر: توحید ورسالت یا ضروریات اسلام میں سے کسی بھی چیز کا انکار۔

کفن: مردے کو جو لباس پہنایا جاتا ہے۔

کلثوم: جناب ام کلثوم کو کہتے ہیں جو جناب فاطمہؑ کے بطن سے امیر المومنینؑ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ جناب زینبؑ سے چھوٹی آپ معرکۂ کربلا

میں ساتھ تھیں۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

کلمہ: توحید رسالت، اور امامت کا اقرار۔

لاالہ الاالله محمد رسول الله علی ولی الله وصی رسول الله۔

کلیم اللہ: حضرت موسیٰ کا لقب

کمیل ابن زیاد نخعی: امیرالمومنین کے وہ مشہور صحابی جن کو آپ نے وہ دعا تعلیم فرمائی تھی جو دعائے کمیل کہلاتی ہے۔

کناسہ: جہاں حضرت زید شہید کی لاش کو دار پر چڑھایا گیا۔

کنزمخفی: پوشیدہ خزانہ۔

کوثر: جنت میں ایک چشمہ یا حوض۔

کوفہ: عراق کا وہ مشہور شہر جس کو امیرالمومنینؑ نے دارالخلافت بنایا تھا، جہاں حضرت مسلم شہید ہوئے تھے جو نجف سے قریب ہے۔ یہیں سے کربلا میں فوجیں بھیجی گئیں اور اس وقت ابن زیاد کا پائے تخت تھا۔ اہلبیت حسینؑ کربلا سے اسیر کر کے کوفہ ہی لائے گئے تھے۔ پھر یہاں سے دمشق بھیجے گئے جو یزید کا پایۂ تخت تھا۔

کون ومکان: دونوں جہان کل کائنات کل عالم۔

کونین: دونوں عالم۔ غیب وشہود۔

کوہ جودی: وہ پہاڑ جس پر طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی۔

کوہ طور: جس پہاڑ پر حضرت موسیٰ خدا سے باتیں کرتے تھے۔

گ

گلدستہ اذان: اذان دینے کے لیے مسجد میں ایک بلند اور مخصوص مقام۔

گناہ: شریعت اور اخلاق حسنہ کے خلاف عمل۔

گناہ صغیرہ: ایسی فروگذاشتیں جن کی سزا کے لیے آتش جہنم کا ذکر نہیں آیا ہے۔

گناہ کبیرہ: ایسی بداعمالیاں جن پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

گنبد خضرا: روضہ اطہر سرور کائنات جناب محمد مصطفٰے خاتم الانبیاء ﷺ کا گنبد۔

ل

لا الٰہ الا اللہ: کلمہ توحید۔ کوئی معبود حقیقی نہیں سواء اللہ کے۔

لا اکراہ فی الدین: ایک آیہ قرآنی جس کے

معنی ہیں ''دین کے بارہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔''

لات و منات: منجملہ اور بتوں کے دو ان ناموں کے بت خانہ کعبہ میں رکھے تھے۔

لاحول: لا حول ولا قوۃ الا باللہ وساوس شیطانی کو دور کرنے کے لیے ناواجب و مناسب امور کے وقوع و اظہار و ارادہ کے موقعوں پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔

لا رھبانیۃ فی الاسلام: اسلام میں رہبانیت یعنی علائق دنیا سے مطلق کنارہ کشی نہیں ہے۔

لا شریك: خدا کی شان ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

لافتیٰ: امیر المومنین کے بارے میں ایک آواز جنگ احد میں غیب سے آئی تھی **لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار**۔

لامکان: یہ بھی خدا کی شان ہے وہ مکان وزمان سے مبرا ہے۔

لبیک: میں حاضر ہوں۔

لحد: قبر کے اندر کا حصہ جس میں میت رکھی جاتی ہے۔

لسان اللہ: امیر المومنین کا خطاب۔

لعنت : رحمت خدا سے دوری۔

لقمان: ایک مرد مقدس اور حکیم جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان کے نام سے ایک سورہ ہے۔

لوائے حمد: وہ علم جس کے امیر المومنین روز حشر حامل ہوں گے (دیکھو صاحب اللوا)

لوح وقلم: بتایا گیا ہے، عالم بالا میں احکام خداوندی کی تحریر کے لیے لوح وقلم ہیں۔ اس کی حقیقت سے پورے طور پر ہم واقف نہیں ہیں۔

لوح محفوظ: مقدرات سے متعلق ایک تختی بتائی گئی ہے جس کا لکھا ہوا بدلتا نہیں۔

لولا علی لھلك عمر: جب کسی امر مشکل میں حضرت عمرؓ عاجز ہوکر امیر المومنین سے مدد مانگتے تھے اور حضرت اسے حل کردیتے تھے۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ جملہ جاری ہوتا تھا جس کا ترجمہ ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔''

لیلۃ الھریر: جنگ صفین کی وہ رات جو پوری جنگ میں گزری اور امیر المومنین نے

چار سو آدمی لشکر معاویہ کے قتل کیے۔

م

ماتم: افراطِ غم میں سینہ پر ہاتھ مارنا غم حسینؑ کے لیے مخصوص ہے۔

ماتمدار: ماتمی۔ سوگوار۔ عام طور پر حسینؑ کے غم کی صف بچھانے والے کو کہتے ہیں۔

ماتمی لباس: نیلے یا سیاہ رنگ کا لباس جو عزادارانِ حسینؑ محرم کے ایام میں عموماً پہنتے ہیں۔

آثارِ متبرکہ: مقاماتِ مقدسہ

ماثور: وہ طریقہ جو نبی یا امام میں سے کسی امر کے متعلق وارد ہوا ہو۔

ماجوج: ایک قوم جو حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے ہے۔

ماحضر: جو کھانا حاضر ہو۔

ماروت: دو فرشتوں میں سے ایک جو چاہِ بابل میں اوندھے لٹکے ہوئے عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں۔

ماسوی اللہ: تمام مخلوقات

ماشاءاللہ: سبحان اللہ، کیا کہنا۔

ماکول اللحم: حلال جانور

مالک: ایک فرشتہ جو نگہبانِ دوزخ بتایا گیا ہے۔

مالکِ اشتر: امیر المومنین کے جان نثار صحابی اور بہادر ترین فوجی افسر۔ معاویہ کے اشارے پر زہر سے شہید کیے گئے۔

مالک الملک: خداوند عالم

ماہِ کامل: پورا چاند۔ چودھویں کے چاند کو کہتے ہیں۔

ماہِ کنعان: حضرت یوسف علیہ السلام

ماہِ نخشب: وہ چاند جو حکیم بن عطر المعروف مقنع نے اجزائے سیمابی کی ترکیب سے بنا کر روشن کیا تھا۔

ماہتاب: چاندنی، روشنی

مائدہ: ایک سورہ کا نام۔ دسترخوان کو بھی کہتے ہیں۔

مباح: جائز، حلال جاننا۔ ہر وہ کام جس کے کرنے نہ کرنے کی اجازت ہو۔

مباحثہ: بحث و مناظرہ۔ سوال و جواب

مبادی: ابتدائی اصول۔

مباہات: فخر۔ بڑائی

مباہلہ: ایک دوسرے کے خلاف بد دعا کرنا کہ جو ناحق پر ہو خدا اس پر عذاب نازل کرے، رسالتمآب بحکم خدا حضرت علیؑ، جناب سیدہ فاطمۂ زہرا،

اور حسنین علیہم السلام کو ساتھ لے کر نصاریٰ نجران سے مباہلہ کرنے گئے تھے مگر نصاریٰ خوف کھا کر مباہلہ سے باز رہے۔

مبداء فیض: فیض کا سرچشمہ، مراد اللہ تعالیٰ۔

مبرور: جنتی۔ پاک

مبطل: نماز، روزہ، وضو وغیرہ کا باطل کرنے والا عمل۔

مبعوث: بھیجا گیا۔

مبہم: جس بات کا مطلب سمجھ میں نہ آسکے۔

مبین: روشن۔ آشکارا۔

متاعی: وہ عورت جس سے متعہ کیا جائے۔

متبحر: بڑا عالم، فاضل اجل۔

متبع: پیروی کرنے والا۔

متدین: مومن، ایماندار

متشرع: پابند شریعت، پرہیز گار۔

متعہ: کچھ مدت کے لیے عورت سے نکاح کر لینا۔

متقی: پرہیز گار

متولی: کسی وقف کا نگراں و منتظم اعلیٰ

مثاب: اجر کے لائق

مجاز: حقیقت کے برعکس

مجالس المومنین: شہید ثالث کی وہ لاجواب تصنیف جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ شہادت واقع ہوئی۔

مجاہد: جہاد کرنے والا۔

مجتہد: جو احکام شرع کو ان کے دلائل سے اخذ کر سکے۔

مجتہد جامع الشرائط: وہ مجتہد جس میں تمام شرطیں جواز تقلید کی پائی جائیں۔

مجتہد حی: وہ مجتہد جو زندہ ہو۔

مجلس: عرف عام میں وہ بزم جہاں ذکر مصائب رسول و آل رسولؑ ہوتا ہے۔ زیادہ تر امام حسینؑ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

مجلسی: فرقۂ امامیہ کے ایک جید عالم محمد باقر اور ان کے والد محمد تقی کا تخلص یا لقب۔

مجوس: آتش پرست۔

مجیب الدعوات: دعائیں قبول کرنے والا (خداوند عالم)

مجید: بزرگ۔ اسم الٰہی۔

محدث: فن حدیث کا عالم۔

محرم: وہ رشتہ دار جن سے نکاح نہیں ہوسکتا اور جن میں آپس میں شرعاً پردہ واجب نہیں۔

محرم: اسلام عربی سال کا پہلا مہینہ جس کی دسویں تاریخ کو حضرت امام حسینؑ معہ

اپنے اعزہ و انصار یزید کے حکم سے میدان کربلا میں شہید کیے گئے۔

محرمات: وہ افعال جو شرعاً حرام ہیں۔

محروم الارث: وراثت سے خارج کیا گیا۔

محسنات: نیکیاں۔ خوبصورت و نیک عورتیں۔

محشر: قیامت و قیامت کے دن لوگوں کے اٹھ کر جمع ہونے کا دن۔

محشی: حاشیہ چڑھا ہوا۔

محصنہ: نیک و با عصمت بیوی۔

محفل: وہ بزم جس میں محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل کا ذکر ہوتا ہے۔

محقق: تحقیق کرنے والا، ہمارے فرقہ کا ایک مشہور عالم علامہ محقق علیہ الرحمہ۔

محمدؐ: رسالتمآب نیز پانچویں، نویں اور بارہویں امام کا نام نامی۔

محکم و متشابہ محکم: وہ آیات قرآنی جو واضح ہیں۔ متشابہ وہ آیات جنھیں عام لوگ عربی زبان جاننے پر بھی نہیں سمجھ سکتے۔

محمد ابن ابی بکر: حضرت ابو بکر کے صاحبزادے جو امیر المومنین کے جان نثار صحابی تھے۔ معاویہ کے اشارے سے شہید کیے گئے۔

مخدرات: پردہ دار مراد اہل بیت عظام۔

مدائن: عراق کا ایک شہر۔

مدح: تعریف

مدینہ: (نیا یثرب) جہاں رسالتمآب ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا روضہ مقدس ہے۔

مدینتہ العلم: حضرت رسولؐ خدا کا لقب مبارک۔

مذاکرہ: آپس میں کسی مسئلہ پر بہ نظر تحقیق گفتگو کرنا۔

مذبح: جہاں مویشی ذبح کیے جاتے ہیں۔

مذبوح: جو ذبح کیا جائے۔

مذہب: دین۔طریقہ

مذہب جعفری: مذہب اثنا عشری کی تبلیغ اور زیادہ تر اس کے فقہ وحدیث کی تدوین وتعلیم چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد میں ہوئی تھی اس لیے مذہب جعفری بھی کہا جاتا ہے۔

مراثی: مرثیے

مراہق: وہ بچہ جس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔

مرتد: جو اسلام لا کر پھر کفر اختیار کرے۔

مرتشی: رشوت لینے والا

مرتضیٰ: امیر المومنین کالقب

مرثیہ: واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام یا اس سے متعلق کوئی واقعہ یا کسی دوسرے معصوم کا حال نظم میں ۔ اب مسدس کی شکل اس کے لیے مخصوص ہوگئی ہے۔

مرحب: بڑا زبردست اور مشہور پہلوان تھا جو خیبر کی جنگ میں جناب امیرؑ کے ہاتھ قتل ہوا۔

مرسل: رسول

مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ: خدا کی مرضی سب سے بہتر ہے۔

مرقد: تربت، جہاں مردے کو سلایا جاتا ہے۔

مرکب: سواری۔گھوڑا اونٹ وغیرہ

مروان ابن الحکم: بنی امیہ کا وہ فتنہ انگیز آدمی تھا جس کو رسالت مآب نے مدینہ سے نکال دیا تھا مگر حضرت عثمان نے اپنا مشیر بنایا۔یزید کے بعد یہ چھ ماہ مسند خلافت پر بھی بیٹھا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں خلافت رہی۔ یہ سخت ترین دشمن اہل بیت تھا۔

مروی: جس کی روایت وارد ہو۔

مس میت: میت کو چھونا۔

مسبب الاسباب: خداوند عالم

مستحب: عبادت میں وہ فعل جو آنحضرت نے فرما کر خود کیا ہو۔

مسجد: نماز پڑھنے کی مخصوص عمارت

مسجد اقصیٰ: بیت المقدس میں ایک مسجد ہے اور قرآن میں عالم بالا کی اس منزل کو جس تک معراج ہوئی تھی مسجد اقصیٰ کہا گیا ہے۔

مسجد جامع: جہاں تمام شہر کے مسلمان جمع ہو کر نماز پڑھیں۔

مسجد سہلہ: کوفہ میں ایک مسجد ہے۔

مسجد قبا: سب سے پہلی مسجد جو عہد رسالت میں بیرونِ مدینہ بنائی گئی۔

مسجد نبوی: مدینہ میں عہد رسالت کی مسجد۔

مسجود: ذات باری تعالیٰ۔

مسح: وضو کرتے وقت سر اور پاؤں کو ہاتھ کی تری کے ساتھ مس کرنا۔

مسلم: مسلمان۔امام حسینؑ کے چچا زاد بھائی کا نام جو سفارت پر کوفہ گئے تھے۔اور وہاں شہید ہوئے۔ اپنی بہادری کے لیے مشہور زمانہ تھے۔

مسلم ابن عوسجہ: یہ بہت بوڑھے تھے مگر کربلا

میں فوج شام سے آپ لڑے اور شہید ہوئے۔

مسلمان: دین محمدی کا پیرو۔

مسنون: وہ کام جو شریعت کی رو سے جائز ہو۔

مسنونات: وہ احکام کہ جن پر عمل باعث ثواب ہوتا ہے مگر ترک پر عتاب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: کوئی دینی بات جس کا تعلق دین سے ہو۔

مسیح، مسیحا: حضرت عیسیٰ کا لقب۔

مسیلمہ کذاب: عرب کا ایک کافر جس نے عہد رسالت میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔

مسواک: دانتوں کو صاف کرنے کے لیے نیم یا کسی ایسے ہی درخت کی شاخ شرعاً مستحب ہے۔

مشاہدہ مقدسہ: تمام وہ مقامات جہاں معصومین دفن ہیں۔

مشرک: جو خدا کو ایک نہ جانے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرے۔

مشغول الذمہ: جس شخص کے ذمہ کسی کا حق یا کوئی فریضہ واجب الادا ہو۔

مشکل کشا: امیر المومنین کا لقب۔

مشہد: ایران کا ایک مشہور شہر ہے جسے طوس بھی کہتے ہیں۔ جہاں حضرت امام رضا علیہ السلام کا روضہ مبارک ہے۔

مشیت: مرضی الٰہی۔

مصافحہ: اسلامی طریقہ پر ہاتھ ملانا۔

مصحف: قرآن مجید۔

مصطفیٰ: سرور کائنات۔

مصلّی: نماز پڑھنے والا۔

مصلا: جائے نماز

مطلقہ: وہ عورت جس کو طلاق دے دی جائے۔

مطہرات: پاک کرنے والی چیزیں جو متعدد ہیں۔ اسلام، پانی، آفتاب، زمین،
انتقال ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔
شے نجس کا مقام طہارت میں پہنچ کر اس کا جزو بن جانا۔
''استحالہ'' دیکھو باب الف
''استبرا'' کسی فضلہ خور جانور کو مدت معینہ شریعت تک فضلہ خوری سے بچانا۔
''تبعیت'' ایک شئے کی طہارت سے دوسری شے کا از خود پاک ہوجانا مثلاً

کنویں کے پاک ہونے سے رسی اور ڈول کا پاک ہوجانا۔

معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔ آخرت ، قیامت،عقبیٰ

معاذ اللہ: خدا کی پناہ،خدا محفوظ رکھے۔

معانقہ: گلے ملنا۔

معبود: خداوندکریم

معجزہ: کسی مافوق الفطرت امر کا اظہار۔

معراج: رسالت مآب کا آسمان پر تشریف لے جانا۔

معراج مومن: نماز

معرفت: کسی ذات واجب المعرفت کا بقدر امکان پہچاننا۔

معصوم: جس سے عموماً سہواً کسی صورت سے بھی گناہ اور خطا ہرگز وقوع میں نہ آئے۔

معقول: عقلی امور

معصیت: گناہ

معلم الملکوت: شیطان۔ جو پہلے فرشتوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔

معین العلم بین الصحابہ: رسالتمآب کے چچا زاد بھائی اورعبد اللہ بن عباس کا لقب تھا۔

مغربین: مغرب وعشاء کی نمازیں۔

مفسر: تفسیر قرآن کرنے والا۔

مقام ابراہیم: وہ پتھر جس پر کھڑے ہوکر جناب ابراہیم نے تعمیر خانہ کعبہ فرمائی۔

مقام عرفات و مشعر: حج کے دوران میں حاجی یہاں قیام کرتے ہیں اور یہاں غسل کرنا سنت ہے۔

مقام قدس: عرش وکرسی وغیرہ۔

مقام محمود: وہ مقام جہاں حضرت رسالت مآب شب معراج پہنچے تھے۔

مقبرہ: وہ مخصوص عمارت جو کسی قبر پر بنائی جائے۔

مقتدا: پیشوائے مذہب۔

مقتدی: پیروی کرنے والا۔

مقتل: قتل ہونے کی جگہ۔

مقداد: رسالت مآب کے ایک مقتدر صحابی جو حضرت علیؑ کے مخلصین میں سے تھے۔

مقلب القلوب: دلوں کو پھیرنے والا (خداوند عالم)

مقلد: کسی مجتہد کی تقلید کرنے والا۔

مکبر: تکبیر کہنے والا،نماز جماعت میں جو شخص

انجم آفندی

حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ

تیرہ سو برس کی بات ہے۔عرب دیس اور کربلا کے ریتیلے میدان میں فرات کی نہر کے کنارے ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں ایک طرف بہترین ستونت سچائی کے طرفدار، جنتا کا دکھ درد رکھنے والے، بھلائی کے پالن ہار، برائی سے دور رہنے والے اچھے کرموں کے ایڈ لینگ، حسینؑ اور ان کے ساتھی مسافر تھے۔ دوسری طرف اس سمے کے بادشاہ یزید کی سینا کے کم سے کم تیس ہزار آدمی تھے جو حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس کارن قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے کہ حسینؑ نے اس پاپی حکومت کو ماننے سے انکار کردیا تھا جو زبان سے کہنے کے لیے مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن اس کا چلن مسلمانوں کے پیغمبر حسینؑ کے نانا کے بتائے ہوئے اور سکھائے ہوئے طریقوں سے بالکل الگ تھا۔غریب آدمی تلوار کی حکومت اور مایا کی طاقت، چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں بہت بری طرح پس رہے تھے۔ انیاؤ اور اپرادھ کے سوا نیاؤ اور دیا دھرم کا کہیں نام نہ تھا۔

حسینؑ غریب جنتا کی دکھ درد سے بھری چیخ پکار سن کر ان کے بار بار کے بلاوں سے مجبور ہوکر گھر سے نکلے تھے اور گرمی اور دھوپ میں کئی مہینوں کا سفر کرکے کربلا تک پہنچے تھے اور فرات کے کنارے ڈیرے ڈال رہے تھے کہ یزید کے لشکر نے آکر چاروں طرف سے گھیر لیا اور انھیں دریا کے کنارے اترنے سے روک دیا۔ حسینؑ لڑائی لڑنا اور خون بہانا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے دریا سے دور ہٹ کر جلتی ہوئی ریت پر اپنے خیمے لگائے۔ حسینؑ کے سورما ساتھی لڑنے کے لیے آمادہ ہوگئے تھے لیکن حسینؑ نے ان کو سمجھا بجھا کر باز رکھا، ورنہ جو لڑائی چھ سات دن کے بعد ہوئی وہ اسی وقت پانی کے لیے شروع ہوجاتی۔ اس چھ سات دن کے اندر یزیدی لشکر کے سیناپتی اور حسینؑ سے کئی بار بات چیت ہوئی مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ یزید کا سندیسہ یہ تھا کہ حسینؑ یزید کی

حکومت کو مان لیں، جنتا کی چیخ و پکار پر کان نہ دھریں جو اِدھر اُدھر ہو رہا ہے اس کو ہونے دیں تب ان کی جان بچ سکتی ہے۔ اگر حسین اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے اس پر راضی ہو جاتے تو حسین کے نانا مسلمانوں کے رُسل نے اپنی ساری عمر جو بھلائی کا پرچار کیا تھا آدمی کو سدھارنے کی جو انتھک کوششیں کی تھیں، دیا دھرم کا جو سبق دیا تھا سب اکارت ہو جاتا اور آج مسلمانوں کو سنسار میں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہتی۔ دنیا والوں کو اندھیرے اجالے کا فرق نہ معلوم ہوتا اور مسلمانوں کے دھرم کا چراغ جو تھوڑی بہت روشنی دے رہا ہے بالکل ہی بجھ کے رہ جاتا۔

حسین جب گھر سے نکلے ہیں تو ان کے ساتھ بھی بہت آدمی تھے۔ لیکن ان کے بار بار یہ بات کہنے سے کہ ''میں حکومت کے لوبھ اور لالچ میں نہیں جا رہا ہوں میرے ساتھ رہنے والوں کے لیے موت کا سامنا ہے۔ یہ لوگ ساتھ چھوڑتے چلے گئے اور بہتر (۷۲) جیالے اور سچی محبت کرنے والے رہ گئے جن کو یہ دھن لگی تھی کہ اس دھرماتما ایشور روپی منش کے ساتھ سچائی کے پرچار میں جان دے کر امر ہو جائیں۔

حسین نے اپنے دشمنوں سے کہا کہ تم لوگوں میں بہت سے ایسے آدمی ہیں جنھوں نے مجھے چٹھیاں لکھ کر بلایا تھا اور اب تم لوگ انجان ہو گئے ہو تو مجھے مدینہ واپس جانے دو میں لڑائی جھگڑا کرنا اور خون بہانا نہیں چاہتا مگر جب کسی نے ان باتوں پر کان نہ دیے اس وقت حسین نے ایک آخری بات یہ کہی کہ ''اچھا مجھے راستہ دے دو کہ میں ہندوستان چلا جاؤں۔''

بھارت کے سپوتو! یہاں سے حسین اور ہندوستان کا سمبندھ شروع ہوتا ہے کیسے میٹھے شبد ہیں۔ کیسے بھروسہ کی چھاؤں میں کہے گئے تھے، سارا سنسار پڑا ہوا تھا۔ عیسائیوں کے بہت سے ملک تھے، چین تھا، جاپان تھا، اسپینیہ (حبش کا دیس) تھا، جہاں ان کے نان کے وقت میں مسلمان مکہ سے جا کر مہمان رہ چکے تھے مگر حسین نے کسی طرف دھیان نہیں دیا۔ انھوں نے اپنے رہن سہن کے لیے ہندوستان کا چناؤ کیا تھا اور ہندوستان ہی کا نام ان کی زبان پر آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان کے رہنے رہنے والے برہمن، راجپوت، دلیش کوئی جیوھتیا کو پسند نہیں کرتا، یہ لوگ مہمانوں کا دکھ درد سمجھیں گے اور ان کا آدر کریں گے (مجھے راستہ دے دو کہ میں

ہندوستان چلا جاؤں) حسینؑ کی زبان سے یہ نکلے ہوئے ان شبدوں کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔ ابھی ۱۶/ مارچ ۵۸ء کو داؤد علی مرزا رکن پارلیمنٹ نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں مسئلہ کشمیر پر جو تقریر کی ہے اس میں اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ ہندوستان آنا چاہتے تھے (اخبار سیاست ۱۷/ مارچ ۱۹۵۸ء، حیدرآباد دکن)

حسینؑ اور ہندوستان کا یہ سمبندھ دن بہ دن مضبوط ہوتا گیا اور ایک دن وہ سے آیا کہ جب بھارت دیس کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے والے گاندھی جی جیسے بڑے آدمی نے جب وہ پہلی دفعہ حکومت کا قانون توڑنے اٹھے تھے اور نمک بنانے جا رہے تھے اپنی زبان سے یہ بات کہی کہ میں حضرت امام حسینؑ کے انوکرن میں اپنے ساتھ بہتر آدمی حکومت کے مقابلہ کے لیے لے کر جا رہا ہوں۔ گاندھی جی کی عزت ہندوستان کے ہر آدمی کے دل میں اتنی ہی ہے کہ یہاں کا ہر بچہ جوان اور بوڑھا انھیں باپو کہہ کر پکارتا ہے۔ اور وہ بھارت دیس کے باپ مانے گئے ہیں۔ گاندھی جی کے من میں حسینؑ کے نام اور کام کی اتنی عزت تھی کہ انھوں نے دیس کی بھلائی اور حکومت سے لڑائی کا کام حسینؑ کا نام لے کر شروع کیا۔ یہ ہے حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ۔ ابھی ہمیں اس سمبندھ کے پرمان میں بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر پہلے اس لڑائی کا سماچار تھوڑا بہت سنا دینا ضروری ہے۔

دشمنوں کے لشکر نے حسینؑ کی کوئی بات نہیں مانی اور حسینؑ نے دشمنوں کی بات جس کے ماننے سے عزت، آبرو، دھرم اور جنتا کی سیوا کا مہا کاج، سب پر پانی پھر جانا منظور نہیں کی اور لڑائی ٹھہر گئی۔

دشمنوں نے پہلا کام یہ کیا کہ جو کسی دھرم، اور کسی دیس کے آدمیوں نے نہیں کیا ہوگا حسینؑ کے خیموں اور نہر کے بیچ میں فوج کی ایک دیوار کھڑی کر دی اور پانی لے جانے کا راستہ بند کر دیا۔ وہ پانی جس کو پیدا کرنے والے نے اپنے سب بندوں کے لیے وہ امیر ہوں، غریب ہوں، بادشاہ ہوں، فقیر ہوں، بغیر کسی مول تول کے سنسار کی پیدائش کے پہلے دن سے عام کر رکھا ہے اور جو کبھی جانوروں کے لیے بھی بند نہیں کیا جاتا پانی نہ ملنے سے محرم کی دس تاریخ تک یہ حال ہوگیا کہ پیاس کے مارے سب کی زبانیں سوکھ کر تالوں سے چمٹ گئیں۔ بوڑھے اور جوان

آدمیوں نے بڑے سنتوش اور دھیرج سے کام لیا لیکن بچوں کی زبانوں سے پانی پانی اور پیاس پیاس کی آوازیں خیموں میں گونج کر حسینؑ کے ساتھی عورتوں اور مردوں کے دلوں کو تڑپا رہی تھیں۔

پچھلی رات کو حسینؑ نے اپنے بہتّر آدمیوں کو ایک خیمہ اکٹھا کر کے وہ تقریر کی تھی جو تیرہ سو برس سے آج تک ہر آدمی کو اچنبھے میں ڈال رہی ہے حسینؑ نے کہا کہ میرے دوستو، بھائی، بیٹو، بھتیجو اور بھانجو! تم سب میرا ساتھ دینے سے ہاتھ اٹھالو، اور مجھے اکیلا چھوڑ کر جس طرف چاہے چلے جاؤ میں تمھیں کھلے دل سے اجازت دیتا ہوں۔ مجھے تمھارے چلے جانے سے کوئی رنج نہیں ہوگا۔ یہ لوگ صرف میرے لہو کے پیاسے ہیں۔ انھیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تم سے کچھ نہیں بولیں گے، انھوں نے میر سہایتا کو آنے والوں کا راستہ روکا ہے مجھے چھوڑ کر جانے والوں کو یہ کوئی جھگڑا نہیں کریں گے مگر کوئی اس بات پر راضی نہیں ہوا۔ اب حسینؑ نے وہ دیا جو خیمہ جل رہا تھا بجھا دیا کہ جو آدمی اپنے من میں اپنی جان بچا کر چلے جانے کا بچار کر رہا ہو اور جسے سب کی آنکھوں دیکھتے جاتے ہوئے لاج آتی ہو وہ اندھیرے میں چلا جائے مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ لوگ اپنی دھن کے پکّے اور اپنے ارادے کے مضبوط رہے۔

اسی رات کو جب حسینؑ اپنے خیمے میں ساتھیوں کی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے عورتوں کے خیموں میں مائیں اپنے اپنے بچوں کو، بہنیں اپنے اپنے بھائیوں کو، باپ دادا کی بہادری کی کہانیاں سنا سنا کر دشمن سے لڑنے اور حسینؑ کے ساتھ جان دینے کے لیے تیار کر رہی تھیں۔

صبح ہوتے ہی دشمن کی فوج نے میدان میں نکل کر اپنے پرے جما لیے حسینؑ اور ان کے ساتھی بھی نماز پڑھ کر سامنے آگئے حسینؑ نے پھر ایک مرتبہ دشمن کی فوج کی طرف منہ کر کے اور ان کو پکار کرے ایک اپدیش دیا۔ لڑائی سے باز آنے کے لیے سمجھایا اور اچھی طرح یہ بات ان کو سمجھا دیا اور جتلا دی کہ میرا کوئی دوش نہیں ہے۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا ہے اور سوائے بھلائی کے کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ اس بات کو سن کر چار آدمی دشمن کی فوج سے نکل کر حسینؑ کی طرف آگئے۔ سنسار نے دیکھ لیا کہ سچائی میں کتنی طاقت اور اس کی آواز میں کتنا کس بل

ہوتا ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھ کر اور جان بوجھ کر اس طرف آئے تھے جہاں سوائے بھوک، پیاس، اور موت کے اور کچھ نہیں تھا جن پستکوں میں اس لڑائی کا ذکر ہے ان کی چھان بین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت بھی بیس آدمی یزید کے لشکر سے نکل حسینؑ کے ساتھیوں میں آ کر مل گئے تھے۔ یہ سماچار اس بات کا پرمان ہے کہ حسینؑ کی طرف سچائی کی روشنی تھی اور ان کے دشمنوں کی طرف جھوٹ کا اندھیرا۔

لڑائی شروع ہوئی اور سورج ڈوبنے سے پہلے ختم ہوگئی۔ بہتر تین دن کے پیاسے آدمیوں کا تیس ہزار خون کے پیاسے آدمیوں سے کیا مقابلہ، جو کٹھورے بھر بھر کر پانی پی بھی رہے تھے اور دھرتی پر بھی لنڈھار ہے تھے مگر حسینؑ کے پیاسے ساتھی کیا بہادر تھے ایک ایک مرنے والا پچاس پچاس، سوسو اور اس سے بھی زیادہ دشمنوں کو ٹھکانے لگا کر زمین پر گرا ہے ہم پوری لڑائی اور ایک ایک حسینؑ کے ساونت ساتھی کا حال کہاں تک بیان کر سکتے ہیں، بہت سی باتیں کہنے کے قابل ہیں مگر اتنا وقت کہاں سے لائیں پھر بھی دو ایک باتیں ضرور کہنی ہیں۔

دوپہر کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے اور جسے ظہر کی نماز کہتے ہیں، لڑتے لڑتے اس کا وقت آ گیا، دشمن کے لشکر سے برابر تیر آ رہے تھے مگر یہ اللہ کو یاد رکھنے والے بندے نماز کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ حسینؑ امام تھے، وہ سب سے آگے اور سب ان کے پیچھے، نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے مگر حسینؑ کے دو منچلے ساتھیوں نے ایسا جیوٹ کا کام کیا ہے کہ جس کو سن کر بڑے بڑے سورماؤں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ان دو موت سے کھیلنے والے سپاہیوں نے نماز نہیں پڑھی یہ دونوں حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوئے اور جتنے تیر آئے اپنے سینوں پر لیتے رہے، نماز ختم ہوتے ہی ان میں کا ایک بہادر گرا اور ختم ہوگیا اور دوسرا پھر لڑائی میں شریک ہوا، تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑا، اور بہت سے دشمنوں کو مار کر اپنی جان دے دی، ایسے موقعوں پر ہر بہادر آدمی کی یہ اچھا ہوتی ہے کہ دو چار دس پانچ کو مار کر مرے۔ لیکن ان دونوں نے اپنے دل پر کتنا بڑا پتھر رکھا ہوگا جب یہ سمجھ کر حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ ہمیں صرف تلوار کھانا ہے، تلوار چلانا نہیں ہے۔ بہادری کے ایسے نمونے اور وفاداری کی ایسی مثالیں سنسار میں شاید ہی کبھی دیکھنے یا سننے میں آئی ہوں گی۔

حسینؑ کے ساتھیوں میں بارہ چودہ برس کے بچے بھی تھے اور اٹھارہ برس کا جوان حسینؑ کا

لاڈلا بیٹا بھی تھا۔ سب چھوٹے بڑے خوب خوب لڑے، اٹھارہ برس والا جیالا دشمنوں کی صفوں میں گھس کر اور لڑ بھڑ کر پھر نکل آیا، باپ کو آکر سلام کیا۔ اپنی پیاس کی تکلیف بیان کی اور پھر واپس جا کر لڑا اور شہید ہوگیا۔ اب ہمیں ایک اڑتیس برس کے جوان حسینؑ کے سوتیلے بھائی عباسؑ کا حال اور ایک حسینؑ کے چھ مہینے کا بچہ کا ساچار اور بیان کرنا ہے۔

عورتوں اور بچوں کو پیاس کی تکلیف مردوں سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر عباسؑ نے ایک سوکھی مشک بھی اپنے ساتھ رکھ لی تھی۔ یہ اس چھوٹی سی فوج کے افسر تھے،لشکر کا نشان بھی ان کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک مرتبہ بھائی سے اجازت لی اور دریا پر تیر کی طرح چلے اور ایسی تلوار چلائی کہ بہت سے آدمیوں کو گرا کر بھگا کر اور لوہے کی صفوں کو توڑ کر کنارے پہنچ گئے، خود پانی نہیں پیا مشک پانی سے بھر لی اور اسی طرح تلواریں مارتے ہوئے واپس آرہے تھے کہ کسی دشمن کے وار سے ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا فوراً ہی دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر راستہ صاف کرنے لگے۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ دوسرا ہاتھ بھی کٹ کر بیکار ہوگیا۔ اس حالت میں بھی گھوڑے کو ایڑے دیتے ہوئے مشک کے تسمہ کو دانتوں میں دبائے ہوئے حسینؑ کے خیموں کی طرف بڑھے چلے جاتے تھے کہ اتنے میں مشک کے اوپر ایک تیر آکر لگا، اور پانی بہنے لگا۔ اب جس مطلب سے ہاتھ کٹ جانے پر بھی مشک چھاتی سے لگائے بڑھے چلے جارہے تھے وہی باقی نہیں رہا تو حوصلہ بھی ٹوٹ گیا۔ گھوڑے سے گرے، مشک اور نشان چھاتی سے لگائے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اب چھ مہینے کے بچہ کی بات سنو، چھ مہینے کے بچہ میں کیا جان ہوتی ہے۔ ماں کا دودھ سوکھ گیا۔ پانی کا پتہ نہیں، عرب دیس کی گرمی، جلتی ہوئی دھوپ میں خیمے، بچہ کی حالت بہت بگڑ گئی۔ حسینؑ اب اکیلے تھے اور اس آخر وقت میں بیبیوں اور بچوں سے رخصت ہونے کے لیے جن میں ایک چار برس کی لاڈلی بچی بھی تھی حسینؑ خیمہ میں گئے اور وہاں چھ مہینے کے بچہ علی اصغر کو دیکھا کہ پیاس کی تکلیف سے ایسا نڈھال ہو رہا ہے کہ اس کے جینے کی آس باقی نہیں رہی ہے۔ حسینؑ نے سوچا کہ شاید یہ لوگ ترس کھا کر اس بچہ کو دو بوند پانی پلا دیں اور اس کی جان بچ جائے۔ اس سوچ بچار کے بعد ماں کی گود سے لے کر میدان میں آگئے۔ دشمنوں کو اس کی حالت دکھائی اور کہا کہ تم اپنے ہاتھ سے اسے پانی پلا دو۔ دشمن کے لشکر میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی تھی کہ سیناپتی کے حکم سے

ایک پتھر دل والے آدمی نے تاک کر ایسا تیر بچہ کے گلے پر لگایا کہ وہ تڑپ تڑپ کر باپ کے ہاتھوں پر تمام ہوگیا۔ اس سنسار میں ایسا اپرادھ کبھی نہ دیکھنے میں آیا تھا نہ سننے میں۔ کربلا کے سماچار کا یہ ایسا دکھ بھرا قصہ ہے جس کو سن کر ہر آدمی کے آنسو نکل آتے ہیں اور ہر دھرمی اور ادھرمی کا دل سینہ میں تڑپ جاتا ہے۔

اب دشمن حسینؑ کی جان لینے کے لیے بڑھے اور چاروں طرف سے ہزاروں نے گھیر لیا۔ حسینؑ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ وہ بڑے سورما تھے۔ کمزوروں کی طرح بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے جان دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کا دھرم یہ ہے کہ اپنی طرف سے پہل نہ کرو، مگر جب تم پر کوئی ہاتھ اٹھائے تو پوری طاقت سے مقابلہ کرو، پھر تم پر کوئی دوش نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ایسا نہیں کیا وہ بادشاہ ہوں، یا فقیر مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے دھرم کو بدنام کرنے والے ہیں۔ یہ دھرم حسینؑ کے نانا ہی کا تو پھیلایا ہوا تھا۔ حسینؑ سے زیادہ کون اسے سمجھ سکتا تھا جو اپنی بیان اور اپنے کام سے اس کی سیوا اور اس کا پرچار کرتے رہے۔

حسینؑ تین روز کے بھوکے اور پیاسے تھے۔ زخموں سے چور چور ہو رہے تھے۔ سب بھائی، بیٹے بھتیجے اور بچپن کے متر آنکھوں کے سامنے اپنی جانیں دے چکے تھے۔ ایک چھ مہینے کا بچہ تو ان کی گود ہی میں تیر سے ذبح کر دیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں آدمی کے حواس باقی نہیں رہتے مگر حسینؑ کے ساتھ سَت کی شکتی اور دھرم کی سہایتا تھی۔ پیدا کرنے والے کی طرف دھیان لگائے ہوئے اور یہ کہہ کر مجھے خون بہاتے ہوئے افسوس ہوتا ہے لیکن یہ لوگ مجھے اس پر مجبور کیے دیتے ہیں۔ تلوار کھینچ لی اور ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ تین مرتبہ دشمنوں کے پورے لشکر کو پیچھے ہٹ جانا پڑا، اور کسی میں سامنے آنے کی ساہس باقی نہیں رہی۔ اب دور سے تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی اور پتھر پھینک پھینک کر زخمی کیا جا رہا تھا۔ کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ کئی سو آدمی اس وقت حسینؑ کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ حسینؑ اب بھی کسی کے بس کے نہیں تھے مگر اس نماز کا وقت آ گیا تھا جو سورج کے ڈوبنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے تلوار نیام میں کر کے گھوڑے سے اترے اور دونوں ہاتھوں سے کربلا کے میدان کی مٹی جمع کر کے سجدہ کرنے کی جگہ بنائی اور پوری شانتی اور سنتوش کے ساتھ نماز شروع کر دی، جس وقت سجدہ میں گئے ہیں یہ بھاگنے والے کائر سپاہی چاروں طرف

سے ٹوٹ پڑے، اور سجدہ کی حالت میں گردن کے پیچھے سے تلوار پھیر کر شہید کر دیا۔ قاتل نے سر اٹھا کر برچھی کی انی پر بڑے گھمنڈ کے ساتھ رکھا اور اپنے اپرادھی ساتھیوں کو لڑائی ختم ہونے کی خبر دی۔ اس کے بعد بہت سے مہا کارُ دشٹ اور پاپی مسلمان سامان لوٹنے کے لیے حسینؑ کے خیمے میں چلے گئے۔ سامان بھی لوٹا اور خیموں میں آگ بھی لگا دی جس کے کارن بی بیوں اور بچوں کو باہر میدان میں نکلنا پڑا اور سیناپتی کے حکم سے ان سب بیبیوں اور بچوں کو رسّی میں باندھا گیا۔ حسینؑ کے بیمار بیٹے کو اس کے بستر سے کھینچ کر ہاتھوں میں رسّی باندھ دی اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ یہ بیبیاں اور بچے جو کہیں آ نہ سکتے تھے نہ جا سکتے تھے۔ اس لڑائی کے قیدی بنائے گئے اور دوسرے دن صبح کو اسی حالت سے کہ ان کے سروں پر چادریں تک نہیں تھیں ساتھ لے کر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں جنگل میں بغیر گور گڑھے کے چھوڑ کر کوفہ کی طرف چل پڑے۔ جہاں یزید کا گورنر ابن زیاد حکومت کر رہا تھا۔ جو حسینؑ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ دکھ درد کی کہانی بہت بڑی ہے اور بہت سی باتیں وقت کی کمی کے کارن بیان کرنے سے رہ جاتی ہیں لیکن ہمیں حسینؑ سے بھارت کا سمبندھ بتانا اور سمجھانا ہے اور یہی اس لیکھ کا ادھیکار ہے۔

یہ قیدی کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام، یزید کی راجدھانی کو اس طرح لے جائے گئے کہ آگے آگے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے سر، برچھیوں کی انیوں سے بندھے ہوئے تھے اور پیچھے پیچھے اونٹوں پر قیدی سوار تھے۔ راستے میں جن جن شہروں اور بازاروں سے گزر ہوا ہے وہاں سے اس انیاؤ اور اپرادھ کی خبر سارے دیس میں آگ کی طرح پھیل گئی اور بہت سے مسلمان جن کے دلوں میں نیاؤ اور دھرم کا ذرا سا بھی خیال تھا اپنے پیغمبر کے نواسے حسینؑ کا سوگ منانے لگے اور یہ سال کے سال سوگ منانے کی ریت مسلمانوں کے دھرم کا ایک کارج بن گئی۔ سوگ سارے ہی مسلمان مناتے ہیں مگر طریقے ذرا الگ الگ ہیں۔

اسی طرح سال کے سال گھروں کے اندر، گھروں کے باہر، میدانوں میں، بازاروں میں، سوگ منانے کا سب سے اہم پربھاؤ یہ ہے کہ ہر سال گیارہ مہینے بعد یہ سماچار یاد آ جاتا ہے اور سنسار کو یہ شکشا ملتی ہے کہ جنتا کی بھلائی اور ست کا پالن کرنے کے لیے جھوٹوں، اپرادھیوں اور ادھرمیوں کے مقابلہ میں ایسی طرح ڈٹ جانا چاہیے اور جان مال کسی چیز کی پروا نہیں کرنی

چاہیے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے جو کیا ہے وہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں کیا ہے بلکہ سارے سنسار کو سبق دیا ہے۔ اس شکشا میں کسی دھرم، کسی جاتی، کسی دیس کا سوال نہیں ہے جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے اسی کے لیے ہے۔

ہمارے بھارت دیس میں یہ سوگ ہر دیس اور ہر ملک سے زیادہ منایا جاتا ہے اور مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں ہندو بھائی حسینؑ کو اس طرح مانتے ہیں اور اس طرح سوگ مناتے ہی جیسے حسینؑ ان کے اپنے ہیں۔ اور ان کی گنتی بڑے دیوتاؤں میں ہے۔ اتر پردیش ہو یا مدھیہ پردیش، پنجاب ہو یا بنگال ہندوستان ہو یا پاکستان تبت سے راس کماری تک ہندو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہر جگہ حسینؑ کا سوگ منانے میں شریک ہیں۔ تعزیہ رکھتے ہیں، علم سجاتے ہیں، روتے ہیں، ماتم کرتے ہیں، کویتا ئیں پڑھتے ہیں اور پھر یہ بات نہیں کہ ان پڑھ ہندو ہی سوگ منانے والے ہیں۔ بڑے بڑے ودوان پڑھے لکھے ہندو حسینؑ کے گن گاتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ہمارے دیس کے ہندو کوی جنھوں نے پردیسی حسینؑ کے لیے کویتا ئیں کہی ہیں اگر ان کے نام لکھے جائیں تو ایک چھوٹی سی پستک تیار ہو سکتی ہے۔ بھارت میں اتنی زبانیں بولی جاتی ہیں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں حسینؑ کے لیے کویتا نہ ہو، بڑے بڑے پڑھے لکھے ہندوؤں نے پستکیں لکھی ہیں اور پریم چند تو ابھی حال میں ہمارے سامنے موجود تھے جن کی پستک ''کربلا'' اردو زبان میں چھپ چکی ہے۔ اونچی ذات کے برہمنوں سے لے کر گونڈ، بھیل اور لمباڑے تک حسینؑ کے چاہنے والوں میں دکھائی دیتی ہیں۔

ہندوستان میں دت برہمنوں کی ایک شاخ ہے جو ''حسینی بامن'' کہلاتے ہیں۔ یہ گنگا جمنا، سرجو، گھاگھرا کے میدانوں میں، الہ آباد، گورکھپور کی بستیوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان میں دت، وید، بلی، لاؤ، سوہار، بھونے وال، کتنی ذاتیں ہیں، یہ لوگ ایرین قوم کے سرخ و سفید اور مضبوط جسم والے ہوتے ہیں۔ مہاراجہ بنارس ٹکاری، لال گولہ اور مہاراجہ صاحب تمکو ہی بھی اسی قوم سے ہیں۔ بھارت سے بھی پہلے ان کی قوم کا پتہ چلتا ہے ان کے خاندانی مہتا، بخشی، رائے زادے، ملک اور ائے شاہی زمانے کے ہوئے ہیں۔ ان کا سلسلہ بہار، یوپی، اور پنجاب میں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان ساتیوں ذاتوں میں دت بہت مشہور ہیں۔ یہ دت کا نام سنسکرت کے شبد

داتا سے نکلا ہے۔

یہ لوگ ایشیا کے بیچ کے حصول، افغانستان، ایران، عرب میں بھی بسے ہیں۔ اور اپنی تلوار کی دھاک بٹھا چکے ہیں۔ کہانیوں، کہاوتوں اور کتبوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ شاہ محمد نذیر ہاشمی کی کتاب شہادت عظمیٰ مرزا محمد عظیم بیگ کی رپورٹ بندوبست گجرات ۱۸۶۸ء اور جنگ نامہ صفحہ ۷۵ اور صفحہ ۱۷۶ احمد صاحب پنجابی کی لکھی ہوئی پستک سے پتہ چلتا ہے کہ دت قوم کے بانیوں نے کربلا کی لڑائی میں حسینؑ کا ساتھ دیا تھا اور ان کے دشمنوں سے لڑے تھے اور ایک پوربی زبان کے کبت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد امیر مختار کے ساتھ شریک ہوکر حسینؑ کے دشمنوں سے بدلہ لیا تھا۔

اس کبت کے بعض شعروں کا مطلب ہم بیان کرر ہے ہیں۔ ایک جگہ کہا ہے کہ ''بزدل سب بھاگ کر نظروں سے غائب ہوگئے۔ دت لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کی پوری پوری مدد کی اور ایک قدم بھی میدان سے پیچھے نہ ہٹے۔''

دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''جب انھوں نے میدان جنگ میں فتح پائی تو خوب خوشی اور فتح کے نقارے بجائے گئے اور شور ہوا کہ قتل حسینؑ کا بدلہ لے لیا گیا۔''

پھر ایک جگہ لکھا ہے ''راہب کے سات لڑکوں نے حسینؑ کی رفاقت کا حق ادا کیا، انھوں نے مظلوم شہید پر اپنی جانیں قربان کردیں اے حسینؑ کی سنتان (اولاد) اور حسینؑ کے نام لینے والو تمھارا فرض ہے کہ تم دت لوگوں کو نہ بھلاؤ۔''

شاہ محمد نذیر ہاشمی کی کتاب اور ہماری کتاب حسینؑ اور ہندوستان میں یہ کبت موجود ہے۔ دت لوگوں میں ایک کتاب ''حسینؑ پوتھی'' کے نام سے دیکھی گئی ہے جو کہیں کہیں کسی خاص موقع پر پڑھی اور سنی جاتی تھی شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''غازی پور میں رائے بہادر سالک رام اسی قوم سے تھے، اور ان کے پاس کچھ کویتائیں اسی طرح کی تھیں مجھے خود بھی ایک ڈاکٹر رام لال پانی پت میں ملے جو حسینی بامن تھے، ہمارے ہندو بھائیوں کے کتنے ہی کتبوں میں ایسی پستکیں اور کویتائیں کبت اور مثلیں مل سکتی ہیں جن سے حسینؑ اور ہندوستان کے سمبندھ کا زیادہ حال معلوم ہوسکتا ہے۔

ہندوستان میں بیس بائیس ریاستیں ایسی تھیں جہاں ریاست کی طرف سے سال کے سال حسینؑ کا سوگ منایا جاتا تھا جن میں گوالیار کی ریاست سب سے آگے تھی۔ اس کے راجاؤں نے محرم کے دنوں میں جب ان کا لشکر کسی لڑائی کے کارن شہر سے باہر پڑا تھا جنگل میں بھی یہ سوگ منایا اور ایک چھولداری میں علم وغیرہ سجائے ہیں اور مجلس، ماتم ہوا ہے، یہ بات میں نے ایک انگریزی کی رپورٹ Laters from Maratha Comp سے نقل کی ہے۔ گوالیار کے مہاراجہ حسینؑ کے نام پر فقیر بنتے تھے اور دس محرم کو تعزیہ کے ساتھ پیدل جاتے تھے۔

کوئی قوم ہندوستان کی ایسی نہیں ہے جس میں حسینؑ کا سوگ منایا جاتا ہو، سنا ہے لاہور میں سکھوں کی طرف سے بھی ایک تعزیہ اٹھایا جاتا تھا۔

حسینؑ کے ماننے والوں میں، برہمن بھی ملیں گے اور ہریجن بھی۔ یہ ہے حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ۔ مگر اس سمبندھ کا حال سارے بھارت باشیوں کو معلوم نہیں، بہت کم آدمی اس بات کو جانتے ہیں کہ حسینؑ نے بھارت کی طرف آنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ ہر سال بھارت کے مہمان ہوتے ہیں۔ یہ بات نہ جاننے کی وجہ سے انگریز راج کے سمے کبھی کبھی ہندو مسلمانوں میں علم تعزیہ کے کارن جھگڑا ہو جاتا تھا اگر یہ بھید سب ہندو بھائیوں کو معلوم ہوتا اور ان کو یہ بتادیا جاتا کہ حسینؑ تو بھارت کے مہمان ہیں اور تمہارا ان کا تیرہ سو برس کا سمبندھ ہے تو ہمیں وشواش ہے کہ کبھی ایسے لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آتی، اور سب ہندو بھائی تعزیہ کا آدر کرتے، اور حسینؑ کے سوگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا دھرم کی بات سمجھتے۔

حسینؑ کے سوگ منانے میں کسی قوم اور دھرم کے آدمی کو پہنچنے کا کوئی کارن ہی نہیں ہے۔ یہ لڑائی جو کربلا کے میدان میں ہوئی ہے کسی دوسری قوم سے نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کی آپس کی لڑائی تھی، ایک طرف سچے مسلمان تھے اور دوسری طرف نام کے مسلمان۔ ایسے سماچار میں کسی قوم کا حسینؑ کا سوگ منانے والوں سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ بھارت کے رہنے والے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، کسی دھرم کے ماننے والے ہوں، سب سے حسینؑ کا سمبندھ ہے۔ بات اتنی ہے کہ کسی کو خبر ہے اور کسی کو نہیں ہے۔ ہم نے اپنی کویتا کربل نگری میں بھی اس سمبندھ کا ذکر کیا ہے اور اپنی پستک ”حسین اور ہندوستان“ میں پورا پورا حال لکھا ہے۔ ہم نے حسینؑ اور

ہندوستان کے سمبندھ کا سہارا لے کر اپنے ہندی بھاشا کی کویتاؤں میں ہندو مسلم میل جول کی اپیل کی ہے۔ جس کے بعض بعض شعر ہم لکھتے ہیں۔

اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے
اس دیس کی نجمی دور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

جب آئے حسینؑ سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے نجمی دل بھی کبھی جب ان کی نجر پر بات رہی

اپنے کو جو چاہے نجمی اس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہر لیں ہمارا

سوامی کتنی دو تتے لگا پریمی بان
اٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان

بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس
آنسو تیرے سوگ کے اور گنگا جمنی دیس

دو جگ کے سہارے کیا کہنا
ست جا کے ستارے کیا کہنا

اس دیس کی آنکھیں بھی نجمی پیاسی تھیں حسینی درشن کی
بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

○

شہیدوں کی باتیں

(زندگی کے راز)

انجم آفندی

فہرست

1.	پیش لفظ	1653
2.	مقصد	1655
3.	عزت کی موت ذلت کی زندگی	1656
4.	احساس فرض	1656
5.	اخلاقی جرأت	1657
6.	رمز حقیقت	1657
7.	پیغام امن	1658
8.	زریں سبق	1658
9.	تاریخی انگڑائی	1659
10.	جان ایمان	1659
11.	حسن انتخاب	1660
12.	عرض عقیدت	1660
13.	عزم صمیم	1661
14.	جوان حوصلے	1661
15.	مجاہد کی آرزو	1662
16.	کم سن سپاہی	1662
17.	فخر شہدا	1663
18.	شہد سے زیادہ شیریں	1663
19.	انوکھا ارمان	1664
20.	پیاری موت	1664
21.	پاس وقار	1665
22.	انداز شکر	1665
23.	شہید انسانیت	1666

.24	عزت نفس	1666
.25	حیات آفرین جملے	1667
.26	کمال اطمینان	1667
.27	شرط جہاد	1668
.28	قول وفعل	1668
.29	مخلص پاسبان	1669
.30	مرقع حسرت	1669
.31	شان شرافت	1670
.32	حق شناس مجاہد	1671
.33	یادگار تبسم	1671
.34	مرد حُر	1672
.35	اوج تمنا	1673
.36	منتہائے رفاقت	1673
.37	رفعت خلوص	1674
.38	معراج محبت	1675
.39	روح اخلاق	1675
.40	اعلائے حق	1676
.41	فرض ومحبت	1677
.42	غیور میزبان	1677
.43	مسلم کا سلام	1678
.44	آئین شجاعت	1678
.45	لذت درد	1679
.46	عظمت کردار	1679
.47	عروج بشری	1680
.48	وحدت خیال	1680
.49	شوق شہادت	1681
.50	دادوفا	1682
.51	جان معرفت	1682
.52	قرآن ناطق	1683
.53	اقوال حضرت امام حسینؑ	1683

مولانا سیّد مرتضٰی حسین فاضل

پیش لفظ

(اقتباس)

''لغات المذہب'' ہمارے مذہبی لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ ہے۔ تقریباً ایک ہزار لفظوں، اصطلاحوں اور تلمیحوں کا یہ تعارفی مجموعہ جناب شاعر اہل بیتؑ نجم آفندی مدظلہ العالی کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ حضرت نجم مدظلہم نے قوم کی ذہنی سطح بلند کرنے، بچوں اور عام جوانوں کو دینی جذبات سے سرشار کرنے کے لیے متعدد تالیفات قلمبند کیے ہیں۔

لغت نویسی کا کام اس قدر دشوار اور اتنا اہم ہے کہ شاید ہی کوئی کام اتنا نازک، پیچیدہ اور اہم ہو۔ روزہ مرّہ کے لفظوں کو لکھنا ہی مشکل ہے۔ معنوں کا بیان کرنا تو بعد کی منزل ہے۔ کیونکہ ہر شخص صاحبِ فہم و زبان ہے۔ ہر ایک کو اپنے ملفوظات و استعمالات پر بھروسہ ہوتا ہے۔ خوش فہمی و خیالِ عزت سے کوئی بھی خالی نہیں۔ لغت نویس اور قاری میں یہ اعتماد باعثِ اختلاف بھی ہوتا ہے اور لائقِ گرفت بھی۔ لغت، زبان، لفظ شناسی، معنوں کے تعین، استعمالات، ادبی نکتوں اور لسانیات باریکیوں کا دفتر ہے۔ مبتدی اس سے لفظوں کی معنوی قیمت معلوم کرتے ہیں۔ منتہی حضرات اس کتاب سے تحقیق و تائید کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لیے لغت نگار کی معمولی سی لغزش یا غفلت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

فن تالیف و کارِ تصنیف سے ناواقف لوگوں کا ذکر نہیں۔ ہاں مصنفین و مولفین جانتے ہیں، صاحبِ قلم پورے خلوص و توجہ سے کوشش کرتا ہے۔ اپنی تحریر و تالیف کے ہر ہر حصے کو دیکھتا ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے۔ وہ معترض کی زد سے بچنے کے لیے قاری کو غلطی سے بچانے کے لیے ہر

ممکن طریقہ استعمال کرے مگر معصوم نہ ہونے عالم کل نہ ہونے کی بنا پر بہرحال ٹھوکر کھاتا ہے۔ معقول و فہمیدہ حضرات نے ایسے موقعوں پر اس غلطی سے باخبر کرنے کے لیے موزوں اور مناسب انداز اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً ناشر یا مصنف کو اطلاع دینا یا موزوں الفاظ میں اس کا برمحل تذکرہ۔

محترم مولف نے قومی شاعری اور اپنے قصائد و نوحہ جات منظومات و افکار سے قوم میں حرارت، جذبۂ اصلاح و ترقی ابھارا ہے۔ ان کے کلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ وہ نفسیاتی طور پر حاضر الذہن، مذہبی جذبات میں پختہ، قوم کی ترقی کے خواہشمند، جہاں تک صحافت و کربلائی ادب میں حصہ نظم کا تعلق ہے جناب نجم بہت کامیاب ہوئے۔ نوجوان شاعر انھیں کی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ امید ہے نوحہ کی فنی تاریخ و بحث میں نجم بانی اسلوب و مجدد کی حیثیت سے یاد کیے جاتے رہیں گے۔

''لغات المذہب'' میں ایسے الفاظ و اصطلاحات و تلمیحات کا مختصر تعارف ہے جسے ہر سن و سال کے آدمی، بچے، جوان، بوڑھے، لڑکی، لڑکے، مرد و عورت ہر ایک کو ان سے واقف ہونا چاہیے۔

یہ ضرور ہے کہ تالیف سرسری ہے مگر بے حد مفید ہے۔

یقین ہے صاحبانِ نظر حضرت محترم جناب نجم مدظلہم کی اس خدمت کو سراہیں گے۔

O

مقصد

میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کر رہا ہوں۔ نہ یہ میرا کوئی دماغی کارنامہ ہے۔ یہ تمام اقوال تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان بچوں اور نوجوانوں کی نظر سے گذرے ہوں گے جنہیں اپنی قومی تاریخ کے مطالعہ کا شوق ہے۔ مگر نگاہیں شاید ہی ان مقامات پر ٹھٹکی ہوں اور تاریخ کی دلچسپی اور کتاب کے حجم نے ان پر غور کرنے کا موقع دیا ہو۔

میں شرافتِ نفس کے ان زریں کارناموں کو تاریخی ضخیم کتابوں کی دبازت سے نکال کر چند مختصر صفحات میں قوم کے نونہالوں کے سامنے لایا ہوں۔ کہ وہ انہیں دیکھیں اور غور کریں۔ ممکن ہے کوئی اچھا نتیجہ نکلے۔

نجم آفندی

رسالت مآبؐ کے نواسے علیؑ و فاطمہؑ کے لختِ جگر حسنؑ سبز قبا کے قوت بازو کائنات کے فاتح اعظم، کربلا کے شہید، حسینؑ مظلوم کا یہ قول کہ

عزت کی موت

ذلت کی زندگی سے بہتر ہے!

ایک ایسا کلمۂ ہدایت ہے جس کے لیے نسلِ انسانی تا قیامت شکر گذار رہے گی۔ میں اسی عدیم المثال قول سے شہیدوں کی باتوں کا افتتاح کر رہا ہوں۔

احساسِ فرض

حسینؑ کا قاصد قیس ابن مصہر صیداوی جو اہلِ کوفہ کے نام حسینؑ کا خط لایا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔

حکم ہوا محل کی چھت پر چڑھ کر حسینؑ کو بُرا کہو۔ جان بخش دی جائے گی۔

قیس بالا خانہ پر چڑھ گیا۔ تقریر شروع کی۔

"حسینؑ بہترین خلق ہیں ....ان کی اطاعت کرو۔" یہ جوان مرد بالا خانہ سے گرا کر مار ڈالا گیا۔ خط نہ پہنچا سکا تو کس خوبصورتی سے زبانی اپنا فرض ادا کر کے جان دی ہے۔ حسینؑ کے اس جان نثار نے فرض کی اہمیت بتائی ہے۔

اخلاقی جرأت

ابن زیاد نے حسینؑ کو لکھا۔

''یزید کی بیعت کرو، ورنہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں تمہیں قتل کرادوں گا۔''

حسینؑ نے خط پڑھ کر کہا۔

''وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جو بندوں کی رضا مندی کے لیے خدا کو ناراض کرتی ہے۔''

اس دور میں یہ ارشاد ہر زمانہ سے زیادہ قابل غور ہے۔ یہ اخلاقی جرأت کا سبق نفس انسانی اور شرافت وغیرت میں واسطہ پیدا کرتا ہے۔

○

رمزِ حقیقت

کربلا کے راستہ میں ایک روز علی اکبرؑ نے حسینؑ کے چہرۂ مبارک پر فکر کے آثار دیکھ کر پوچھا۔

''بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں''

''بلا شبہ ہم حق پر ہیں۔'' حسینؑ نے فرمایا۔

اب علی اکبرؑ کے الفاظ سنو۔

''پھر کچھ پرواہ نہیں خواہ موت ہماری طرف آئے یا ہم موت کی طرف جائیں۔''

نوجوانو! تمہارے اٹھارہ سال کے نوجوان لیڈر نے ان لفظوں میں یہ مسلمہ اصول بتایا ہے کہ جو حق پر ہوتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے!

○

پیغام امن

جب حُر کے لشکر نے حسینؑ کا راستہ روکا ہے تو زہیر قین نے مشورہ دیا۔

''اس وقت ان سے جنگ کرلینا آسان ہوگا۔ پھر یزیدی لشکر ٹڈی دَل کی طرح آجائے گا۔''

حسینؑ نے کہا۔

''ہم جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے۔''

بچو! اگر تم میں حسینیت ہے تو یہ اخلاقی تعلیم ہمیشہ تمہیں لڑائی کی ابتداء کرنے سے باز رکھے گی!

○

زرّین سبق

عروہ غفاری رسالت مآبؐ کے ایک بوڑھے صحابی جو حسینؑ پر جان فدا کرنے کے لیے زندہ تھے۔ عمر سعد کے خیمہ میں گئے مگر اُسے سلام نہ کیا۔

''تم نے مجھے امیر لشکر نہ سہی مسلمان ہی سمجھ کر سلام کیا ہوتا'' عمر سعد نے عروہ غفاری سے کہا۔

جواب ملا۔

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں!'' یہ مرنے والا ایک جملہ میں حیات اسلامی کا بہترین اصول بتایا گیا۔

حسینؑ کے نوعمر سوگوارو! تم بھی ایسے ہوسکتے ہو کہ تمہارا ایک لفظ کتابوں پر اور ایک جنبش لشکروں پر بھاری ہو۔

○

تاریخی انگڑائی

زہیر قین نے عباس کو ان کا فرض یاد دلانے کے لیے پوچھا "یا ابالفضل آپ کو معلوم ہے آپ کے پدر بزرگوار کی نظر میں آپ کی ولادت کا مقصد کیا تھا۔"

عباس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "زہیر تم مجھے جوش دلاتے ہو!"

ایک انگڑائی لی۔ شیر کی سی انگڑائی تھی۔ چٹ چٹ دونوں رکابوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔

دوسرے دن فرات کے کنارے زمین و آسمان نے عباس کی بہادری دیکھ لی۔

یہ ہیں ہماری قوم کے بہادر جن کی انگڑائیاں تاریخ میں محفوظ ہیں۔

O

جانِ ایمان

حسینؑ کے سوتیلے بھائی عباس اور عباس کے تینوں حقیقی بھائیوں کے لیے ان کے ایک ننھیالی رشتہ دار نے کوفہ سے امان نامہ بھجوایا تھا۔

عباس اور ان کے بھائیوں نے قاصد سے کہا۔

"ہم کو تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی امان چاہیے۔"

اِس ایک جملہ میں حق پرستی، وفاشعاری، فرض شناسی، کتنے سبق ہیں۔

عباس نے کس شان کے ساتھ حسینؑ پر جان دی ہے ع سوتیلا تھا ایسا کہ سگا بھائی نہ ہوگا۔

O

حسنِ انتخاب

شمر ملعون نے زہیر قین سے کہا۔

''اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب شربت مرگ پلائے گا۔''

زہیر قین کا جواب سنو۔

''تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔خدا کی قسم تیرے ساتھ کی حیات ابدی سے حسینؑ کے ساتھ مرجانا بہتر ہے۔''

حق وناحق کے مسئلہ میں ایسا دلیرانہ فیصلہ ایسا دندان شکن جواب ایسے خوبصورت الفاظ کا انتخاب حسینؑ ہی کے کسی جاں نثار کا کام ہوسکتا ہے۔

○

عرض عقیدت

انصار حسینؑ میں سے سیف ابن الحرث اور اس کا بھائی مالک اجازت جنگ کے لیے روتے ہوئے حاضر ہوئے۔

حسینؑ نے رونے کا سبب پوچھا۔

عرض کیا۔

ہم اپنے لیے نہیں روتے۔اس پر روتے ہیں کہ اپنی جان دے کر بھی آپ کو نہیں بچاسکتے۔

یہ ہے سچی محبت اور موتی جیسے کھرے آنسو!

○

عزمِ صمیم

حسینی لشکر کے ایک بہادر کا قول ہے۔

''اگر میں ستر مرتبہ مارا جاؤں اور زندہ کیا جاؤں تو بھی حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔''

یہ کہنے والے جو کہتے تھے وہ کرتے بھی تھے۔

تاریخ اُٹھاؤ اور سوید ابن مطاع کی جاں نثاری دیکھو!

○

جوان حوصلے

اُمّ وہب نے بیٹے سے کہا۔

''نئے دولہا ہو دُلہن کی باتوں میں نہ آجانا۔''

وہب نے جواب دیا۔

''میں نے حسینؑ کی محبت میں اس طرح کمر نہیں باندھی ہے کہ کوئی اسے فریب سے کھول دے۔''

اس من چلے نوجوان نے شادی کے چند ہی روز بعد موت سے شادی رچائی اور ایک ایسی مثال چھوڑ گیا۔ آج تک جس کے گُن گائے جا رہے ہیں۔

○

مجاہد کی آرزو

عابس عرب کے بہادر ترین سپاہی نے جنگ کی اجازت مانگتے ہوئے حسینؑ سے کہا۔
''میری جان سے زیادہ نفیس کوئی چیز ہوتی تو اُسے آپ کے اُوپر فدا کرتا۔''
ان شریف بہادروں کی کیا کیا تمنائیں تھیں۔اور یہ حق پرستی اور محبت کو کتنی قیمتی چیز سمجھتے تھے!

○

کم سن سپاہی

ایک بوڑھے جاں نثار کی شہادت کے بعد حسینؑ نے ایک چھوٹے سے بچے کو میدان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا جس کی کمر سے بندھی ہوئی تلوار زمین پر خط دیتی ہوئی جارہی تھی۔فرمایا ''روکو اس کو یہ کس کا بچہ ہے؟''

بچہ سامنے لایا گیا۔''تم کس کے لختِ جگر ہو''۔سوال ہوا۔
''مسلمؓ ابن عوسجہ میرے باپ تھے۔''جواب ملا۔
''تم گھر میں جاؤ تمہاری ماں کے لیے تمہارے باپ کا غم کافی ہے۔''
یا ابن رسولؐ اللہ،میری ماں ہی نے تو مجھے بھیجا ہے۔''بچہ لڑا اور شہید ہوا۔
نونہالو،تمہاری قوم کے بچے ایسے ہوتے تھے۔

○

فخرِ شہداء

حسینؑ نے اپنے حبشی غلام جون سے کہا۔

''میرے ساتھ مبتلائے بلا کیوں ہوتے ہو۔میری اجازت ہے تم کسی طرف چلے جاؤ۔''

سیاہ رنگ انسان نے جواب میں عرض کیا۔

''آپ کے اچھے وقت میں ساتھ رہا بُرے وقت میں ساتھ چھوڑ دوں۔میرے سیاہ خون کو اپنے پاک خون میں مل جانے دیجئے۔''

وہی ہوا۔آقا کا خون اور غلام کا خون ایک ہوگیا۔کیا غلام تھا جس پر آقائے دوجہاں نے زیارت ناحیہ میں سلام کیا ہے۔

○

شہد سے زیادہ شیریں

قاسم ابن حسن بہت کم سن تھے۔کُرتا پہنے ہوئے میدان میں گئے تھے اور ایک پاپوش کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔حسینؑ نے غالباً ان کی کم سنی کے لحاظ سے سوال کیا۔

''بیٹا موت تمہیں کیسی معلوم ہوتی ہے؟''

شیر دل بھتیجے نے عرض کیا۔

''شہد سے زیادہ میٹھی!''

یادگار سوال اور یادگار جواب۔

دنیا کی تاریخ میں ایسی روشن مثالیں شاید ہی ملیں۔

○

انوکھا ارمان

عباسؑ نے روز عاشورہ جواں سال جواں ہمت بھائی سے کہا۔

"بڑھو بھائی آگے بڑھو کہ میں تم کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔

بھائی نے بھائی کے ارشاد کی تعمیل کی۔

فرزندان اسلام، اب بھی تم میں ایسے بھائی ہیں؟ کاش ان کی ایک جھلک ہی ہوتی۔

○

پیاری موت

حسینؑ نے میدانِ جنگ میں رجز پڑھتے ہوئے کہا۔ "اگر جسم موت کے لیے بنائے گئے ہیں تو تلوار سے راہِ خدا میں مارا جانا زیادہ پسندیدہ ہے۔"

یہ زندۂ جاوید ہونے والے انسان کے الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آمریت ایسی ہی ہستیوں کے لیے زیبا ہے۔

راہ خدا کی شرط پر غور کرو۔

ان کی شجاعت انسانیت کی حفاظت اور خدا کی اطاعت کے لئے تھی۔

○

پاسِ وقار

حسینؑ نے آخری رُخصت کے وقت اہلِ حرم سے کہا۔ ''شکوہ نہ کرنا اور کوئی بات ایسی نہ کہنا جو تمھاری شان کے خلاف ہو۔''

حسینؑ کی وصیت ایک ایسا اخلاقی درس ہے جس میں دنیا کے کسی مقصد کی آلودگی نہیں۔

خودداری اگر کوئی جاندار ہستی ہوتی تو حسینؑ کے ان لفظوں پر ہمیشہ فخر کرتی رہتی۔

اندازِ شکر

علی اصغرؑ کی عدیم المثال شہادت پر حسینؑ کی زبان سے ایسے لفظ نکلے ہیں کہ اعمالِ عاشور کی صورت میں عبادت بن گئے۔

''خدایا حسینؑ تیری رضا پر راضی ہے اور تیرے حکم پر سر جھکاتا ہے۔''

یہاں ہر قوم کے مورخ نے حسینؑ کے صبر و استقلال پر حیرت کی ہے اور اس کا قلم تھرّا گیا ہے۔ اخلاقیات کے درس میں حسینؑ کے ان لفظوں کی جگہ کتنی بلند ہوسکتی ہے غور کرو۔

شہیدِ انسانیت

عصرِ عاشور کے وقت حسینؑ زخموں سے چور ہو کر زمین پر بیٹھے جھوم رہے تھے۔ایک شخص قتل کے ارادے سے بڑھا۔

فرمایا:"تو میرا قاتل نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تو مبتلائے عذاب ہو۔"

حسینؑ کے اس ارشاد نے دل بدل دیا۔"یا بن رسول اللہؐ آپ کو اس حال میں بھی ہمارا غم ہے۔"

یہ کہہ کر روتا ہوا اپنے ہی ساتھیوں پر پلٹ پڑا۔اور حسینؑ کے لئے لڑ کر جان دے دی۔

کیا دشمن پر ترس کھانے کی ایسی کوئی مثال ہے۔شرافتِ انسانی کی اس معراج کو دیکھو۔

○

عزتِ نفس

حسینؑ نے دشمنوں سے کہا:

"میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو تمھارے قبضہ میں نہ دوں گا نہ غلاموں کی طرح تمھارے سامنے بھاگوں گا۔"

اِن جملوں میں

باعزت صلح پر آمادگی

ایک بہادر مرنے والے کا رجز

اور عزتِ نفس کا ایک بہترین سبق ہے۔

○

حیات آفرین جملے

حسینؑ کے ارشادات:

موت کی طرف خوبصورتی سے قدم بڑھیں۔

موت اس طرح انسان کے گلوگیر ہے جیسے جوان عورت کی گردن میں گلوبند ہوتا ہے۔

یہ جملے پیاس کی شدت زخموں کے ہنگامے اور موت کی ہلچل میں حسینؑ کی زبان سے نکلے ہیں۔ پوچھو کسی ادیب سے کس قدر جاندار ہیں۔

○

کمالِ اطمینان

اسیر کربلا شہید زیر دغا امام زین العابدینؑ جب حالتِ قید میں دروازہ خیزران پر پہنچے ہیں تو ابراہیم بن طلحہ نے دوڑ کر ازراہِ طعن پوچھا۔

''اے علی ابن الحسین، کون غالب آیا۔''

فرمایا: ''اگر تو یہ جاننا چاہتا ہے تو اذان کے وقت تک ٹھہر جا۔''

یہ حاضر دماغی اتنے آلام و مصائب میں باحواس رہنے کا معجزہ ہے۔

○

شرطِ جہاد

کربلا جاتے ہوئے منزل زبالہ میں امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''جو لوگ تلواروں کی آنچ اور نیزوں کی انیوں کا تحمل کرسکیں وہ تو ہمارے ساتھ رہیں اور جو ان مصائب کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ہم سے علیٰحدہ ہو جائیں۔''

یہ جنگ تھی خدا کی راہ میں۔

غور کرو امام کے اس ارشاد پر، ٹھہرنے والوں کے خلوص پر، جانے والوں کی نیت پر۔

○

قول و فعل

حضرت مسلم ابن عقیل کے سامنے شیعوں کے اجتماع میں عابس ابن ابی شبیب شاکری کی ایک تقریر ایسی ہے کہ اسے پورا نقل کر رہا ہوں۔ یہ تقریروں کا زمانہ ہے، ذرا یہ تقریر بھی سنو:

''میں آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت کچھ بتانا نہیں چاہتا اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ میں آپ کو ان کے بارے میں مبتلائے فریب کرنا نہیں چاہتا۔ بخدا میں آپ سے وہ کہتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ بخدا جب آپ آواز دیں گے میں آپ کی صدا پر حاضر ہوں گا۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے دشمن سے جنگ کروں گا اور اپنی اس تلوار سے آپ کی طرف سے جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ خدا سے ملاقات کروں۔ اس سے میرا مقصود سوائے خوشنودی خدا کے اور کچھ نہیں ہوگا۔''

کوفہ کی حالت۔ اپنا عزم۔ عہد وفا۔ عقیدہ۔ اس مہم کا انجام اس مختصر تقریر میں کتنے مطالب

ہیں۔

یہ حضرت مسلم کا خط لے کر کوفہ سے خدمت امامؑ میں گئے اور حضرت کی رکاب میں شہید ہو گئے۔ وہ سب کچھ ہو گیا جو کہا تھا۔

○

مخلص پاسبان

کربلا میں ایک رات کو لشکرِ مخالف سے کثیر ابن عبداللہ شعبی نے نکل کر امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ ابوثمامہ صائدی ادھر طلایہ پر تھے کثیر سے کہا۔

''ہتھیار کھول کر رکھ دو پھر جا سکتے ہو۔''

کثیر نے اسے منظور نہیں کیا۔ ابوثمامہ نے کہا: ''اچھا میں تمھاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھوں گا۔ اس طرح امامؑ کے حضور میں لے چلوں گا۔''

ایسے ہی مخلص افراد ہوتے ہیں جن کی حفاظت میں قوم کا وقار دیا جا سکتا ہے۔ ابوثمامہ کے ان جملوں میں حسینؑ کی محبت، حسینؑ کی عظمت کا احساس اور قوم کے وقار کی پاسداری دیکھو۔

○

مرقع حسرت

روز عاشور نماز ظہر کے وقت سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن قین امام علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دشمنوں کے تیر اپنے سینوں پر لیتے رہے۔ یہ انسانیت کا معجزہ تھا۔

نماز ختم ہوئی اور سعید بھی ختم ہو کر یہ کہتے ہوئے گرے۔ ”پروردگار میرا سلام اپنے رسولؐ کی خدمت میں پہنچا اور ان مصائب سے بھی مطلع کر جو ان کی نصرت میں مجھ پر گزر رہے ہیں۔“

یقیناً سعید کو یہ حق تھا کہ وہ یہ دعا کرتے اس بہادر کو یہ موقع بھی نہ ملا کہ دشمنوں کو مار کر مرتا۔ یہ حسرت ہی رہ گئی ہوگی۔ ایک بہادر کے لیے یہ کتنا دشوار مرحلہ ہے۔

انصارِ حسینؑ میں سعید کا ایثار، ضبط استقلال اور شجاعت عدیم المثال ہے۔ مصائب کا لفظ اس جاں نثار نے کتنا صحیح استعمال کیا ہے۔ دل پر کیا جبر کیا ہوگا۔

میں نے سعید کو مدنظر رکھ کر ایک سلام میں یہ مصرع کہا ہے۔

ع: حسینؑ پرورش کوہسار کرتے ہیں

○

شانِ شرافت

عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری کے رجز نے مجھے بہت متاثر کیا۔

”میرے ساتھیو! شریف خاندان کی طرف سے جنگ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو۔“

کتنے سادہ الفاظ ہیں جن میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم شرافت مجسم اور اصلِ شرافت کی طرف سے جنگ کر رہے ہیں۔

اس ایک لفظ میں اہل بیتؑ کی پوری شان تمام تر جلالت اور مراتب و مدارج سموئے ہوئے ہیں۔

کھرے اور کھرّے سپاہیوں کے لفظ جو ابوذر جیسے حق گو کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ روحی فداک۔

○

حق شناس مجاہد

نافع ابن ہلال یا ہلال ابن نافع کے دونوں بازو جنگ میں ٹوٹ گئے۔ زندہ گرفتار ہو کر عمر سعد کے سامنے پیش ہوئے۔ عمر سعد نے کہا۔ ''یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔''

جواب دیا: ''میرے ضمیر سے خدا واقف ہے میں نے قسم بخدا تمھارے بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہے زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے ہرگز گرفتار نہ کر سکتے۔''

اس تقریر کے جواب میں شمر کی تلوار سے شہید ہوئے۔

حق پرست حق شعار اور حق گو نافع ابن ہلال کے ان لفظوں سے قومیت کے چہرے پر فخر و مسرت کی سرخی دوڑنے لگتی ہے۔ یہ اسلامی تاریخ کے درخشاں ستارے ہیں۔ نافع ابن ہلال ہوں یا ہلال ابن نافع۔

○

یادگار تبسم

امام زین العابدینؑ کے غلام نے جنگ کی اجازت لی۔ میدان میں گیا۔ لڑا شہید ہوا۔ امام حسینؑ نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ غش سے آنکھ کھلی تو احساس ہوا۔

(۱) میں نے اپنا فرض ادا کیا۔

(۲) میں نے حسینؑ کی نصرت کی۔

(۳) میں نے حق کا ساتھ دیا۔

(۴) میں نے قیامت تک کے لیے اپنا نام تاریخ میں لکھوالیا۔

(۵) میں غلام تھا مگر آزادوں کی طرح لڑا۔

(۶) میں نے غلاموں کی آبرو رکھ لی۔

(۷) میرا سر حسینؑ کے زانو پر ہے۔

نزع کا وقت تھا کیا کہتا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ ایک تبسم نے یہ سب کچھ کہہ دیا اگر ایسا قیامت خیز دن نہ ہوتا تو پوری کائنات اس کے ساتھ تبسم کرتی۔ بابی انت و امی ایسا تبسم کسے نصیب ہوتا ہے۔

بیمارِ کربلا نے اپنے خیمے کا پردہ اپنے غلام کی جنگ دیکھنے کے لیے اٹھا دیا تھا۔

دو اماموں کی جانب سے یہ عزت افزائی۔

مردِ حُر

حُر ابن یزید ریاحی کے بالیں پر فرمایا:

''قسم خدا کی تیری ماں نے تیرا نام رکھنے میں غلطی نہیں کی۔ تو دنیا اور آخرت دونوں میں حر ہے۔'' اس ارشاد کے بعد اس کی تعریف میں کچھ شعر ارشاد فرمائے۔

حُر کی قسمت کہ حسینؑ اس کی مدح میں شعر کہیں۔ موت کی اس ہلچل اور ہنگامہ میں حسینؑ کے ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ فصاحت، روانی، ادب اور انداز بیان دیکھ کر سوچو کہ حسینؑ ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح تھے جس پر زلزلہ، طوفان اور تلاطم اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ اور پھر بھی تم حسینؑ کی عظمت نہ سمجھ سکتے ہو نہ سمجھا سکتے ہو۔

اوجِ تمنّا

ابو ثمامہ صیداوی عین حالت جنگ میں نمازِ ظہر یاد دلائی۔ ''یابن رسول اللہ۔ کتنی ہی شدت جنگ ہو میری زندگی میں آپ کے اوپر آنچ نہ آنے پائے گی۔ آرزو تھی کہ ایک مرتبہ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتا۔''

حسین نے فرمایا: ''خدا تمھیں نماز گزاروں میں شامل کرے۔ تم نے نماز یاد دلائی۔''

(۱) نماز (۲) جنگ کے میدان میں نماز

(۳) حسینؑ کے ساتھ نماز (۴) آخری نماز

یہ وہ نفوس تھے جن کے ذہنوں میں عبادت تھی اور ہاتھوں میں حسینؑ کی زندگی بچانے کے لیے تلواریں۔ سچ ہے ایسے انصار کسی پیغمبرؑ کو نہیں ملے۔

○

منتہائے رفاقت

مسل ابن عوسجہ ایک جلیل القدر صحابی جب زخمی ہو کر گرے ہیں تو امام حسینؑ، حبیب ابن مظاہر کو ہمراہ لے کر ان کے سرہانے تشریف لے گئے۔

مسلم ابن عوسجہ اور حبیب ابن مظاہر کی تاریخی گفتگو سنو۔ حبیب ابن مظاہر ''مسلم اگر میں تمھارے بعد فوراً ہی دنیا سے جانے والا نہ ہوتا تو کہتا کہ تم مجھ سے کچھ وصیت کرو۔''

مگر اس کے باوجود مسلم نے وصیت کی۔ اپنے اہل و عیال کے لیے نہیں۔ اپنے مظلوم آقا کی طرف اشارہ کیا اور کہا ''میں تمھیں ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ جب تک زندگی ہے حسینؑ کی نصرت و حمایت کرتے رہنا۔''

یہ شرط وفا تھی یہ خلوص محبت و رفاقت تھا۔ اپنی موت کے بعد بھی حسینؑ کی زندگی کی فکر ہے حسینؑ کی زندگی کی فکر لیے ہوئے موت۔ حسینؑ کے قدموں پر نثار ہونے والی زندگی۔ کیا اچھی زندگی اور کیا اچھی موت ہے۔ انسانیت کے ان روشن کارناموں سے تاریخ کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔

نونہالو! یہ حسینؑ والے ہیں اور تم بھی ....

○

رفعت خلوص

بریر ابن خضیر ہمدانی کے لفظوں میں پورے قبیلہ ہمدان کی روح بول رہی تھی جب انھوں نے عرض کیا۔

"خدا کی قسم فرزند رسولؐ یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہم کو یہ موقع دیا کہ آپ کے سامنے جنگ کریں اور آپ کی نصرت میں ہمارے اعضاء قطع کیے جائیں۔

اس حافظ قرآن بوڑھے سپاہی کا ایک ایک لفظ حقیقت وعقیدت کا ایک پہاڑ ہے جس کی بلندی تک عام انسانی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ میں کہتا ہوں:

"اے بریر! اللہ کا احسان ہے کہ ہم کو یہ موقع دیا کہ تمھارے یہ الفاظ سنیں اور سمجھیں۔ اب اگر ان سے استفادہ نہ کریں تو ہماری بدقسمتی ہے۔"

○

معراجِ محبت

عاشور کے دن عابس نے اپنے باوفا غلام شوذب سے پوچھا۔'' کیوں شوذب کیا ارادہ ہے؟''

جواب سنو:

''ارادہ کیا ہے یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں۔''

عابس نے کہا:

''شاباش مجھے یہی امید تھی۔ آگے بڑھو کہ میں تمھارے غم کو برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں۔ کوئی ایسا شخص اس وقت میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا۔ جتنا تم پر ہے اور میں اس کی مصیبت برداشت کرتا۔

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ عابس کو حسرت تھی کہ ان کا کوئی فرزند ہوتا جسے وہ اپنی قربانی سے پہلے حسینؑ پر تصدق کرتے۔ یہ محبت کا درجہ عام انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ ایسا آقا اور ایسا غلام۔ آج کی آزادی اس غلام پر قربان ہے جس پر دو جہاں کے آقا نے زیارتِ شہداء میں سلام کیا ہو۔

O

روحِ اخلاق

وقت عصر امام حسینؑ کی شجاعت سے عاجز آ کر فوجِ یزید نے حضرت کو شمشیر زنی سے باز رکھنے کے لیے خیام اہل بیت کو گھیر لیا۔ سید الشہداء نے فرمایا: ''اے آل ابوسفیان کے دوستو! تم اپنے دین کو کھو بیٹھے ہو تو اپنی دنیا میں تو آدمی بنے رہو۔''

یہ ایسا ارشاد اور ایسی اخلاقی ضرب تھی جس نے شمر جیسے شقی القلب پر بھی اثر کیا اور محاصرہ ہٹالیا گیا۔

''اپنی دنیا میں تو آدمی بنے رہو'' اس جملہ کا ادبی درجہ اس کی معنویت بچ ہے خدا اپنی رسالت کے مقام کو خوب جانتا ہے۔ اس شہید اعظم نے صرف عشرہ کی صبح سے شام تک دنیا کو جو اخلاقی سبق دیے ہیں انسان کی ہدایت کے لیے قیامت تک کافی ہیں۔

○

اعلائے حق

امام زین العابدینؑ نے قتل کیے جانے کی دھمکی سن کر ابن زیاد سے کہا۔ ''تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارے لیے کرامت ہے۔

اظہار حقیقت کے لیے الفاظ کا انتخاب اس خانوادۂ فضل وشرف کا حصہ ہے۔ دشمن کے سامنے پابہ زنجیر مصائب کے ہجوم میں ایسا گرجتا ہوا جواب صداقت کی ایک ایسی دلیل تھی، جس نے دنیا کے سب سے بڑے بے شرم انسان کا سر شرم سے جھکا دیا۔

''قتل ہونا ہماری عادت ہے۔''

ابھی ابھی تو اس عادت کا مظاہرہ کربلا میں ہو چکا ہے۔

○

فرض ومحبت

وہب ابن عبد اللہ کلبی فوج شام کے کچھ ملعونوں کو ختم کر کے اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''مادر گرامی میری خدمتوں سے آپ خوشنود ہوئیں۔''

جواب ملا: ''میں اس وقت تم سے خوشنود ہوں گی جس وقت آقا پر اپنی جان فدا کرو گے۔''

ایسی ماں اور ایسا بیٹا کس کے دل کی بڑائی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔حسینؑ کا جذبہ تھا یا ماں کی اطاعت کا فرض، وہب کہاں جو پوچھیں ام وہب کہاں جن سے دریافت کریں کہ:

''ہماری قوم میں ایسی مائیں اور ایسے بیٹے اور بھی ہوں گے۔''

○

غیور میزبان

مسلم ابن عقیل نے جب کوفیوں کی غداری کے باعث ہانی کے گھر پناہ لی ہے تو حاکم کوفہ ابن زیادہ نے ہانی کو بلوا کر حکم دیا۔

''مسلم کو حاضر کرو۔''

''مہمان کو دشمن کے حوالے کر دینا عرب کی سیرت نہیں ہے۔'' یہ جواب ملا۔

ہانی نے قتل ہونا گوارا کیا۔ جان دے دی مہمان کو نہ دیا۔ تم کو یہ اخلاقی سبق دے گیا کہ مسلمان کس حد تک مہمان کی عافیت کا ذمہ دار ہے۔

○

مسلم کا سلام

سر سے پاؤں تک زخمی اور بے یار و مددگار مسلم جب گرفتار کر کے ابن زیادہ کے سامنے لائے گئے تو ان کے انداز سلام نے اہل دربار کو بتا دیا کہ یہ خانوادہ رسالت کی نیابت کے اہل ہیں۔

''اُس شخص پر میرا سلام ہے جو ہدایت پر چلتا ہے۔''

مسلم کا یہ سلام تاریخ نے اس لیے محفوظ رکھا ہے کہ دنیا دیکھ لے۔

اس ہاشمی بہادر نے اپنی جان بچانے کے لیے کوئی ہلکی سی کوشش بھی نہیں کی۔

آئینِ شجاعت

مسلم ابن عقیل جنگ کرتے ہوئے اپنے رجز میں کہہ رہے تھے۔

''میں نے قسم کھائی ہے کہ سوا بہادر کے کسی کو قتل نہ کروں گا۔

یہ تھے حسینی بہادر جو بزدلوں پر ہاتھ اٹھانا اور بھاگنے والوں کا پیچھا کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

لذّتِ درد

ابن زیاد ملعون نے قتل کا حکم دیا۔ جلاّد کی تلوار کے پہلے وار سے مسلم کی نصف گردن کٹی۔ بچو۔ تم سنو گے اس وقت اس بہادر نے کیا کہا۔

"یہ خراش کافی نہیں ہے۔"

یہ ہیں خانوادۂ رسالت و امامت کے شیر جو موت کے ساتھ ہنستے کھیلتے ہوئے دنیا سے گئے۔

○

عظمت کردار

محمد ابن بشر الحضرمی کو معرکہ کربلا میں یہ اطلاع ملی کی تمھارا بیٹا سرحد رے پر گرفتار ہوگیا۔

محمد ابن بشر نے کہا۔"میں اس کی نصرت کو امام کی نصرت پر ترجیح نہیں دے سکتا۔"

امام نے فرمایا۔"میں نے اطاعت کا بار تم سے اٹھالیا۔ جاکر اپنے بیٹے کو چھڑاؤ۔"

عرض کیا۔"یا بن رسول اللہ۔ اگر میں آپ کو چھوڑ دوں تو جانورانِ دندرہ مجھے پھاڑ ڈالیں۔"

محمد ابن بشر کا یہ جواب جذبۂ اخلاص کی ایک چیخ ہے جو دل کو چیر کر نکلی ہے۔ عہدِ رفاقت کی یہ مضبوطی، محبت کی یہ کوہساری مطالعہ کرو اور اے حسینؑ کے نوعمر ماتم دارو کردار کی اس بلندی تک پہنچو!

○

عروجِ بشری

حنظلہ ابن اسعد شامی صف سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جو تیر حضرت کی طرف آتا تھا اپنے سینے پر لیتے تھے۔ اور فوج مخالف سے کہتے جاتے تھے۔

''اے میری قوم مجھے تمہارے بارہ میں قیامت کے دن کا اندیشہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے قتل سے باز رہو۔''

حسینؑ کے انصار کیا مکمل انسان تھے۔ ہر زخم موت سے نزدیک کر رہا ہے۔ مگر ان کا احتجاج تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ اپنے لیے نہیں۔ اپنے عیال کے لیے نہیں۔ اپنے آقا کی جان بچانے کے لیے۔ اپنی قوم کی عاقبت کے لیے۔ جب انسانیت حسینؑ کے زیر سایہ ہو تو کتنی بلند ہو سکتی ہے۔

غور کرو اور واقعۂ کربلا سے وہ سبق لو۔ جس کے لیے یہ سب کچھ ہوا تھا۔

○

وحدتِ خیال

غالباً زہیر قین کو سب سے زیادہ جنگ اور جانبازی کے مواقع ملے ہیں۔ لشکر شام کے پہلے حملے کی مدافعت کی۔

شمر اور اس کے ساتھیوں کو امام حسینؑ کے خیمہ پر حملہ کرنے سے روکا۔ حُر کی اعانت کے لیے جنگ کی۔

ظہر کی نماز کے وقت امام حسینؑ کے سینہ سپر رہے اور حملہ آوروں کو دفع کیا۔ آخری جنگ جس میں درجۂ شہادت ملا اس وقت کے رجز کا ایک شعر سنانا مقصود ہے۔

''میں زہیر ہوں اور قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے دشمنوں کو حسینؑ کے پاس سے دور کر دوں گا۔''

صرف ایک خیال تھا دشمنوں کو حسینؑ سے دور رکھنا۔ ایک مشترک خیال۔ بہتر یا کم وبیش آدمیوں میں۔

اور ہزاروں کے مقابلہ میں یہ کس قدر کامیاب رہے ہیں۔

O

شوقِ شہادت

عبد اللہ ابن مسلم ابن عقیل نے امام حسینؑ سے میدان کارزار کی اجازت مانگی۔ جواب میں فرمایا۔

''تمہارے باپ کی شہادت کو کتنا عرصہ گذرا ہے ان کا غم ابھی مجھے نہیں بھولا۔ تم اپنی غم دیدہ ماں کو ساتھ لے کر کسی طرف نکل جاؤ۔''

نوجوان بھتیجے نے عرض کی۔ ''ہم ایسے دل کے کمزور نہیں ہیں کہ اس دارِ فانی کی زندگی کو حیات جاودانی پر ترجیح دیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری ناچیز جان کا ہدیہ قبول فرمائیں گے۔''

اس کم سن بہادر نے جواب میں ''ہم'' کی ضمیر استعمال کی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عقیل کی نسل میدان کربلا میں ختم ہوگئی۔ ایک ایک جوان اس خاندان کا حسینؑ پر صدقے ہوگیا۔

شاید ان قربانیوں کا اس جواب سے بھی کچھ تعلق ہو۔

O

دادِ وفا

عمر ابن قرطہ انصاری شہادت حنظلہ ابن اسعد شامی کے بعد امام حسینؑ کی رکاب تھامے تھے اور حضرت کو دشمنوں کے حربوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ اس خدمت میں جو زخم ان کے بدن پر لگتا تھا عرض کرتے تھے۔ ''یا ابن رسول اللہؐ! میں شرط جانبازی بجالایا؟''

زمین سے آسمان تک سننے والے حیرت میں ہوں گے کہ بار بار یہ سوال کیسا ہے۔

یہ حسینؑ کا جانباز اپنے آقا سے کچھ کہلوانا چاہتا تھا۔

تمنا تھی کسی خصوصیت کی وہ پوری ہوگئی۔ حسینؑ نے کہا۔

''تم مجھ سے پہلے خدمت رسولؐ میں پہنچو گے۔ میرا سلام عرض کرنا۔''

ان کی شان جان نثاری اس عزت کی مستحق تھی اور اسی کا انتظار تھا۔ فوراً رخصت جنگ لے کر گئے اور شہید ہو گئے۔

○

جانِ معرفت

قاتل جب سینہ پر سوار ہوا ہے۔ اس وقت کے دو جملے حسین مظلومؑ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تاریخ میں ملتے ہیں۔ ایک بآواز بلند ایک زیر لب۔

قاتل سے فرمایا ''تو کون ہے جو ایسے بلند مقام پر چڑھ گیا ہے۔'' اپنی عظمت کے احساس اس کے اعلان و اظہار اور استقرار حق کا محل دیکھو اور سوچتے رہو۔

زیر لب کچھ فرمایا۔ قاتل نے کان لگا کر سنا۔

''تم اپنا عہد پورا کرو۔ میں اپنا عہد پورا کروں گا۔''

یہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کی تلاوت کا نہ اس سے بہتر وقت ہو سکتا تھا نہ کسی اور کی زبان اس کی تلاوت کے لیے اس زبان سے زیادہ موزوں تھی۔

○

قرآن ناطق

امام زین العابدینؑ نے دربار میں کھڑے کھڑے پریشان ہوکر یزید سے اجازت کلام مانگی۔ یزید نے جواب میں کہا۔"فرمایئے مگر کوئی مہمل بات نہ ہو۔" (معاذ اللہ)

امام نے فرمایا۔"میں اس منصب پر فائز ہوں جہاں پہنچ کر انسان مہمل کلام نہیں کرسکتا۔"

اس کلام اور اس متکلم کی عظمت کا اندازہ کچھ محسوس کیا جاسکتا ہے زبان سے بیان نہیں ہوسکتا۔

اس جواب سے وارث منصب رسالت نے یزید کو اس کے درباریوں کو اور کل دنیا کو بتادیا کہ میں کون ہوں۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا ایک پیام تھا۔ ایک چیلنج تھا ان آزادوں کے نام جن کے نفس قیدی تھے۔

آؤ ہمارے دعوے کو غلط ثابت کرو۔

O

اقوال حضرت امام حسین علیہ السلام

حسب ذیل ارشادات قابل غور اور اپنانے کے لائق ہیں۔ کیونکہ یہ اقوال ایک ایسی ہستی کے فرمودات ہیں جس نے میدان کربلا میں اپنے بے مثال عمل سے ان میں جان ڈال دی۔ ان اقوال کو پڑھیئے۔یاد رکھیئے اور ان کو عملی جامہ پہنا کر حسینی ہونے کا عملی ثبوت دیجیئے۔

۱۔ خدا سے لو لگا کر مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ۔

۲۔ مانگنا ہو تو خدا ہی سے مانگو۔

۳۔ جو مرنا جانتے ہیں۔وہی بقا کے راز سے آگاہ ہیں۔

۴۔ مال دار کا مال جتنا بڑھتا ہے۔ اسی قدر اس کی فکر و پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ جو خدا سے قریب ہوا۔ وہ دوسروں سے جدا ہو گیا۔

۶۔ اللہ سے ڈرنا ہی اس کی رضا و خوشنودی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

۷۔ جس کو خدا نے دیا ہے۔ اُسے چاہیے کہ دوسروں کو دے۔

۸۔ مومن یقیناً خدا کی ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے۔

۹۔ اہل حاجت کا تمہارے پاس آنا بھی خدا کی دین ہے۔

۱۰۔ جس کا خیال ہو۔ کہ لوگ اس کو غنی کر دیں گے۔ اس کو خدا پر بھروسہ نہیں۔

۱۱۔ جس شخص نے سخاوت کی اس نے سرداری پائی۔ اور جس نے کنجوسی کی اس نے ذلت اٹھائی۔

۱۲۔ اگر جسم فنا ہونے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ تو انسان کا اللہ کی راہ میں تلوار سے قتل ہو جانا بہتر ہے۔

۱۳۔ موت ایک ایسے جواں مرد کے لیے ننگ و عار نہیں۔ جس کی نیت میں سچائی ہو۔

۱۴۔ جب یہ طے شدہ ہے کہ اموال چھوڑ جانے کے لیے جمع ہوئے ہیں تو کیا بخل حماقت نہیں؟

۱۵۔ جب زمانہ کے دانت تمہیں زخمی کر دیں۔ تو مخلوق کی طرف کبھی نہ جھکو۔

۱۶۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دنیا کوئی قیمتی چیز ہے۔ تب بھی خدا کے ثواب کا محل زیادہ بلند اور معزز ہے۔

۱۷۔ اگر تم مشرق سے مغرب تک چکر لگا ڈالو۔ تب بھی کوئی ایسا شخص نہیں پاؤ گے جو مقدر کو بنا یا بگاڑ سکتا ہو۔

۱۸۔ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس کو عہد کا خیال نہیں اس میں دین نہیں۔

۱۹۔ تم سچ بولنے کے پابند رہو۔ کیونکہ سچ بولنا نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔

○

ترقی کی برکتیں

(اقتباسات)

نجم آفندی

نئی بیماریاں

سینکڑوں نئی نئی بیماریاں حملہ آور ہونے لگیں جن کے نام بھی باپ دادا نے نہیں سنے تھے۔ اب شہر شہر قصبہ قصبہ پبلک کی خدمت کے لیے اسپتال قائم ہوئے کونین تقسیم ہونے لگی ولایتی دواؤں کے جہاز پر جہاز آنے شروع ہوئے۔

○

انگریزی دوائیں

سر بہ مہر چمکتی دمکتی شیشیاں بوتلیں دلفریب پیکنگ اور بے دریغ اشتہار بازی چار ہی دن میں یہ غیر ملکی دوائیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی شوقیہ اور فخریہ پینے لگے۔

"میں تو بھئی ڈاکٹری علاج کرتا ہوں ایک چمچہ بھر دوا گلے سے اترتے ہی اپنا کام کرتی ہے مجھ سے یہ حکیموں کے قدے (قدحے) نہیں پیے جاتے۔"

○

طب یونانی

اب غریب طب یونانی کا ٹھکانا کہاں اور ویدک کو پوچھنے والا کون ہے جب وطن کے بیماروں نے ہی ان سے منہ پھیر الیا۔ کیسا یہ فن ہندوستان سے رخصت ہوا ہے نہ وہ نسخے رہے نہ ویسے کامل اطبا۔ کوڑیوں اور پیسوں کی دواؤں میں کیا کیا معرکے کے علاج ہوتے تھے آج ان حقیقتوں کا شمار افسانوں میں ہے کچھ دن کے بعد یہ افسانے بھی حافظہ سے محو ہو جائیں گے۔

میری زندگی کا تھوڑا سا حصہ دیہات میں بھی گذرا ہے۔ ردولی ضلع بارہ بنکی میں میرے شاگرد

رئیس الشعرا رزم ردولوی کے مواضعات ہیں تبدیل آب وہوا کے سلسلہ میں میرا وہاں قیام رہا ہے اور میں نے وہاں کاشتکاری کے مشغلہ سے دل بہلایا ہے یہ میری زندگی کا بہترین زمانہ تھا۔ وہ آسودگی جو تکلف اور تصنع کی دنیا سے دور رہ کر مجھے یہاں نصیب ہوئی اب کبھی حاصل ہونے کی امید نہیں۔

جس موضع میں میرا قیام تھا اس کے قریب ایک موضع گھرونڈا ہے جہاں طبیبوں کا ایک خاندان آباد ہے۔ ان حضرات میں جو سب سے زیادہ سن رسیدہ اور قابل بزرگ تھے نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ایک روز طب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ رفتار نبض کی ایک سو بیس قسمیں ہیں جن سے مرض کی شناخت ہوتی ہے اور بہت سے نام بھی رفتاروں کے بتائے جو میرے ذہن میں نہیں رہے۔ حالیؔ مرحوم نے غالباً حکیم عبدالمجید خان مرحوم کے انتقال پر جو نظم کہی ہے۔ اس کے دو مصرع میری یادداشت میں ہیں وہ اسی بات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

وہ بتا دیتا تھا رکھ کر ایک انگلی نبض پر
اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر

○

گھریلو نسخے

سچ پوچھیے تو غریب اور متوسط طبقہ کے خاندانوں میں حکیم صاحب کو کسی بڑی اہم بیماری کے سلسلہ میں زحمت دی جاتی تھی ورنہ زکام کھانسی اور معمولی بخار کا علاج تو گھر کی نانی اماں، دادی اماں اپنے زبانی اور خاندانی نسخوں اور چٹ پٹ دواؤں سے کرلیا کرتی تھیں۔ اس زمانہ کی بی بیوں کو وہ نسخے کیسے یاد رہتے ان کی ذمہ داریوں اور مشغلوں میں بہت کچھ ترمیم و تنسیخ ہوگئی اب یہ ان کا فرض نہیں رہا۔

○

باقیات الصالحات

طبیب اس وقت بھی ہیں حیدر آباد میں حکیم سید محمد عباس صاحب لکھنؤ میں حکیم صاحب عالم صاحب بمبئی میں حکیم سید علی قاسم صاحب نواح دہلی میں حکیم حافظ محمد سلیم صاحب یہ سب حضرات میرے تجربہ اور اپنے مرجوعہ کے اعتبار سے بہت قابل طبیب ہیں آگرہ میرا وطن ہے جسے چھوڑے ہوئے برسوں گذر گئے وہاں اور دہلی میں دور گذشتہ کی یادگار اب بھی کچھ نبض شناس طبیب موجود ہیں بہرحال ان سے پوچھئے کہ جن بزرگوں سے یہ فن ان حضرات نے حاصل کیا ہے وہ کیسے تھے طب میں ان کا کیا درجہ تھا اس زمانہ کی طب کیا تھی اور اب اس میں سے کیا باقی رہ گیا۔ یہ سب آپ کو دو دو چار چار چشم دید واقعات اور غیر معمولی معالجوں کے حالات سنائیں گے۔

○

قومی نقصان

مجھے ایک بات کا بڑا افسوس ہے کہن سال بزرگوں کے حافظہ میں گذشتہ زمانہ کے بہت سے واقعات بہت سی حقیقتیں۔ کاملین و ماہرین فن کے تذکرے اور معرکے کیسے کیسے دلچسپ لطیفے محفوظ تھے جو ان کے ساتھ دفن ہو گئے کاش انہیں کوئی قلم بند کر لیتا یا وہ خود لکھ کر چھوڑ جاتے تو یہ کیسا نادر اور مفید ذخیرہ ہوتا آج بھی کچھ ایسے بزرگ ہوں گے اگر توجہ کی جائے تو یہ بچی کچھی دولت سپرد قلم ہو سکتی ہے۔

اس ترقی کی بدولت فن طب کو بھی بڑا سخت نقصان پہنچا غنیمت ہے کہ حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم طبیہ کالج قائم کر کے اس کو نیست و نابود ہونے سے بچا گئے۔

○

مہاراجہ شاد

میری نگاہوں نے اس دور آخر کی ایک جھلک دیکھی ہے جس سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ حیدر آباد دکن کے سابق صدر اعظم اور جاگیر دار مہاراجہ سر کشن پرشاد آنجہانی عہد گذشتہ کے امرا کا مکمل نمونہ تھے یہ موٹر کی سواری میں بھی روپیہ پیسے لٹاتے ہوئے جاتے تھے ان کی اس وضعداری میں آخر وقت تک فرق نہیں آیا۔

شاعر ہوں جی نہیں مانتا بہت کم حضرات جانتے ہوں گے اور زیادہ ناواقف ہوں گے۔ یہ بھی کہتا چلوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد شاعر تھے شاعر نواز تھے شاد تخلص کرتے تھے۔ راجہ چندولال آں جہانی کے نواسے تھے ان کی ادب پرستی اور شاعر نوازی مشہور ہے۔ یہ ایسے ہندو تھے جو اردو کی قدردانی اور سرپرستی اپنا فرض سمجھتے تھے۔

O

اردو ہندی

اردو ہندی کا مسئلہ بھی اسی ہنگامۂ ترقی کا ایک شعبہ ہے ورنہ اسی ہندوستان میں اردو بھی تھی ہندی بھی تھی۔ ہماری زبان اور تمہاری زبان ہندی اور ہندوستانی یہ قصے اس وقت کہاں تھے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہندو اردو زبان کے شاعر گذر گئے اور آج بھی ہیں۔ خصوصاً کشمیری برہمنوں کو تو اردو شاعری سے خاص دلچسپی ہے کشمیری شعرا کے دو ضخیم تذکرے میری نظر سے گذرے ہیں اور بہت سے حضرات نے دیکھے ہوں گے واقعہ یہ ہے کہ ترقی کی آب وہوا نے ہر مسئلہ میں ایک زہریلی شاخ پیدا کردی اور فساد کا ذریعہ بنادیا۔ پیش کیے۔ جنہیں دیکھ کر نگاہیں جھپکنا چاہتی تھیں مگر ترقی کے برہنہ دیوتا نے کہا کہ یہ تو آرٹ ہے دنیا اس کے بغیر سونی رہی جاتی تھی میں نے دلوں میں ہیجان پیدا کرنے اور تمدن کی محفلوں کو گرم کرنے کا یہ سامان مہیا کیا ہے۔ غرض تعریف وتوصیف میں زبانیں کھل گئیں جن کی زبانیں نہ کھل سکیں ان کی نگاہیں بولنے لگیں ہزار ہا روپیہ خرچ کرکے یہ مہمان بنگلوں اور کوٹھیوں میں بلائے گئے اور ان خاموش مجسموں سے بھی بہت کچھ دور حاضر کی تہذیب کا سبق لیا گیا۔

”آہا آپ کو معلوم نہیں یہ بہت بڑے آرٹسٹ مسٹر اول فول کا شاہکار ہے بس دو ہی مجسمے اس نے زندگی بھر میں تیار کیے تھے ایک میرے پاس ہے ایک امریکہ کے سرکاری میوزیم میں ہے۔“

اسی ہندوستان میں کتنے اللہ کے بندے روزمرہ کی ضروریات زندگی کے لیے ترس رہے ہیں۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی
طپیدن دل مرغان رشتہ برپارا

ترقی پسند ادب

ان تصویروں اور مورتیوں کا کیا ذکر ہے اس دور میں انسانوں نے کپڑے اتار کر پھینک دیئے برہنہ کلب قائم ہوئے اور برہنگی رقص کرنے لگی۔

شعروادب نے تو ترقی کا ایسا خیر مقدم کیا کہ ''ترقی پسند ادیبوں'' کے نام سے ایک جماعت بھی وجود میں آ گئی۔ترقی پسند ادب۔ترقی پسند ادیب ترقی پسند شاعر تین نئی اصطلاحیں پیدا ہوگئیں۔ اوراس جدید ادب کی بنیاد عریاں نگاری۔اہمال۔لامذہبی وغیرہ پر رکھی گئی۔

ترقی پسند ادیب وشاعر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے بال بڑے بڑے ہوتے ہیں سوشلسٹ یا کمیونسٹ ہوتا ہے اور سوائے بلینک درس کے تمام غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرتا ہے۔

اس شاعری کے وجود میں آتے ہی غزل کو خلاف فطرت کہہ کر اس کی مخالفت کی گئی۔ اصناف سخن میں بلینک درس یعنی جرمن ڈیزائن کے مکان کا اضافہ کیا گیا۔شرمناک افسانے تیار ہوئے بے باک نظمیں مرتب ہوئیں اور ادبی رسالوں نے دور ترقی کے یہ تحفے اور ہدیے ایک ایک گھر میں پہنچا دینے کا ٹھیکہ لے لیا مردوں کا تو کیا ذکر ہے عورتوں نے ایسے ایسے افسانے لکھ کر پھینک دیئے کہ شرم وغیرت نے لحاف میں منہ چھپالیا۔ جنسیات پر کتابیں تصنیف ہوئیں انگریزی سے ترجمے کیے گئے۔ فحاشی کی بہت ضروری تاریخ مرتب ہوئی اس جدید رجحان نے اردو ادب میں یادگار اضافے کردیئے۔

مجھے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے میرے علم میں ہے کہ عہدقدیم میں بھی اس قسم کے خلاف تہذیب قصے تصنیف کیے جاتے تھے اور مخرب اخلاق نظمیں کہی جاتی تھیں جو اس وقت تک مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔

لیکن اس دور کی یہ چیزیں اس حیثیت سے سوسائٹی میں پیش نہیں کی جاتی تھیں فطرت نگاری کہہ کر ان پر اصرار نہیں کیا جاتا تھا ان کی تبلیغ نہیں کی جاتی تھی نہ اس زمانہ میں ایسے ذرائع اشاعت تھے کہ جوان اور نوجوان بوڑھے اور بچے عورت اور مرد سب اس کے مطالعہ سے فیض یاب ہوسکیں۔

اس زمانے کے شعرا اور سامعین نے اسے صحیح تہذیب وتمدن کا ترجمان نہیں بتایا وہ ایسے ادب کو بُرا کہتے تھے اور بُرا سمجھتے تھے یہ چیزیں مخصوص صحبتوں کی تفریح تھیں انہیں عام کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جن گھروں میں ایسی کتابیں کسی کے رئیسانہ ذوق کی بدولت پہنچ گئیں وہاں یہ اہتمام بھی ضروری سمجھا گیا کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی نگاہیں ان تک نہ پہنچیں۔

○

آج کے مشاعرے

اسی دور ترقی میں شعرائے کرام نے غزل پڑھنے میں ترنم کا طریقہ اختیار کیا اور شرکت مشاعرہ کی فیس مقرر کی۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب بعض شعرا حضرات آمدورفت کا کرایہ لینا بھی معیوب سمجھتے تھے۔

اس زمانے میں اس قسم کی آوازیں کبھی سننے میں نہیں آئیں۔ ”رقاصہ والی ہوگی۔“ ”بھکارن والی ہوگی“ ”مقطع پڑھ دیجئے۔“ ”ان کو ریزرو میں رکھو۔“ مرزا غالبؔ اور میر تقی نے ایسے مشاعرے کہاں دیکھے تھے۔ ٹکٹ والے مشاعرے بھی اسی زمانہ کی ایجاد ہیں۔ سامعین ٹکٹ خریدنے کے بعد اور اس معلومات کی بناپر کہ شعرا کو فیس دی گئی ہے مشاعرہ کو تھیٹریکل کمپنی کے معیار پر دیکھنے لگتے ہیں جو سننا چاہتے ہیں اور جس کو سننا چاہتے ہیں اسے پڑھنے دیتے ہیں اور اس قسم کے لوازے نوازے اپنا حق سمجھتے ہیں (Hooting) ہوٹنگ تو ایک عام چیز ہوگئی۔ بڑے بڑے شاعر اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔

آج کی دنیا میں شاعر اس وقت تک مقبول ہے جب تک اس کے گلے میں دم خم ہے اور کوئی نیا گلے باز پہلوان میدان میں نہیں آیا ہے۔

”بھئی اب ان سے پڑھا نہیں جاتا۔“ ”اب وہ ختم ہوگئے۔“ ”آخر کب تک چلیں گے“ غرض اس وقت شاعری کی کسوٹی پڑھنے کا انداز ہے۔ شعر نہیں ہے۔

○

گئے گذرے مشاعرے

اس ترقی سے پیشتر کے مشاعرے اور شاعر اور تھے ایسی مہذب محفل ہوتی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی نہ شور وغل ہوتا تھا نہ کوئی تہذیب سے گری ہوئی بات زبان سے نکالی جاتی تھی "ہوٹنگ" کا لفظ بھی کوئی اس دور میں نہ جانتا ہوگا۔ ایک مرحوم بیباک شاجہانپوری کے پاس لائسنس تھا وہ فوراً غلطی پر سر مشاعرہ ٹوک دیتے تھے اور ان کے اعتراضات بخندہ پیشانی سنے جاتے تھے ان کی معافی تھی۔

کہن سال اساتذہ میں سے جب کوئی پڑھتا تھا، تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ کلام سنا جاتا تھا اور ادب کے ساتھ داد دی جاتی تھی۔

مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں نے منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے ساتھ مشاعرہ پڑھا ہے۔ موصوف مومن اور تسلیم کے شاگرد تھے۔ سو برس کی عمر ہو چکی تھی مگر مشاعرہ میں لائے گئے اور پڑھنے کی فرمایش بھی ہوئی۔ بہت اصرار پر دو شعر اپنی زبان سے ارشاد فرمائے۔ آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے شعر پڑھا۔

حجاب باغ میں نرگس کی چشم سے نہ کرو
یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا

ایک مطلع تھا۔

نہ ہوا کم کسی تدبیر سے چکر میرا
جب تھکے پائے جنوں پھرنے لگا سر میرا

مرحوم کی کمزور دردناک آواز اور اشعار کے گداز نے مشاعرہ پر جو اثر کیا ہے وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا میں نے سامعین میں سے کئی اہل دل حضرات کو آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا۔

اساتذہ کا یہ عالم تھا کہ نو مشق شعرا کی ہمت افزائی کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ تعریفیں کر کے دل بڑھاتے تھے اور عزت دیتے تھے۔ مرحوم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی نے مجھے دہلی کے ایک مقامی مشاعرہ میں صدر بنایا اور فرمانے لگے کہ ہم ان بچوں کے حوصلے نہیں بڑھائیں گے تو کون بڑھائے گا۔

میں نے مولانا شوکت میرٹھی۔ حضرت حافظ پیلی بھیلتی قبلہ شہیر مچھلی شہری۔ میر ناصر علی خان

دہلوی ایڈیٹر صلائے عام خواجہ عبدالرؤف عشرت ۔ میرزا نوح مرحوم ۔ دولہا صاحب عروج ۔ نواب بہادر حسین خان انجم ۔ نواب ابوالمظفر وقار کانپوری ۔ پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی جیسے بزرگوں سے شرف نیاز حاصل کیا ہے اور تبادلۂ خیالات کیا ہے ۔

ایسے وضعدار انسان اب کہاں ہیں یہ ترقی کا زمانہ ہے ۔

O

ادبی رسالے

ادبی رسالوں نے بھی ہوا کا رخ دیکھ کر ترقی پسند ادب کا طرز تحریر پسند کرلیا کچھ نئے ماہناموں نے جنم لیا کچھ پُرانے رسائل نے اپنا مسلک بدلا ۔ اُدھر فلمی طبقہ کے پرچے عالم وجود میں آئے جس اردو بولنے اور نہ بولنے والے کو ایڈیٹر بننے کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے ایک فلمی پرچہ نکال دیا اس طرح اخلاقیات پر دوہری ضرب پڑنے لگی اور تعلیم جدید میں اس نئے ادب کی بھی شرکت ہوگئی ۔

O

اخبار

ادبی رسائل کے ساتھ ہی ساتھ اخبارات کے متعلق بھی کہتا چلوں ۔ اخبارات نہروں کی طرح جاری ہوئے اور ملک بھر میں پھیل گئے ۔ دور دور کی خبریں ملنے لگیں ۔ حکومت اور رعایا کے درمیان تبادلۂ خیالات اظہار مقاصد و مطالبات کا ایک ذریعہ بن گئے پبلک کی قوت بڑھ گئی ۔ بڑے کام کی چیز ثابت ہوئے ۔ لیکن انہیں میں سے بعض اخبارات سے مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو وسعت دینے ۔ تعصب میں اضافہ کرنے کا کام اور اشتعال انگیزی کی خدمت بھی خوب خوب لی گئی ۔ ایک جگہ سے فساد کی خبر آئی دوسرے شہروں میں دوکان دوکان اخبار پڑھا گیا ۔

''ہائیں کیا یہاں بزدل بستے ہیں دیکھتے ہو وہاں کیا ہورہا ہے نکالو چاقو'' ۔ اگلے زمانہ میں مرغ بازی بیڑبازی کنکوے بازی اور گھونسہ بازی بھی ہوتی تھی مگر یہ چاقو بازی اسی دور ترقی کی ایجاد ہے ۔

O

فساد ہی فساد

پھر فساد ایک ہی جگہ دوجگہ نہیں ہے دنیا کے ہر حصہ میں ہے کہیں جنگ کہیں خانہ جنگی کہیں اسٹرائک۔کوئی براعظم محفوظ نہیں ایک عام بے چینی پوری دنیا میں ہے کیونکہ ترقی نے دنیا کو وطن پرستی۔وسعت تجارت۔جاو بے جا حقوق طلبی۔دوسری قوموں پر اقتدار کی ہوس اور اکثریت واقلیت کے سبق پڑھا دیئے ہیں۔دنیا معلومات کے نشہ میں سرشار اور علم کی تیز روشنی سے اندھی ہو رہی ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارے جوشیلے شاعر جوش ملیح آبادی شاعر انقلاب کو بھی آخر قدرت سے کہنا پڑا کہ۔

"معصوم جہالتوں کو واپس کردے"

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک ہی ملک کے اندر ملکی اور غیر ملکی سوال ہے۔صوبہ وارانہ کشمکش ہے۔اچھوت اور چھوت کا مسئلہ ہے۔یہ فرقہ وارا جنگ سے علاحدہ چیزیں ہیں۔

○

نفس اللّٰہ

علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان زندہ تھا، کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا انسان اور انسانیت دم توڑ رہی تھی۔

بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان کائنات کا خالق پیغام پر پیغام بھیج رہا تھا، لیکن سرکشی اور نافرمانی کے طغیان میں کمی نہ ہوتی تھی۔ موسیٰ صوت وصدا کے خالق سے باتیں کر کے آتے تھے اور امت کو سمجھاتے تھے۔ عیسیٰ روح اللہ بن کر آئے مگر ان کے حواریوں کی روحیں بھی پاکیزگی حاصل نہ کر سکیں۔ پستی اخلاق کی زیادتی پر تمام تاریخیں گواہ ہیں۔ جب اس کا محبوب پیغمبرؐ عالم وجود میں آیا ہے اور وہ بھی چالیس برس تک خاموش انسانیت کی ذلت اور ذہن انسانی کے نکبت و افلاس کو دیکھتا رہا۔

اِدھر علیؑ نے ہوش سنبھالا، کعبہ میں پیدا ہونے والے علیؑ نے جس کے لیے نام بھی قدرت نے محفوظ کر رکھا تھا، اس علیؑ سے پہلے کسی بچہ کا نام علیؑ نہیں رکھا گیا تھا۔ اللہ کے گھر پیدا ہوئے، رسول اللہؐ کے گھر میں پلے بڑھے، خانہ کعبہ سے مسجد کوفہ تک علیؑ کے ایک ایک قدم کو دیکھئے، ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ یہی ابتدائے اسلام کی پوری تاریخ ہے۔

میں کہہ رہا تھا کہ علیؑ کے ہوش سنبھالتے ہی اعلانِ رسالتؐ کا حکم آ گیا۔ شائد قدرت اسی دن کی منتظر تھی، غیرت الٰہی کو یہ پسند نہ تھا کہ اس کے محبوب کی پہلی آواز، پہلی تبلیغی کوشش بے نتیجہ ثابت ہو اور ایک بھی دعوت الی الحق کی تائید کرنے والا اس مجمع میں نظر نہ آئے، جس میں بحکم خدا صرف اہلِ خاندان جمع کیے گئے تھے، بنی ہاشم کے بوڑھے اور جوان سب ہی تھے، مگر علیؑ کے سوا کسی نے رسالت کی تصدیق کا شرف حاصل نہیں کیا۔ اسی مبارک ساعت میں رسولؐ کی زبان سے علیؑ کی خلافت کا اعلان بھی ہو گیا اور رسالت وخلافت نے متحد ہو کر اسلام کی تعمیر شروع کر دی۔ اس تحریک کے خلاف جس کی کامیابی میں بنی امیہ کو اپنے لیے سب سے زیادہ خطرات نظر آ رہے تھے، بہت کچھ ہوا۔ افہام تفہیم کی گئی۔ دولت، حکومت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا گیا۔ مختلف طریقوں سے ستایا گیا۔ میدان داریاں ہوئیں اور وہ وقت بھی آ گیا جب علیؑ کا نام بڑے بڑے بہادروں کے لیے لمحۂ فکر بن گیا۔

''علی'' میں نے ایسی دلکشی کسی لفظ، کسی نام میں نہیں دیکھی۔ اس نام کے حامل میں کتنے صفات الٰہیہ جمع ہوں گے۔ علی کا نام لیتے ہی کتنے ہی پاک وپاکیزہ پیامات ذہن میں آجاتے ہیں۔ کتنے شریفانہ اور شجاعانہ جذبات ابھرتے ہیں۔ میں نے بارہا غور کیا ہے کہ قرآن کو زیادہ سے مختصر کردو تو علی کا نام ہوجائے گا۔ مجھے مولانا جامیؔ کا یہ شعر بہت پسند ہے۔

علی نام کرد بہ ملک عرب　　بسوئے غریباں امیر آمدی

یہ امیر المومنین کہلانے سے پہلے بھی امیر تھے۔ امارت ان کے خاندان کا طرۂ امتیاز ہے، ابوطالبؑ جیسے باپ کے بیٹے تھے، جو بنی ہاشم جیسے قبیلہ کے سردار اور کعبہ کے متولی تھے۔ اس قبیلہ کے شریفانہ خصائل کا اسلام کی تعلیمات اور اس کی ترقی سے بڑا تعلق رہا ہے۔ تاریخ دیکھو اور غور کرو۔ ان سب کے نام بھی اچھے تھے اور کام بھی اچھے، علی کے لیے کام کا لفظ کیسے استعمال کیا جائے۔ کارنامے کہنا پڑے گا۔ مگر ابھی نام ہی کی خصوصیات ختم نہیں ہوئیں، پہلے ان سے فرصت ہوجائے تو کارنامے سامنے لائے جائیں۔ خود ہی سوچتا ہوں کہ ان چند اوراق میں علی کے متعلق کیا کہہ سکوں گا۔ خود ہی جواب دیتا ہوں کہ اگر ہزارہا اوراق بھی ہوں تو کیا علی کا تذکرہ ختم ہوسکتا ہے۔

نام تجویز کرنے والا خدا کا آخری پیغمبرؐ ہے۔ اگرچہ ابھی اعلان رسالت نہیں ہوا تھا۔ لیکن وہ تو جب سے پیغمبرؐ ہے جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ علی کے معنی ہیں ''بلند'' کتنا بلند، یہ میں کیا بتاؤں۔ علی خدا کا نام بھی ہے اور انسانوں میں یہ پہلے علی ہیں جو پیدا ہوتے ہی ہمنام خدا ہوگئے اور آگے چل کر لسان اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ ونفس اللہ بھی ہونا ہے۔

میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ رہا ہوں۔ میں تو اس وقت ایک مورخ ہوں، وہ لکھ رہا ہوں جو قرآن، حدیث اور تاریخ لکھوارہی ہے۔ حالانکہ ایک انگریز مورخ کارلائل اپنی تصنیف ''ہیرو اینڈ ہیروزورشپ'' میں اس براہ راست دل ودماغ پر قبضہ کرنے والے انسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''علی تو ایسا شخص ہے جس پر بے اختیار محبت آتی ہے۔'' (کارلائل)

ایک عیسائی مورخ اور جذبہ میں آگیا۔

''ایسی کوئی اور مثال تاریخی کتب میں ہو تو لاؤ۔''

شمس تبریزؒ جیسا صوفی کامل بارگاہِ علوی میں سرِ نیاز جھکا کر کیا کہہ رہا ہے، سنو!

ایں کفر نہ باشد سخن کفر نہ این است   تا ہست علیؑ باشد وتا بود علیؑ بود

یہ سہ حرفی مجموعہ کہوں، معجزہ کہوں، عطیہ رسولؐ سمجھوں، انعام الٰہی خیال کروں۔ ''علیؑ'' لکھنے میں حسین، بولنے میں سہل وخوشگوار، آسانی کے ساتھ زبانوں سے ادا ہونے والا اور حافظہ میں محفوظ رہنے والا۔

گرتا ہوا آدمی یاعلیؑ کہہ کر سنبھلتا ہے۔

سپاہی یہی نام لے کر تلوار اٹھاتا ہے۔

پہلوان اس نام کے بل پر اکھاڑے میں اترتے ہیں۔

خدا سے اس نام کا واسطہ دے کر دعا کی جاتی ہے اور دنیا سے اس نام کی سفارش کے ساتھ بھیک مانگی جاتی ہے۔

شہید، گھوڑے کی گردن پر انگلی سے یاعلیؑ لکھتا ہے۔

مبتدی خوشنویس ''یاعلیؑ خطِ ما جلی گرداں۔ بہ طفیل محمد عربی۔'' کی وصلی سے ابتدا کرتا ہے۔

بنوٹ کا ایک داؤں اسی نام سے موسوم ہوکر ''علی بند'' کہلاتا ہے۔ یہی وہ نام ہے جو میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی زبانوں پر اللہ اکبر کے پہلو بہ پہلو رہتا ہے۔

۱۹۱۴ء میں وطن سے محاذ جنگ پر جانے والے سپاہیوں کی زبان سے میں نے خود یاعلیؑ کا دل ہلا دینے والا نعرہ بارہا اپنے کانوں سے سنا ہے۔

علیؑ روز ولادت سے رسالتمآب کے آخری وقت تک جس طرح ساتھ رہے، اسی طرح چودہ سو برس سے نام بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ محمد علی اور علی محمد دونوں طرح رکھا جاتا ہے۔ ہر پہلو سے ہم نشیں ہے۔

لاکھوں مسلمانوں کے نام عبد العلی اور بندہ علی اب تک ہو چکے ہیں اور قیامت تک ہوجاتے رہیں گے۔ یہ غلامی اور بندگی وہ ہے جس کا اظہار مہد سے لحد تک بے تعداد انسان کرتے چلے جارہے ہیں۔ وہ زبانی ہو یا علیؑ اس سے بحث نہیں۔

آیئے اس دورِ حاضر میں اس نام کی کوئی خصوصیت دیکھیں۔ بڑے بڑے شہروں سے قطع

نظر کر کے پہلے مسلم کالج کا قیام ایک چھوٹے سے قصبہ میں ہوتا ہے جس کا نام اتفاق سے علی گڑھ ہے، یا بقول مولانا صبغۃ اللہ انصاری سوچ سمجھ کر سرسید مرحوم نے برکت حاصل کرنے کے لیے اس جگہ کو پسند کیا تھا۔

دوسری اسلامی یونیورسٹی ''حیدرؑ'' آباد میں قائم ہوئی۔ اس شہر کے نام میں باب مدینۃ العلم کا وہ نام شامل ہے جو علیؑ کے بعد سب سے زیادہ مشہور ہوا۔

ان دونوں یونیورسٹیوں کا اس مقدس نام سے جو تعلق ہے، میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچا تھا۔ ہندستان کے ایک جلیل القدر عالم اہلِ سنت مولانا صبغۃ اللہ صاحب انصاری فرنگی محلی لکھنوی حیدرآباد ہی میں تقریر کرتے ہوئے مجھے یہ مضمون گویا حوالے کر گئے ہیں۔ رسولؐ کی مشہور عالم حدیث ''انا مدینۃ العلم علی بابھا'' ایک عرصہ تک سندات پر مسلم یونیورسٹی حیدرآباد کا طرۂ امتیاز رہی۔

آغا خانی خوجوں کا سلام آپس میں یاعلیؑ اور یاعلیؑ مدد ہے۔

خیبر کے معرکہ میں رسالتمآب کو حکم ہوا کہ ''علیؑ کو پکارو۔''

''ناد علیاً مظھر العجائب'' اس دن سے ایک وظیفہ بن گیا۔

''علی علی علی'' اس دور کے ایک جواں سال شاعر عباس عابدی کے بقول:

''جدھر دیکھتا ہوں علیؑ ہی علیؑ ہے۔''

اگر نام ہی کے متعلق لکھتا رہا تو پورا رسالہ اسی میں ختم ہو جائے گا، اور مجھے بہت کچھ لکھنا ہے۔

ماں نے حیدرؑ نام رکھا تھا، جو ایک ہاشمی بزرگ اسد کی لختِ جگر تھیں۔ یہ نام ماں کی محبت کا تقاضہ تھا۔ اور بیٹے نے اپنے آپ کو اس شاندار نام کا اہل ثابت کر دیا...... میرے سلام کا ایک مصرع ہے۔

''نام حیدرؑ رکھ دیا ماں نے تو حیدرؑ ہو گئے۔''

القاب بھی اک قسم کا نام ہی ہوتے ہیں۔ اور ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ اک مشہور عالم اہلِ سنت مولوی عبید اللہ امرتسری نے اپنی تالیف ارجح المطالب میں ۲۷ القاب کی ایک فہرست مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ شامل کی ہے جس میں پہلا ''امیر المومنین'' اور آخری

''القرم'' ہے، جس کے معنی ''شیرنر'' کے ہیں۔ اس فہرست میں ''صدیق الاکبر'' ''فاروق اعظم'' اور ''سیف اللہ'' بھی ہیں۔

میرا مطالعہ محدود ہے، اس کے باوجود میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ کسی ولی، نبی یا شاہ وشہر یار کے اتنے القاب کسی ایسے شخص کی نظر سے بھی نہ گذرے ہوں گے، جس کا مطالعہ بہت وسیع ہو۔ ہر لقب کے ساتھ سرکار رسالت کا فرمان اور مشیتِ الٰہی کی سند وابستہ ہے۔

ولادت باسعادت

کعبۃ اللہ میں ہوئی، خدا کے گھر میں، بتوں کے قبضۂ ناجائز کے باوجود گھر تو اسی کا تھا۔ جس کے حکم سے ابراہیم واسمٰعیل اللہ جلیل القدر پیغمبروں نے بنایا تھا۔

کفار کے نزدیک بھی محترم۔ ان کے تین سو ساٹھ خدا وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے متبرک مقام کو، ایک پرستشگاہ کو، زچہ خانہ کی جگہ استعمال کیا جائے اور کوئی ہنگامہ نہ ہو، اک لمحۂ فکر ہے۔ یہ تو خون کی ندیاں بہہ جانے کی بات ہے سوائے۔ اس کے اور کیا کہا جائے کہ قدرت کے اشاروں پر یہ سب کچھ ہورہا تھا۔ ام موسیٰ کو وحی ہوسکتی ہے تو اس مولود کی مادرِ گرامی کے دل میں بھی ایسے نازک موقع پر کعبہ کی طرف جانے کا خیال پیدا کیا جاسکتا ہے، ورنہ کون عورت ہوگی جو اس حالم میں گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ بھی کرسکتی ہو۔

خاندان

پچھلی سطروں میں خاندان کے متعلق اشارتاً کچھ کہہ چکا ہوں۔قبیلہ بنی ہاشم پورے عرب میں اخلاق حسنہ، کعبہ کی تولیت، شرافت وانسانیت کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ ہر عہد کا سردار ایک خصوصی شان کا مالک تھا۔

کسی نے عربوں کو متحد کرنے کی کوشش میں نام پیدا کیا، کسی نے قحط کے زمانے میں روٹیاں شوربہ میں چور کر کھلائیں، کسی نے پوری قوم سے شراب ترک کرانے کی جدوجہد کی، یہ ہیں علیؑ کے اسلاف جس کے چچا زاد بھائی محمدؐ عربی تو تکملۂ اخلاق کے لیے ہی خاتم المرسلینؐ اور

محبوب ربؐ العالمین کے خطابات لے کر دنیا میں آئے۔ اور اس مشن کی تکمیل کی جس کی پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ نے ابتدا کی تھی۔

علیؑ کے دادا اور پر دادا عبد المطلب و ہاشم کے ثبوت عزت و شرافت میں یہ بات کیا کچھ کم ہے کہ رسالت مآب مرتضٰی ''سردار انبیاءؑ'' اور ''سید الوصیین'' جیسے اعزاز و مناصب رکھنے کے باوجود آج تک ہاشمی و مطلبی کہلاتے ہیں اور ہمیشہ کہلائیں گے۔

ہمارے عقیدے کے اعتبار سے ان بزرگواروں کے اسلاف آدمؑ سے ابراہیمؑ تک سب موحد تھے، اور ابراہیمؑ سے عبد المطلب تک ملت ابراہیمی پر قائم رہے۔ عبد المطلب علیؑ کے دادا وہ بزرگ ہیں کہ جب لڑکپن میں تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے ان کا تیر نشانہ پر بیٹھتا تھا تو ''انا سید البطحا'' کا نعرہ لگاتے تھے۔ لڑکپن میں اپنی سرداری و سیادت کا احساس کیوں نہ ہوتا، جب ان کے اخلاف میں محمدؐ اور علیؑ جیسے بلند مرتبہ انسان پیدا ہونے والے تھے۔ ہر نبی و وصی کو ایسی ہی پاک و پاکیزہ نسل سے ہونا چاہیے۔ اور ہمارے نبی تو رحمت اللعالمین تھے، ان کا وصی، نور میں بھی شریک تھا، نسب میں بھی شامل۔

ابوطالبؑ

یہ عبد المطلب کے وہ خوش قسمت فرزند تھے، جو خدا کی طرف سے اس کے آخری پیغامبر کی پرورش پر مامور کیے گئے تھے۔ جنہوں نے اپنے بچوں سے زیادہ اپنے بھتیجے اور ہونے والے رسولؐ سے محبت کی۔ شعب ابی طالبؑ میں خطرہ کے موقع پر اپنے بیٹوں کو رسالتمآب کی جگہ سلایا اور اسلام کی حمایت میں تین سال پہاڑ کی کھوہ میں محصور رہے ہیں۔ علیؑ رسولؐ کی جگہ خطرہ کے وقت سلائے جا رہے تھے، گویا شب ہجرت کے لیے جاں نثاری کی تعلیم دی جا رہی تھی، تاریخ کے اوراق حفاظت رسولؐ کا یہ جذبہ دیکھ کر احساس ہوتا ہے، جیسے ابوطالبؑ یہ جانتے تھے کہ محمدؐ ان کے پاس خدا کی اک امانت ہیں اور کسی بہت بڑے کام کی تکمیل کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔

یہ ہیں علیؑ کے پدر بزرگوار، ابوطالبؑ، اگر یہ کلمہ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے نہ سدھارتے، اس صورت میں بھی، ان کی نجات پر بحث کرنے کا کسی کو حق حاصل نہ ہوتا۔

خدا کا شیر گہوارہ میں

مقام ولادت، خاندان، نام کی خصوصیات اور کثرت القاب کی طرح، اس زمانہ کے حالات و کیفیات بھی عام بچوں سے بہت مختلف ہیں۔ تفصیل کی اس مختصر تالیف میں گنجائش نہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے رسالوں میں ایک ایسی کتاب تیار کر رہا ہوں جسے پھول کی طرح ہلکا، اور عہد شباب کی طرح مختصر دیکھ کر ہر شخص مطالعہ کے قصد سے اٹھا لے اور اس عظیم ترین انسان کے اخلاق و سیرت طاہرہ سے کچھ استفادہ کر سکے۔

بعض کتابوں سے خبر ملتی ہے کہ ننھے ننھے ہاتھوں کی انگلیاں ایسی قوت دار تھیں کہ لوگوں کے چہروں پر خراشیں ڈال دیتی تھیں۔ بقول صاحب ''الکرار'' حضرت کی مادر محترم نے اپنے بھتیجے سے کہا ''محمدؐ اس بچہ کے پاس نہ جانا۔ وہ منھ نوچ لیتا ہے۔'' جواب میں فرمایا۔ ''نہیں چچی، میرے ساتھ ایسا نہیں کرے گا۔ اس جواب کو مستقبل کے حالات و معاملات سے کتنا بڑا تعلق ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ بچہ کو ایک کپڑے میں جو قماط کہلاتا تھا، اس طرح لپیٹ دیا کرتے تھے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بے قابو ہو جاتے تھے۔ جھولے سے ہمک کر گرنے کا خوف نہیں رہتا تھا اور ماں اطمینان سے اپنا کام کاج کرتی رہتی تھی، علی کے ساتھ بھی یہی عمل کیا گیا۔ مگر مشکل کشا ہونے والا بچہ یہ قید و بند کیسے گوارا کرتا، جب کپڑے کا قماط سلامت نہ رہ سکا تو چمڑے کا قماط استعمال کیا گیا۔ مگر وہ بھی کمزور ثابت ہوا۔

ایک بڑے سانپ کے جھولے تک پہنچنے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جانے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ اگر چہ مجھے اپنے ممدوح کی سیرت کے دوسرے ہی پہلو نمایاں کرنے ہیں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جوانی میں جس بہادر کو در خیبر اکھاڑنا تھا، اس کے بچپن سے ایسے امور کا ظہور میں آنا، عین قانون قدرت کے مطابق ہے۔

پانچواں سال

مولود کعبہ کا سن پانچ سال کا تھا، کہ مکہ میں قحط پڑا۔ ابوطالبؑ کثیر العیال تھے، رسالتماب

کی تجویز کے مطابق عباس ابن عبدالمطلب نے جعفر کی پرورش اپنے ذمہ لی اور علیؑ جس کے نور کا حصہ تھے، اس کے ساتھ ہو گئے۔

خدا کا آخری پیغمبرؐ اعلان رسالت کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے ایک شریک کار کی ضرورت تھی، وہ اپنے آپ کو بھی پہچانتا تھا اور علیؑ کو بھی۔ اس نے اس ہونہار نوجوان کا انتخاب کیا، جو وقت آنے پر ساری دنیا کے خلاف اس کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا تھا۔

توریث، ماحول، تعلیم وتربیت

ہمارے مذہبی نقطۂ نظر سے رسولؐ کی طرح وصی رسولؐ اور امام مبینؑ کی ذات بھی توریث، ماحول، تعلیم وتربیت سے بے نیاز ہوتی ہے۔ اس کا علم تکوینی ہوتا ہے اور اس کا کردار بے داغ رہتا ہے، لیکن جس نقطۂ نظر سے ہم یہ کتاب لکھ رہے ہیں، اس کے مطابق گفتگو کرنی ہے۔

انسان کا کردار بنانے میں یہ چار چیزیں ہی معاون ہوتی ہیں، یہ فطرت کا انتظام ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

امیر المومنینؑ کے تذکرہ میں توریث کے اعتبار سے ہاشم، عبدالمطلب اور ابوطالب اپنی شرافت اور نجابت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔

ماحول زیادہ تر بنی ہاشم ہی کا ہو سکتا ہے، علیؑ جس کے ممتاز افراد میں سے ایک تھے۔ سب سے زیادہ اثر پذیر بات یہ ہوئی کہ پانچ برس کی عمر سے اس گھر میں آ گئے جہاں وحی نازل ہونے والی تھی اور آسمانی برکتیں دنیا والوں کو تقسیم ہونی تھیں۔

پانچ برس کی عمر سے رسول کی نقل وحرکت، رفتار و گفتار، نشست و برخواست کا مشاہدہ، چہرہ کے آثار کا مطالعہ، غور و فکر کے لمحات پر نظر، تبادلۂ خیالات کے مواقع کون سی چیز کی کمی تھی۔

بچپنے کا پاک و پاکیزہ نفس، بزرگوں کی بہترین صفات کا ورثہ، ہمہ وقت رسالتمآب کا ساتھ، پوری پوری تصویر بن گئے۔ خدا کے اس محبوب پیغمبرؐ کے بعد اگر گنجائش ہوتی تو علیؑ کے سوا کس کا انتخاب ہو سکتا تھا۔ نبیؐ خاتم المرسلینؐ تھے تو قدرت نے ان کو امام اولیں بنا دیا۔ خدمت وہی تھی، میر کا ایک شعر ہے۔

علیؑ ہوں یا نبیؐ، ہے ایک ہی منصب ہدایت کا
امامت کے لقب سے نام بدلا ہے رسالت کا

لڑکپن کا زمانہ

لڑکپن کا زمانہ چاہتا ہے کھیل کود، شوروغل، دوستوں کے ساتھ سیروشکار، مخالفوں سے چھیڑ چھاڑ، یہ سب فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کا رد کر دینے والا غیر معمولی انسان ہوسکتا ہے۔

علیؑ کے متعلق کوئی اس قسم کی اطلاع نہیں ہے۔ یہ کھیل کے تصورات اور تضیع اوقات کے بجائے اپنی فکرونظر سے اس عظیم مفکر کے غوروفکر کی خاموش تائید کررہے تھے، جو انسان کے افکار وافعال کا جائزہ لے رہا تھا اور ان کی گمراہیوں کو دور کرنے کا کوئی حل تلاش کر رہا تھا۔

تحصیلِ علوم وفنون

اس مسئلہ میں تمام تاریخیں خاموش ہیں۔ کوئی مورخ یہ نہیں لکھتا کہ علیؑ نے کسی سے پڑھنا لکھنا سیکھا شمشیر زنی وتیراندازی کی تعلیم حاصل کی، نہ عرب میں کوئی ایسا جید عالم اس وقت دکھائی دیتا ہے، جو اسے تعلیم دے سکے، جس کے خطبات میں، الٰہیات، فلسفہ، منطق، ریاضی، ہیئت، ہندسہ، شعروادب، تہذیب نفس اور تدبیر منزل کہاں تک شمار کیا جائے، ہو۔ زمانے بھر کے علوم وفنون کے اشارے موجود ہیں۔ ہزاروں تشنگاں علم جن سے سیراب ہورہے ہیں اور انہیں بنیادوں پر عمارتیں کھڑی کررہے ہیں۔ اس دور جہالت میں پڑھنے لکھنے کے اسباب کا فقدان تھا، نہ کتابیں نہ کاغذ، قرآن مجید خدا کے آخری پیغمبرؐ کا لایا ہوا آخری دستور درختوں کی چھالوں اور جانوروں کی کھالوں پر لکھ کر محفوظ کیا جارہا تھا۔

زیربحث زمانہ کے اہل علم کی جستجو کیجئے تو مکہ میں ایک ورقہ ابن نوفل کا پتہ چلتا ہے کہ یہ تھوڑا بہت علم رکھتے تھے۔ شام میں ایک عیسائی راہب کی خبر ملتی ہے اور حجاز میں کچھ یہودی تھے۔ تیغ زنی، تیراندازی، نیزہ بازی اس وقت عرب کا جوہر تھے، ادبی اعتبار سے کچھ شاعر تھے جو مختلف مواقع پر اپنی فصاحت وبلاغت کے ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے، علوم وفنون کا کہیں پتہ نہ تھا،

اعلانِ رسالت کے بعد عربوں کی توجہ اس طرف ہوئی، قرآن، حدیث اور امیر المومنینؑ کے خطبات نے علوم وفنون کے دروازے کھول دیئے۔ اب یہ سوچتے رہئے کہ علیؑ نے کس سے علم حاصل کیا آپ اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتے جب تک علیؑ کے علم کو تکوینی اور وہبی تصور نہ کریں۔

پانچویں برس سے گیارہویں برس تک

صرف اس حالت کا تصور کیا جا سکتا ہے جب علیؑ رسالتمآب کے ساتھ علم و معرفت کی وہ منزلیں طے کر رہے تھے جن کے لیے نہ کتاب کی ضرورت ہے، نہ قلم کی۔ ایک رابطہ تھا، اک شے مشترک تھی جو دو پاک وپاکیزہ نفوس کو وقت آنے پر ساری دنیا کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی، ورنہ تاریخ نے ہمیں اس زمانہ کے متعلق کوئی مواد نہیں دیا ہے۔

علیؑ کی عمر کا گیارہواں برس بعثت رسولؐ کا مبارک سال ہے، خدا کے آخری پیغام اور اعلانِ ختم رسالت کی شان کے لیے کسی طرح یہ مناسب نہ تھا کہ جب اس کا محبوب پیغمبرؐ ایک بڑے مجمع میں اپنے منصب کا اظہار کرے، تو ایک آدمی بھی تصدیق کرنے والا نہ ہو۔

ایسے امر اہم کے لیے قدرت کی طرف سے اس گیارہ برس کے نوعمر کا انتخاب کیا گیا۔ علیؑ کے ہوش سنبھالتے ہی جبرئیل خدا کا پیغام لے کر آئے اور خدا کے رسولؐ نے انفرادی طور پر تبلیغ شروع کر دی۔

پہلا روئے سخن

علیؑ ہر وقت کے ساتھی اور عزیز قریب ہونے کے علاوہ، نصائل و خیالات میں بھی شریک تھے۔ قدرتاً پہلے روئے سخن انہیں کی طرف ہوا اور علیؑ نے دعوت اسلام اس طرح قبول کر لی جیسے ان سے براہِ راست ارشادِ خداوندی ہوا ہے۔

علیؑ نے دعوتِ اسلام قبول کر لی کے الفاظ بھی مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم مفکر نے رسولؐ کے دعوے کی تصدیق کی اور توحید کی شہادت دی، جس نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا، وہ پہلے ہی سے سلامتی کے راستہ پر تھا اور سب

سے پہلے مخاطبت کا مستحق تھا۔

کرم اللہ وجہ

صدیوں سے عرب کی اکثریت بت پرستی میں مبتلا تھی۔ خانہ خدا میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک مخصوص بت تھا۔ ایسی قوم اور ایسے ماحول میں اس گندگی سے محفوظ رہنے کے لیے بڑی قوت ارادی و امتیازی کی ضرورت ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ مکہ کی اتنی بڑی آبادی میں کسی نے حضرت علیؑ سے یا رسالت مآب سے یہ سوال بھی نہیں کیا کہ ہم نے کبھی تمہیں لات وہبل کو خراج عقیدت پیش کرتے نہیں دیکھا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ کیا تم اپنی قوم کے دین پر نہیں ہو۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی قوم کے نوجوان عبادت سے بی پرواہ ہوتے ہیں، غفلت کرتے ہیں، اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے خلاف آواز بلند ہوتی ہے، مگر ان کے لیے ایسا نہیں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ قدرت سَر دیکھ کے سرداری دیتی ہے، ایک کو نبی ہونا تھا، ایک کو وصی اور ولی۔

جبھی تو اس بلند پیشانی والے کے لیے کرم اللہ وجہ کا خطاب تجویز ہوا اور حضرات اہل سنت نام کے ساتھ کرم اللہ وجہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

نماز کی ابتداء

اسی یادگار تاریخی واقعہ سے اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں، انتھک کوششوں اور لازوال قربانیوں کا زمانہ شروع ہوتا ہے، جن میں ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے اس بہادر نوجوان علیؑ کا حصہ سب سے زیادہ نظر آئے گا، جس کے پہلے شجاعانہ اقدام کی تصویر اس عنوان کے سلسلہ میں ہم پیش کر رہے ہیں۔

رسالتمآب نے الٰہی فرمان کی تعمیل میں اپنے تمام عزیز و اقارب کو جمع کر کے جو کم سے کم چالیس اور زیادہ سے زیادہ اسّی آدمی تھے، اپنے منصب رسالت کا اعلان کرتے ہوئے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور یہ کہہ کر خصوصی تعاون کی خواہش ظاہر فرمائی کہ جو شخص اس جدوجہد

میں میرا ساتھ دے گا، وہ میرا وصی وزیر اور خلیفہ ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس غیر متوقع انوکھی فرمائش پر مجمع میں اک سناٹا چھا گیا اور محمدؐ عربی کے صادق اور امین ہونے کا اقرار کرنے والے حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ہم یورپین مورخین کے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔

''مسٹر گبن'' لکھتے ہیں، ایک نوجوان، اس حیرت، شک وشبہ اور حقارت آمیز خاموشی کو برداشت نہ کرسکا۔

''کارلائل'' کے الفاظ میں کہ اس شک وشبہہ اور خاموشی کے عالم میں علیؑ جو اس وقت سولہ برس کا لڑکا تھا، بے چین ہوکر کھڑا ہوگیا اور سخت پُر جوش الفاظ میں کہا کہ..... ''ہم مدد کریں گے۔''

''ڈیون پورٹ کا کہنا ہے کہ مجمع حیرت سے گونگا ہوگیا۔ کسی نے جرأت نہ کی۔ نوجوان اور بہادر علیؑ (محمدؐ کے ابن عم) یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے ''یا رسول اللہؐ میں مدد کروں گا۔''

رسالتمآب نے مجمع سے مخاطب ہوکر کہا۔ میرے وزیر اور میرے وصی کو دیکھو، بعض تاریخوں میں خلیفہ کا لفظ بھی ہے۔

پندرہ سولہ برس کے نوجوان کی یہ قوت فیصلہ کچھ کم حیرت میں ڈالنے والی نہیں ہے۔ اپنے باپ، چچا اور دوسرے رشتہ داروں کی خاموشی کے باوجود پورے بنی ہاشم اور ساری دنیا کے مقابلہ میں اک تنہا انسان کی حمایت پر آمادگی اور کھلم کھلا اعانت کا اقرار ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

تصور میں یہ منظر لائیے علیؑ کے تیور دیکھئے اور تاریخ عالم میں اس کی مثال ڈھونڈیئے۔ اس ایک انداز میں کتنے شریفانہ جذبے کارفرما ہیں، بیان کرنے سے زیادہ سوچنے کی چیز ہے، اک ضدی، جاہل اور اکھڑ قوم کے افراد جو باپ دادا کے مذہب، تمدن، معاشرت اور پابندئ وضع کی حفاظت میں جان دے دینا ایک ادنیٰ سی قربانی سمجھتے تھے، جنہیں اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے میں کوئی تامل نہ ہوتا تھا، ان کے دلوں میں صدیوں سے بیٹھے ہوئے بتوں کو نکال باہر کرنا اور ایک نادیدہ خدائے واحد کے لیے جگہ پیدا کرنا یہ کام تھا جس کے لیے رسولؐ نے آواز دی اور علیؑ ہنسنے کھیلنے کے سن میں ایک سنجیدہ اور اپنے ارادہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے انسان کی طرح ساتھ ہو گئے۔

یہ انسانی شرافت وشجاعت کا وہ معجزہ ہے، تیرہ سو برس پہلے جس کا ظہور اک پندرہ سولہ برس کے نوجوان کی ذات سے ہوا اور جس کی نظیر آج تک تاریخ میں نظر نہیں آئی۔

علیؑ کی پہلی مہم

اب تبلیغ عام کردی گئی۔ رسالتمآبؐ جہاں کچھ آدمیوں کا مجمع دیکھتے تھے، دعوت اسلام دینا شروع کردیتے تھے۔ اس کے لیے عکاظ کے میلے میں بھی جانا پڑا، قریش ابوطالبؑ کے خوف اور لحاظ سے خود تو ہمت نہیں کرسکتے تھے لڑکوں کو سکھا دیا تھا کہ تقریر میں خلل ڈالا کرو۔ لڑکے مٹی اور پتھر پھینکتے تھے اور اکثر رسالتمآب زخمی ہوکر گھر واپس آتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ لڑکوں سے مواخذہ کا سوال کیا ہوسکتا ہے، لڑکے ہیں کہہ کر بات رفت وگزشت کی جاسکتی ہے۔

اس طوفان بدتمیزی کو روکنے کے لیے انہیں لڑکوں کے ہم سنوں کی ضرورت تھی مگر دو چار، دس پانچ لڑکے آتے کہاں سے۔ یہ سلسلہ اس طرح ختم ہوا کہ جس نے محمدؐ عربی کو رسولؐ بنا کر ہدایت کے لیے مامور کیا تھا، اسی نے ہر حیثیت سے اور ہر زمانہ میں اپنے رسولؐ کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا تھا۔ یہ اس اشجع عالم کی پہلی مہم تھی جس کا سلسلہ بدرؔ واحدؔ، خندق وخیبر کی میدان داریوں سے ملنے والا تھا۔ دست وبازو میں خدائی قوت لکھنے والے علیؑ نے جسے ''کارلائل'' نے سولہ برس کا لڑکا کہہ کر یاد کیا ہے، مخالف لڑکوں کو اٹھا اٹھا کر پٹکنا شروع کردیا اور لڑکے قصمنا علیؑ کہہ کر بھاگنے لگے۔ علیؑ کے القاب کی فہرست میں ''قضم'' کا ایک اور اضافہ ہوگیا۔

کسی میدانِ جنگ میں جب ایک قریشی، حضرت کے مقابل آیا ہے تو غالباً صورت دیکھتے ہی غیر اختیاری طور پر چلا اٹھا۔ پہچانا میں نے تجھ کو اے ''قضم'' یہ لڑکپن کے میدان جنگ کی داد تھی جس کا لطف اس بہادر انسان کے عقیدتمندوں کا دل اٹھائے گا۔ میرا خیال ہے کہ غیرت مانع نہ ہوتی تو وہ قریشی بغیر لڑے بھڑے واپس ہوکر اپنی جان بچا لے جاتا۔

شعب ابی طالبؑ

اب کفار قریش نے وہ طریقے اختیار کیے جن سے حضرت ابوطالبؑ کو اپنے بھتیجے کی جان کا

اندیشہ پیدا ہوگیا، اور وہ رسالتمآبؐ اور اپنے بی بی بچوں بلکہ پورے خاندان کو ساتھ لے کر آبادی سے علاحدہ اک پہاڑ کی گھاٹی میں چلے گئے جو ابو طالبؑ کی ملک اور شعب ابی طالبؑ کے نام سے موسوم تھی۔

قریش ترکِ موالات کی مہم شروع کر چکے تھے۔ سامان خورد و نوش پہلے ہی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ اب اور دشواریوں میں اضافہ ہوگیا۔

پانی، اناج اور دوسری ضروری چیزیں حاصل کرنے کے لیے ابو طالبؑ کے کوئی صاحبزادے اور زیادہ تر حضرت علیؑ شعب ابی طالب سے نکل کر شہر سے دور مضافات و دیہات میں جاتے اور اس مہم کو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر انجام دیتے تھے۔

رسالتمآبؐ کے لیے اس محفوظ مقام میں بھی خطرہ تھا۔ ابو طالب بھتیجے کی طرف سے یہاں بھی مطمئن نہیں تھے، بار ہا ایسا ہوتا تھا کہ شب کو رسول اللہؐ کے آرام کرنے کی جگہ بدل دی جاتی تھی۔ سوتے سوتے اٹھا کر ان کو علیؑ کی جگہ اور علیؑ کو ان کی جگہ سلا دیا جاتا تھا۔ کیا یہ کہنا بیجا ہوگا کہ یہ شب ہجرت کے لیے تیاری کی تمہید تھی اور باپ، بیٹے کو اس قربانی کے لیے تیار کر رہا تھا، جس میں مشیت الٰہی سے علیؑ کی زندگی محفوظ رہی ورنہ قربانی دی جا چکی تھی اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی طرح باپ بیٹے دونوں تاریخ اسلام میں نمایاں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ یہ تھا علیؑ کا لڑکپن جس کی مثال اگر ڈھونڈی جائے تو اسی گھرانے میں ملے گی۔

رہائی

دو برس بعد خود قریش ہی، بچوں کی شدید تکلیف و اضطراب کی کیفیات سن کر بنی ہاشم کو اس قید سے باہر نکال لائے اور ابو طالبؑ کی حیات تک تشدد میں کمی کر دی۔

ہجرت حبشہ

اس ہجرت سے ہماری کتاب کو زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اتنا ضرور کہنا ہے کہ مسلمانوں کو کفار قریش کے تشدد سے بچانے کے لیے رسالتمآبؐ نے مشورہ دیا کہ حبش چلے جاؤ جہاں کا بادشاہ

عیسائی ہے، وہ تمہیں پناہ دے گا۔

اس قافلہ میں کم وبیش سو آدمی تھے۔ جن کے قائد حضرت علیؑ کے بھائی جعفر ابن ابی طالب تھے اور ان کی قیادت بہت کامیاب رہی۔

شب ہجرت

یہ تاریخ اسلام کا بڑا اہم واقعہ ہے جس پر اسلام اور بانی اسلام کی زندگی کا دارومدار تھا، ایک عظیم قربانی کی ضرورت تھی۔ چالیس تلواروں کے سایہ میں سونے کے لیے قدرت کو ایک جوان مرد کا انتخاب کرنا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عرب کی سرزمین پر انتقام کو ایسی خصوصیت حاصل تھی کہ وہ زندگی کا مقدس ترین فرض بلکہ حاصل زندگی سمجھا جاتا اور انتقام کے سلسلہ میں قبائل ایک دوسرے سے صدیوں برسرِ پیکار رہتے تھے۔

ابوطالبؑ دنیا سے رخصت ہوگئے تھے قریش کو اب کسی کا پاس ولحاظ نہیں تھا، انہوں نے رسالتمآبؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور انتقام کے سوال کو اس طریقہ سے حل کیا گیا کہ عرب کے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی کا انتخاب ہوا اور چالیس آدمیوں کے اس گروہ نے یہ طے کیا کہ سب مل کر بیک وقت وار کریں۔ ایسی صورت میں بنی ہاشم انتقام کے لیے کس کس قبیلہ سے لڑیں گے۔

رات کی تاریکی میں جب مکان کا محاصرہ کیا گیا ہے، اس سے پیشتر ہی پروردگار عالم نے اپنے رسولؐ کو اس خوفناک سازش سے مطلع کر دیا تھا۔

آنحضرت نے علیؑ سے فرمایا تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ۔ علیؑ نے یہ سن کر صرف ایک سوال کیا ہے۔ کیا میرے اس عمل سے آپ کی جان بچ جائے گی۔ اور اثبات میں جواب سن کے باطمینانِ تمام، رسولؐ کی چادر اوڑھ کر رسولؐ کے بستر پر سو گئے اور رسالتمآبؐ مشرکین مکہ کے ہجوم سے نکل کر مدینہ کے راستہ پر گامزن ہوگئے۔

''سو گئے'' کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا ''سو جاؤ''

اور علیؑ کے لیے تعمیل ضروری تھی اور خود یہ سونے والا کہہ رہا ہے کہ ''ایسی گہری نیند میں کبھی نہیں سویا تھا۔''

یہاں عقل انسانی حیرت میں آجاتی ہے۔ ایک بہادر آدمی اگر دشمنوں میں گھر جائے تو دوچار کو مار کر مرنا چاہتا ہے اور تھوڑی بہت دل کی حسرت نکال لیتا ہے۔ یہ فطرت کا ایک قانون ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

شب ہجرت علیؑ کا عمل اس سے بالکل مختلف ہے وہ چالیس تلواروں کی زد میں حکم خدا و رسولؐ کے مطابق چادر اوڑھ کر لیٹے اور سوگئے۔ کس بیکسی کی موت ہوتی اگر خدا کو کچھ اور منظور نہ ہوتا۔

میں اس مسئلہ پر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ایسا ہی نفس ہوگا جس کو خداوند عالم اپنا نفس کہہ کر اس قربانی کی پوری پوری قیمت ادا کر رہا ہے۔ قرآن میرے قول کا شاہد ہے۔ میں نے اسی لیے اس کتاب کا نام نفس اللہ تجویز کیا ہے۔ کوئی میدان جنگ اس عدم تشدد کی جنگ سے بہتر نظر نہیں آیا جس نے علیؑ کو نفس اللہ کا خطاب دلوادیا۔ کفارِ قریش صبح تک گھر کو گھیرے رہے، صبح کا انتظار اس لیے ضروری تھا کہ عرب کے اصول اخلاق کے لحاظ سے رات کے وقت کسی کے گھر میں بہ سلسلۂ مخالفت داخل ہونا، اہانت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور ابولہب نے جو رسولؐ کا چچا، اسلام کا سخت ترین مخالف اور ان کے دشمنوں میں شامل تھا، وہ ابولہب جس کو قیامت تک برائی سے یاد کرنے کا انتظام خداوند عالم نے قرآن کے ذریعہ سے کردیا ہے۔ اس تبت یدا ابی لھب والے ابولہب نے یہ گوارا نہ کیا کہ رات کو اس کے بھتیجے کے گھر میں گھس کر بنی ہاشم کے معزز ترین گھرانے کی توہین کی جائے۔

صبح شب ہجرت

بڑی معرکہ کی صبح تھی جب علیؑ نے چادر منھ سے ہٹائی ہے تو محاصرہ کرنے والوں نے بڑی حیرت کے ساتھ رسولؐ کے بجائے علیؑ کو اپنی طرف دیکھتے پایا، بڑا نازک وقت تھا اور بہت ممکن تھا کہ مخالفین اپنی ناکامی پر غضبناک ہوکر علیؑ پر حملہ کردیتے۔ مگر کوئی ایسا لفظ کسی کے بیان میں آج

تک نظر نہیں آیا جو علیؑ کے چہرے پر خوف و ہراس کا پتہ دے رہا ہو۔

مخالفین علیؑ سے سوال کرتے ہیں ''محمدؐ کہاں ہیں۔'' وقت اور موقع ایسا تھا کہ جواب ذرا نرم لفظوں میں دیا جاتا، کچھ بات بنائی جاتی، مگر علیؑ سے یہ کہاں ممکن تھا، جواب میں فرمایا، ''کیا تم میرے سپرد کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھتے ہو۔'' اصول عام کے لحاظ سے اس جواب سے پیشتر بہت کچھ سوچنے کی ضرورت تھی، مگر بہادر خاندان کا یہ بہادر نوجوان اس کی پروانہیں کرتا کہ اس تلخ جواب کے کیا نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، ممکن تھا کہ ناکامی کے غیظ وغضب میں وہ چالیس تلواریں علیؑ پر برس پڑتیں، پھر نتیجہ ظاہر تھا۔

یہ ہے وہ ہاشمی جوان جو بانی اسلام کے ساتھ بغیر کسی امید منفعت کے اپنے تعاون سے اسلام کی وہ تاریخ جاں نثاری مرتب کر رہا ہے جو احساس فخر کے ساتھ مثالی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کی جائے گی۔

خدا سے معاملت

اس عمل سے علیؑ نے خدا کے ساتھ ایک یادگار معاملہ کیا، اور اپنے نفس کے بدلے میں اس کی مرضی خرید لی۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں رسول کہہ رہے ہیں، قرآن کہہ رہا ہے۔

خدا کی مرضی خرید لی اب علیؑ کی مرضی کے حدود اور اس کی وسعت کا اندازہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، اگر کوئی اندازہ ممکن ہے۔

انجم آفندی

چور ماموں

لیڈیز اینڈ جنٹلمین ......راشد نے کھانسنے کھنکارنے کے بعد ایک مقرر کی شان سے کہا۔

اویس: (اپنی جگہ کھڑے ہوکر) تقریر کرنے والے صاحب کو اردو میں تقریر کرنی چاہیے۔ یہاں سب ہندوستانی ہیں کوئی انگریز نہیں ہے۔

راشد: اخاہ۔ اب آپ میرے اوپر بھی اعتراض چھانٹنے لگے۔ میں آپ کا بڑا بھائی ہوں۔ دو برس بڑا۔ میں ضمیر نہیں ہوں۔

اویس: آپ کھیل میں ہمیشہ جھگڑا نکالتے ہیں۔ پھر کھیلتے کیوں ہیں۔ کھیل میں بڑا چھوٹا کیا، سب برابر ہیں۔

راشد: کیا آج میری سالگرہ کے دن بھی آپ مجھ سے لڑنا چاہتے ہیں۔

اویس: میں تو نہیں لڑتا۔ آپ ہی لڑنا چاہتے ہیں اپنے مہمانوں سے۔

راشد: مہمانوں سے؟ آپ مہمان ہیں کرن بہادر اور سروجنی کی طرح۔

اویس: ارے بھئی آپ یہ کھیل کھیل رہے ہیں یا نہیں، پہلے یہ بتایئے۔

راشد: (تھوڑے سے تامل کے بعد) اچھا آپ کا مطلب کیا ہے۔

اویس: کچھ نہیں بھائی جان ایسے جلسوں میں ایسی باتیں ہوا کرتی ہیں اس لیے میں نے بھی کہہ دیا۔

راشد: مگر آپ نے غلط کہا۔

اویس: کیا غلط کہا۔

راشد: آپ نے کہا ''تقریر کرنے والے صاحب'' آپ کو کہنا چاہیے تھا ''فاضل مقرر۔'' جی میں

یہ لفظ اپنے کانوں سے سن چکا ہوں۔ دو دفعہ چچا جان کے ساتھ کانگریس کے جلسہ میں گیا تھا۔

اویسؔ: خیر۔ یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔

راشدؔ: اچھا اب میں اپنی تقریر شروع کرتا ہوں۔

اویسؔ: ٹھہریئے جناب آپ نے اس جلسہ کا کوئی صدر تو بنایا ہی نہیں۔ صدر بھی تو ہوتا ہے جلسہ کا۔

راشدؔ: دیکھو اویس تم ایسی ہی باتیں کرتے رہو گے اور جھگڑے نکالو گے تو جلسہ صبح تک بھی شروع نہیں ہوسکتا۔

کرنؔ بہادر: صدر تو ہونا چاہیے کوئی۔ جیجاجی کہتے تھے، بغیر صدر کے جلسہ نہیں ہوتا۔

پھر صدر کون ہوگا؟ آپ کی رائے ہو تو اویس کو بنادیا جائے۔ راشد نے طنز کے لہجہ میں کہا۔

کرنؔ: یہ میں نہیں جانتا۔

صدر النساء: (آٹھ سال کی بچی) ہم صدل (صدر) ہیں۔

راشدؔ: تم چپکی بیٹھو۔ توتلی کہیں کی۔

اویسؔ: میں نے ایک صدر تجویز کیا ہے۔

صدرؔ النساء: ہم صدل (صدر) ہیں۔

راشدؔ: پھر بولی تُو۔

اویسؔ: اس کا نام بدلنا پڑے گا۔

راشدؔ: دیکھو اویس میں تقریر کرلوں۔ اویس کے بعد تم جلسہ کے سامنے صدر کا نام پیش کرنا اسی جگہ کھڑے ہو کر۔ یہی قاعدہ ہے۔ پہلے میں شکریہ کی تقریر کروں گا۔

اویسؔ: اچھا آپ تقریر شروع کیجئے۔

راشدؔ: جناب ......نہیں ......صاحبان ......اور

''دیویوں'' کرن نے مشورہ دیا۔

راشدؔ: وہ ......دیکھئے ......ہاں ......خاتونوں ......

صدر النساءؔ: آپا تمہالا (تمہارا) نام۔

راشد: ''یہ خاموش نہیں رہے گی۔ اسے جلسہ سے نکال دو۔''

اویس: نہیں بھئی، نکالو نہیں۔ آدمیوں کی ویسے ہی کمی ہے۔

(صدرالنساء سے) خاموش بیٹھو۔ صدر بولتے نہیں ہیں۔

صدرالنساء: چھپ (سب) بول لئے (رہے) ہیں۔

اویس: چھوٹے بچے نہیں بولتے۔ اب اگر بولوگی تو بھائی صاحب نکال دیں گے۔

راشد: ......میری سالگرہ کے موقع پر جو آپ حضرات دور دراز سے تشریف لائے ہیں، میں آپ کی اس محبت کا تہ دل سے شکرگزار ہوں ......

صدرالنساء: سلوجنی (سروجنی) کا گھل (گھر) دول (دور) ہے؟

راشد: بڑی بے تمیز لڑکی ہے۔ وہ کسی کا کہنا سنتی ہی نہیں۔

سروجنی: بولنے دیجئے جلسوں میں گڑبڑ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔

راشد: آپ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سالگرہ اچھی چیز ہے۔ ابا جان کہتے تھے سب ملکوں میں اس کا رواج ہے ......سالگرہ کے کئی فائدے ہیں۔ دعوت ہوتی ہے۔ کھیل کود ہوتا ہے ......اور عمر معلوم ہوتی ہے۔ سالگرہ کے دن ہمیں یہ حساب لگانا چاہیے کہ ہم نے اس ایک سال میں کیا کیا کام کیے ہیں۔ کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ کون کون سی نئی باتیں سیکھی ہیں۔ تین سو پینسٹھ دن میں ایک دن بھی ہم نے کسی انسان کی کچھ مدد کی۔ ہم سے کسی کو کچھ فائدہ پہنچا۔ ہمارے ہاتھ سے کسی کا نقصان تو نہیں ہوا۔ کسی کو ہماری غلطی یا ہٹ دھرمی سے تکلیف تو نہیں پہنچی۔

یہ سب کچھ سوچنے کے بعد نئے سال کے لیے پروگرام بنانا چاہیے، تاکہ آنے والا سال جانے والے سال سے زیادہ کامیاب رہے۔ عیسوی سال یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اسلامی سال پہلی محرم سے۔ ایران اور حیدرآباد دکن میں سال یکم آذر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سنہ فصلی کہلاتا ہے اور آفتاب کی گردش کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔ یہ قومی اور ملکی سنہ وسال ہیں۔ لیکن علاحدہ علاحدہ ہر آدمی کا سال سالگرہ کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ بڑے آدمیوں کی سب کی سالگرہ ہوتی ہے۔ بادشاہوں کی، امیروں کی۔ قوم کے

بڑے آدمی گاندھی جی اور محمد علی جناح بھی اپنی سالگرہ کرتے تھے۔ اس دن دور دور سے ان کے نام، مبارک باد کے تار آتے تھے۔ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے جن کی سالگرہ نہیں ہوتی"......

صدر النساء: میلی (میری) تو ہوتی ہے۔

راشد: (صدر النساء کی طرف غصہ سے دیکھتے ہوئے) میں چاہتا ہوں کریم کی بھی سالگرہ ہوا کرے (کریم اس گھر کا پروردہ ایک لاوارث بچہ تھا)۔

صدر النساء: کلیم (کریم) تمہالی سالگلہ (تمہاری سالگرہ) ہوگی۔" خاتون نے صدر النساء کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ راشد نے پھر سلسلہ تقریر شروع کیا۔

ہم......ہم......مساوات کے......ساتھی......یعنی......حامی ہیں۔ ہم نے کریم کو بھی مہمان کا......درجہ دیا ہے......مجمع نے سروجنی کی تقلید میں تالیاں بجائیں...... کریم ایک غریب لڑکا ہے۔ مگر ہمارا بھائی ہے۔ اور زور وشور سے تالیاں بجیں۔ کریم کا چہرہ سرخ ہوگیا اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ راشد نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میرے وہ مہمان جو میرے لیے سالگرہ کے تحفے لائے ہیں، ان کا مجھے شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔ میرے دوست کرن بہادر کا تحفہ ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "ستارے" یہ بچوں کے لیے نظموں کا گلدستہ ہے۔

صدر النساء: ستالے (ستارے) کتاب میں نہیں ہوتے۔

ضمیر: کیوں بکے جاتی ہو تم۔ جلسہ ہو رہا ہے۔ ذرا خاموش بیٹھو......سروجنی بہن میرے لیے کھدر کا ایک رومال لائی ہیں۔ اس پر انہوں نے ہندوستان کا نقشہ بنا کر کاڑھا ہے۔ ان کا تحفہ سب تحفوں سے زیادہ مجھے پسند ہے......

صدر النساء: کتاب میں سے اتالا (اتارا) ہے......

اویس صاحب نے ایک کتبہ بہت خوشخط لکھ کر دیا ہے۔ اقبال کا شعر لکھا ہے۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

ضمیر صاحب کا تحفہ حیدر آباد دکن کا بنا ہوا ایک خوبصورت قلم ہے جس پر میرا نام لکھا ہوا ہے۔ صدر النساء بیگم کا تحفہ ایک بلی کی تصویر ہے جس کی صفت یہ ہے کہ اس بلی کی آنکھیں اور صدر کی آنکھیں بالکل ایک سی ہیں...... اس پر بڑے زور شور سے تالیاں بجیں اور صدر نے تالیوں کے ہنگامے میں دو مرتبہ چلا چلا کر کہا۔ پھیل (پھیر) دو ہالہ (ہمارا) تحفہ...... خاتون بی بی اپنا تحفہ آپ ہی پیش کریں گی۔ وہ برائے مہربانی ڈائس پر تشریف لے آئیں۔

راشد نے اپنی تقریر اس جملہ پر ختم کی اور خاتون ایک چھوٹی سی بیاض ہاتھ میں لیے ہوئے ڈائس کی طرف بڑھیں۔

یہ پولیس کے سب انسپکٹر محمود مرزا کا مکان تھا۔ راشد، اویس، ضمیر، خاتون بی بی اور صدر النساء ان کے بچے تھے۔ کرن بہادر، راشد کے دوست تھے اور سروجنی دیوی خاتون کی سہیلی۔

محمود مرزا کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ڈیڑھ سال سے ان بچوں کی پرورش کے وہ تنہا ذمہ دار تھے۔ ملازمت اور پولیس جیسی ملازمت کی مصروفیات کے باوجود وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا فرض بڑی کامیابی کے ساتھ ادا کر رہے تھے۔ بچے اسکول میں بھی پڑھ رہے تھے اور گھر پر تعلیم دینے کے لیے بھی ایک قابل روشن خیال ماسٹر صاحب مقرر تھے جو روزانہ دو گھنٹے اپنا وقت دیتے تھے۔

بچے فطرتاً تیز طبیعت اور ذہین تھے۔ حافظہ خصوصیت کے ساتھ سب کا غیر معمولی تھا۔ بچوں کے ساتھ باپ کا برتاؤ اور سلوک ایسا تھا کہ بہت جلد وہ اپنی چاہنے والی ماں کا پیار بھول گئے۔ ان کی محبت غلط اصول پر نہیں تھی۔ وہ اپنے بچوں کو بہت چاہتے تھے، مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کا مستقبل بہت روشن ہو۔ اور ان کا شمار اچھے آدمیوں میں کیا جائے۔ اس عنوان سے ان کی تربیت ہو رہی تھی۔ اور کھیل بھی اس قسم کے کھلائے جاتے تھے جن میں قدم قدم پر ان کی معلومات میں اضافہ ہو اور بات بات میں کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق ملتا رہے۔ وہ اپنے بچوں کو ایسی کتابیں پڑھنے کے لیے دیتے تھے جن میں بہادری کے افسانے اور شرافت ودیانت کی کہانیاں ہوں۔

ان کی چھوٹی سی لائبریری کے لیے ایسے مشہور آدمیوں کی سوانح عمریاں مہیا کی جاتی تھیں جنہوں نے ایک غریب اور نادار ماں کی گود میں پل کر، ایک مزدور اور مفلس باپ کے زیر سایہ تربیت پا کر دنیا میں اپنے لیے جگہ پیدا کی تھی۔ تاریخ میں اپنا نام لکھوالیا تھا اور ایک معمولی حیثیت سے ترقی کر کے بہت بڑے آدمی بن گئے تھے۔

سب سے بڑا بچہ راشد تھا جس کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ باقی سب اس سے چھوٹے تھے۔

آج راشد کی سالگرہ کا دن تھا۔ راشد کا کمرہ خوب سجایا گیا تھا۔ گھر کے بچوں کے علاوہ ان کے ہمسایہ کرن بہادر اور سروجنی دیوی کو بھی بلایا گیا تھا۔ محمود مرزا نے اس تقریب کے سلسلہ میں ایک بہت اچھا پروگرام مرتب کیا تھا، مگر یکا یک شام کے قریب ایک چوری کی اطلاع ملی اور ان کو فوراً اس کی تحقیقات کے لیے جانا پڑا۔ ایک دولت مند آدمی کی لڑکی کی شادی تھی۔ اس کے جہیز میں جو زیور دیا جانے والا تھا، وہ چوری ہوگیا تھا۔ ہزاروں روپے کا مال تھا۔ دور دور تک دیکھ بھال اور ناکہ بندی کرنی تھی کہ چور نکل کر جانے نہ پائے۔ صبح تک بھی اس مہم سے واپسی کی امید نہیں تھی۔ سارا پروگرام گڑبڑ ہوگیا۔

محمود مرزا کا اس وقت گھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا، مگر نوکری کا معاملہ تھا۔ کرتے کیا، جانا ہی پڑا۔ سب انتظام راشد اور خاتون کو سپرد کر کے اور نظام العمل سمجھا کر روانہ ہوگئے۔

خاتون اپنے بہن، بھائیوں میں سب سے زیادہ سلیقہ شعار تھی۔ کتابیں سب بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں اور وہ پڑھتے ہیں۔ مراۃ العروس کس لڑکی کو نہیں پڑھائی گئی۔ کسی گھر میں نہیں پڑھی گئی مگر کوئی لڑکی محمودہ جیسی بن کر دکھادے تب بات ہے۔ پرانے زمانے کے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ خاتون پڑھی لکھی سگھڑ تمیزدار سلیقہ شعار لڑکی تھی۔ ایک ایسی لڑکی جس پر ماں باپ کو فخر ہوسکتا ہے۔ سال بھر سے سارے گھر کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ سالگرہ کے انتظام اور تجاویز میں اس کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔ ڈائس پر پہنچ کر اس نے تقریر شروع کی۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! میں کوئی شاعر نہیں ہوں، نہ مجھے شاعری کا دعویٰ ہے۔ میرے ماسٹر صاحب بہت دن سے یہ فرمارہے تھے تیری طبیعت موزوں ہے۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے مجھے مدد دے کر بھائی کی سالگرہ کے متعلق کچھ ٹوٹے پھوٹے شعر کہوائے اور پھر ان شعروں کو

اصلاح دے کر اس قابل کر دیا کہ میں آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ اس نظم کی سرخی ہے۔

''بہن کا تحفہ بھائی کی سالگرہ پر''

ملاحظہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے بہت خوش آوازی کے ساتھ کھلے ہوئے لہجہ اور لحن میں نظم پڑھنی شروع کی۔

چمن چمن ہے گل بے خزاں کی سالگرہ پیامِ عیش ہے راشد میاں کی سالگرہ
ہمارے دل کی گرہ کھل گئی مسرت سے کہ آج دل میں ہے آرام جاں کی سالگرہ
ملی ہے آج زباں آج ہے زباں پہ سخن سخن کی سالگرہ ہے یہ زباں کی سالگرہ
خوشی سے آج یہ عالم ہے میری نظروں کا کہ جیسے آج ہے سارے جہاں کی سالگرہ
مکاں پہ آج وہ رونق ہے مہمانوں سے مکیں کے ساتھ ہے گویا مکاں کی سالگرہ

ملی ہے ملک کو خاتون جب سے آزادی
منائی جاتی ہے ہندوستاں کی سالگرہ

کئی شعروں پر بہت تعریف ہوئی۔ خصوصاً مقطع پر بڑے زور زور سے تالیاں بجائیں گئیں۔

خاتون نظم پڑھ کر ڈائس سے اتری۔ اب اویس میاں صدارت کی تحریک پیش کرنے کے لیے ڈائس پر آئے۔

''حضرات'' اس نے بڑی شان کے ساتھ بہت بڑی آواز میں کہا۔ ہر جلسہ کا ایک صدر ہوتا ہے۔ ہمیں بھی ایک صدر کی ضرورت ہے۔ میری رائے ہے کہ دادا جان کی تصویر جو ہمارے سامنے اسٹول پر رکھی ہے، اس کو صدر بنا دیا جائے۔ ابا جان اس تصویر کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں آپ سب حضرات میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔ اگر ابا جان ہوتے تو ان کو اس جلسہ کا صدر بنایا جاتا۔

کرن بہادر نے اعتراض کیا۔ تصویر صدر کیسے ہوگی۔ وہ نہ سن سکتی ہے، نہ بول سکتی ہے۔ کوئی زندہ آدمی صدر ہونا چاہیے۔

اویس نے جواب میں کہا۔ ہمارے ماسٹر صاحب کہتے تھے.....خاتون نے فوراً ٹوکا اور اصلاح دی ''فرماتے تھے'' اویس نے اپنی غلطی تسلیم کی اور کہا۔

''ماسٹر صاحب فرماتے تھے'' آج کل جلسوں کے صدر ایسے ہی ہوتے ہیں جن کو تقریر کرنا بھی نہیں آتا۔ دوسروں سے لکھوا کر پڑھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی دولت کے زور سے صدر بن جاتے ہیں۔''

اویس کی تقریر کے دوران، صدرالنساء نے کئی مرتبہ اپنا دعویٰ، ہم صدل (صدر) ہیں کا نعرہ لگا کر پیش کیا، مگر مسئلہ کی دلچسپی کے باعث کسی نے توجہ نہیں کی۔

میری رائے میں ہمیں اپنی معزز مہمان سروجنی دیوی کو صدر بنا دینا چاہیے، راشد نے اپنے لفظوں پر زور دے کر کہا۔

کھٹ کھٹ کھٹ دروازہ بجانے کی آواز آئی۔

''کون ہے''۔ راشد نے کہا ''اندر آیئے۔''

دروازہ کھلا اور ایک میانہ قد دوہرے بدن کا، آدمی سیاہ سوٹ پہنے، ایک ہاتھ میں ہیٹ اور دوسرے میں ایک سیاہ رنگ کا چرمی بیگ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ آنے والے کا رنگ گندمی تھا۔ کھڑ انقشہ، داڑھی مونچھ منڈھی ہوئی، ناک پر سنہری کمانی کی عینک رکھی ہوئی تھی۔

یہ بچے اگرچہ سب انسپکٹر پولیس کے تھے، دن رات محکمہ پولیس کے واقعات اور کار گذاریاں سن سن کر دل کے بہت مضبوط ہو گئے تھے، پھر بھی چھوٹے بچوں نے ذرا گھبرا گھبرا کر آنے والے پر نگاہیں ڈالیں۔ ''بچو۔ گھبراؤ نہیں۔ کوئی خوف کی بات نہیں۔'' آنے والے نے تسکین دینے کے لہجہ میں کہا۔ ''میں تمہارا ماموں ہوں۔''

''ماموں'' کئی بچوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

''کیوں تعجب کیا ہے۔ ماموں نہیں تو کیا تمہارا بھانجہ معلوم ہوتا ہوں۔'' آنے والے نے ایسے مسخرہ پن کے ساتھ کہا کہ سب بچے کھل کھلا کر ہنس دیئے۔

''بھانجے اتنے بڑے نہیں ہوتے'' ضمیر نے ماموں کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا۔ اچھا تو جب میں تمہارا بھانجہ نہیں ہوسکتا تو ضرور تمہارا ماموں ہوں۔ یہ منطق کے قاعدے سے ثابت

ہو گیا۔تم لوگ ابھی منطق نہیں جانتے ہو۔

''میں جانتا ہوں جناب'' راشد نے فخریہ انداز سے کہا۔

''جسے انگریزی میں لاجک کہتے ہیں۔''

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک، مجھے ایسے جواب بہت پسند آتے ہیں۔مگر میں پوچھتا ہوں تمہارے والد کہاں ہیں۔ ماموں نے فرمایا۔

''جی وہ دعوت میں گئے ہیں۔راشد نے عرض کیا۔

''جی نہیں، میں بتاؤں آپ تو (کو) صدر نے کہا وہ چول (جور) پتلنے (پکڑنے) دئے (گئے) ہیں۔

ارےتم کیسی بیوقوف ہو۔ ابا جان منع کر گئے تھے۔راشد نے جھلا کر کہا۔'' مگر ماموں جان سے کہہ دینے میں کیا ہرج ہے۔'' اولیس کو راشد کی تردید کا موقع ملا۔

''افسوس کی بات ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ماموں جان سے نہیں چھپانا تھا۔'' ماموں نے بڑے حسرتناک لہجہ میں کہا۔

''معاف فرمایئے ماموں جان! آپ پہلے ہمارے گھر کبھی نہیں آئے تھے۔ہم آپ کو پہچانتے نہیں تھے۔'' خاتون نے نہایت ادب کے ساتھ معذرت پیش کی۔

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔ معافی کی بات ہو نہ ہو، مجھے معافی دینا بہت پسند ہے۔ اس سے پیشتر میرا یہاں آنا کبھی نہیں ہوا۔ کیا بتاؤں حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ میں یہاں سے ہزاروں میل دور رہتا ہوں۔تم نے رنگون کا نام سنا ہوگا۔ جو ابھی چار دن ہوئے حکومت برطانیہ کے ہاتھ سے پھسل کر جاپانیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا،تو اس کے واپس لینے کے لیے ایک چھوٹا سا گولہ بھیج دیا گیا۔ بڑے کام کا گولہ تھا۔ رنگون کو بھی واپس لایا اور اس کے ساتھ اور بہت کچھ لایا۔تم نے طلسم ہوشربا نہیں پڑھا ہے۔ گولے سب سے پہلے لکھنؤ کے دو ادیبوں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر نے ایجاد کیے تھے۔......''

بچے اس بیان کو بڑے شوق اور تعجب کے ساتھ سن رہے تھے۔ ماموں جاں اتنا کہہ کر بہت زور سے ہنسے۔بچوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

سلسلہ بیان جاری کرتے ہوئے ماموں جان نے کہا۔ ''ہوشربا پرانے زمانہ کی کتاب ہے۔تمہاری لائبریری میں نہیں ہوسکتی۔ اس کتاب میں صرف اس گولہ کا اور اس کی طاقت کا تذکرہ ہے۔نسخہ نہیں ہے۔نسخہ یہ دونوں حضرات دبا گئے تھے۔وہ یورپ کے کھوج لگانے والوں نے ڈھونڈھ کر نکال لیا............''

اتنا کہہ کر ماموں جان نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ بچے بھی بہت بے تکلفی کے ساتھ ہنستے رہے۔ہنسی سے فارغ ہوکر ماموں جان خاتون کی طرف مخاطب ہوئے۔

''تمہاری ہنسی بالکل اپنی ماں کی سی ہے اورصورت بھی۔''ہا،میری غریب بہن'' یہ کہہ کر ماموں جان نے جیب سے ریشمی رومال نکال آنکھوں پر رکھ لیا۔ بچے بھی ماں کے ذکر سے متاثر ہوئے۔سب کے چہروں پر افسردگی سی چھا گئی۔سروجنی دیوی ان سب میں زیادہ عمر کی اور سمجھدار تھی۔اس نے یہ رنگ دیکھ کرفوراً ماموں جان سے کہا۔

''آج راشد میاں کی سالگرہ ہے''

ماموں جان نے یہ سنتے ہی ٹھاٹھابدلہ۔''بہت ٹھیک بہت ٹھیک مجھے سالگرہ کا طریقہ بہت پسند ہے۔ضرور ہونی چاہیے۔بس جی اپنی سالگرہ کے متعلق غور کررہا ہوں۔ابھی تاریخ طے نہیں ہوسکی ہے۔''

پھر ہنسی شروع ہوگئی۔بچوں نے اس مذاق کے جملہ سے لطف اٹھایا۔''ماموں جان آپ کی باتیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔آپ بہت اچھے ماموں جان ہیں۔'' راشد نے خوشی کے جوش میں کہا۔

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔ میں تمام شعراء اور لیڈر قسم کے آدمیوں کی طرح اپنی تعریف سے بے انتہا خوش ہوتا ہوں۔اچھا تو آج راشد میاں کی سالگرہ ہے۔تو راشد میاں کی سالگرہ میں میری طرف سے کچھ مٹھائی کا انتظام ہونا چاہیے۔تمہارے یہاں کے ملازم کہاں ہیں۔کسی کو بلاؤ تو ذرا۔''

''ماموں جان، آج کوئی بھی نہیں ہے۔ اتفاق سے ہمارے ملازم کے لڑکے کی شادی ہے۔وہ ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر اپنے وطن گیا ہے اور ملازمہ آج ہی بیمار ہوکر اسپتال داخل ہوگئی

ہے۔'' خاتون نے جواب میں کہا۔

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔ شادی بھی ضروری کام ہے اور بیماری اس سے زیادہ ضروری۔ آدمی کو کبھی کبھی بیمار ہونا چاہیے۔ ایک حالت میں رہتے رہتے جی گھبرا جاتا ہے۔'' کمرہ میں پھر ہنسی خوشی کی فضا پیدا ہوگئی۔

دلوا جے پر (دروازہ پر) سپاہی ہے۔ صدر نے تجویز پیش کی۔

''سپاہی'' ماموں جان نے کہا۔'' وہ آدمی جو دہلیز پر بیٹھا ہوا نہایت اطمینان سے اونگھ رہا ہے۔''

اچھا اسے آواز دو۔

''یہاں آؤ۔'' راشد نے تحکمانہ لہجہ میں بلند آواز سے پکارا۔

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔ ملازم کو بلانے کا یہ طریقہ مجھے بیحد پسند ہے۔ شاندار طریقہ ہے۔''

''کھٹ کھٹ کھٹ۔''

''اندر آؤ۔''

بغیر وردی کا سپاہی کمرہ میں داخل ہوا، اور فوجی قاعدہ سے مجمع کو سلام کیا۔ ماموں جان پر نظر پڑتے ہی آنکھوں میں نیند کے بجائے تعجب ناچنے لگا۔ اس کے چہرہ کا اتار چڑھاؤ کہہ رہا تھا کہ آپ کہاں سے نازل ہوگئے۔ میں تو دروازہ پر تھا۔ اونگنے والا آدمی کبھی اپنی اس غفلت کا اقرار نہیں کرتا۔ جب کسی نے پوچھا۔'' ارے بھئی سو رہے ہو۔''

''جی نہیں، جاگ رہا ہوں۔'' چونک کر ہمیشہ یہی جواب دے گا۔ مگر یہاں ماموں جان اس کی غفلت کے زندہ ثبوت موجود تھے جنہیں وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم سو رہے تھے، تمہیں ماموں جان کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی۔'' خاتون نے ذرا تیور بدل کر کہا۔ سپاہی غریب اس کا جواب کیا دیتا۔ فوراً پینترہ بدل کر اس نے ماموں جان کی خدمت میں ایک فوجی سلام پیش کیا۔

''بہت ٹھیک بہت ٹھیک سلام کا یہ طریقہ مجھے پسند ہے۔ دیکھو سپاہیوں کو غفلت نہیں کرنی

چاہیے۔ ایک سپاہی کی غفلت سے پورا ایک ملک ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔'' ماموں جان نے نصیحت کے مشفقانہ انداز میں فرمایا اور جواب میں پھر ایک فوجی سلام حاضر کیا گیا۔صدر نے اس تاخیر کو پسند نہ کرتے ہوئے یاد دہانی کے اصول پر کہا۔عبدل ماموں جان متھائی (مٹھائی) منگا لئے (رہے) ہیں۔

خاتون نے تنبیہ کے طور پر کہا ''صدور۔''

''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔'' ماموں جان نے خاتون کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ مجھے ایسی یاد دہانی بہت پسند آتی ہے۔ میں بھول ہی گیا تھا۔ کیا برا حافظہ ہے۔ یہ کہہ کر ماموں جان نے کوٹ کے اندرونی جیب سے چمڑہ کا ایک چھوٹا سا پرس (بٹوا) نکالا اور اس میں سے ایک پانچ روپیہ کا نوٹ نکال کر عبدل کی طرف بڑھایا اور حکم صادر فرمایا۔

''دیکھو ایک......نہیں تو بہ......دو بلکہ تین روپیہ کی مٹھائی لاؤ۔ چار کی بھی لا سکتے ہو۔''

''مگر سرکار......دوکانیں تو بند ہوگئیں ہوں گی۔'' سپاہی نے ڈرتے ڈرتے عذر کیا۔

''ہائیں ابھی سے۔ ابھی تو ساڑھے نو کا وقت ہے۔ ابھی رات ہی کتنی گئی ہے۔'' یہ جواب میں بہت ناپسند کرتا ہوں۔

''جی یہ تو قصبہ ہے۔ یہاں سر شام ہی سے دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔''

''ارے میاں تو دوکان کھلوا کر لاؤ۔ کیسے پولیس کے نوکر ہو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو تالا توڑ کر لے آتا۔''

عبدل بھی ماموں جان کے اس جملہ سے بہت محظوظ ہوا اور اس کے مرجھائے ہوئے سیاہ تاب ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کی چمک پیدا ہوگئی۔

عبدل مٹھائی لانے کے لیے روانہ ہو گئے تو کرن بہادر نے کھڑے ہو کر نہایت ادب کے ساتھ ماموں جان کی خدمت میں گذارش کی۔ ''جناب والا''......

''جناب والا۔'' ماموں جان نے عجیب مسخرہ پن کے ساتھ منہ بنا کر کہا۔ ''جناب والا کیوں۔ جناب والا کس لیے۔ میں جناب والا کو برداشت نہیں کر سکتا۔تم راشد میاں کے دوست ہو۔تم مجھے ماموں جان کہنے کا حق رکھتے ہو۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ اس حق کا استعمال

کر سکتے ہو۔ میں اگر گورنمنٹ ہوتا، تو بغیر مانگے اپنی رعایا کو حق آزادی عطا کر دیتا۔''

کرن بہادر نے کہا۔'' آپ کا فرمانا بجا ہے۔ آپ ہمارے بھی ماموں جان ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم لوگ سالگرہ کی تقریب میں ایک جلسہ کر رہے ہیں۔'' ....'' مگر یہ کیسا جلسہ ہے۔'' ماموں جان نے بات کاٹ کر کہا۔'' نہ گانا بجانا۔''

'' گانے بجانے کا جلسہ نہیں ماموں جان'' راشد نے کہا۔'' ایسا جلسہ جیسا مسلم لیگ اور کانگریس کا ہوتا ہے۔''

'' بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔'' ماموں جان نے جوش میں آکر فرمایا۔'' ایسا جلسہ مجھے بہت پسند ہے۔ بچوں کا قومی جلسہ، اس کی روداد اخبارات میں دے کر ملک بھر کے بچوں کو ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ اپنی اپنی سالگرہ کے موقع پر ایسے جلسہ کیا کریں۔''

'' ماموں جان'' کرن بہادر نے گذارش کی۔'' ہم کو ایک صدر کی ضرورت ہے۔ اس جلسہ کے لیے آپ اس کی صدارت قبول فرمایئے۔''

'' بہت ٹھیک، بہت ٹھیک۔ مجھے ایسے جلسوں کی صدارت بہت پسند ہے۔ اگر چہ میں ہمیشہ وقت پر انکار کر دیتا ہوں۔ تمہیں کیا معلوم میرے لیے کہاں کہاں سے صدارت کی تحریک ہوئی ہے۔ سنو، کانگریس، مسلم لیگ، مہا سبھا، جمعیت العلماء شیعہ کانفرنس، جماعت احرار، امن سبھا، مومن کانفرنس، کمیونسٹ پارٹی، انجمن ترقی اردو، خاکساروں کی جماعت، ترقی پسند مصنفین، آل انڈیا موسیقی کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ سب ہی نے میری صدارت کی خواہش کی۔ بہر حال میں تمہارے معصوم جلسہ کی صدارت کو ان تمام صدارتوں پر ترجیح دیتا ہوں اور خطبۂ صدارت کے بجائے ایک گیت گا کر سناتا ہوں۔''

اویس نے بڑے تعجب کے ساتھ پوچھا۔'' ماموں جان، کیا آپ گانا بھی جانتے ہیں۔''

'' ضرور جانتے ہیں بے شک جانتے ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے جب گانے والے بڑے بڑے نائک اور استاد ہمارے بزرگوں کے سامنے اللہ حضور کو سلامت رکھے کہتے ہوئے آتے تھے اور فرش پر مسند سے دور ادب کے ساتھ سلام کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ اب کھٹ پٹ کرتے ہوئے آکے ہاتھ ملاتے ہیں اور برابر کرسی پر ڈٹ جاتے ہیں۔ اب خاندانی گویئے نہیں رہے۔ بڑے

بڑے خاندانی گویّے ہوگئے۔ اب وہ گویے نہیں ان کو آرٹسٹ خطاب دیا گیا ہے۔ وہ اسٹار کہلاتے ہیں۔ الٰہی بخش نقال، کریلا بھانڈ، دونوں غریب ہزاروں محفلوں میں گئے مگر انہیں اپنی حد کے اندر ہی رکھا گیا۔''

''اور اگر کہیں چارلی چیپلن یا لارل ہارڈی ہندوستان آجائیں تو ان کے اعزاز میں کتنے ڈنر، لنچ اور ایٹ ہوم دیئے جائیں۔تم اندازہ نہیں کرسکتے۔ آج کل موسیقی اور مسخرہ پن کے ماہرین کا شمار بھی بڑے آدمیوں میں ہوتا ہے۔ اور بڑے آدمی ان سے ملنا ان کی دعوتیں کرنا، اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کا اور نیشنل لیبل چور بھی بڑا آدمی کہلانے کا مستحق ہے۔ تمہیں کسی کو سکندر اعظم اور ڈاکو کا قصہ یاد ہے۔تم نے اپنی درسی کتابوں میں پڑھا ہوگا۔''

''ہم نے پڑھا ہے ہم نے پڑھا ہے۔'' کئی بچوں کی آوازیں آئیں۔

''بہت ٹھیک بہت ٹھیک۔ میں یہ قصہ بہت پسند کرتا ہوں۔ اچھا اب میں پہلے ایک گیت سناتا ہوں اس کے بعد رنگون اور برما کے کچھ مختصر حالات سناؤں گا۔'' یہ کہہ کر ماموں جان نے اپنی بھاری اور بھدی آواز میں گانا شروع کیا۔

چور بہت ہیں اس دنیا میں کم ہیں ساہوکار
بھلی بھلی پوشاکوں میں ہیں بڑے بڑے عیار
چوروں سے بھوار ہے غافل چوروں سے بھوار

کس کو ٹوکیں کس کو روکیں چوروں کا ہے زور
دفتر دفتر تھانے تھانے پھرے ہیں رشوت خور
چور ہزاروں سینوں میں ہے دل کا چوکیدار
..............................چوروں سے بھوار
تیری جیب میں میرا ہاتھ اور میری جیب میں تیرا
غیرت نے جب آنکھیں موندیں سارے جگ میں اندھیارا

بھائی چھینے بھائی کی گٹھری ارے خدا کی مار
..................................چوروں سے بہوار

کرسی پر ہیں مزے سے بیٹھے کتنے عقل سے خالی
دیس میں پکے چور ہیں یہ بھی سنو جناب عالی
ہنستے ہیں یہ ناحق والے روتے ہیں حقدار
..................................چوروں سے بہوار

بچے اس گیت سے بہت لطف اٹھا رہے تھے۔ ماموں جان کی بھاری بھرکم آواز، اس پر تالیوں کا شور وغل۔ اس ہنگامہ میں دروازہ پر جو کھٹ کھٹ ہو رہی تھی، اسے کون سنتا۔ مگر صدر النساء بیگم کے کان ماموں جان کی موسیقی کے بجائے دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ صدر کے کان میں کھٹ کھٹ کی آواز ماموں جان کے گانے کی آواز پر سے کودتی پھاندتی تالیوں اور واہ واہ کے شور وغل کو پھلانگتی ہوئی پہنچ ہی گئی۔ اور ان معظمہ نے کتنی مرتبہ ہاؤس کو چیخ چیخ کر توجہ دلائی کہ متھائی آدئی (مٹھائی آگئی) مگر اس چیخ پکار میں سب یہی سمجھے کہ صدر النساء بیگم بھی ماموں جان کے گیت سے لطف اٹھا کر داد دے رہی ہیں۔

ادھر سے مایوس ہو کر صدر النساء بیگم نے اندل (اندر) آؤ کا تار باندھ دیا۔ مگر دروازے کے باہر ان کی آواز کس طرح پہنچتی۔ آخر انہوں نے خود ہی دروازہ تک زحمت کی اور دروازہ کھول کر عبدل کو مع مٹھائی کی ٹوکری کے جلسہ میں شامل کر لیا۔

عبدل غریب ٹوکری ہاتھ میں لیے ہوئے بڑی حیرت کے ساتھ اس ہنگامہ کو ماموں جان کے گانے اور خصوصیت کے ساتھ گانے کے دوران میں ان کی آنکھوں کی گردش اور ہاتھ پیروں کی ورزش کو دیکھتا رہا۔ اور دل میں یہ سوچتا رہا کہ ماموں جان ایسے ہوتے ہیں۔ یکا یک ماموں جان کی نظر بھی عبدل پر جا پڑی۔ وہ گاتے گاتے پہلے ایک دم خاموش ہو گئے۔ پھر ایک دم بھڑک اٹھے۔

''ارے تم بغیر اجازت اندر آ گئے۔ یہ کون سا قاعدہ ہے۔ تم اتنا بھی نہیں جانتے ہو۔

عجیب آدمی ہو۔ کچھ خبر ہے۔ اس قلیل مدت میں تم پر کتنے جرم عائد ہوئے ہیں۔''

(۱) دروازہ پر بیٹھ کر اونگنا۔

(۲) مٹھائی خرید کر لانے میں عذر کرنا۔

(۳) بغیر اطلاع کمرہ میں داخل ہو جانا۔

(۴) ایک باقاعدہ اور آئینی جلسہ میں غیر آئینی مداخلت کا ارتکاب کرنا۔

(۵) صدر جلسہ کی طرف منہ کھول کر اور آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا۔

میاں عبدل، جن کو ہمیشہ دوسروں کے جرائم کی تفصیل سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اپنی فرد قرار داد جرم سنکر بہت گھبرائے۔

ماموں جان کا حلیہ اس وقت اس قسم کا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مذاق ہو رہا ہے، یا سنجیدگی سے فرما رہے ہیں۔ اس مشکل کو بھی صدر نے بلند آہنگی کے ساتھ یہ کہہ کر حل کیا۔

''متھائی باتنے (مٹھائی بانٹیے) ماموں جان۔''

ماموں جان یہ پیاری پیاری آواز اور بے تکلف مطالبہ سن کر ہنس پڑے۔

''بہت ٹھیک۔ بہت ٹھیک۔ میں بچوں کو مٹھائی بانٹنا بہت پسند کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ماموں جان نے ٹوکری عبدل کے ہاتھ سے لے لی۔ عبدل میاں بھی اب سمجھ گئے کہ ماموں جان ذرا بامذاق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی ناک بھوں چڑھا کر منہ بنا کر عرض کیا۔

''سرکار شام کے پانچ بجے سے سر میں درد ہو رہا ہے۔ بڑی تکلیف ہے۔''

''بہت ٹھیک۔ بہت ٹھیک۔ اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔'' ماموں جان نے کہا۔ ''میرا ارادہ تھا کہ تم کو بھی مٹھائی کا حصہ دیا جائے۔''

''جی۔'' عبدل نے کچھ رونی اور کچھ ہنستی شکل بنا کر کہا۔ مگر ماموں جان کہتے ہی چلے گئے۔ ''سر کے درد میں مٹھائی نہایت مضر ہے۔ بے حد نقصان کی چیز ہے۔ بڑے تجربہ کی باتیں ہیں۔ ہر شخص کو معلوم نہیں ہوتیں۔ یہ لو۔'' کہہ کر ماموں جان نے اپنے لیدر پرس میں سے ایک سفید رنگ کی ٹکیہ نکالی ''یہ ٹکیہ کھالو، نگل جاؤ، چبانا نہیں۔ دو گھونٹ پانی سے گلے کے نیچے اتار لو۔ اور جا کر اپنے بستر پر لیٹ جاؤ۔ چوکی پہرہ کی ضرورت نہیں۔ ہم خود گھر میں موجود ہیں۔ پندرہ

منٹ میں سر کا درد جاتا رہے گا۔"

پورے ہاؤس نے مع ماموں جان کے عبدل میاں کی لائی ہوئی مٹھائی مزے لے لے کر کھائی اور عبدل میاں نے وہ چھوٹی سی ٹکیہ جو مٹھائی سوخت ہو جانے کی تکلیف سے گلے تک پہنچ کر کافی بڑی ہو گئی تھی" وہ گھونٹ پانی کی مدد سے بمشکل حلق کے نیچے اتاری اور دروازہ کے ایک گوشہ میں اپنے سپاہیانہ بستر پر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔

مٹھائی کی دعوت ختم ہونے کے بعد ماموں جان نے رنگون اور برما کے متعلق تقریر شروع کی۔

"برما ہندوستان کے جنوب وشرق میں ایک ملک ہے جہاں چینیوں اور جاپانیوں کی شکل وصورت کے سے آدمی بستے ہیں۔ رنگون، برما کا ایک خوبصورت اور بہت آباد شہر ہے، جس کی بنیاد ۱۷۵۵ء میں اس ملک کے راجہ الوسپرا نے ڈالی تھی۔ رنگون دریائے آراوادی کے دہانہ پر واقع ہے۔ کلکتہ سے جہاز میں سوار ہو کر تین دن میں رنگون پہنچ سکتے ہیں۔"

"قدیم عمارتوں میں یہاں برما والوں کی عبادت گاہ (گوتم بدھ کا مندر) ایک سورتی مسجد اور بہادر شاہ ظفر کا مقبرہ ہے۔ بہادر شاہ ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ تھے۔ یہ دہلی میں قلعہ کے اندر رہتے تھے اور صرف نام کے بادشاہ تھے۔ دراصل حکومت پورے ہندوستان پر انگریزوں کی تھی۔ اس حکومت کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا۔ یہ کمپنی ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آئی تھی اور رفتہ رفتہ پورے ہندوستان کی مالک بن گئی۔"

"۱۸۵۷ء میں ہندوستانی فوج نے انگریزوں سے بغاوت کی۔ اس کے نتیجہ میں بہادر شاہ بھی گرفتار کر کے رنگون بھیج دیئے گئے اور انہوں نے اپنی باقی زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔"

"ہندوستان پر مکمل قبضہ ہو جانے کے بعد برما بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔ انگریزی حکومت میں رنگون نے بڑی ترقی کی اور بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ آج ہمارے ہندوستان کی طرح برما بھی ایک آزاد ملک ہے۔"

"پگوڈا گوتم بدھ کا مندر یہاں ایسا تیرتھ گاہ ہے جہاں برما، سیام، آسام اور ہندوستان ہی سے نہیں، چین اور جاپان تک سے بدھ مذہب کے ماننے والے تیرتھ جاترا کے لیے آتے ہیں۔ اس مندر کو ہزارہا روپے کی قیمت کے سونے چاندی اور جواہرات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس کی

عمارت کا ایک حصہ ۳۷۰ فٹ بلند ہے۔ اور اس پر خالص سونے کی ایک چھتری ہے۔ جس میں لاکھوں روپے کا سونا صرف ہوا ہے۔''

''اس مندر کی خصوصیت اور اس قدر شان وشوکت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ یہاں گوتم بدھ کے سر کے آٹھ بال ایک کمرہ کے اندر محفوظ ہیں جو اس طرح بند ہے کہ کبھی کھولا نہیں جاسکتا۔ نہ وہ بال کسی کو دکھائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح سیلون (جزیرہ لنکا) میں ایک مندر ہے جس میں بدھ کا دانت، کہا جاتا ہے کہ رکھا ہوا ہے اور اس کے درشنوں کے لیے بھی دور دور سے جاتری آتے ہیں۔''

''برمی لوگ صرف ایک ہی منزل کے گھر بناتے ہیں۔ جو ۷-۸ فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہوتے۔ دومنزلہ گھر بنانا ان کے عقیدہ میں خلاف تہذیب واخلاق ہے۔ مکان لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ مختصر ہوتے ہیں۔ اور فرنیچر معمولی اور بہت کم ہوتا ہے۔''

''انگریزی حکومت کے زمانہ میں دفاتر، کسٹم ہاؤس، کالج، اسکول، اسپتال، اعلیٰ درجہ کی دوکانیں، پارک، بڑی بڑی چوڑی سڑکیں، سب ہی کچھ ہوگیا۔ مگر برمیوں کے مکان رنگون میں زیادہ تر اب بھی اسی قدیم اصول پر دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی ماحول نے ان کے تمدن میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور کردی ہے۔ ڈاکٹر مارک نے انگریزی کا سب سے پہلا اسکول قائم کرکے برما والوں کو انگریزی کی تعلیم پر لگایا تھا۔ آج ہندوستان کی طرح ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ وہاں بھی مارے مارے پھرتے ہیں۔ برما بہت ہی سرسبز وشاداب ملک ہے۔ وہاں پھولوں کی بہت کثرت ہے اور پھولوں کی طرح سانپ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ برما کے جنگلوں میں بڑے زبردست اور خطرناک سانپ چھپے رہتے یں۔ جنگلی جانوروں میں شیر، چیتے، بھیڑیے، ہرن، لنگور، بندر سب ہی قسم کے جانور ہیں، مگر ہاتھیوں کا گویا وطن ہے۔ ہاتھیوں کے متعلق سب سے عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ان سے برما میں قلیوں کی طرح کام لیا جاتا ہے۔ اس ملک میں سال کا درخت بڑی کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور لکڑی کے کارخانوں میں بڑے بڑے لٹھے اٹھاکر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے ہاتھی سدھائے جاتے ہیں جو اشاروں پر کام کرتے ہیں اور بڑے بڑے وزنی لٹھے، جن کو پچاس آدمی مل کر نہ ہلاسکیں، دو ہاتھی اپنی سونڈوں پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں۔''

''یہ ہاتھی بعض اوقات لٹھے کا وزن زیادہ محسوس کر کے اٹھانے سے اشاروں میں انکار بھی کرتے ہیں۔ مگر زبردست کے آگے کہاں چلتی ہے۔ فیلبان کی مار دھاڑ سے اٹھانا ہی پڑتا ہے۔''

''انسان کو بھی خدا نے کیا قدرت دی ہے۔ کیا عقل عطا کی ہے۔ ایسے ایسے قوی ہیکل جانوروں سے غلاموں کی طرح کام لے لیتا ہے۔ تم نے سرکس میں سدھے ہوئے جانوروں کو کام کرتے ہوئے تو دیکھا ہوگا۔''

''دوسری عجیب چیز اس ملک کے تیرتے ہوئے جزیرے ہیں۔ یہاں پانی میں ایک قسم کی بیل پیدا ہوتی ہے جس کی جڑیں آپس میں گتھ کر پانی پر دور دور تک ایک زمین سی بنا دیتی ہیں۔ برسات کے زمانے میں پانی کے زور سے یہ جڑیں تہ کو چھوڑ دیتی ہیں اور یہ جزیرہ جو اس طرح تیار ہو جاتا ہے، دریا کی سطح پر تیرنے لگتا ہے۔ ماہی گیر ان پر مچھلی کے شکار کے لیے جھونپڑے بناتے ہیں۔ یہاں ریشمی کپڑا بھی بنا جاتا ہے۔ اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ برمی عورتوں کو اس صنعت میں زیادہ دخل ہے۔ گھر گھر عورتیں کپڑا بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔''

بڑی عمر کے بچے اس تقریر کو دلچسپی کے ساتھ سن رہے تھے۔ مگر صدر النساء بیگم اونگھنے لگی تھیں اور ضمیر کو بھی جمائیاں آ رہی تھیں۔ اتنے میں کرن بہادر کے گھر سے ان کا ملازم دونوں بچوں کو ساتھ لے جانے کے لیے آ گیا اور جلسہ غیر آئینی طور پر برخاست کر دیا گیا۔

بچے اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے اور ماموں جان نے محمود مرزا کے کمرہ پر قبضہ کیا۔ علی الصباح محمود مرزا جب مکان پر واپس ہوئے ہیں تو بچے ابھی سو رہے تھے اور میاں عبدل بھی غافل سوئے ہوئے تھے۔ سب انسپکٹر صاحب سیدھے اپنے کمرہ میں گئے یونیفارم اتارتے اتارتے انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کی عدم موجودگی میں کوئی کمرہ میں آیا ہے، بلکہ بستر پر سویا ہے۔ وہ تعجب سے کمرہ کے اندر ان آثار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر ایک گوشہ میں رکھی ہوئی چھوٹی سی میز تک پہنچی جس پر خط لکھنے کا سامان پڑا رہتا تھا۔ اس پر اپنے نام کا ایک لفافہ رکھا ہوا دیکھا۔ جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے اسے اٹھایا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا۔

مکرمی تسلیم!

کل کی چوری کے سلسلہ میں آپ کو جس قدر زحمت ہوئی اور جتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑی، اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ نتیجہ میں جو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اس کے لیے بھی میری دلی ہمدردی قبول کیجئے۔

مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ آخر ماشاء اللہ پانچ بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ عموماً محنتی اور دیانتدار آدمیوں کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ اتفاقات نے مجھے خاص طور سے آپ کا ہمدرد بنا دیا مگر اس جذبہ کے باوجود اپنے آپ کو گرفتار کرا دینا میری مصلحت کے خلاف تھا۔ کوئی تیسرا آدمی درمیان میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا میں بذات خود اپنا تعارف کرانے کے لیے مجبور ہوں اور اپنے منہ سے اپنی تعریف کا حق ادا کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں کوئی تیسرے درجہ کا معمولی چور نہیں ہوں۔ ایسے ویسے چور اچکوں سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ میں ایک تعلیم یافتہ انگلینڈ ریٹرن چور ہوں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ کی تہذیب اور سوسائٹی کے اصول وقواعد سے مجھے کس قدر شناسائی ہوگی۔ آپ تو خود ہی جانتے ہیں کہ اس تہذیب واخلاق کے صاف ستھرے لباس میں کیسے کیسے سیاہ دل چور چھپے رہتے ہیں۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ مجھے کہنا یہ تھا کہ کل شام کو جب آپ اس واردات کی تحقیق وتفتیش میں بڑی جانفشانی کے ساتھ مصروف تھے۔ قریب کے تھانوں کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاعات دے رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشنوں اور سڑکوں پر ناکہ بندی کر رہے تھے۔ سیٹھ صاحب کی خدمت میں ایک ادائے نیاز مندی کے ساتھ اپنی ہمدردی پیش کرتے ہوئے غریب چور کی گرفتاری کا یا کم از کم اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کا یقین دلا رہے تھے۔ اس وقت میں نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ آپ کے دولت خانہ میں مہمانی کا لطف اٹھا رہا تھا۔ اور جتنی دیر میرا یہاں قیام رہا، میں نے تہذیب اور اخلاق کے اصول کو ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس کا اطمینان دلاتا ہوں اور آپ بچوں سے بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔ آپ ان سے سنیں گے کہ میں نے اس قلیل وقت میں ان کو خوش رکھنے کی کس قدر کوشش کی ہے اور ان کی معلومات میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس واردات کی تجویز کو عمل میں لانے سے پہلے میں نے بہت کچھ ضروری

حالات معلوم کر لیے تھے۔ مجھے اس کا علم تھا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ جناب اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے جب گھر سے نکلتے ہیں تو بچے ملازموں کی نگرانی میں رہ جاتے ہیں۔ رشوت آپ لیتے نہیں۔ لہٰذا گھر پر ملازمین کا ہجوم بھی نہیں رہ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو آدمی۔

میں نے سوچا کہ اس واردات کی تکمیل کے بعد میرے لیے سب سے بہتر جائے پناہ کون سی ہو سکتی ہے، جہاں میں ایک رات اطمینان سے گزار سکوں اور دن نکلنے سے پہلے ایسے لباس میں قصبہ سے باہر نکل جاؤں کہ کسی کو، خواہ وہ ساہوکار ہو یا چور، میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔ کافی غور کرنے کے بعد آپ کے مکان سے بہتر کوئی جگہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس دخل در معقولات کی معافی چاہتا ہوں۔ ملازموں کی حقیقت ہی کیا تھی۔ مگر اتفاق دیکھیے کہ وہ بھی میدان خالی کر گئے تھے۔ پہرہ کے کانسٹیبل کو اونگھنے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ معاف کیجئے گا۔ پولیس کے محکمہ میں بڑی اصلاح کی ضرورت ہے۔ خیر..........

یہ بھی حسن اتفاق کہ راشد میاں کی سالگرہ کا دن تھا اور بچے باپ کی غیر موجودگی محسوس کر رہے تھے۔ یکا یک ماموں جان کے آجانے سے بہت خوشی ہوئی اور فوراً صدارت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ بچے ماشاء اللہ بہت ہونہار ہیں اور بڑی اچھی تعلیم و تربیت ہوئی ہے۔ سالگرہ کا جلسہ بہت ہی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ آپ کے کانسٹیبل کو میں نے دردسر کی شکایت پر از راہ ہمدردی ایک نیند لانے والی ٹکیہ کھلا دی تھی۔ چنانچہ صبح ہونے سے کچھ پہلے جب میں آپ کی بڑی یونیفارم پہن کر مکان سے رخصت ہوا ہوں، تو وہ محترم کمبل اوڑھے ہوئے خراٹے لینے میں مصروف تھے۔ اس وقت مجھے بے ساختہ ایک صاحب کا شعر یاد آ گیا۔

اس قدر تند و تیز خراٹے   ہو نہ ہو یہ تو کار عبدل ہے

بچوں سے چلتے وقت ملنے کا موقع نہیں تھا۔ میری طرف سے دعا کہیے گا۔ خدا ان کو آپ کی طرح نیک اور ایماندار آدمی بنائے۔

چوری کے متعلق آپ زیادہ فکر نہ کیجئے۔ سیٹھ صاحب بہت وزنی آدمی ہیں۔ تھوڑا سا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

○

نجم آفندی

بندۂ خدا

(اقتباس)

بندۂ خدا، نجم آفندی کا مذہبی ناول ہے جو (120) صفحات پر مشتمل ایک خوبصورت ناول ہے جو 1969ء میں کاظمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد انڈیا سے شائع ہوا۔ اس ناول کے پیش لفظ میں نجم صاحب لکھتے ہیں:

''غالباً 1910ء کا ذکر ہے، جب میں اپنے وطن اکبر آباد کے ایک مڈل اسکول مفید عام کا طالب علم تھا اور ساتویں یا آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔تمام مضامین میں میری توجہ انگریزی پر زیادہ تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ انگریزی ناول بڑے توجہ سے پڑھتا تھا۔ اسی زمانہ میں مشہور انگریزی مصنفہ میری کوریلی کا ایک ناول God's Good Man میری نظر سے گزرا۔ یہ ایک مذہبی تصنیف ہے۔ اس کا مقصد قصہ کے پیرائے میں دین عیسوی کی تبلیغ ہے۔ مجھے اس ناول نے بہت متاثر کیا اور ایک زمانہ تک یہ خیال میرے دل و دماغ پر مسلط رہا کہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ ایک معمولی سے واقعہ نے مجھے پھر اس کتاب کی یاد دلا دی اور اب اس خیال میں یہ تغیر ہوا کہ ایسی ہی ایک کتاب اردو میں کیوں نہ لکھی جائے جس کے کردار ہندوستانی مسلمان ہوں۔''

نجم آفندی کا یہ ناول سترہ (17) ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا اصلی کردار ایک مولوی صاحب علی اسلام ہیں جو ایک قصبہ ''سلمانیہ'' میں پشتہا پشت سے آباد ہیں۔ ان کے والد ایک عالم فاضل گوشہ نشین تھے۔ چنانچہ علی اسلام صاحب جو حوزہ علمیہ عراق سے دینی تعلیم حاصل کر کے واپس ہوئے اور ایک لاولد رشتہ دار کے انتقال سے کثیر دولت کے مالک بنے اور اسی ثروت سے قدیم مسجد اور عاشور خانہ کی تعمیر کروا کر اس کے اطراف کی زمینوں کو کاشت کے قابل بنا کر خود ہی اس میں کسان اور مزدور کی طرح کام کرنے لگے۔ اس کے علاوہ بچوں کی مفت تعلیم،

شادی بیاہ کے معاملات اور کفن دفن کے کاموں میں بغیر کسی اُجرت کے مشغول رہے۔

اسی قصبے میں دوسرے افراد جن میں ڈاکٹر، وکیل، ماسٹر وغیرہ نامور شخصیتیں تھیں، بعض افراد، بغیر کوئی وجہ سے مولوی صاحب سے بدظن تھے، لیکن مولانا جو مجتہد بھی تھے، ہمیشہ خندہ پیشانیسے کام کرتے اور لوگوں کی مدد کرتے اور یہ خدمت بے لوث ہوتی۔ اس ناول میں، جو لوگ مولانا کے خلاف تھے، ان کے اہم کاموں کو مولانا نے بڑے نازک موقع پر نزاکت سے حل کر کے سب کو شرمندہ اور اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔

اس ناول میں صحتِ زبان، چاشنی، لطف اور ہر صفحہ میں نئی واردات کچھ ایسے لکھی گئی ہے کہ پوری کتاب ختم کرنے سے پہلے قاری کو سکون نہیں ملتا۔ یہ کتاب دراصل عربی دنیا کے Supermanیا علامہ اقبالؔ کے مردِ مومن کی زندگی کا نمونہ ہوسکتی ہے۔ نجم آفندی نے اس ناول میں اسلامی اقدار کے ساتھ ساتھ دنیا کے مسائل کا حل بتایا ہے۔ پورا ناول طوالت کے باعث پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس ناول کو دوبارہ شائع ہونا چاہیے۔

O

بلند آواز سے ماموین کو امام کے انعال کی اطلاع دیتا رہتا ہے۔ اسے مکبّر کہتے ہیں۔

مکروہ: جس سے کراہت آئے ۔ ناجائز و حرام۔

مکروہ تحریمہ: وہ مکروہ جو حرام کے قریب ہو۔

مکروہات: وہ انعال جن کا ارتکاب نگاہ شرع میں بُرا ہے ترک میں ثواب مگر ارتکاب میں عذاب نہیں۔

مکلف: بالغ و عاقل جس پر احکام شرع کی پابندی واجب ہو۔

مکہ: حجاز کا مشہور مقام جہاں خانہ کعبہ ہے۔اور جو رسالتمآب کا وطن ہے۔

ملاء اعلیٰ: آسمانوں کی وسعت، جہاں فرشتے رہتے ہیں۔

ملاباقر مجلسی: ایک عدیم المثال عالم دین اور جامع حدیث۔

ملائکہ: فرشتے

ملت ابراہیمی: حضرت ابراہیم کا لایا ہوا دین ۔ رسالت مآب کے آبا و اجداد اسی مذہب کے پیرو تھے۔

ملت بیضا: اسلام

ملک الموت: موت کا فرشتہ عزرائیل۔

ملنگ: علیؑ کا نام جپنے والا علیؑ کا فقیر

ممکن الوجود: مخلوقات الٰہی۔

ممتوعہ: وہ عورت سے جس سے متعہ کیا جائے۔

من اللہ: خدا کی طرف سے۔

من جانب اللہ: خدا کی طرف سے۔

من المہد الی اللحد: گہوارہ سے قبر تک۔

منیٰ: اس میدان کا نام ہے جہاں حجاج قربانی کرتے ہیں۔

منات: عرب کا ایک مشہور بت جس کی زمانہ جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی۔

مناجات: بارگاہ ایزدی میں حمد اور دعا و التجا۔

مناسک حج: وہ اعمال جو حج میں بجالائے جاتے ہیں۔

مناظرہ: مذہبی بحث و مباحثہ مخالفین سے ۔

منافق: جس کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ دل میں کافر ہو اور ظاہر میں مسلمان

مناقب: اوصاف اہل بیتؑ عظام کی مدح و ثنا۔

منان: بہت احسان کرنے والا، ذات باری تعالیٰ۔

مناہی: خلاف شرع باتیں۔

منبر: زینے کی شکل میں ایک تعمیر جو مسجد کے لیے مخصوص ہے اس کی نقل لکڑی کی بنائی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر امام باڑوں میں رکھا جاتا ہے اور ذاکر یا واعظ اس پر بیٹھ کر ذکر اہل بیتؑ یا موعظہ کرتا ہے۔ ایران و عراق میں درس خارج میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

منتظر: جس کا انتظار ہو۔امام مہدی آخر الزماں۔

منسوخ: وہ آیات جن کا حکم کسی حکم مابعد سے برطرف کردیا گیا۔

منصوص من اللہ: رہنمائے دین جسے اللہ نے مقرر کیا ہو۔

منقبت: مدح اہل بیتؑ۔

منقول: کتابی امور۔

منکر: بے دین، لامذہب، کوئی بات نہ ماننے والا۔

منکر نکیر: دو فرشتے جو قبر میں مردے سے سوالات کرتے ہیں۔

منکوحہ: وہ عورت جس سے نکاح کیا جائے۔ بیوی۔

موجودات: مخلوق، وہ کل چیزیں جو خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں۔

موذن: اذان دینے والا۔

موسیٰ: اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ صاحب کتاب توریت ہیں۔ طور پر خدا سے باتیں کرتے تھے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے سینکڑوں بچے پیدا ہوتے ہی ان کے شبہ میں قتل کرادیے اور یہ فرعون ہی کے گھر پلے اور دریائے نیل میں ڈبو کر اس کا خاتمہ کیا۔ ان کے معجزے ید بیضا، عصا اور من وسلویٰ کا نزول ہیں۔

موضوع: جس سے مسئلہ اور حکم کا تعلق ہو۔

مولا: امیر المومنین حضرت علیؑ کا لقب۔

مولود کعبہ: امیر المومنین خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔

مومن: صاحب ایمان، اصول دین و فروع کا مقر و معتقد۔

مومن آل فرعون: قوم فرعون میں ایک شخص جس نے مذہب حق اختیار کرلیا تھا۔

مہدی: حضرت صاحب العصر و الزماں بارہویں امام جن کا ظہور قرب قیامت میں بحکم خدا ہوگا۔

مہر: وہ رقم جو طرفین دولہا دلھن کی رضامندی

پر وقت عقد معین ہو۔

مہر معجل: وہ مہر جو نکاح کے ساتھ خلوت سے پہلے ادا کیا جائے۔

مہر موجل: وہ مہر جو کسی اور وقت ادا کیا جائے۔

مہر نبوت: رسالت مآب کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان ایک قدرتی نشان تھا۔

مہرہ نماز: خاک شفا کی ٹکیہ جو ہم نماز میں سجدے کی جگہ رکھتے ہیں۔سجدہ گاہ۔

میر باقر داماد: ایک عظیم الرتبت عالم دین جو بڑے فلسفی اور متکلم تھے۔

میزان: بروزمحشر وہ ذریعہ جس سے اعمال کی جانچ ہوگی۔

میسرہ: لشکر کا بایاں بازو۔

میکائیل: وہ ملک مقرب جو فرشتہ رزق مشہور ہے۔

میلاد: ولادت رسالتمآب یا وہ بزم جو حضرت کے تذکرہ کی غرض سے قائم ہو۔

میمنہ: لشکر کا دایاں بازو۔

مینو: بہشت، فردوس، جنت

ن

ناجی: نجات پانے والا۔

ناری: دوزخی

ناسخ: وہ حکم قرآنی جو کسی گذشتہ حکم کو منسوخ کردے۔

نامحرم: وہ عورتیں اور مرد جن پر آپس میں ازروئے شرع پردہ لازم ہے اور جن میں نکاح جائز ہے۔

نان ونفقہ: عموماً بیوی کا اور عیال کا وہ خرچ جو مرد کے ذمہ ہوتا ہے۔

نجاسات: نجس اشیاء بول دیراز، خون، شراب، کتا، سؤر وغیرہ۔تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوگی۔

نجف اشرف: وہ شہر جہاں امیر المومنین کا روضۂ مبارک ہے۔

نجی اللہ: حضرت نوحؑ کا خطاب

نحر: اونٹ کو ذبح کرنے کے بجائے نحر کیا جاتا ہے۔یعنی اس کو باندھ کر کھڑا کرتے ہیں اور بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر اس کے سینہ پر نیزہ مارتے ہیں۔

نذر: کسی عبادت کو اپنے لیے لازم کرلینا۔

نذر و نیاز: کھانا، شیرینی، میوہ، شربت وغیرہ بزرگان دین میں سے کسی کے نام مخصوص ومنسوب کرکے غربا کو کھلانا

پلانا۔

نرجس خاتون: حضرت صاحب العصرؑ کی والدہ ماجدہ، آپ قیصر روم کی پوتی تھیں۔

نزع: جسم سے روح جدا ہوتے وقت کی کیفیت۔

نزہتہ اثنا عشریہ: شہید رابعؒ کی تصنیف مناظرہ کی کتاب جو تحفہ اثناعشریہ کے جواب میں لکھی گئی۔

نشور: وہ دن جب مردے قبروں سے حساب وکتاب کے لیے اٹھائے جائیں گے۔

نص: کسی امر کے لیے جو بالکل صاف و صریح حکم ہو۔

نصرانی: عیسائی

نصف النہار: دوپہر، وہ لمحہ جس کے بعد زوال آفتاب ہوتا ہے۔

نصیری: امیر المومنینؑ حضرت علی ابن ابی طالب کو خدا ماننے والا فرقہ۔

نعت: مدح رسالتمآبؐ بہ صورت نظم

نفس اللہ: جناب امیر المومنینؑ کو کہا جاتا ہے

نفس الرسولؐ: یہ بھی جناب امیرؑ کو کہا جاتا ہے قرآن کی آیۂ مباہلہ میں آپ کو نفس رسول قرار دیا گیا ہے۔

نفس مطمئنہ: امام حسینؑ۔

نفوس قدسیہ: انبیاء وائمۂ اطہار۔

نکیرین: منکرونکیر دو فرشتے جو قبر میں سوال وجواب کے لیے آتے ہیں۔

نماز: عبادت پنجگانہ بطریق معینہ

نماز استسقا: طلب باران کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

نماز آیات: سورج گہن، چاند، گہن زلزلہ وغیرہ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

نماز پنجگانہ: فجر، علی الصباح۔ قبل طلوع آفتاب۔

ظہر: بعد زوال

عصر: بعد ظہر

مغرب: بعد غروب آفتاب۔

عشا: بعد مغرب

نماز تحیۂ مسجد: مسجد میں پہنچ کر پڑھی جاتی ہے

نماز جعفر طیار: طلب حاجت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کی اور بھی خصوصیات ہیں۔

نماز جماعت: ایک سے زائد آدمی جن میں ایک امام بقیہ ماموم ہوتے ہیں۔

نماز جمعہ: جمعہ کے دن پڑھی جاتی ہے غیب

امام میں اکثر علماء کے نزدیک واجب تخئیری ہے۔ یعنی ظہر اور جمعہ کے درمیان اختیار ہے۔

نماز حاجت: کسی حاجت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

نماز خوف: حالت خوف میں رکعات کی مقررہ کمی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور اس کی جماعت کی ترکیب بھی شرع میں خاص ہے۔

نماز شکر: دو رکعت نماز ادائے شکر کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

نماز شفع: دو رکعت نماز ہے جو نافلہ شب کے ذیل میں پڑھی جاتی ہے۔

نماز عہد: جو عہد کرنے پر واجب ہو جاتی ہے

نماز غفیلہ: ایک خاص سنتی نماز ہے جو بعد نماز عشا پڑھی جاتی ہے۔

نماز فرادیٰ: تنہا بغیر امام و جماعت

نماز قصر: دیکھو باب ق

نماز قسم: جو قسم کھانے پر واجب ہو جاتی ہے۔

نماز میت: جنازے پر پڑھی جاتی ہے

نماز نافلہ: سنتی نماز

نماز نذر: جو نذر مان لینے پر واجب ہو جاتی ہے۔

نماز وتر: یہ ایک رکعت نماز ہے جو نافلہ شب کے ذیل میں پڑھی جاتی ہے۔

نماز وتیرہ: نافلہ عشا جو بیٹھ کر دو رکعت ہے

نماز ہدیہ میت: میت کے لیے دفن کے بعد جو پہلی رات آئے اس میں مغرب اور عشا کے درمیا پڑھی جاتی ہے۔

نمرود: ایک بادشاہ جس نے دعویٰ خدائی کیا تھا عہد حضرت ابراہیم میں۔

نوحہ: واقعۂ کربلا کے متعلق ایک قسم کی نظم جو ماتم کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

نوروز: ۲۱/ مارچ جس دن آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے اور شمسی حساب سے نئے سال کی ابتدا ہوتی ہے اس دن کی بہت خصوصیات ہیں شیعوں کے لیے یہ خصوصیت ہے کہ اس دن امیر المومنین مسند خلافت ظاہری پر جلوہ افروز ہوئے ہیں۔

نہج البلاغہ: خطبات امیر المومنین کا مجموعہ جو سید رضی نے یکجا کیے ہیں۔

نہر لبن: جنت میں دودھ کی ایک نہر۔

نہی عن المنکر: خلاف شرع امور سے روکنا۔

نینوا: کربلا کا دوسرا نام۔

و

واجب الوجود: ذات باری تعالیٰ۔

واجب تمیزی: دوامور واجبہ میں سے ایک کا بجالانا

واجب رُکنی: نماز کے وہ ارکان جن کے عمداً یا سہواً ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں تکبیرۃ الاحرام رکوع قیام دونوں سجدے۔

واجب عینی: وہ امر جو ہر مکلّف پر بذات خود واجب ہو۔

واجب غیر رُکنی: ایسے واجب افعال نماز جو واجب رُکنی کے علاوہ ہیں جن کا عمداً ترک نماز کو باطل کردیتا ہے۔ سہواً ترک ہو جائیں تو باطل نہیں ہوتی۔

واجب کفائی: وہ امر واجب جو ایک کے بجالانے پر دوسروں سے ساقط ہو جائے جیسے نماز میت۔

وادیٔ ایمن: کوہ طور کی وادی۔

وادیٔ برہوت: عرب میں حضرت موت کے قریب ایک میدان جہاں بتایا گیا ہے کہ ارواح کفار کا قیام ہے

وادیٔ عقبہ: پہاڑ کی ایک گھاٹی جہاں اعلان غدیر خم کے بعد مدینہ جاتے ہوئے کچھ نقاب پوش افراد نے رسول اللہ کے اونٹ کو بھڑکانے اور حضرت کو گرا کر شہید کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

واقعہ قرطاس: رسالتمآبؐ نے رحلت سے کچھ روز قبل بحالت مرض کچھ لکھوانے کے لیے دوات وقلم طلب فرمائی تھی۔ تاکہ ملت آپ کے بعد گمراہ نہ ہو۔ لیکن صحابہ میں اختلاف ہوا اس پر بحث ہونے لگی کہ اس حکم کی تعمیل کی جائے یا نہ کی جائے آپ نے برہم ہوکر سب کو اپنے پاس سے اٹھادیا۔ یہ واقعہ قرطاس کہلاتا ہے اس حکم کی آخر تعمیل نہ ہوئی۔ پورا واقعہ تاریخ میں دیکھو۔

واللہ: خدا کی قسم کے معنی میں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب: خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔

وصی: نائب رسولؐ

وضو: بقاعدہ معینہ نیت کے ساتھ منہ اور دونوں ہاتھوں کو دھونا اور سر اور پاؤں کا مسح کرنا۔

وہب کلبی: مشہور یہ ہے کہ ایک نوجوان

عیسائی تھا۔ امام حسینؑ نے اس کو بھی رستے میں دعوت شہادت دی اور اس نے حضرت کی نصرت کرکے درجہ شہادت حاصل کیا۔ اس کی شادی کو دو ہفتہ ہوئے تھے ماں اور بیوی ساتھ تھیں دونوں اس جان نثاری سے متعلق رہیں۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نام کا کوئی انصار سیدالشہداء میں نہ تھا۔ بلکہ عبداللہ بن عمر کلبی کی بیوی کی کنیت ''ام وہب'' تھی اور عبداللہ انصار امام حسینؑ میں تھے انہیں کو بعض لوگوں نے وہب کہہ دیا ہے۔ ان کا عیسائی ہونا بھی درست نہیں ہے۔

ہ

ہابیل: حضرت آدمؑ کے وہ صاحبزادے جو ان کے بھائی قابیل کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

ہاجرہ: حضرت اسمٰعیل کی والدہ ماجدہ حضرت ابراہیم کی شریک حیات۔

ہادی: ہدایت کرنے والا۔

ہارون: حضرت موسیٰ کے بھائی اور وصی

ہاشم: رسالتمآبؐ کے پردادا کا اسم گرامی (تاریخ میں ان کے صفات و خصوصیات دیکھو)

ہبل: خانہ کعبہ میں سب سے بڑا بُت اسی نام کا تھا۔

ہجرت: رسالتمآبؐ کا بحکم خدا پوشیدہ طور پر مکہ سے مدینہ تشریف لے جانا۔

ہجرت حبشہ: اسلام میں سب سے پہلی ہجرت، مشرکین مکہ کے مظالم کی وجہ سے رسالت مآب نے کچھ مسلمانوں کو حضرت جعفر طیار کی سرکردگی میں حبش (ابی سینیا) بھیج دیا تھا۔

ہدیہ: تحفہ

ہُدہُد: وہ پرندہ جس نے حضرت سلیمانؑ کو ملک سبا اور بلقیس کے وجود سے اطلاع دی تھا۔

ہل اتیٰ: اہل بیت کی شان میں نازل ہوا۔ اس کا ایک واقعہ بہت مشہور ومعروف ہے۔

ہل من ناصر ینصرنا: یہ استغاثہ ہے جو امام حسین علیہ السلام نے اتمام حجت کے لیے روز عاشور بوقت عصر بلند کیا تھا۔

ہندہ: یزید کی ایک بی بی جو محب اہلبیت تھی (بنا بر روایت)

ہودؑ: ایک پیغمبر کا اسم گرامی۔

ی

یا: ''اے'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یا اللہ، یاعلیؑ وغیرہ

یا لیتنی معکم فافور فوزاً عظیما: یہ جملہ شہدائے کربلا کو مخاطب کر کے زبان پر جاری کیا جاتا ہے ترجمہ (اے کاش ہم تمہارے ساتھ ہوتے اور اجرِ عظیم حاصل کرتے)

یٰسین: سورۂ یٰسین میں خدا نے رسالت مآبؐ کو اس خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ یہ بڑا مشہور ومعروف سورہ ہے۔ آخر وقت میں بیمار کو سنایا جاتا ہے۔

تیمان مسلم: وہ صاحبزادے جو روایت کی بنا پر حضرت مسلم کے ہمراہ کوفہ گئے تھے۔ اور آپ کی شہادت کے بعد زندان کوفہ میں عرصہ تک قید رہے۔ زندان سے نکل کر پھر گرفتار ہوئے اور شہید کیے گئے۔

یثرب: مدینہ کا پہلا نام۔

یحیٰؑ: یہ وہ پیغمبر ہیں جن کو درجۂ شہادت ملا۔ آپ خوف خدا سے بہت روتے تھے آپ حضرت ذکریا پیغمبر کے فرزند ہیں۔

یداللہ: امیر المومنین کا لقب

یعقوبؑ: ایک پیغمبر جن کا گریہ مشہور ہے۔ اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کے فراق میں روتے روتے آنکھیں سفید ہوگئیں۔ (تاریخ میں تفصیل ہے)

یمن: عرب میں ایک ملک جس کو امیر المومنین نے اپنی سراپا ایمان تقریر وسیرت سے فتح کیا تھا۔ اور آپ کا انداز عبادت و خطبہ سن کر پورا قبیلہ ہمدان ایمان لایا تھا۔

یوسف: حضرت یعقوبؑ کے فرزند وہ پیغمبر جو حسین ترین انسان تھے جو کنوئیں میں ڈالے گئے غلام بنا کر بیچے گئے، مصر میں الزام لگا۔ قید ہوئے۔ مصر کے بادشاہ ہوئے۔ قرآن میں تذکرہ ہے۔ (تاریخ میں تفصیل ہے)۔

یوم الست: وہ دن جب خداوند عالم نے ارواح سے عہدو پیمان لیا ہے۔

یونسؑ: ایک پیغمبر جو کچھ عرصہ تک مچھلی کے شکم میں رہے ہیں۔ (تفصیل تاریخ میں ہے۔ اور قرآن میں بھی ذکر ہے)۔

یہودی: حضرت موسیٰؑ کی امت۔

تمت بالخیر

کتابیات

رسائل، مقالات، خطوط

اور

مصاحبے

☆

کتابیں:

۱۔ انجم — مجلّہ بیادِ شاعرِ اہل بیتؑ ۔ جناب باقر زیدی ۔ بزمِ نجم آفندی ۔ فروری ۱۹۷۷ء
۲۔ نجم آفندی ۔ فکروفن ۔ جناب سید نواز حسن زیدی ۔ الحسن پبلی کیشنز ۔ لاہور، ۲۰۰۰ء
۳۔ نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینہ میں ۔ مرتبہ جناب جلیس ترمذی
۴۔ تجمل حسین نجم آفندی ۔ تذکرہ معاصرین جلد ۳ ۔ جناب مالک رام
۵۔ دربار دُربار ۔ جناب صدق جائسی
۶۔ علامہ نجم آفندی کی شخصیت اور فن — ڈاکٹر ریاض فاطمہ تشہیر
۷۔ اردو سلام نگاری کا تاریخی اور فکری جائزہ ۔ ڈاکٹر سید عباس رضا، ۲۰۰۴ء

رسائل:

ان رسائل میں نجم آفندی کی حیات، فن اور کلام پر تحریریں موجود ہیں۔

(بشکریہ نجم آفندی فکروفن)

۱۔ آج کل — فروری ۱۹۵۳ء دہلی
۲۔ سرفراز — مئی ۔ نومبر ۱۹۵۹ء
۳۔ رضا کار — ۱۹۶۰ء ۔ لاہور (اربعین نمبر)

۴۔ رضا کار — جنوری ۱۹۶۲ء۔ لاہور

۵۔ نظارہ — جون ۱۹۶۳ء۔ لکھنؤ

۶۔ ساقی — جوش نمبر۔ ۱۹۶۳ء۔ کراچی

۷۔ رضا کار — سیدالشہدا نمبر۔ ۱۹۶۳ء۔ لاہور

۸۔ نگار — اکتوبر ۱۹۶۷ء (اصناف شاعری نمبر)

۹۔ نظارہ — مارچ ۱۹۷۰ء۔ لکھنؤ

۱۰۔ پیام عمل — اکتوبر ۱۹۷۱ء۔ لاہور

۱۱۔ پیام عمل — فروری ۱۹۷۲ء۔ لاہور

۱۲۔ اسد — جنوری ۱۹۷۶ء۔ لاہور

۱۳۔ رضا کار — جنوری ۱۹۷۶ء۔ لاہور

۱۴۔ پیام عمل — جنوری، فروری ۱۹۷۶ء۔ لاہور

۱۵۔ انجم — ۱۹۷۷ء۔ کراچی

۱۶۔ خیر العمل — جنوری ۱۹۸۰ء۔ لاہور

۱۷۔ خیر العمل — مارچ ۱۹۸۰ء۔ لاہور

۱۸۔ پیام عمل دسمبر (۱۹۸۰ء۔ لاہور

اس کے علاوہ آگرہ کے تاج، شاعر، ہمالہ، لکھنؤ کے سرفراز، تنظیم، کانپور کے زمانہ، الٰہ آباد کے نئی روشنی لاہور کے عالمگیر، شاہکار، مخزن، زمیندار، الصباح، کسان اور سیاست میں شائع ہوتے رہے۔

مقالات، مضامین، تاثرات، تقریظات، پیغامات تعزیت

۱۔ ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی۔ مرزا جعفر علی فصیح۔ پیام عمل۔ لاہور۔ فروری ۱۹۷۲ء صفحہ (۱۹۸)

۲۔ جناب قدر عریضی — تعارف مصنف اَسرار و افکار۔ حیدر آباد۔ ۱۹۷۱ء
۳۔ جناب نجم آفندی — جب آتش جوان تھا۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء
۴۔ جناب نجم آفندی — خودنوشت سوانح حیات مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء
۵۔ جناب احتشام حسین — مقدمہ معراج فکر۔ مرثیہ۔ سرفراز پریس۔ ۱۹۶۰ء
۶۔ جناب وحید الحسن ہاشمی — فن نوحہ نگاری۔ نظارہ لکھنؤ۔ نومبر۔ ۱۹۵۹ء
۷۔ محترمہ پروین شاکر — نجم آفندی کی نوحہ نگاری۔ مجلّہ انجم کراچی۔ ۱۹۷۷ء
۸۔ جناب ڈاکٹر تقام حسین — تبصرہ تشریح مرثیہ فتح مبین۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء
۹۔ جناب خلش پیر اصحابی — نجم آفندی کی قومی شاعری
۱۰۔ جناب سید ضمیر اختر نقوی — علامہ نجم آفندی حیات اور شاعری۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء
۱۱۔ جناب راحت حسین ناصری — نجم آفندی کا اسلوب شاعری۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء
۱۲۔ جناب سید ہاشم رضا — نجم آفندی اور پاکستان۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء
۱۳۔ جناب سید ضیاء الحسن سولوی — نجم آفندی ایک مطالعہ۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء
۱۴۔ جناب ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی — انیسویں صدی کا نسبتاً کم معروف مرثیہ گو۔ پیام عمل۔ لاہور اکتوبر ۱۹۷۱ء
۱۵۔ جناب وزیر الحسن عابدی — نجم آفندی انتقال کر گئے۔ پیام عمل لاہور، فروری ۱۹۷۶ء
۱۶۔ جناب معز الدین قادری — نجم آفندی کی شخصیت۔ تقریظ اَسرار و افکار۔ حیدر آباد ۱۹۷۱ء
۱۷۔ جناب قیصر بارہوی — سید نجم آفندی انتقال کر گئے۔ پیام عمل لاہور۔ ۱۹۷۷ء
۱۸۔ جناب علامہ طالب جوہری — پیغام تعزیت۔ مجلّہ انجم کراچی ۱۹۷۷ء
۱۹۔ جناب مالک رام — پیغام تعزیت۔ مجلّہ انجم۔ کراچی ۱۹۷۷ء

۲۰۔ جناب مظفر حیدری۔۔۔ نجم آفندی انتقال کر گئے ۔ پیام عمل ۔لاہور ۱۹۷۷ء

۲۱۔ محترمہ ثمین فاطمہ۔۔۔ دیباچہ لہو قطرہ قطرہ ۔۱۹۷۸ء

۲۲۔ نجم آفندی۔۔۔ سربکف ۔کراچی ۔۱۹۷۸ء

۲۳۔ جناب محمد احسن فاروقی ۔ڈاکٹر نجم آفندی کی نثر نگاری ۔مجلّہ انجم ۱۹۷۷ء

۲۴۔ پیغام تعزیت۔۔۔ جناب سہیل آفندی ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۲۵۔ پیغام تعزیت۔۔۔ جناب جوش ملیح آبادی ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۲۶۔ پیغام تعزیت۔۔۔ علامہ ابن حسن نجفی مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۲۷۔ پیغام تعزیت۔۔۔ جناب ابراہیم جلیس ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۲۸۔ پیغام تعزیت۔۔۔ علامہ عباس حیدر عابدی ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۲۹۔ جناب باقر حسن زیدی۔۔۔ پیش لفظ ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۰۔ جناب سید محمد امیر امام حُر ۔۔۔ نجم آفندی کی ہندی شاعری ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۱۔ جناب اختر انصاری اکبر آبادی ۔۔۔ آسمان شعر و ادب کے نجم ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۲۔ ڈاکٹر شیخ انصار حسین ۔۔۔ نجم آفندی کا تابندہ کلام ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۳۔ جناب افضال حسین نقوی۔۔۔ جدید نوحے کا موجد ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۴۔ پروفیسر کمال ہمدانی۔۔۔ نجم آفندی کے نوحے ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۵۔ ڈاکٹر سید علی مؤمن۔۔۔ شاعرِ اہل بیت اور ان کے پیغامات ۔مجلّہ انجم ۔ کراچی ۱۹۷۷ء

۳۶۔ جناب شمشاد حسین رضوی۔۔۔ نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینے میں ۔ مجلّہ انجم ۔کراچی ۱۹۷۷ء

۳۷۔ تاثرات۔۔۔ آغا مہدی لکھنوی ۔مجلّہ انجم ۔کراچی ۔ ۱۹۷۷ء

۳۸۔ تاثرات — جناب سید مرتضیٰ حسین لکھنوی۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء

۳۹۔ تاثرات — جناب سید سبط حسن۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء

۴۰۔ تاثرات — جناب سخن فتح پوری۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء

۴۱۔ تاثرات — جناب صبا اکبر آبادی۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء

۴۲۔ تاثرات — جناب سید فیاض علی۔ مجلّہ انجم۔ کراچی۔ ۱۹۷۷ء

۴۳۔ غیر مطبوعہ مقالہ ''نجم آفندی بحیثیت شاعر، ڈاکٹر رضیہ فاطمہ تشہیر، ۴۰۰ صفحات، ۱۹۸۸ء

خطوط

۱۔ نجم آفندی بنام خلش پیر اصحابی (مطبوعہ)۔ ماہنامہ تنظیم الاسلام۔ لاہور۔ مارچ ۱۹۷۷ء صفحہ ۴۴، ۴۹

۲۔ نجم آفندی بنام خلش پیر اصحابی (غیر مطبوعہ) محررہ ۲ر جنوری ۱۹۶۹ء

۳۔ باقر زیدی بنام سید نواز حسن زیدی مصنف۔ نجم آفندی فکر و فن۔ ۲۰ مارچ ۱۹۹۴ء (غیر مطبوعہ)

۴۔ باقر زیدی بنام سید نواز حسن زیدی مصنف نجم آفندی۔ فکر و فن۔ ۲۶ مارچ ۱۹۹۴ء (غیر مطبوعہ)

۵۔ نسیم امروہوی۔ مکتوب بنام ہلال نقوی (مطبوعہ) بیسوی صدی اور جدید مرثیہ۔ کراچی محمدی ٹرسٹ ۱۹۹۴ء

۶۔ نیساں اکبر آبادی بنام سید نواز حسن زیدی محررہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۴ء

۷۔ نجم آفندی بنام محمد صدیق ایڈیٹر رضا کار لاہور، ۲۶ فروری ۱۹۶۰ء

مصاحبے

(مصاحبے جو جناب سیّدنواز حسن زیدی نے اپنے مقالہ کے دوران کیے)

۱۔ جناب سیّدوحیدالحسن ہاشمی کا مصاحبہ — ۱۴/اگست ۱۹۹۴ء

۲۔ سیّدشبیہالحسن ہاشمی کا مصاحبہ — ۶/ستمبر ۱۹۹۴ء

۳۔ جناب سیّدضمیراختر نقوی کا مصاحبہ — ۷/اکتوبر ۱۹۹۴ء

۴۔ جناب اسیر فیض آبادی کا مصاحبہ — اگست ۱۹۹۴ء

۵۔ جناب انوارظہوری کا مصاحبہ — جنوری ۱۹۹۴ء

۶۔ جناب قیصر بارہوی کا مصاحبہ — مئی ۱۹۹۴ء

۷۔ جناب محمد صدیق ایڈیٹر رضا کار کا مصاحبہ — جون ۱۹۹۴ء

۸۔ جناب میر رضی میر کا مصاحبہ — ۱۹۹۵ء